بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (فصلت ۳۰)

بیشک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں

جہانِ امامِ ربانی

قدس سرہ

مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اقلیم نہم

زیرِ سرپرستی : پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبین

صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی
محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملئكة (فصلت ۳۰)

بیشک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں

جہانِ امامِ ربّانی

کی عظمت

مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم نہم

زیرِ سرپرستی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرثانی
محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

(جملہ حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام .... جہان امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مرتبین .... صاحب زادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظر ثانی .... محمد عالم مختار حق

اقلیم .... نہم

تصحیح .... محمد عبدالستار طاہر مسعودی، ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

حروف ساز............ سید شعیب افتخار مسعودی، قاری محمد شریف کمبوہ

طابع .... مولانا جاوید اقبال مظہری

مطبع .... برکت پریس، کراچی

طباعت ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

اشاعت .... اول (بارہ سو)

ناشر .... امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

ہدیہ ....

ناشر

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

فلیٹ نمبر اے-۵، پلاٹ نمبر سی-۷، اسٹیڈیم لین نمبر ا، فیز 7، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، فون ۰۱۲_۵۸۴۰۳۹۵

(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

ملنے کے پتے

- ☆ ادارۂ مسعودیہ......۲/۶،۵ـ ای، ناظم آباد، کراچی ـ فون ۰۲۱_۶۶۱۴۷۴۷
- ☆ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز......ضیاء منزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم ـ اے ـ جناح روڈ، کراچی، فون ۰۲۱-۲۲۱۳۹۷۳
- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز......اُردو بازار، کراچی ـ فون ۰۲۱-۲۶۳۰۴۱۱
- ☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل......پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی ـ فون ۰۲۱_۴۹۲۶۱۱۰
- ☆ المختار پبلی کیشنز......۲۵ـ جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی ـ فون ۰۲۱_۲۷۲۵۱۵۰
- ☆ فرید بک اسٹال......۳۸ـ اُردو بازار، لاہور فون ۰۴۲-۷۲۲۴۸۹۹
- ☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم......کڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

- ☆ Khalifa Muhammad Yahya, Roza Shareef, Sirhind, District Fatehgarh, Pin code-140406. (INDIA) Ph.01763-30144.
- ☆ Dr. Mufti Muhammad Mukarram Ahmad, Nusratul Islam Educational Society, Masjid Fatehpuri, Delhi-6, (INDIA)
- ☆ Mr. Masood Ahmad Ashrafi,Chairman, Global Islamic Mission, 335, Walnut Street # 2, Yonkers New York-10701 (U.S.A)
- ☆ Mr. Munir Hussain Masoodi, 46-Holly Lane Smethwich, West Midlnds B67 7JD. (U.K)
- ☆ Mawlana Muhammad Qamaruddin Rizvi, Maktaba-i-Razvia, 423-Matia Mahal, Jama Masjid Delhi -110006. (INDIA)
Ph. 23264524
- ☆ Abdul Aziz Siddiqui, 20 Chatripura, Main Road, Indoor (M.P) INDIA.

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

انتساب

☆☆

پیکرِ نورانی، عطائے ربانی، رحمت یزدانی، فضل رحمانی، محیطِ عرفانی

حضرت شاہ محمد رکن الدین الوری علیہ الرحمۃ

کے نام

☆......جو ظاہری و باطنی کمالات کے جامع تھے

☆......جنہوں نے تبلیغِ اسلام، احیاءِ سنت، ردّ بدعت میں اہم کردار ادا کیا

☆......جو فقرِ غیور سے آراستہ و پیراستہ تھے

☆......جن کے تصرفات باطنیہ حیران کن تھے

☆......جن کی سیرتِ طیبّہ اتباعِ سنّت سے مزین تھی

☆......جن کے استاد مولانا دیدار علی شاہ علیہ الرحمۃ تھے

☆......جن کے استاد و مرشد فقیہ الہند محمد مسعود شاہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تھے

☆......جن کو دربار خواجہ غریب نواز سے براہ راست اجازت و خلافت حاصل ہوئی

☆......جن کو بیت اللہ کے سائے میں چاروں سلاسل کی اجازت و خلافت حاصل ہوئی

۳۹۹۷

- ☆......جن کو پانچوں واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کا شرف حاصل ہوا
- ☆......جن کو کفار و مشرکین دیکھتے تو فوراً مسلمان ہو جاتے
- ☆......جنہوں نے سیکڑوں غیر مسلموں کو مسلمان کیا
- ☆......جنہوں نے روضہ شریف سرہند کا سنگ بنیاد رکھا اور تعمیر کی نگرانی کی
- ☆......جنہوں نے وصال سے قبل اپنے وصال کا دن، تاریخ اور وقت سب کچھ بتا دیا
- ☆......جن کے صاحبزادے علامہ مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمۃ کے ذریعے پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں علمی و روحانی فیض جاری ہوا
- ☆......جن کا رسالہ ''رکن دین'' ساری دنیا میں جانا پہچانا جاتا ہے

(مرتبین)

☆......☆......☆

الحمد للہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم الله الرحمن الرحيم

جہان امام ربانی

اقلیم نہم

جھکا نہ پیشِ جہاں گیر جس کا اونچا سر
وہ جس کے صدقے دعاؤں کو مل رہا ہے ثمر
(خالدؔ محمود)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اقلیم نہم

☆☆

نعت شریف ...... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۱
مناقب ...... نظام الدین سرہندی، اختر شاہجہانپوری، عبد الحفیظ کاردار ۱۳
ابتدائیہ ...... ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری ۱۹
تاثرات ...... علامہ عبد الحکیم شرف قادری، علامہ یٰسین اختر مصباحی، مولانا شیر محمد خان رضوی، حاجی معراج الدین ۲۳

کشورِ اوّل

شیخ احمد سرہندی (سوانحی خاکہ) ...... ڈاکٹر ظفر الاسلام ۲۹
شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ...... د. جمال الدین الشیال ۳۷
اردو ترجمہ: ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد ۵۱
الجنات الثمانیہ (سوانح مجدد الف ثانی پر ایک نادر عربی مخطوطہ) ...... پروفیسر عبد الباری ۵۹
حضرت مجدد لاہور میں ...... پروفیسر محمد اقبال مجددی ۶۵
لاہور سے امام ربانی کی نسبت ...... ابو السرور محمد مسرور احمد ۷۳

کشورِ دوم

فکرِ مجدد الف ثانی میں خلفاء راشدین کا مقام و مرتبہ — محمد یٰسین مظہر صدیقی — ۸۱

شیخ احمد سرہندی اور اہلِ حکومت میں شریعت کی ترویج — ڈاکٹر ظفر الاسلام — ۹۷

شیخ احمد سرہندی اصلاحی و تجدیدی خدمات کی روشنی میں — محمد شمیم اختر قاسمی — ۱۲۹

کشورِ سوم

مجدد الف ثانی کی عربی نگارشات اور کارِ تجدید میں ان کی اہمیت — جمشید احمد ندوی — ۱۷۵

مجدد الف ثانی کی علم پروری اور علماء نوازی — صاحبزادہ بدر الاسلام صدیقی — ۱۹۳

امام احمد رضا پر حضرت مجدد کے اثرات — پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی — ۲۰۷

خدمتِ خلق اور صوفیائے نقشبند — ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس — ۲۱۷

کشورِ چہارم

حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے ناقدین — شاہ ابوالحسن زید فاروقی — ۲۳۳

شیخ احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق دہلوی — خلیق احمد نظامی — ۴۳۳

۞ ……شیخ عبدالحق دہلوی کے ایک معاصر، مجدد الف ثانی — ڈاکٹر علیم اشرف خاں — ۴۷۱

کشورِ پنجم

۞ ……خاندان مجددیہ اور فارسی ادب — ڈاکٹر ادریس احمد — ۴۷۵
۞ ……خاندان مجددیہ سے قائداعظم کے اجداد کی عقیدت — سید صابر حسین شاہ قادری — ۵۷۴
۞ ……نگارخانہ — ڈاکٹر سید عدنان خورشید مسعودی — ۵۸۷
۞ ……مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم دہم — ۵۹۰

☆……☆……☆

الحسد يأكل الحسنات
كما تأكل النار الحطب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نعتِ رسول مقبول

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

☆☆

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن، اے بہار پھرتے ہیں

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

آہ کل عیش تو کیے ہم نے
آج وہ بے قرار پھرتے ہیں

ہر چراغِ مزار پر، قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں!

جان ہیں، جان کیا نظر آئے!
کیوں عَدو گِردِ غار پھرتے ہیں؟

پھُول کیا دیکھوں، میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں!
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں؟

بائیں رستے نہ جا مُسافر، سُن!
مال ہے، راہ مار پھرتے ہیں

جاگ، سنسان بن ہے، رات آئی
گرگ بہرِ شکار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پُوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کُتّے ہزار پھرتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

خواجہ نظام الدین سرہندی

(م ؁۱۲۰۴ھ …… ؁۱۲۷۳ھ)

☆☆

ای شہنشاہ ھدیٰ محبوب درگاہ احد   مادر گیتی نزادہ مثل تو نیکو ولد
ـــمقبول خاص حضرت حی الصّمد   یک نگاہِ برمن مسکین کہ غمہا شد زحد
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
می کنم ہر لحظہ بردرگاہ تو سوز و فغاں   زآنکہ من دیگرندارم تکیہ جز تو درجہان
آمدم بر آستانت گریہ و افغان کنان   ھست در دم از تضرع ھائے بیحد کل آن
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
چون توئی قیوم و قطب وغوث رب کبریا   سایل درگاہ تو محروم نہ گردد شہا
از تو یا بد ہرکسی\اقبال صد فر ھما   کن لطف برمن دلخستہ از بہر خدا
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
من نہ دارم حامی و پشت و پناہ جز تو دگر   از حوادث لالہ سا گشتیم بس داغ جگر
غیر درگاہت شہا دیگر ندرام در نظر   بنمایم ورد و جان خویش ھر شام و سحر
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

ہمچو مجنون در غم لیلیٰ زعشقت دربدر　　دربیابانِ جنوں گردیده ام شام و سحر
از تلطف ھائی خود ای بادشاہی بحر و بر　　سوی ایں کلب ضعیف مذنب احقر نگر
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

فرد یزدانی توئی ای شاہ باز ملک وجان　　ظل رحمانی توئی ای کاشف سر نہان
ھست حال من بہ پیشت یک بیک کلی عیان　　دار مارا از بلاہائی جھان اندر امان
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

خلوت در انجمن آمد ز فضل ذوالمنن　　در طریق عالی تو شد سفر اندر وطن
روئی پاکت در شمایل آمده مثل حسن　　ده رہائی تو مرا ای شمع دین از ھرمحن
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

سنت نبوی سراسر از تو آمد در ادا　　عمر تو شد احمدی مانند عمر مصطفیٰ
احمد ثانی توئی اے رہبر ہر دوسرا　　نائب برحق توئی چون از رسول مجتبیٰ
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

ھر زمان دارد نظامیؔ بردرت این التجا　　ده مرادم جملگی ای گوہر کان سخا
حاصلم گردان زلطف خویش کلی مدعا　　مشکلاتم حل نما ای مظہر سر خدا
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

(قلمی عطیہ: پروفیسر امین اللہ علوی شکارپور، سندھ پاکستان)

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

منقبتِ حضرت مجدد الف ثانی

علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری مظہری

☆☆

مرے دل میں محبت ہے مجدد الف ثانی کی
مرا توشہ عقیدت ہے مجدد الف ثانی کی

خوشا قسمت جو یہ سرہند سے پیغام آجائے
نہ گھبرا تجھ پہ شفقت ہے مجدد الف ثانی کی

جہانگیری نہ جس کو کرسکی خم سامنے اپنے
فقط وہ استقامت ہے مجدد الف ثانی کی

نہ بدلے آپ، سارے ملک کی قسمت بدل ڈالی
یہ محکم عزم و ہمت ہے مجدد الف ثانی کی

وہ نکلے جامہء اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ زیب تن کر کے
اِسی دم خم سے ہے عزت مجدد الف ثانی کی

کٹھن حالات میں احیائے دینِ مصطفیٰ کرنا
بڑی سب سے کرامت ہے مجدد الف ثانی کی

جو مکتوبات کو دیکھا تو یوں اہل نظر بولے
یہ نعمت بیش قیمت ہے مجدد الف ثانی کی

سمجھ لے کوئی گر اِن کو تو ہیں یہ مرشدِ کامل
وہ مکتوبات دولت ہے مجدد الف ثانی کی

مقامِ غوث اعظم تو ملا ہے شاہِ جیلاں کو
مگر شامل نیابت ہے مجدد الف ثانی کی

یہ نائب غوثِ اعظم کے، یہ سلطان ولایت ہیں
نرالی شان وشوکت ہے مجدد الف ثانی کی

ڈھلے وہ اتباعِ سنتِ نبوی کے سانچے میں
مبارک خو وخصلت ہے مجدد الف ثانی کی

مرے سرکار کو بدعت سے تھی پیدائشی نفرت
بڑی پُرنور فطرت ہے مجدد الف ثانی کی

۲۰۰۷

رہے مصروف وہ حقانیت کی سربلندی میں
یہی مشہور عادت ہے مجدد الف ثانی کی
کہا مرشد نے ہم تارے تو یہ مہرِ درخشاں ہیں
گماں سے دور رفعت ہے مجدد الف ثانی کی
کسی گمراہ فرقے سے نہیں اُن کا تعلق تھا
جماعت اہلِ سنت ہے مجدد الف ثانی کی
رہے اہلِ نظر بھی اس کے ہیں ادراک سے عاجز
بڑی بے کیف نسبت ہے مجدد الف ثانی کی
حق و باطل میں پھر تفریق مشکل ہوتی جاتی ہے
زمانے کو ضرورت ہے مجدد الف ثانی کی
وہ جس کے روئے انور سے اندھیرے بھاگ نکلے تھے
بسی ہر دل میں صورت ہے مجدد الف ثانی کی
یہی ہیں نقشبندی آسماں کے نیّرِ تاباں
بڑی ہی قدر و قیمت ہے مجدد الف ثانی کی
وہ حق کی سربلندی کے لیے دنیا میں آئے تھے
یہ کتنی پاک سیرت ہے مجدد الف ثانی کی
جن اسرار و معارف سے اُٹھایا آپ نے پردہ
وہی تو خاص قسمت ہے مجدد الف ثانی کی
جدھر دیکھو جہاں میں فیض ہے سرہند کا جاری
ہوئی بارانِ رحمت ہے مجدد الف ثانی کی
قیامت تک پھلا پھولا رہے سرہند کا گلشن
انوکھی ہی یہ منبت ہے مجدد الف ثانی کی
وہ اخترؔ کر گئے ہیں گھر دلوں میں اہلِ ایماں کے
یوں باطن پر حکومت ہے مجدد الف ثانی کی

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نذرانہ عقیدت بحضور امام ربانی مجدد الف ثانی

پروفیسر عبدالحفیظ کاردار قادری نوری
(مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ بھارت)

* *

شمع رہ عرفاں ہیں مجدد الف ثانی
ایماں کے نگہباں، ہیں مجدد الف ثانی

ہیں منبعِ فیضانِ رسول عربی
سرکار کا داماں، ہیں مجدد الف ثانی

جو نقش کف پائے محمد پہ ہیں چلتے
ان سب کا ہی ارماں، ہیں مجدد الف ثانی

ظالم کا ستم ہو یا گناہوں کا اندھیرا
ہر درد کا درماں، ہیں مجدد الف ثانی

جو کام ہمارے لیے مشکل ہیں جہاں میں
تیرے لیے آساں ہیں، مجدد الف ثانی

منگتا تیرے در سے کبھی خالی نہیں جاتے
سب پر تیرے احساں ہیں، مجدد الف ثانی

ہیں شاہ و گدا فیض کے طالب تیرے یکساں
سب پر تیرے احساں ہیں، مجدد الف ثانی

دامن کو تہی کس طرح لے جائیں یہاں سے
ہم آپ کے مہماں ہیں، مجدد الف ثانی

یہ فیض رضاؔ ہے تیری محفل میں ہوں حاضر
عزت کے یہ ساماں ہیں، مجدد الف ثانی

کیوں غم ہو ہمیں باد مخالف کا اے حفیظؔ
کشتی کے نگہباں ہیں، مجدد الف ثانی

* …… * …… *

جانِ اوّل مظہرِ درگاہ شد   جانِ جاں خود مظہرِ اللہ شد
(رومیؒ)

لوائحِ خانقاہِ مظہریہ

۱۹۷۲ء

یعنی

مکتوباتِ مدرسۂ دیر

۱۳۹۲ھ

(مخزونہ خانقاہ اخوند نسیمؒ الموسوم بہ خانقاہ نورمحل، اوچ، دیر)

مرتبہ

ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان

سندھ یونیورسٹی

۵۰۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائیہ

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

اللہ تعالیٰ جس پر کرم فرماتا ہے اس کو مسلسل نوازتا ہے...... الحمدللہ، امام ربانی فاؤنڈیشن (انٹرنیشنل) کراچی پر رب کریم کا خاص کرم ہے...... اس فاؤنڈیشن میں مخلصین کی ایک جماعت ہے جو محض اللہ کے لیے اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ذرا نہیں تھکتی بلکہ روز بروز ان کا حوصلہ بڑھتا ہی جاتا ہے، حوصلوں کی بلندی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب جہان امام ربانی کی اقلیم نہم پیش کی جا رہی ہے جبکہ مزید دو جلدیں ترتیب و تدوین کے آخری مراحل میں ہیں......

''جہان امام ربانی'' کی اقلیم نہم آپ کے پیش نظر ہے اس میں حسب سابق شروع میں نعت شریف، مناقب، ابتدائیہ اور تاثرات کے علاوہ پانچ کشور ہیں...... جن کی فہرست شروع میں دے دی گئی ہے...... نئے قارئین کی آگاہی کے لیے سابقہ آٹھ جلدوں کی تفصیلات پیش کی جاتی ہے......

اس سے قبل پیش کی گئی اقلیم اول میں تقدیم، ابتدائیہ اور افتتاحیہ کے بعد کشور اول میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، مناقب، احادیث مبارکہ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں متقدمین و متاخرین علماء و صوفیہ کے تاثرات اور مثنوی در شان حضرت مجدد شامل ہیں...... کشور دوم میں تصوف...... کشور سوم میں اکابر نقشبندیہ پر مقالات ہیں...... کشور چہارم میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی حیات اور ان کے تاثرات پر مقالات ہیں...... کشور پنجم میں سرہند شریف کا تعارف، حضرت مجدد کے حالات زندگی، آپ کے امتیازات، خانقاہ شریف کا علمی ماحول، آپ کا لباس و حلیہ شریف کے علاوہ نگار خانہ (بعض مقالہ نگاروں کا مختصر تعارف) اور مرقعات شامل ہیں......

اقلیم دوم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشور اول میں ماہ و سال، مکتوبات کی

تخریج احادیث، فقہی خدمات، عربی زبان وادب میں خدمات پر مقالات ہیں...... کشور دوم میں سنت، بدعت، ذکر الٰہی، مسلک امام ربانی اور آپ کے معمولات شامل ہیں...... کشور سوم میں علم لدنی، جذبہ وسلوک، تعلیمات تصوف، تزکیہ نفس، صحو وسکر، علم النفسیات، علم الکائنات پر مقالات ہیں...... کشور چہارم میں ''مجدد الف ثانی'' اور ''منصب قیومیت'' پر مقالات ہیں جبکہ کشور پنجم، عرفان کے مجتہد اعظم، نظریہ وحدۃ الشہود، وحدۃ الوجود، ابن عربی اور امام ربانی کے نظریات کا تقابل اور نگارخانہ ومرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم سوم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشور اول میں تعارف شیخ احمد سرہندی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور)، مجدد نامہ، مقامات مجدد، مقام مجدد، مقامات روحانی کی جھلکیاں، ملی اور دینی خدمات پر مقالات ہیں...... کشور دوم میں اثبات نبوت، حضرت مجدد کی اصلاحی وتجدیدی تحریک، عقیدہ ختم نبوت اور وسیلہ خاتم النبیین (ﷺ) پر مقالات ہیں...... کشور سوم میں امام ربانی کا رسالہ رد روافض، تقلید ائمہ مجتہدین اور رفع سبابہ پر مقالات ہیں...... کشور چہارم میں حضرت مجدد کا طریقہ ایصال ثواب، عقائد ومعمولات، تعلیمات ومسلک، طریقہ نماز وطہارت اور انداز تعلیم وتبلیغ پر مقالات ہیں جبکہ کشور پنجم، علم اور علماء حضرت مجدد کی نظر میں، حضرت مجدد کے تعلیمی افکار، ارشادات، ملفوظات، کرامات امام ربانی اور نگارخانہ ومرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم چہارم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشور اول میں آفتاب شرف، تعارف امام ربانی، حضرت مجدد مطلع تاریخ پر اور اکبر وجہانگیر اور حضرت مجدد کے حوالے سے مقالات ہیں...... کشور دوم میں برصغیر میں حق وباطل کے معرکے اور دوقومی نظریہ پر مقالات ہیں...... کشور سوم میں خاندان مجددیہ کا زریں کردار، سلسلہ مجددیہ کا نقطۂ آغاز، حضرت مجدد اور محمد علی جناح، سرمایہ ملت کا نگہبان اور امام ربانی دانشوروں کی نظر میں شامل ہیں...... کشور چہارم میں سفر آخرت، اشک باری، تاریخ ہائے وصال، سلسلہ مجددیہ کے حضرات قدسیہ، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، سرمایہ ملت کا نگہبان، خواجہ محمد معصوم مقامات آدمیہ کی روشنی میں، خواجہ محمد معصوم اور اورنگ زیب کے تعلقات، مکتوبات معصومیہ اور مکتوبات سیفیہ بادشاہ، شہزادوں اور شہزادی کے نام، خلفاء مجدد الف ثانی، حضرت مجدد اور علماء عصر اور علماء عصر سے اختلاف کا جائزہ شامل ہیں جبکہ کشور پنجم، حالات مرزا مظہر جان جاناں، شاہ غلام علی دہلوی، ملفوظات شاہ غلام علی،

مولانا شیخ خالد کردی اور نگار خانہ و مرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم پنجم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشور اول میں امام ربانی کا تعارف، تصانیف کا تحقیقی جائزہ، مکتوبات کی فہم و تفہیم اور حضرات مجددیہ، مکتوبات کا تحقیقی جائزہ، مکتوبات کا عربی ترجمہ، مقدمہ شرح مکتوبات، مکتوبات کا ایک مترجم قاضی عالم الدین نقشبندی شامل ہیں...... کشور دوم میں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کا جائزہ، سلسلہ مجددیہ کا ایک ترک مصنف، مارکسی مؤرخین، حضرت مجدد کے دفاع میں لکھی گئی کتب اور اقوال پر مبنی کتب پر مقالات شامل ہیں...... کشور سوم میں افکار مجدد کا ایک مأخذ، حضرت مجدد مغرب میں اور دو عربی کتب ''الاجابة الربانیه'' اور ''الاشارات السنیه'' کا تعارف شامل ہیں...... کشور چہارم میں حضرت مجدد اور امام احمد رضا، امام احمد رضا اور حضرات نقشبندیہ، امام ربانی اور امام اہل سنت، حضرت مجدد اور ڈاکٹر اقبال، فلسفہء اقبال پر اثرات مجدد اور تصانیف اقبال میں ذکر مجدد شامل ہیں جبکہ کشور پنجم، حضرت مجدد اور غوث اعظم اور حضرت مجدد اور امام اعظم کے حوالے سے مقالات کے علاوہ نگار خانہ و مرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم ششم میں نعت شریف، مناقب، ابتدائیہ اور تاثرات کے بعد کشور اول میں تعارف حضرت مجدد الف ثانی، دنیائے عرب کے نقشبندی مشائخ و علماء، تیرہویں صدی کے عرب مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، متحدہ امریکہ، ترکی اور کردستان کے مشائخ نقشبندیہ اور حافظ عمر ضیاء الدین داغستانی و شیخ محمد معصوم ضیائے نقشبندی کے حالات ہیں...... کشور دوم میں افغانستان میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور افغانستان کے مشائخ نقشبندیہ، شاہان کابل و افغانستان سرہند میں، دہلی کے مشائخ نقشبندیہ، مولانا غلام محی الدین گھوسوی اور مولانا شاہ آل محی الدین ہادی کے حالات ہیں...... کشور سوم میں سندھ کے اولیاء و صوفیائے نقشبندیہ مجددیہ کا ذکر ہے...... کشور چہارم میں بلوچستان، پنجاب اور کشمیر کے مشائخ کے تذکروں کے ساتھ ساتھ مولانا محمد حسین پسروری کے حالات بھی شامل ہیں...... کشور پنجم میں سرحد کے صوفیائے نقشبندیہ مجددیہ، خانقاہ نقشبندیہ موسیٰ زئی، حضرت زندہ پیر گھمکول شریف پر مقالات کے علاوہ نگار خانہ، آئینہ ء جمال، کتابیات اور مناجات پیش کیے گئے تھے......

اقلیم ہفتم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشور اول میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حالات، خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات و واقعات، تصوف کی ضرورت و اہمیت،

تبلیغ دین اور اشاعت تصوف میں خواجہ بہاء الدین نقشبند کا کردار اور ان کے ارشادات وکرامات کا ذکر ہے۔ کشور دوم میں خواجہ باقی باللہ، تعارف امام ربانی، امام ربانی اور فیضان کمالات نبوت ہیں کشور سوم میں تفسیر مظہری اور تفسیر روح البیان میں معارف واذکار امام ربانی کے حوالے سے مقالات ہیں۔۔ کشور چہارم میں تخریج احادیث درمکتوبات (فارسی)، تخریج احادیثِ مکتوبات، جبکہ کشور پنجم، حضرت مجدد اور ترویج شریعت، شریعت طریقت حقیقت حضرت مجدد کی نظر میں، امام ربانی اور تنفیذ شریعت اور مرقعات ومختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم ہشتم پر مشتمل ہیں......

اقلیم ہشتم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشور اول میں امام ربانی مجدد الف ثانی (حالات)، حضرت مجدد بحیثیت فقیہ اسلام، مسئلہ اشارۂ سبابہ، حضرت مجدد پر اعتراضات اور ان کے جوابات......کشور دوم میں قطعات تاریخ طبع مکتوبات امام ربانی، تاریخ مکتوبات امام ربانی، جواہر مکتوبات مقدسہ، نرمی وآسانی مکتوبات کی روشنی میں، مسلک اہل سنت اور مکتوبات امام ربانی، احمد بن عبدالاحد کے نزدیک عقائد اہل سنت ...کشور سوم میں امام ربانی کا سلسلہ نسب، حضرت مجدد کا شجرہ طریقت قادریہ صابریہ، حضرت مجدد کے سلسلہ ہائے طریقت، حضرت مجدد کے اربعہ سلاسل طریقت اور مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے ماہ وسال......کشور چہارم میں شیخ احمد سرہندی اور مستشرقین، عہد حاضر اور حضرت مجدد پر کام کی رفتار، دور حاضر میں درپیش چیلنجز اور ان کا مقابلہ اور حضرت مجدد اور ذرائع ابلاغ شامل ہیں جبکہ کشور پنجم حضرت مجدد کا کارنامہ، طالبان علم کے لیے مینارۂ نور، حضرت مجدد کا حسن ادب، مجدد الف ثانی کا پیغام، مرقعات اور مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم نہم پر مشتمل ہے۔

اب اقلیم نہم آپ کے پیش نظر ہے اور حسب سابق وہی گذارش کی جاتی ہے کہ دوران مطالعہ جو بھی فروگزاشت نظر سے گذرے تو برائے کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی تصحیح کرلی جائے....

۱۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
۱۶؍جون ۲۰۰۶ء

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تاثرات

☆☆

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

(سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

☆☆

اکبر بادشاہ کے دور کی طرح آج بھی لادینی افکار اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہیں، بلکہ آج ان کا دائرہ پورے عالم اسلام تک پھیلا ہوا ہے، مسلمانوں کے تحفظ کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور یہ کہ وہ اپنا ایمانی تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط سے مضبوط تر کر لیں اور احکام اسلامیہ پر پوری استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہو جائیں، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور تمام مجددین اسلام نے یہی پیغام امت مسلمہ کو دیا تھا اور آج ان بزرگان دین کا یوم منا کر ان کا یہی پیغام عوام وخواص تک پہنچانے کی ضرورت ہے اور یہی ارشاد ربانی ہے ”**ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین**“ کا مطلب ہے۔

علامہ یسین اختر مصباحی

(بانی وصدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی)

☆☆

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی ان اکابر اعاظم روزگار میں سے ہیں جن پر سرزمین ہند کے اہل اسلام کو ناز ہے۔ ان کو اللہ رب العزت نے دینی علم وبصیرت اور جرأت واستقامت کی لازوال دولت سے نوازا تھا۔ انھوں نے اپنے وقت کے علماء وسلاطین اور امراء ہر ایک کو اپنے اخلاص ودردمندی، اپنے عزم وحوصلہ، اپنے اخلاق وکردار اور اپنے جذبۂ احقاق حق سے متاثر کیا۔ یہاں تک کہ وہ

عظمت اسلام کا نشان اور تاریخ دعوت و عزیمت کا درخشاں عنوان بن گئے۔

انھوں نے آرام و راحت پر قید و بند کو ترجیح دی۔ حجرۂ عافیت سے نکل کر فصیل زنداں تک پہنچنے اور کنج قفس کے انتخاب و ترجیح کو اپنا فرض سمجھا اور در و دیوار زنداں کو بھی اپنا اس طرح اسیر بنالیا کہ سیکڑوں قیدی اسلام کے دامنِ رحمت میں آگئے اور کفر و ضلالت کی زنجیریں توڑ کر حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔

اتباع سنت و شریعت کے باب میں حضرت مجدد الف ثانی اپنی مثال آپ تھے۔ کسی بھی اعتقادی و عملی بدعت اور شریعت و سنت سے متصادم کسی بھی فکر و نظریہ کو برداشت کرنے اور کسی طرح کی مداہنت گوارہ کرنے کو انھوں نے کبھی روا نہ سمجھا۔ یہ ان کی دینی زندگی کا ایک نمایاں وصف ہے جو انھیں اپنے اسلاف سے بطور وراثت ملا تھا اور اسے انھوں نے اپنے اخلاف تک پوری دیانت کے ساتھ منتقل کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھا اور ملاحدہ و متصوفہ و مبتدعین کے بہت سے انحراف و ضلالات کا قلع قمع کیا۔

تزکیہ و تصوف کو جزو شریعت و سنت کے طور پر پیش کرنے اور آلائش و آمیزش سے پاک رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ متصوفہ کے اباطیل و خرافات کو یکسر رد کرتے ہوئے تصوف کے حقائق و معارف سے آگاہ ہونے اور صلاحیت و ظرف رکھنے والوں کو آگاہ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ یہی وجہ کہ سلسلہ نقشبندیہ جس سے آپ وابستہ تھے اس کا چہرہ سلسلہ مجددیہ کی شکل میں ابھی تک ہند و پاک و افغان و ترکی تک روشن و منور ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے رسائل و مکتوبات جہاں ایک طرف علم و معلومات اور حقائق و دقائق کے خزانے ہیں وہیں ان سے آپ کے دینی دعوتی و اصلاحی جذبات کی بھی مکمل عکاسی ہوتی ہے۔

مولانا شیر محمد خان رضوی

(دارالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور، راجستھان بھارت)

☆☆

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تابندہ خدمات اور روشن کارناموں کو اجاگر کرنا، آپ کے جذبۂ اتباع رسول کو پیش کرنا اس دور کا اہم تقاضہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی قابل رشک جد و جہد، گم گشتہ راہ افراد کو راہِ راست پر گامزن فرمانے کی بے مثال کاوشیں، علماء و مشائخ کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ ظالم حکمران کے آگے کلمۂ حق کا اظہار فرمانا، فرعون وقت کو جھنجھوڑنا آپ کی سیرت طیبہ کے تابندہ نقوش ہیں۔ مصائب و آلام کا کوہ گراں اٹھانا، مگر راہِ حق سے سرمو انحراف نہ فرمانا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

حاجی معراج الدین مسعودی

(صدر ادارۂ مسعودیہ کراچی)

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۱ھ...... ۱۰۳۴ء) نے جو عظیم انقلاب برپا کیا اس سے سارا عالم بن سنور گیا، آپ کا علمی و روحانی فیض دور و نزدیک پھیلا، آپ نے احیاءِ اسلام کے لیے حکیمانہ انداز میں سخت جدو جہد کی، آپ کی ذات میں استقامت ہی استقامت تھی جس سے عمل میں نکھار، جذبہ میں جہد، ذوق میں فراوانی، امور میں لگن، شوق میں پختگی اور فکر و افکار میں جنون پیدا ہوتا ہے۔

استقامت ہی شاہ شاہاں ہے، لرزندہ جہاں ہے، شمع زماں ہے، یہ طرۂ امتیاز، کلاہ انسانی ہے اور عظمت بشر کی معراج روحانی۔ آپ کی استقامت اور تعلیمات نے نہ صرف اعیان مملکت کو بے حد متاثر کیا بلکہ فیض صحبت سے عوام خواص بن گئے۔

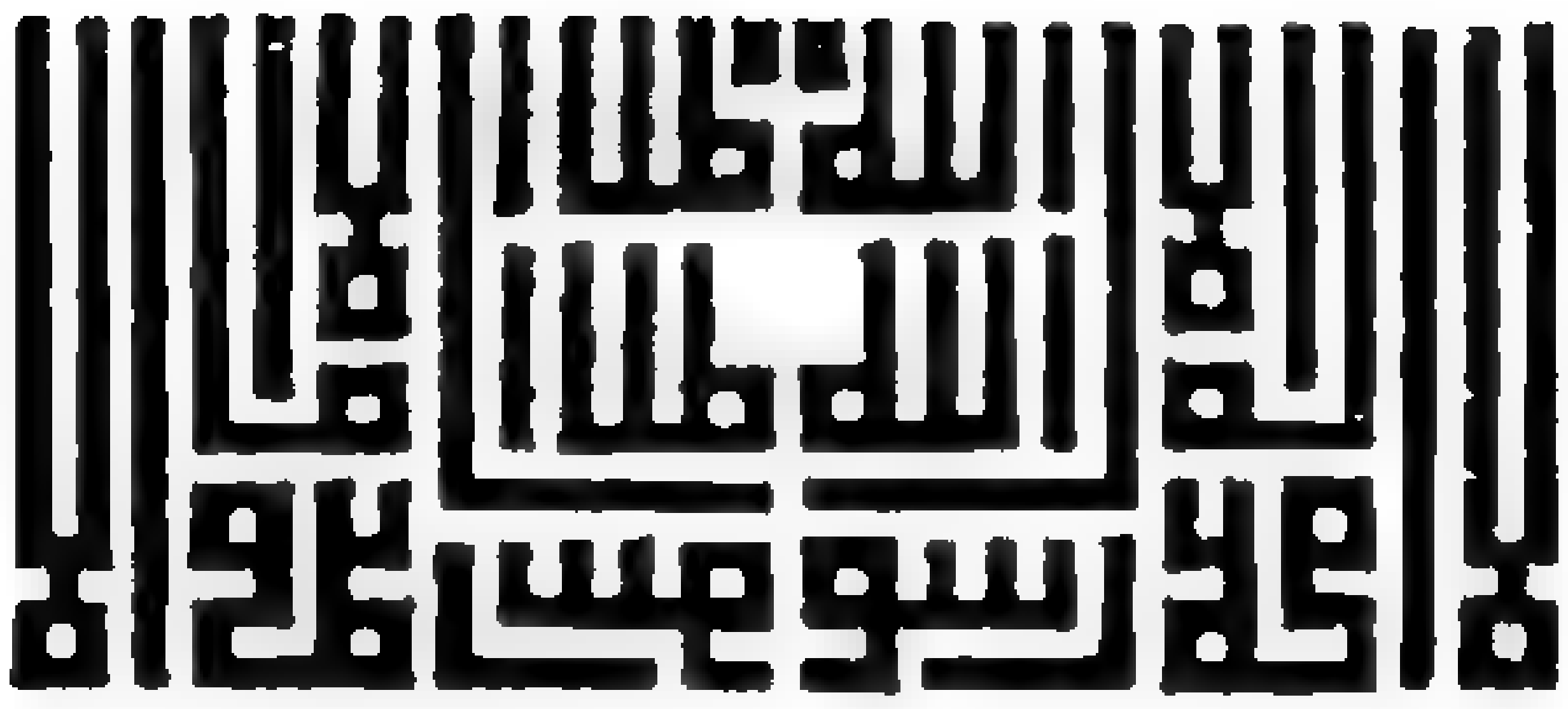

٢٦

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

مقاصد السالکین

تالیف:

رہبر شریعت و طریقت ترجمان حقیقت و معرفت

حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی مجددی قدس سرہ

ترجمہ: محمد بدر الاسلام صدیقی

منار الہدی

٥٠١٨

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشورِ اوّل

وہ جس نے توڑ دیا جہلِ اکبری کا غرور
جہاں میں پھیل گیا دینِ مصطفیٰ کا نور
(خالد محمود)

٢٨

جامع الأصول في الأولياء

وأنواعهم وأوصافهم وأصول كل طريق ومهمات المريد
وشروط الشيخ وكلمات الصوفية واصطلاحهم وأنواع التصوف

ويليه

متممات كتاب جامع الأصول في الأولياء وأنواعهم

تأليف

الشيخ ضياء الدين أحمد بن مصطفى بن عبد الرحمن
الكمشخانوي النقشبندي المجددي الخالدي
المتوفى سنة ١٣١١هـ

تحقيق وتعليق

أحمد فريد المزيدي

منشورات
محمد علي بيضون
لنشر كتب السنة والجماعة
دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

٥٠٢٠

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

شیخ احمد سرہندی

(سوانحی خاکہ)

ڈاکٹر ظفر الاسلام

(ریڈر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

☆☆

اسم گرامی	ابو البرکات شیخ احمد بن عبد الاحد فاروقی سرہندیؒ
والدِ محترم کا نام	شیخ عبد الاحد بن زین العابدین
نسب	شیخ احمد سرہندی کا سلسلہ نسب ۳۱ واسطوں سے حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔
وطن	کابل (افغانستان)۔ اصل وطن مدینہ منورہ تھا ان کا خاندان وہاں سے منتقل ہو کر کابل میں سکونت پذیر ہوا۔
خاندان کی ہندوستان منتقلی ۱	شیخ سرہندی کے جد سادس امام رفیع الدین نصیر آبادی آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی کے آخر (عہد فیروز شاہی) میں کابل سے ہندوستان منتقل ہوئے اور سنام (پٹیالہ، پنجاب) میں سکونت اختیار کی۔
تاریخ ولادت	۱۴ شوال ۹۷۱ھ/ ۱۶ مئی ۱۵۶۴ء
مقام ولادت	سرہند (ضلع پٹیالہ، پنجاب) قدیم نام سہرند تھا۔ اسے

	سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۵۱ء میں فتح کیا تھا، ۱۳۵۸ء میں سلطان فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱۔۱۳۸۸ء) کی ایماء پر یہاں قلعہ تعمیر ہوا اور قصبہ کی صورت میں اس کی باز آبادکاری ہوئی۔ اس کے بعد شیخ سرہندی کے جدامجد امام نصیرالدین نے سنام سے منتقل ہوکر یہاں مستقلاً سکونت اختیار کی۔
مقاماتِ تعلیم	سرہند، سیالکوٹ، کشمیر، جونپور، آگرہ
اساتذہ	شیخ عبدالاحد سرہندی (والد گرامی) مولانا کمال الدین کشمیری شیخ یعقوب صرفی کشمیری، قاضی بہلول بدخشانی
تعلیم سے فراغت ومشاغل	۱۷ برس کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور دعوت وارشاد میں مصروف ہوئے۔
مشائخِ تصوف	شیخ عبدالاحد چشتی، سکندر شاہ کیتھلی قادری، شیخ یعقوب صرفی کبروی، خواجہ باقی باللہ نقشبندی۔
خواجہ باقی باللہ سے بیعت	۱۰۰۸ھ/۱۶۰۰ء میں حج کے ارادہ سے سفر پر نکلے تو دہلی میں مولانا حسن کشمیری کی رہنمائی میں خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری دی۔ کچھ ہی دنوں ان کی صحبت میں رہنے کے بعد انھیں بیعت کی اجازت مل گئی اور ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ/۱۶۰۰ء میں ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور ڈیڑھ دو ماہ ان کی صحبت میں رہ کر راہ سلوک میں تربیت حاصل کی۔
سرہند میں قیام	شیخ سے استفادہ کے بعد سرہند واپس ہوئے اور وہیں

اپنی مستقل معروفیات جاری رکھیں۔

دہلی کا دوسرا سفر ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۱ء کے آخر میں خواجہ باقی باللہ سے ملاقات کے لئے دہلی کا دوسرا سفر کیا اور کچھ عرصہ ان کی خدمت میں گذارا۔ اسی دوران شیخ نے انھیں خلعتِ خلافت عطا فرمایا۔

دہلی کا تیسرا سفر وہ تیسری بار ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء میں دہلی تشریف لے گئے شیخ کی صحبت میں انھیں مزید عروج و کمال حاصل ہوا بعض دفعہ خود مرشد نے ان کی مجلس میں مستفیدانہ شرکت فرما کر ان کی قدر افزائی کی۔

لاہور کا سفر دہلی سے واپسی کے چند روز بعد مرشد کی ہدایت پر ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء میں لاہور کا سفر کیا اور وہاں دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری کیا ان اس سے کافی لوگ مستفید ہوئے۔

خواجہ باقی باللہ کی وفات لاہور قیام کے دوران ہی انھیں یہ افسوسناک خبر ملی کہ ان کے مرشد گرامی ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ/ اکتوبر ۱۶۰۳ء کو رحلت فرما گئے۔ لاہور سے براہِ راست دہلی سفر کر کے ان کے مزار پر حاضری دی اور مرشدزادوں اور متوسلین کی دلجوئی کی خاطر کچھ روز وہاں قیام فرما کر سرہند واپس ہوئے۔

آگرہ میں قیام اکبرآباد کے علماء وفضلاء کی شہرت سن کر وہاں تشریف لے گئے، اہل علم سے ملاقاتیں رہیں، شائقین علم کو فیض پہونچایا۔ فیضی کی فرمائش پر غیر منقوط تفسیر "سواطع الالہام" کی تالیف میں بعض مشکل مقامات حل کیے۔

نکاح مسنون	ان کے والد گرامی خود ہی انھیں لینے کے لئے آگرہ تشریف لے گئے اور واپسی پر تھانیسر میں شیخ سلطان (حاجی سلطان تھانیسری) کی صاحبزادی سے ان کے نکاح کا اہتمام کیا۔
مختلف مقامات پر تبلیغ وارشاد کا اہتمام	۱۶۱۶-۱۶۱۹ء کے دوران مختلف مقامات پر خلفاء ومریدین تبلیغ وارشاد کے لئے مامور کیے: مولانا محمد قاسم/ ترکستان، مولانا محمد صادق کابلی/ کاشغر، مولانا احمد برکی بدخشاں وخراسان، میر محمد نعمان/ دکن، شیخ بدیع الدین/ سہارنپور وآگرہ، شیخ طاہر لاہوری/ لاہور، شیخ نور محمد/، پٹنہ، سید محب اللہ مانکپوری/ مانکپور، شیخ طاہر بدخشی/ جونپور۔
اسیری	مکتوبات کے بعض مباحث پر پیدا کی گئی غلط فہمی اور جہانگیر (۱۶۰۵-۱۶۲۷ء) کے روبرو سجدہ تعظیمی سے انکار پر بادشاہ کے حکم پر ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۲۸ھ/ ۲۲ مئی ۱۶۱۹ء کو قلعہ گوالیار میں قید کیے گئے۔
رہائی	جمادی الآخری ۱۰۲۹ھ/ مئی ۱۶۲۰ء میں قید سے رہا ہوئے۔
”مجدد الف ثانی“ کا لقب	بعض سوانح نگاروں کے بیان کے مطابق شیخ سرہندیؒ کے لئے مجدد الف ثانی کا لقب سب سے پہلے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۶۵۶ء) نے ۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۳ء میں استعمال کیا۔
لشکر شاہی کی ہم رکابی	۱۶۲۰ء میں قید سے رہائی کے بعد بادشاہ کی خواہش پر

وبادشاہ کی رفاقت	تقریباً ساڑھے تین سال (جمادی الاخریٰ ۱۰۲۹۔ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ/ اپریل ۱۶۲۰۔ ستمبر ۱۶۲۴ء) ان کے ساتھ مختلف مقامات پر شاہی لشکر میں گذارا۔ اس دوران تذکیر و تبلیغ کا بھی سلسلہ رہا اور کئی دفعہ بادشاہ کی مجلسوں میں شریک ہو کر مختلف دینی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا۔
شاہی لشکر سے واپسی وسرہند میں قیام	شاہی لشکر سے واپسی پر مستقلاً سرہند میں قیام رہا۔ اس دوران خلوت نشینی کی زندگی اختیار کی۔ صاحبزادوں قریبی خلفاء اور خاص مریدین کے علاوہ سب سے ملنا جلنا موقوف کر دیا۔
تاریخ وفات	۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/ ۳۰ نومبر ۱۶۲۴ء (بعمر ۶۳ برس)
مدفن	سرہند
اولاد	صاحبزدگان: شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد اشرف، خواجہ محمد صادق (م ۱۰۲۵/ ۱۶۱۶ء)، خواجہ محمد سعید (م ۱۰۷۰ھ/ ۱۶۵۹ء)، خواجہ محمد معصوم (م ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء)، خواجہ محمد یحییٰ (م ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء) (اولین دو صاحبزادے صغر سنی میں اور تیسرے زمانہ شیر خوارگی میں فوت ہوئے) صاحبزادیاں: بی بی رقیہ، بی بی ام کلثوم، بی بی خدیجہ بانو
خلفاء عظام	خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد معصوم، میر نعمان کشمی، مولانا محمد ہاشم کشمی، سید آدم بنوری، شیخ طاہر لاہوری،

شیخ بدیع الدین سہارنپوری، شیخ نور محمد پٹنی، شیخ طاہر بدخشی، مولانا احمد برکی، شیخ حمید بنگالی، مولانا یوسف سمرقندی، شیخ عبدالحئی، حاجی خضر افغان، سید محب اللہ مانکپوری، مولانا امان اللہ لاہوری، شیخ محمد صادق کابلی، مولانا یار محمد جدید بدخشی۔

تصانیف	رسالہ فی اثبات النبوۃ (مصنفہ در: ۹۹۴ھ/۱۵۸۵ء)، رسالہ ردروافض (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۴ء)، رسالہ تہلیلیہ (۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء)، شرح رباعیات (۱۰۱۳ھ/۱۶۰۴ء) معارف لدنیہ (۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء)، المبدأ والمعاد (مرتبہ مولانا محمد صدیق کشمی) (۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء) مکاشفات عینیہ (مرتبہ مولانا محمد ہاشم کشمی) (۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء) ومکتوبات امام ربانی (پہلی وتیسری کتاب عربی میں ہے باقی تمام فارسی میں لکھی گئیں)

تفصیلات تالیف مکتوبات امام ربانی:

دفتر اول	۳۱۳ مکاتیب مرتبہ مولانا یار محمد طالقانی در: ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء معروف بہ ''درالمعرفت''
دفتر دوم	۹۹ مکاتیب۔ مرتبہ خواجہ عبدالحئی حصاری دز: ۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۹ء۔ معروف بہ ''نورالخلائق''
دفتر سوم	۱۱۴ مکاتیب۔ مرتبہ خواجہ محمد ہاشم کشمی در: ۱۰۳۱ھ/ ۱۶۱۹ء۔ معروف بہ ''بحرالمعارف'' (بعد میں تحریر کردہ دس مکاتیب کی شمولیت کے بعد اس دفتر کے مکاتیب کی تعداد ۱۲۴ ہوگئی)

مکاتیب کی مجموعی تعداد	۵۳۶
مکتوب الیہم کی تعداد	۱۹۲
اہل حکومت کے نام مکاتیب	۷۰
غیر معروف تصانیف	مذکورہ بالا کتب و رسائل کے علاوہ شیخ سرہندی کے چند اور رسائل کا ذکر مختلف کتابوں میں ملتا ہے لیکن مطبوعہ یا مخطوطہ کسی بھی صورت میں ان کی دستیابی متحقق نہیں ہے وہ یہ ہیں: رسالہ آداب المریدین، رسالہ علم حدیث، رسالہ فی تحقیق معنی کلمہ لا الہ الا اللہ، رسالہ جذب و سلوک اور تعلیقاتِ عوارف۔
شیخ سرہندی علامہ اقبال کی نظر میں	گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے جس کے نفس گرم سے ہے گرمیِ احرار وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
مولانا ابوالکلام آزاد اور شیخ مجدد الف ثانی	"شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے لیکن مفاسدِ وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی نہ بن آیا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا وجود گرامی ہی تنِ تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا" (ابوالکلام آزاد، تذکرہ (مرتبہ مالک رام)، ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی، ۱۹۵۸، ص ۲۶۳-۲۶۴)

سوانح شیخ سرہندی کے منتخب اردو مآخذ

سید ابوالحسن علی ندوی	تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ چہارم)، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ۲۰۰۰ء
سید زوار حسین شاہ	حضرت مجدد الف ثانی، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۷۵ء
شیخ محمد اکرام	رود کوثر، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۹۹ء، (باب سوم: حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ)
محمد احسان اللہ عباسی	سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی، رامپور، ۱۹۲۶ء
محمد حلیم	مجدد اعظم، شعاع ادب، لاہور، ۱۹۵۸ء
محمد داؤد امرتسری	سیرت امام ربانی، دارالاشاعت، امرتسر، ۱۳۴۳ھ
محمد عبدالشکور	تذکرہ امام ربانی، مطبعہ صدیقیہ، لکھنؤ (بدون تاریخ)
محمد فرمان	حیات مجدد، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۵۸ء
محمد مسعود احمد	سیرت مجدد الف ثانی، کراچی، ۱۹۷۶ء
محمد منظور نعمانی (مرتب)	الفرقان۔ مجدد الف ثانی نمبر (لکھنؤ)، ۵/ ۸۔۱۰، مارچ۔ مئی، ۱۹۳۸ء
محمد منظور نعمانی (مرتب)	تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء
محمد میاں	علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد اول (ص ۱۴۸۔۳۹۲) دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی (بدون تاریخ)
نظام الدین توکلی	حضرت مجدد الف ثانی، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۶۵ء

بسم الله الرحمٰن الرحيم

نحمدهٗ ونصلى علىٰ رسوله الكريم

شيخ احمد سرهندى مجدد الالف الثانية

د. جمال الدين الشيال

☆☆

ويعرف أحمد سرهندى باسم « مجددى ألفِ ثانى » ، أى مجدد الألف الثانية ، وهو واحد من كبار المسلمين والمتصوفة الذين برزوا فى تاريخ الهند ، وقد بذل جهودا كبيرة فى سبيل تجديد الإسلام وتنقيته من الشوائب التى لحقت به ، وخاصة بعد حركة المرطقة والمروق التى كان قد بدأها الامبراطور أكبر (١٥٥٦ — ١٦٠٥) .

حياته الأولى :

ولد أحمد فى مدينة سرهند (إحدى مدن ولاية بتيالا Pātiala فى شرق البنجاب) فى سنة ٩٧١ هـ (١٥٦٤ م) ، ووالده الشيخ عبد الأحد ينتهى نسبه إلى الخليفة الراشد عمر بن الخطاب ، وقد تلقى أحمد علومه الأولى على والده ، ثم أتم دراسته بعد ذلك فى مدينة سيالكوت Siyālkōt .

واتجه أحمد بعد ذلك إلى العاصمة أجرا Agra حيث كان دائم التردد على مجالس الوزير الأول أبو الفضل وأخيه فيضى (وهما من العلماء البارزين فى ذلك الوقت) ، ويرجح مؤرخوه أنه كتب فى هذه الفترة رسالته الصغيرة التى سماها « الرسالة التهليلية » فى نقد المذهب الشيعى [وقد ترجم هذه الرسالة فيما بعد إلى العربية شاه ولى الله دهلوى[1] ، وأرفق بها مقدمة تحدث فيها عن التيارات الدينية فى بلاط الملك الأكبر ، وعن نشاط الشيخ أحمد] .

وبعد سنوات قليلة عاد إلى مدينته سرهند ، وفى سنة ١٠٠٨ دخل فى الطريقة النقشبندية بعد أن أخذ العهد على أحد شيوخها وهو

---

(١) انظر الفصل الثانى فيما يلى هنا .

الخواجة Kh-adja باقى بالله (ت ١٠١٢) الذى كان يقيم فى مدينة دلهى فى ذلك الوقت .

أحمد سرهندى وجهانجير :

نشأ أحمد سرهندى فى الربع الأخير من القرن العاشر للهجرة (١٦م) فى نفس الوقت الذى كان أكبر يدعو فيه لدينه الجديد ، فأخذ يرقب الأحوال ، وبدأ ينظم حركة واسعة لمعارضة هذه الحركة الإلحادية ، وبثّ أتباعه ومريديه فى أنحاء البلاد ، وكتب إلى قواد الجيش وكبار الموظفين ممن يأنس فيهم الرشد والإسلام الصحيح ينبههم إلى هذا الخطر الداهم ، ويحذرهم عاقبة هذه الفتنة العمياء ، وما قد يكون لها من آثار خطيرة على الإسلام والمسلمين فى الهند .

ولم تظهر آثار دعوته إلا بعد موت أكبر ، وفى عهد ابنه جهانجير (١٠١٤ — ١٠٣٧) ، فقد سار هذا الابن على نهج أبيه ، واضطهد علماء السنة ونكل بهم ، وقرب إليه علماء الشيعة ، واتخذهم بطانة له .

وعندما اشتد حماس الشيخ أحمد فى معارضة الدين الإلهى وما خلّفه من آثار ، وفى مناهضة المذهب الشيعى ، وعندما نشط هو وأتباعه فى دعوتهم التجديدية لمحاربة البدع والعودة بالإسلام إلى أصوله الأولى ، غضب عليه جهانجير — بإيعاز علماء الشيعة ورجال القصر — واعتبر نشاطه خطرا على الدولة والعرش ، وأمر بالقبض عليه ، وسجنه فى حصن جواليور Gwalior ، ولكنه سرعان ما عفا عنه ، وأمر بإطلاق سراحه ، وخلع عليه ، ووصله بمبلغ من المال .

وقد اختلفت الروايات عند ذكر الأسباب التى دفعت الامبراطور جهانجير إلى العفو عن الشيخ أحمد ؛ تقول إحدى هذه الروايات : إن الامبراطور رأى فيما يرى النائم أن الشيخ أحمد قد ظلم ، وأن رجلا صالحا يقول له وهو عاض على يديه :

« ويحك ! قد حبست رجلا لاترى مثله فى الصلاح والورع » .

وتقول رواية أخرى — وهى أقرب إلى الصحة — إنه لم يمض على دخول الشيخ أحمد السجن إلا أيام قليلة حتى تغير الحال غير الحال ، وأخذ الرجل ينفث من روحه بين المسجونين والجناة من القتلة والسارقين ، ويلقى عليهم مواعظه ، فإذا بهم بين يوم وليلة قد انقلبوا خلقاً آخر ، وبدأوا يأتمرون بأوامر الشيخ فى ذلة وخشوع ، ويؤدون فروضهم الدينية فى أوقاتها وفى حرص شديد ، مما أثار عجب مدير السجن وإعجابه ، فكتب إلى الامبراطور يقول له : إن هذا السجين ـ الشيخ أحمد ـ ليس كغيره من نزلاء السجن ؛ وإنما هو فى الحقيقة مَلَك قلما يأتى الدهر بمثله . فإن وافق السلطان أطلقنا سراحه وأكرمناه بما يستحقه .

عند ذلك ندم جهانجير على ما صدر منه فى حق الشيخ أحمد . وأمر فى الحال بإحضاره إلى قصره فى أجرا . ولما علم بقربه من العاصمة أرسل ابنه وولى عهده الأمير « خرّم » — شاه جهان فيما بعد — لاستقباله والترحيب به . ولما دخل الشيخ أحمد على الامبراطور حياه وحيا حاشيته تحية الإسلام ولم يسجد له ، فحفظها الامبراطور فى نفسه وتلقاه رغم هذا بالترحاب وأبقاه معه فى القصر لينتفع بنصائحه .

نجاح حركة السيد أحمد التجديدية :

وكان لبقاء الشيخ فى القصر آثار طيبة ، فقد استطاع أن يقنع الإمبراطور بإلغاء كثير من البدع التى استحدثها أبوه أكبر . فأصدر بعد قليل أمرا ملكيا نص فيه على ما يأتى :

١ — تحريم السجود للملك .

٢ — إباحة ذبح البقر وأكل لحمه

٣ — إعادة بناء المساجد المهدمة

٤ — إبطال القوانين المعارضة للشريعة الإسلامية .

٥ – تعيين القضاة والمحتسبين فى مختلف المدن الهندية .

وبذلك أتت حركة الشيخ أحمد التجديدية أكلها ، وعاد للمجتمع الإسلامى فى الهند اطمئنانه ، وانتهت حركة الاضطهاد لعلماء السنة ، وبدأ المسلمون يحسون الحرية التامة فى القيام بشعائر دينهم .

مؤلفات السيد أحمد المجددى

وقد كتب الشيخ أحمد جملة من الرسائل فى موضوعات دينية مختلفة ، منها

- المبدأ والمعاد (دلهى ، ١٣١١)
- رسالة تهليلية ، وقد طبعت ملحقة بمجموعة رسائله « مكتوبات » وطبعت فى لكناو .
- معارف لدنية .
- مكاشفات غيبية .
- رسالة فى إثبات النبوة .
- آداب المريدين .
- شرح رباعيات أستاذه خواجه باقى بالله .

وأشهر آثاره الفكرية جميعاً مجموعة رسائله المعروفة باسم « مكتوبات » التى أرسلها إلى تلاميذه ومريديه وبعض الشخصيات الأخرى المعاصرة ، لشرح كثير من الموضوعات الإسلامية التى كانت موضع جدل ومناقشة ، ولا زالت هذه المكتوبات تحتل حتى اليوم مكانها الجدير بها بين أهم ما خلفه الفكر الإسلامى فى الهند من تراث قديم(١) .

السيد أحمد مجدد الألف الثانية :

وقد أطلق مولانا عبد الحكيم السيالكوتى بحق على الشيخ أحمد سرهندى لقب « مجددى ألفى ثانى » أى مجدد الألف الثانية ، وذلك تحقيقاً للحديث الشريف الذى يقول :

---

(١) راجع (مصطفى صبرى : موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمين وعباده المرسلين ، جـ ٣ ، ص ٢٧٥ - ٣١٠) الكثير من آراء الشيخ أحمد عند معالجته لموضوع «وحدة الوجود».

« إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدّد لها دينها » ، وقد عنى المسلمون فى مختلف الأقطار الإسلامية بهذا الحديث كلما تأخرت بلادهم أو انتشرت فيها البدع المستحدثة ، فكانوا ينظرون إلى وراء ، ويرون أنه لا صلاح لحاضرهم إلا بالعودة إلى ما كان عليه النبي والصحابة فى العصر الإسلامى الأول ، وبالعودة إلى أصول الإسلام ومنابعه الحقيقية من قرآن وسنة ، وكانوا دائما يحصون أسماء من ظهر من المجددين على رأس المئين الماضية ، ويرتقبون ظهور المجدد الجديد .

وقد كتب السيوطى أرجوزة أحصى فيها المجددين إلى القرن التاسع الهجرى ، وسماها « تحفة المهتدين بأخبار المجددين » ؛ وجعل نفسه فيها المجدد للقرن التاسع ، قال :

وهذه تاسعة المئين قد أتت ، ولا يخلف ما الهادى وعد
وقد رجوتُ أنى المجدد فيها : ففضل الله ليس يُجحد

ونتيجة للجهود الطيبة التى بذلها الشيخ أحمد سرهندى لمحاربة البدع المستحدثة ، ولتجديد الإسلام وتخليصه من الشوائب التى علقت به اعتبر نفسه واعتبره معاصروه بحق مجدد الألف الثانية ، أى مجدد المائة الحادية عشرة ، وقد ذاع صيته وانتشرت طريقته وآراؤه خارج حدود الهند فى أفغانستان وفى أواسط آسيا .

وفاته :

وتوفى الشيخ أحمد المجددى فى سنة ١٠٣٤ (١٦٢٤م) ودفن فى مدينة سرهند ، ولا يزال الناس حتى اليوم يتوافدون على قبره لزيارته والتماس البركة فى رحابه .

وقد ازدادت شهرته ذيوعا ، وكثر تلاميذه وأتباع طريقته بعد وفاته ، وهم الذين يعرفون حتى اليوم باسم « المجددية » ، ومما ساعد على انتشار تلاميذه وكثرة عددهم الأحوال السيئة الناجمة بعد ذلك عن سيادة السيخ وسيطرتهم على إقليم البنجاب .

الجديد فى طريقة الشيخ أحمد :

ومع أن الشيخ اتصل منذ شبابه بكثير من الطرق الصوفية المعروفة على عهده - وخاصة الطريقة النقشبندية — فقد تحاشى الكثير من مغالاتهم ، ولا سيما نزعاتهم وأفكارهم القائلة بوحدة الوجود Pantheism ، ثم حاول فى طريقته أن يقرّب بين فريقى الصوفية : القائلين بفكرة التوحيد Monotheism ، والقائلين بفكرة وحدة الوجود ، وقال هو بالأخذ بفكرة وحدة الشهود بدلا من فكرة وحدة الوجود ، وذلك لأنه لاحظ أن الكثيرين من المتصوفة فى عصره قد تأثروا بفلسفة البراهمة وأخذوا بكثير من عقائدهم وأفكارهم ، كوحدة الوجود والحلول والاتحاد وغيرها ، ولذلك ركز الكثير من جهوده لتفنيد هذه الآراء والرد عليها ، وخاصة آراء محي الدين بن عربي فى وحدة الوجود ؛ ورسائل [1] الشيخ أحمد مليئة بالأدلة والمناقشات التى يهاجم فيها فكرة وحدة الوجود ، والتى يدعو فيها لفكرة وحدة الشهود ، وبهذا نستطيع أن نقول إن هذه الفكرة تعتبر بحق الشىء الجديد الذى قدّمه الشيخ المجدد لعالم الفكر الإسلامى الدينى .

جهود الشيخ أحمد فى إصلاح المجتمع الإسلامى فى الهند :

لم تقصر جهود الشيخ المجدد على هذا ، بل لابد أن نذكر له مساعيه الحيدة لإصلاح شأن الحكومة ورجالها ، فقد كان يعتقد أنهم القدوة ، إذا صلحوا صلحت الرعية والبلاد كلها ، وإذا فسدوا فسد المجتمع الذى يقومون على شئونه ، كذلك كان الشيخ المجدد يعتقد أن الكثير من الفساد القائم يرجع أسبابه إلى العلماء الذين تهافتوا على الدنيا وعلى إرضاء السلطان ، ولهذا بذل الكثير من جهوده لمحاربة هذا الصنف من العلماء ، ومناهضة بدعهم والرد عليها .

ولقد كانت حركة أحمد سرهندى فى الواقع عميقة الأثر فى المجتمع الهندى

---

[1] انظر : المكتوبات للشيخ أحمد سرهندى ؛ و (مصطفى صبرى : المرجع السابق) .

الإسلامى ، فقد تأثر بها الكثيرون بعده ، وكانت ممهدة لحركة تجديدية أخرى قام بها مجدد ثان فى القرن الثامن عشر ، هو العالم الهندى الكبير شاه ولى الله دهلوى .

حركة عبد الحق دهلوى :

وبين الحركتين ظهرت جهود أخرى سارت فى نفس الطريق :

منها جهود الشيخ عبد الحق دهلوى (٩٥٨—١٠٥٢=٥٥١ —١٦٤٢) وقد عاصر الشيخ المجدد بعض الوقت ، ولكنه توفى بعده بنحو ثمانية عشر عاما ، وقد عنى الشيخ عبد الحق أكثر ما عنى بإحياء السنة النبوية ودراسة علم الحديث ، وألف فى هذا العلم كتبا كثيرة ، وشرح « مشكاة المصابيح » للتبريزى بالعربية والفارسية معا ، فهو بهذا يعتبر أول عالم وقف جهوده فى شمال الهند على نشر السنة النبوية وتدريس كتبها وشرح متونها .

وقد درس الشيخ عبد الحق أولا فى فاتح بور ، وفى سنة ٩٩٦ ذهب لمكة لأداء فريضة الحج ، وهناك درس على كبار العلماء (ذكرهم فى كتابه زاد المتقين) ، وبعد عودته أقام يدرس فى دلهى مدة تقرب من نصف القرن ، وخلال هذه المدة حاز إعجاب الامبراطور جهانجير وابنه شاه جهان ؛ وقبره موجود فى حوضى شمسى فى دلهى ، ونقش على حائط القبة موجز لحياته ، ونص هذا النقش موجود كاملا فى كتاب : (غلاب على أزاد : مآثر الكرام ، أجرا ، ١٣٢٨ ، ص ٢٠١) .

وقد ترك عبد الحق ٤٩ مؤلفاً بالعربية والفارسية ، هذه أهمها :

- ديوان شعر .
- لمعة التنقيح ، وهو شرح بالعربية على مشكاة المصابيح للتبريزى ، وله أيضاً شرح بالفارسية على نفس الكتاب طبع فى لكناو ١٢٧٧ .
- أخبار الأخيار ، وهو تراجم لأولياء الهند بصفة خاصة .
- زبدة الآثار ، وهو ترجمة لعبد القادر الجيلانى .

— مفتاح الفتوح ، وهو ترجمة فارسية مع التعليقات لكتاب الجيلانى « فتوح الغيب » .

— ذكر الملوك ، وهو تاريخ مختصر للهند منذ عهد الغوريين إلى عهد أكبر .

— جذب القلوب ، وهو تاريخ للمدينة مبنى فى معظمه على كتاب السمهودى .

— مدارج النبوة ، وهو سيرة للرسول .

وأهم ما يؤثر عنه جهوده المشكورة للاهتمام بدراسة الحديث فى الهند .

جهود السلطان أورنجزيب الإصلاحية :

ومن هذه الجهود جهود رسمية بذلها الامبراطور أبو الظفر محى الدين عالم جير أورنك زيب (١٠٦٨ — ١١١٨) .

فقد كان هذا الامبراطور على عكس سابقيه من الأباطرة متديناً شديد التمسك بدينه ، سنياً شديد التعلق بمذهبه والدفاع عنه ، حتى لقد عرف بالملك الزاهد ، ولى الحكم فى الأربعين من عمره ؛ وطالت مدة حكمه حتى بلغت الخمسين عاماً ، وكانت سياسته الدينية تعارض سياسة جده « أكبر » تمام المعارضة ، ولهذا أصدر أوامره بإلغاء كثير من القوانين والنظم والمراسيم التى سبق أن سنها « أكبر » والتى كانت تدخل فى نطاق البدع المستحدثة التى ينكرها الإسلام . وفيما يلى أمثلة للإصلاحات الدينية التى أحدثها :

— ألغى التقويم الإلهى الذى كان قد أصدره أكبر وأحله محل التقويم الهجرى .

— منع الاحتفال بعيد رأس السنة الشمسية ؛ وقد كان أكبر سن الاحتفال به إرضاء للمجوس .

— كان من عادة السلاطين التيموريين أن يتصدقوا على الفقراء بوزن أجسامهم من الذهب والجواهر الغالية ، ظناً منهم أن هذا الصنيع يقيهم نوائب الدهر وموبقاته ، وقد ألغى أورنجزيب هذه العادة .

ـ كان من عادة الملوك من أسرته أن يظهروا للناس من شُرَف قصورهم كل صباح لتتمتع الرعية برؤية وجوههم ، واعتبر أورنجزيب هذه العادة تشبهاً بما كان يفعله الملوك الوثنيون مع رعاياهم فألغاها .

ـ كان أكبر قد أباح بيع الخمر علناً ، ثم جاء ابنه جهانجير فمنعها ، ولكن أوامره لم تنفذ لأنه كان مدمناً للشرب ، ولهذا أباح للناس شربها داخل بيوتهم ، ثم خلفه ابنه شاه‌چهان فتشدد فى منع الخمر ولكنه استثنى النصارى ، فلما ولى أورنجزيب منع الجميع من شربها منعاً باتاً ، وتشدد فى تنفيذ هذا الأمر وعين موظفين لمراقبة من يقبل على شرب الخمر ولمعاقبتهم العقاب الصارم .

ـ كذلك أصدر أورنجزيب أوامره بمنع المقامرة منعاً باتاً ، وبأن تخير الراقصات والبغايا بين الزواج أو مغادرة الدولة .

وقد توفى أورنجزيب فى سنة ١١١٨ ، ودفن فى مدينة أورنج أباد ـ فى ولاية حيدر أباد الدكن ـ فكان خاتمة الأباطرة العظام فى الهند ، وتوالى الملوك بعده من بنيه وبنى بنيه ، ولكنهم كانوا جميعاً ضعاف الشخصية ، فساءت أحوال البلاد ، ونشطت العناصر غير الإسلامية ، وكثرت الثورات ، ووسط هذه الفوضى الشاملة ظهر مصلح جديد ، هو شاه ولى الله دهلوى .

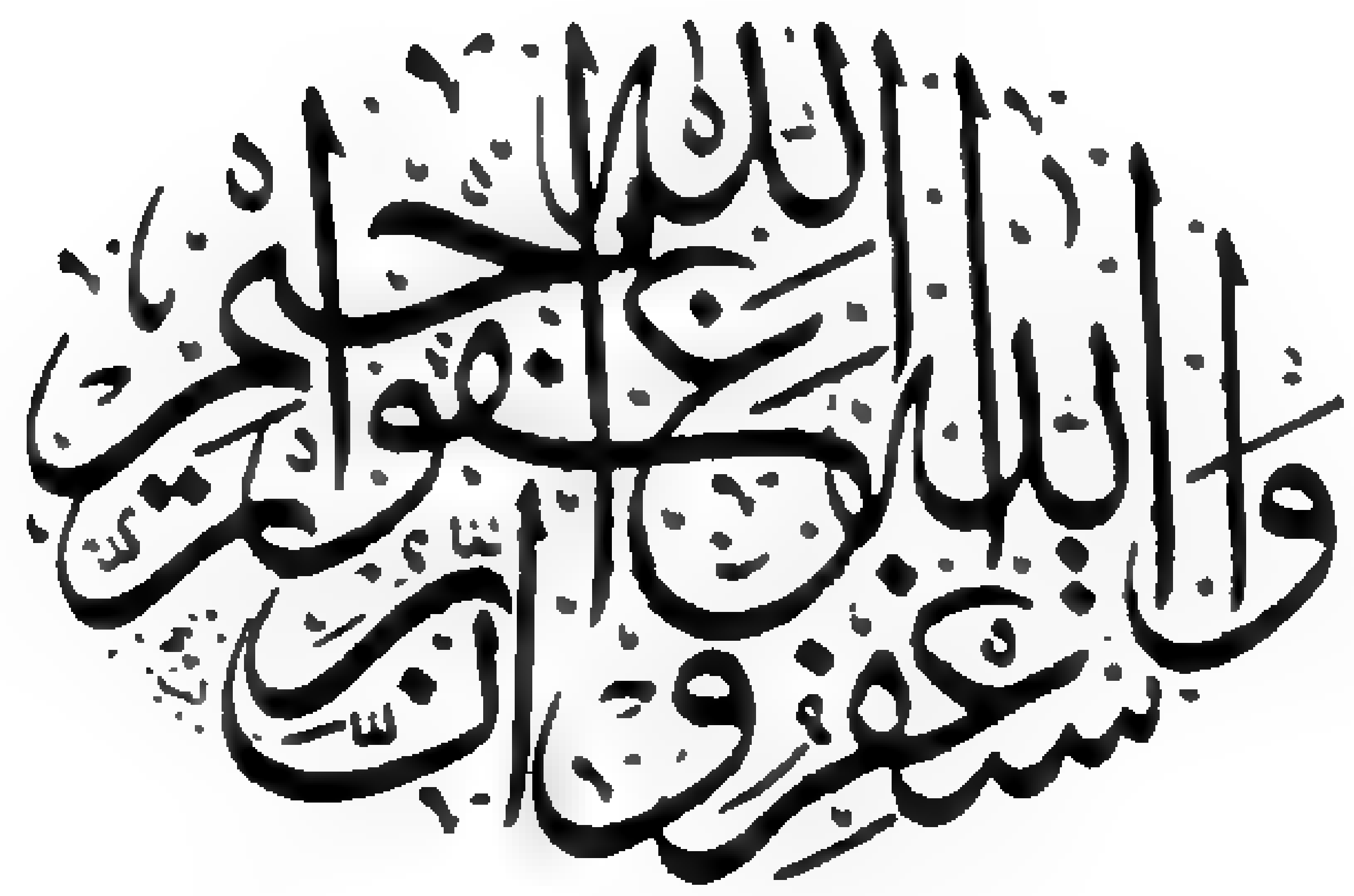
واستغفروا الله إن الله غفور رحيم

مراجع الفصل الأول

أحمد سرهندى

(ا) مؤلفات أحمد سرهندى

١ – آداب المريدين .

٢ – رسالة تهليلية (طبعت ملحقة بمجموعة رسائله – المكتوبات – طبعة لكناو ، ١٩١٣ : وقد ترجم هذه الرسالة فيما بعد إلى العربية شاه ولى الله دهلوى ، وأضاف إليها مقدمة تحدث فيها عن التيارات الدينية فى بلاط أكبر وعن نشاط الشيخ أحمد) .

٣ – رسالة فى إثبات النبوة .

٤ – شرح رباعيات أستاذه خواجه باقى بالله .

٥ – المبدء والمعاد ، دلهى ، ١٣١١ هـ .

٦ – معارف لدنية .

٧ – مكاشفات غيبية .

٨ – مكتوبات أحمد سرهندى (بالفارسية ، نحو ٥٥٠ رسالة) ، طبعت أكثر من مرة فى الهند : لكناو ١٩١٣ ، دلهى ١٢٨٨ هـ و ١٢٩٠ هـ ، امرتسر ١٣٣١ – ١٣٣٤ هـ .

(ب) مراجع شرقية

(بالعربية والفارسية والأوردية)

---

١ — أبو الخير (أحمد المكى)

= هدية أحمدية (بالفارسية) ، كونبور ١٣١٣ ه .

٢ — إحسان (محمد) .

= روضة القيمومية (بالفارسية) لا يزال مخطوطا : وله ترجمة أوردية طبعت فى لاهور ١٣٣٦ ه .

٣ — أحمد (محمد رؤوف) .

= جواهر علوية (بالفارسية)، وله ترجمة أوردية ، طبعت فى لاهور

٤ — أزاد (غلام على) .

= سبحة المرجان ، بومباى ١٣٠٣ ه .

٥ — أزاد (مولانا أبو الكلام)

= تذكرة ، كلكتا ، ١٩١٩ .

٦ — اكرام (س . م) .

= روضى كوثر ، كراچى .

٧ — باقر (محمد) .

= كنز الهداية (بالفارسية) ألفه سنة ١٠٧٥ ه ، لا يزال مخطوطا، وله ترجمة أوردية قام بها عرفان أحمد أنصارى ، طبعت فى لاهور.

٨ — بدايونى (عبد القادر) .

= منتخب التواريخ ، كلكتا ١٨٦٨ .

٩ — بيل (T. W. Beale)

= مفتاح التواريخ ، كونبور ١٨٦٧ .

١٠ — توزوكى جهانجيرى (Tūzuk-i-Djhangiri) ، علجرة ١٨٦٤ م .

١١ ــ دهلوى (مولانا عبد الحق محدث) .
= أخبار الأخيار ، دلهى ١٣٣٢ هـ .
= طبقاتى أكبرى (وله ترجمة إنجليزية ، كلكتا ١٩٣٦) .
١٣ ــ رضا (الشيخ رشيد) .
= المقدمة التى كتبها لكتابه ، (تاريخ الأستاذ الإمام الشيخ محمد عبده)
١٤ ــ سروار (مفتى غلام) .
= خزينة الأصفياء ، جزءان ، كونبور ١٨٩٤ .
١٥ ــ صبرى (مصطفى)
= مواقف العقل والعلم ، القاهرة ١٩٥٠ ، ج ٣ ؛ ص ٢٧٥ ــ ٢٩٩
١٦ ــ صديق حسن خان .
= الحطة فى ذكر الصحاح الستة .
١٧ ــ الصعيدى (عبد المتعال) .
= المجددون فى الإسلام من القرن الأول إلى القرن الرابع عشر .
١٨ ــ عباس (محمد إحسان) .
= سوانح عمرى خطرت مجددى ألف ثانى (بالفارسية)، رامبور ١٩٢٦
١٩ ــ عبد الأحد (محمد) .
= حالات مقاماتى شيخ أحمد فاروق سرهندى (بالفارسية) ، دلهى ١٣٢٩ .
٢٠ ــ على (رحمن) .
= تذكره‌ء علمائى هند (بالفارسية) ، لكناو ١٩١٤ .
٢١ ــ فضل الله (محمد) .
= عمدة المقامات (بالفارسية) ، ألفه سنة ١٢٣٣ .
٢٢ ــ كاشمى (محمد هاشم) .
= زبدة المقامات ، طبع حجر ، كونبور (بدون تاريخ) .
٢٣ ــ محمد بن يحيى (المعروف بالمحسن التيمى البكرى الترهتى) .
= اليانع الجنى فى أسانيد الشيخ عبد الغنى ؛ طبع الهند ، ١٢٨٠ هـ .

٢٤ — منظور (م) .

= (قام بنشر عدد خاص من مجلة الفرقان عن مجدد الألف الثانية بريلى ١٩٣٨) .

(M .Manzūr, ed. al-Furḳān, Mudjaddid Number, Breilly, 1938).

٤٥ — ميان (محمد) .

= علمائى هند كاشند ارماضى ، دلهى ١٩٤٢ .

٢٦ — النقشبندى (محمد أمين) .

= مقاماتى أحمدية (بالفارسية) ،ألفه سنة ١٠٦٨ ، لا يزال مخطوطا ، وله ترجمة أوردية طبعت فى لا هور .

(ج) مراجع أوربية

1 — **Ahmad (Burhan).**
— The Mudjaddid's Conception of Tawhid, Lahore 1940.

2 — **Ahmad (Zubaid).**
— The Contribution of India to Arabic Literature.

3 — **Amir Ali.**
Spirit of Islam.

4 — **Arnold (J. W.).**
— The Preaching of Islam.

5 — **Badaoni (Abdul Qadir).**
Muntakhib ut — Tawarikh (an Enhlish Translation by Ranking & Rowe). Calkatta 1868. (أنظر قائمة المراجع العربية)

6 — **Briggs (J).**
— History of the Rise of Muhammadan Power in India.

7 — **Brockelmann (Carl).**
Geschichte der Arabichen Litteratur.
Leiden, 1898 — 1939.

8 — **Havell.**
— The History of Aryan Rule in India from the Earliest Times to the Death of Akbar.

9 — **ʿInayatullah (Sh).**
— Ahmad Sirhindi (art. in : Ency. Islam. new edition).

10 — **Jaffar (S. M.).**
— Medieval India.

11 — **Moreland (W. H.).**
India to the Death of Akbar.

12 — **Shafiʿ (Mohammad).**
— ʿAbd al-Hakk B. Sayf al-Din al-Dihlawi al-Bukhari, ʾAbu l-Madjid. (art. in : Ency. Islam. New edition).

13 — **Smith (Vincent. A.).**
— Akbar, the Great Moghul.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیخ احمد سرہندی

ڈاکٹر جمال الدین شیال

مترجم: ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد

☆☆

یہ مقالہ ڈاکٹر جمال الدین شیال کی کتاب ''العالم الاسلامی فی فجر العصر الحدیث'' کے باب ''الحرکات الاصلاحہ ومراکز الثقافۃ فی الشرق الاسلامی الحدیث فیما بین القرن السادس عشر والقران التاسع عشر المیلادی'' کی ایک فصل ''احمد سرہندی، مجدد الالف الثانیہ'' کا آزاد ترجمہ ہے۔ (مرتبین)

حضرت شیخ احمد سرہندی جو کہ ''مجدد الف ثانی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان بزرگ علماء وصوفیہ میں سے ایک ہیں جو ہندوستان کی مقدس سرزمین پر پیدا ہوے۔ آپ نے اسلام کی تجدید اور ان شوائب و نقائص سے اس کی تطہیر میں انتھک کوشش کی جو بعد میں شامل کر دیے گئے تھے بالخصوص بدعت و بے دینی کی تحریک کے بعد جس کا بانی مغل بادشاہ اکبر (۱۵۵۶ء-۱۶۰۵ء) تھا۔

ابتدائی حالات:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۴ء میں سرہند میں ہوئی۔ یہ مشرقی پنجاب کے علاقہ پٹیالہ کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ ان کے والد شیخ عبد الاحد کا سلسلہ نسب خلیفہء دوم حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی پھر مزید تعلیم سیالکوٹ جا کر حاصل کی۔

اس کے بعد آگرہ کا رخ کیا جہاں ابو الفضل اور فیضی کے ہاں اکثر آتے جاتے تھے۔ یہ دونوں اپنے

دور کے اہم علماء میں سے تھے۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ اسی دوران آپ نے اپنا کتابچہ ''الرسائل التہلیلیہ'' تحریر فرمایا جو شیعہ مذہب کے رد میں ہے۔ بعد کو چل کر علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اس کا عربی ترجمہ کیا۔ شاہ صاحب نے اس پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں مغل فرماں روا اکبر کے دربار میں مذہبی افکار و خیالات اور ان کے رد میں شیخ احمد سرہندی کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔

چند ہی سال بعد آپ سرہند واپس آئے۔ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ (متوفی ۱۰۱۲ھ) سے بیعت ہو کر نقشبندیہ سلسلہ اختیار کیا حضرت اس دہلی میں مقیم تھے۔

شیخ احمد سرہندی اور جہانگیر:

حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کی نشو و نما دسویں صدی ہجری/سولہویں صدی عیسوی کی آخری چوتھائی میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اکبر اپنے نئے دین (دین الٰہی) کی دعوت دے رہا تھا۔ انھوں نے حالات کا جائزہ لیا اور اس ملحدانہ تحریک کے مقابلے کے لیے وسیع پیمانہ پر ایک تحریک چلائی۔ اپنے خلفاء و مریدین کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھیجا اور ان قائدین افواج و اہم گورنروں کو خطوط لکھے جن میں انھیں صحیح اسلام کی کچھ رمق باقی نظر آئی، ان خطوط میں انھوں نے لوگوں کو اس عظیم خطرے سے آگاہ کیا اور اس خطرناک واقعہ کے اسلام اور مسلمانوں پر برے اثرات سے پردہ اٹھایا۔

مگر ان کی دعوت کے آثار اکبر کی دعوت کے بعد ہی رونما ہوئے بالخصوص اس کے لڑکے جہانگیر (۱۰۱۴ھ۔ ۱۰۳۷ھ) کے عہد میں۔ اس حکمراں نے بھی ابتداء (میں) اپنے والد کے نقش قدم کی پیروی کی، علماء اہل سنت کو تکلیفیں دیں اور انھیں عبرتناک سزائیں دیں۔ اس کے برخلاف شیعہ علماء کو اپنے قریب کیا اور ان کو اپنا رازدار ٹھہرایا۔

جب دین الٰہی کی مخالفت میں شیخ احمد سرہندی کی سرگرمی تیز ہوئی اور اس کے اثرات رونما ہوئے پھر اہل تشیع و بدع کے خلاف ان کی آواز مزید بلند ہوئی تو جہاں گیر اہل تشیع اور درباریوں کے اکسانے سے ان پر کافی خفا ہوا اور ان کی سرگرمی کو تاج و تخت پر ایک خطرہ محسوس کیا۔ اس نے ان کی قید کا حکم صادر کر دیا چنانچہ انہیں گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ مگر جلد ہی انہیں معاف کر دیا گیا ان کو رہائی ملی، خلعت سے نوازا۔

شیخ احمد سرہندی کی جہانگیر کے ذریعہ عفو و درگزر کے اسباب مختلف بیان کیے جاتے ہیں:

☆......بعض کا کہنا ہے کہ جہانگیر نے خواب میں دیکھا کہ شیخ احمد نے کوئی ظلم کیا ہے اور ایک نیک آدمی اس

کا ہاتھ کاٹتے ہوئے کہہ رہا ہے، تیرا برا ہو، تو نے ایسے آدمی کو قید کیا ہے جس کے تقوی اور طہارت کی مثال ملنا مشکل ہے۔

☆......بعض کا کہنا ہے کہ قلعہ میں آئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے قیدیوں میں اپنی روح پھونکنی شروع کردی اور وہ ان کے درمیان اپنے وعظ بیان کرتے چنانچہ ایک دوراتوں میں ان کی حالت بدل گئی اور وہ لوگ شیخ صاحب کی پیروی کرنے لگ گئے اور دینی فرائض کو بڑی دلچسپی سے اپنے اوقات پر ادا کرنے لگے۔ اس کو دیکھ کر جیل کے نگراں کو کافی تعجب ہوا چنانچہ اس نے جہاں گیر کو لکھا:

> ''یہ قیدی دوسرے قیدیوں کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ تو انسان کی شکل میں فرشتہ ہے ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ اگر عالم پناہ حکم صادر فرمائی تو میں اسے چھوڑ دوں اور اسے مناسب مال جاہ ومرتبہ دیا جائے''

تب جہانگیر کو اپنے کیے پر افسوس ہوا اور فوراً انہیں آگرہ لانے کا حکم دیا اور جب وہ دارالسلطنت کے قریب پہنچے تو اپنے بیٹے اور ولی عہد خرم (شاہ جہاں) کو ان کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ جب آپ جہانگیر کے سامنے آئے تو انھیں اسلامی انداز سے سلام کیا اور سجدۂ تعظیمی نہ کیا مگر اس کے باوجود بادشاہ نے انھیں اپنے محل میں رکھا اور ان سے استفادہ کرتا رہا۔

حضرت شیخ کی تجدیدی تحریک کی کامیابی:

آپ کی موجودگی سے محل میں اچھے اثرات نمایاں ہوئے۔ انھوں نے جہانگیر کو بہت سی ایسی بدعات کے خاتمہ پر راضی کر لیا جنہیں ان کے والد اکبر نے ایجاد کیا تھا چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد مندرجہ ذیل امور کے بارے میں شاہی حکم صادر ہوا:

☆......بادشاہ کو سجدۂ تکریمی کی حرمت

☆......گائے کے ذبح اور اس کا گوشت کھانے کی اجازت

☆......شہید کی گئی مساجد کی از سر نو تعمیر

☆......شریعت اسلامی کے خلاف قوانین کا خاتمہ

☆......ہندوستان کے مختلف شہروں میں قاضیوں اور محتسبین کا تقرر

اس طرح شیخ احمد علیہ الرحمۃ کی تجدیدی تحریک بار آور ہوئی اور ہندوستان میں اسلامی معاشرہ ازسرنو زندہ ہوا، علماء اہل سنت پر ظلم بند کیا گیا اور مسلمانوں نے اسلامی شعائر کی ادائیگی میں پوری آزادی محسوس کی۔

مجدد الف ثانی کی تصانیف:

شیخ احمد نے مختلف دینی موضوعات پر چند رسالے تحریر فرمائے جو مندرجہ ذیل ہیں:

☆......المبداء و معاد

☆......الرسالۃ التہلیلیۃ (یہ ان کے مجموعہ مکاتیب کے ساتھ لکھنو سے شائع ہوا)

☆......معارف لدنیہ

☆......مکاشفات غیبیہ

☆......رسالۃ فی اثباۃ النبوت

☆......آداب المریدین

☆......شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ

ان میں سب سے اہم ان کے مکاتیب ہیں جنہیں انھوں نے اپنے شاگردوں، مریدین اور دیگر اہم شخصیات کے نام تحریر فرمایا، اور جن میں بہت سے ان اسلامی مسائل کی وضاحت فرمائی جو اس وقت مختلف فیہ اور متنازع فیہ تھے۔ ان مکاتیب کی دینی حیثیت آج تک قائم ہے۔

شیخ احمد بحیثیت مجدد الف ثانی:

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے یاد کیا ہے، انھوں نے یہ لقب مندرجہ ذیل حدیث کو سامنے رکھ کر دیا ہے:

> ''ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا''
>
> اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد اس امت میں ایسے فرد کو اٹھائے گا جو اس

کے دین کی تجدید کرے گا۔

چنانچہ جب جب مسلمانوں نے اسلامی ممالک میں پستی اور بدعات کی گرم بازاری دیکھی ہے تو اس حدیث کو یاد کیا ہے۔ انھوں نے ان حالات میں ہمیشہ اپنے اسلاف کی طرف نظر ڈالی ہے اس خیال سے کہ آج کے معاشرہ کی اصلاح وفلاح کل کے نبوی معاشرہ کی اتباع واطاعت پر ہی منحصر ہے۔ اس طرح انھوں نے ہر صدی میں ایک مجدد کی تلاش بھی ضروری خیال کی ہے۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس تعلق سے ایک ارجوزہ تحریر فرما ہے جس میں نویں صدی تک کے مجددین اور ان کے کارناموں کا شمار کرایا ہے، اس کا نام "**تحفة المهتدين باخبار المجددين**" ہے۔ انھوں نے اپنے کو دسویں صدی کا مجدد گردانا ہے۔ لکھتے ہیں:

وهذه تاسعة المئين قد
اتت ، ولا يخلف ما الهادى وعد
وقد رجوت أننى المجدد
فيها، ففضل اللّٰه ليس يجدد

بدعتوں کے خاتمہ اور دین اسلام کو معایب و نقائص سے پاک کرنے میں حضرت شیخ سرہندی علیہ الرحمۃ نے جو کوششیں کیں ہیں ان کے پیش نظر ان کے معاصرین و متاخرین نے انھیں "مجدد الف ثانی" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ یعنی وہ گیارہویں صدی کے مجدد قرار پائے۔ ان کی اصلاح وتطہیر کا بول بالا نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان اور وسط ایشیاء تک ہوا۔

وفات حسرت آیات:

آپ کی وفات سنہ۱۰۳۴ھ مطابق سنہ۱۶۲۴ء میں ہوئی اور سرہند میں تدفین ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک اہل تقوی واصلاح کا مزار ہے۔ لوگ ہمیشہ برکت وتیمن کی خاطر اس کی زیارت کرتے ہیں۔

آپ کا تجدیدی کارنامہ:

آپ شروع ہی سے مختلف سلاسل صوفیہ سے وابستہ رہے ہیں بالخصوص نقشبندی سلسلہ سے آپ کا گہرا ربط رہا ہے۔ مگر ہمیشہ آپ نے صوفیہ کے غلو سے پرہیز کیا ہے اور بالخصوص ان کے نظریہ وحدۃ الوجود کے

انکاری رہے ہیں۔ ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ وحدۃ التوحید اور وحدۃ الوجود کے درمیان ایک معتدل راہ ڈھونڈ نکالیں۔ اس خیال کا نام انھوں نے وحدۃ الشہود رکھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں صوفیہ کو دیکھا کہ وہ برہمنوں کے فلسفہ سے زیادہ متاثر ہیں اور انھیں کے عقائد کی طرف مائل ہیں جیسے وحدۃ الوجود، حلول اور اتحاد وغیرہ۔ چنانچہ آپ نے اپنے اعمال وافکار سے اس خیال کی تردید کی بالخصوص وحدۃ الوجود کے بارے میں ابن عربی کے افکار وخیالات کی۔ آپ کے مکاتیب اس طرح کی تقاریر وآراء سے بھرے ہیں جن میں وحدۃ الوجود کو غلط ثابت کیا گیا ہے اور وحدۃ الشہود کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں تصوف کے میدان میں یہ ایک نیا کارنامہ ہے۔ اس تعلق سے آپ عالم اسالم کے ایک مجدد ہیں۔

ہندوستان کے مسلم معاشرہ کی اصلاح:

آپ کی کوشش صرف تصوف تک محدود نہ رہی بلکہ اس کا دائرہ حکومت اور مسلمین وقت کے عادات واطوار تک وسیع رہا۔ ان کا خیال تھا کہ حکومت ہی نمونہ ہوتی ہے اور جب حکمراں صحیح ہوگا تو رعیت بھی صحیح ہوگی کیوں کہ الناس علیٰ دین ملوکھم ایک اٹل حقیقت ہے۔

☆......☆......☆

مراجع:

(الف)

عربی، اردو اور فارسی

حضرت شیخ کی تصنیفات کے علاوہ اس مقالہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱......ابوالخیر، احمد المکی: ہدایہ احمدیہ، کانپور ۱۳۱۳ھ

۲......احمد، محمد رؤف: جواہر علویہ، لاہور

۳......اکرام، روضہ کوثر، کراچی

۴......بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۶۸ء

۵......تزک جہانگیری، علی گڑھ ۱۸۶۴ء

۶ ... دہلوی، عبدالحق محدث: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ء

۷ سرور، مفتی غلام: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۹۴ء

۸ ... عباس، محمد احسان: سوانح عمری حضرت مجدد الف الثانی، رامپور ۱۹۲۶ء

۹ ..... علی، رحمان: تذکرہ علماء ہند، لکھنو ۱۹۱۴ء

۱۰ ..... میاں، محمد: علمائے ہند کا شاندار ماضی، دہلی ۱۹۴۲ء

(ب)

انگریزی

1.Ahmad (Burhan):The Mujaddid's Conception of Tawhid,Lahore,1940

2.Ahmad (Zubaid): The Contribution of India to Arabic Literature.

3.Arnold (J.W): The Preaching of Islam.

4.Briggs (J): History of the Rise of Mohammadan Power in India.

☆......☆......☆

۵۸

شیخ سرہند

جمیل اطہر سرہندی

۵۰۵۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ ونصلی علٰی رسوله الکریم

الجنات الثمانیة

(سوانح مجدد الف ثانی پر ایک نادر عربی مخطوطہ)

پروفیسر عبدالباری

(سابق صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو اقبال نے "ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان" کہا ہے ایسی یگانۂ روزگار شخصیت کے دینی وملی کارناموں سے حقیقی آگہی کا دارومدار اصلاً ایسے مستند تذکروں پر ہی ہوسکتا ہے جن کے مصنفین کی عالمانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ان کی ثقاہت بھی معتبر رہی ہو۔

شیخ احمد سرہندیؒ کا زمانہ کچھ ایسا گذرا جس میں عقائد کے اختلافی مسائل کی کشاکش کے ساتھ ساتھ سیاسی اتار چڑھاؤ کا بڑا عمل دخل رہا۔ چنانچہ اس عہد کے مختلف نظریات اور طرح طرح کے محرکات کی بنا پر واقعات وحادثات کی تفصیلات کا اندراج خاصہ مختلف فیہ رہا ہے۔ بعض حقائق کھل کر سامنے نہیں آئے۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندیؒ کے احوال زندگی کے سلسلے میں یعنی شاید ایسی مخصوص صورت حال کا اندازہ کرتے ہوئے رودکوثر کے مصنف محمد اکرام رقم طراز ہیں:

"شیخ بدرالدین سرہندی کی فارسی کتاب "حضرات القدس" اور خواجہ ہاشم کشمی کی فارسی کتاب "زبدة المقامات" کے اندراجات قبول کرنے میں بعض الجھنیں ہیں، ہمیں ان دونوں تذکروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہ دونوں تذکرے کارآمد ہیں لیکن وہ بھی شاید الحاقی عبارتوں سے پوری طرح محفوظ نہیں رہے۔ واقعات میں سہو کا امکان رہتا ہے۔ ابتدائی احوال میں دشواریاں پیش آتی ہیں"[1]

شیخ احمد سرہندی کے عہد کے اس مخصوص پس منظر میں اگر کوئی کتاب ایسی دستیاب ہو جس کا مصنف صاحب علم ہو، اس کا فرمایا ہوا مستند ہو اور ساتھ ہی واقعات کی تفصیل اس نے بہت ہی قریب رہتے ہوئے مشاہدہ کی ہو یا ان کا حصول اُسے ممکن ہوا ہو تو یقیناً اس کے اندراجات قابل قبول ہوں گے اور حقائق کی صحیح اور سچی نمائندگی میں اس کی افادیت مسلم اور اثرات دوررس و نتیجہ خیز ہوں گے شیخ احمد سرہندی کی شخصیت کو کما حقہ اُجاگر کرنے والے حقائق اگر ثقاہت کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں تو یقیناً ہم ان کی فکری اور عملی جولان گاہ سے نہ صرف واقفیت حاصل کر سکتے ہیں بلکہ ان کی علمی و دینی خدمات کا حقیقی ادراک بھی کر سکتے ہیں اور اُن سے انفرادی اور اجتماعی استفادہ کی راہ بھی ہموار کر سکتے ہیں۔ شیخ عبدالاحد کا رسالہ ''الحسنات الثمانیۃ'' عربی کا ایک ایسا ہی اہم رسالہ ہے۔ جس میں مجدد صاحب کی کتاب زندگی کے کچھ اہم اوراق سے روشناس کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

رسالے کی اہمیت صاحب رسالہ کی فضیلت اور بصیرت سے ظاہر ہوتی ہے۔

چنانچہ اس رسالہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے مصنف خود مجدد صاحب کے قریب العہد اور اُن کے پوتے ہیں آپ اپنے وقت کے ایک بڑے عالم، محدث جلیل ہونے کے ساتھ ساتھ ثقہ راوی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ جب مولانا عبدالأحد حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت مجدد الف ثانی کے بیٹے اور خلیفۂ خاص خواجہ معصوم جنہیں لوگ عقیدت سے ''قدوۃ العارفین'' اور ''غوث الواصلین'' کہا کرتے تھے، ہمراہ سفر تھے۔ یہ وہی شیخ معصوم ہیں جو مصنف کے چچا ہی نہیں بلکہ مربی خاص اور استاد بھی تھے۔

مصنف نے راہ سلوک کی ابتدا سے انتہا تک کی منزلیں انہیں کے زیر نگرانی طے کیں اور خرقہ خلافت بھی پایا۔[۲] اسی سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالأحد لکھتے ہیں کہ دیار عرب میں اکابر علماء نے میرے دادا مجدد الف ثانی پر

ایک رسالہ لکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ میں نے عربی میں ایک رسالہ لکھا تا کہ لوگوں کو اس کا فائدہ پہنچے۔ یقیناً اس تصنیفی عمل میں شیخ معصوم کی ذات بھی مصنف کے شامل حال رہی ہوگی۔ اس صورت حال سے ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ رسالہ میں واقعات و بیانات کی ثقاہت کس درجہ مستحکم ہوگی۔ تیسری اہم بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب رسائل اور کتابیں بیش تر فارسی میں لکھی جاتی تھیں۔ اس رسالہ کا عربی میں لکھا جانا اسے بلاشبہ ایک عالمی جہت عطا کرتا ہے۔ عالم عربی کو بھی ایک طرح سے پیغام جاتا ہے کہ شیخ سرہندی واقعتاً مجدد الف ثانی ہیں۔ چنانچہ اس رسالے کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ ''سبحانك يامن بعث على رأس كل مأة سنة من هذه الامة من يجدد لها دينها''

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ میری اطلاع کی حد تک ہنوز یہ قیمتی عربی مخطوطہ زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے اور شاید خود یہ مخطوطہ سوائے شیفتہ کلکشن مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کس دوسرے کتب خانے میں موجود بھی نہیں۔

پانچویں اہم بات یہ ہے کہ اس رسالے میں مجدد صاحب کے بعض ان رسائل اور حواشی کا تذکرہ ہے جو دوسری کتابوں میں مذکور نہیں ہیں۔

جہاں تک مصنف شیخ عبدالأحد بن سعید بن شیخ احمد عمری سرہند کا تعلق ہے ان کی پیدائش سرہند میں ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی اور ان کے انتقال کے بعد اپنے چچا خواجہ معصوم کے تلمذ میں ایک نسبت خاص پیدا کی۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے بھی آپ کے استفادہ کا ثبوت ملتا ہے۔ شیخ عبدالأحد ایک بڑے عالم، عارف اور ایک اچھے شاعر بھی تھے آپ نے ''الحنات الثمانية'' کے علاوہ شیخ سرہندی کی مجددیت کے اثبات کی غرض سے ایک رسالہ ''شواهد التجديد'' بھی تحریر کیا تھا۔

اس کے علاوہ ان کی بہت ساری تصنیفات بزبان فارسی ہیں۔ حقائق و معارف کے موتیوں سے بھرا آپ کا ایک فارسی ''دیوان شعر'' بھی ہے۔ آپ

کے عالمانہ اور عارفانہ مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے حجۃ اللہ نقشبندی سرہندی نے لکھا ہے ''ہمارے آباء و اجداد میں جتنا کچھ علم و معرفت اللہ نے الگ الگ لوگوں کو عطا کیا تھا وہ سب کچھ اگر ایک عالم میں دیکھنا چاہیں تو وہ صرف شیخ عبدالاحد کی ذات بابرکات تھی آپ کی وفات ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۴ء میں دہلی میں ہوئی اور سرہند میں سپرد خاک کیے گیے[۳]۔

" الجنّات الثمانية " دراصل شیخ عبدالأحد کے سات عربی رسائل کے ایک مجموعہ موسوم بہ ''مجموعۂ رسائل'' کا ایک حصہ ہے جو شیفتہ کلکشن نمبر ۲۷/۶۵ عربی) کی زینت ہے سن کتاب مذکور نہیں۔ اس کا دوسرا نسخہ میرے علم کی حد تک کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ اس رسالے میں کل ۶۴ اوراق ہیں جو خط نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں۔ مصنف نے اسے آٹھ ابواب یعنی ''الجنات الثمانية'' اور حسن خاتمہ پر مکمل کیا ہے۔

ان ابواب میں جن باتوں کو پیش کیا گیا ہے ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

پہلا باب ان بشارتوں پر مشتمل ہے جو شیخ سرہندی کی پیدائش کے قبل ظہور پذیر ہوئیں۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ شیخ باقی باللہ کو بھی بشارت ہوئی تھی کہ ایک صاحب الحقائق والأسرار شخص ظاہر ہوگا اور ان کی ہی سرپرستی میں مدارج پایہ تکمیل کو پہنچیں گے۔

دوسرا باب شیخ کی پیدائش اور ان کے حسب نسب سے متعلق ہے۔

تیسرا باب سلاسلِ مشائخ سے شیخ سرہندی کے انتساب پر مشتمل ہے۔ یہ بڑا اہم باب ہے۔ قاضی بہلول مہران سے حدیث مسلسل کی سند کا پتہ چلتا ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ نقشبندیہ سلسلے میں شیخ سرہندی کو خرقہ حضرت باقی باللہ سے ملا اور قادری سلسلے کا خرقہ حضرت شاہ سکندر سے جن کا تعلق حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے بتایا جاتا ہے۔

چوتھا باب مصافحہ کے طریقے سے متعلق ہے۔ جس میں احادیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ یہ بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس عالم کو کس حدیث کی روایت کی اجازت ملی ہے۔

پانچواں بھی بہت اہم ہے۔ اس میں شیخ سرہندی کی تصنیفات کا ذکر ہے۔ مثلاً المبدأ والمعاد (علم الحقائق والسلوک سے متعلق) معارف لدنیہ (تصوف سے متعلق) المکاشفات العینیہ (علم الکشف والعرفان سے متعلق) رسالۃ فی تحقیق معنی الکلمۃ الطیبۃ لا اله الا الله، فی اثبات النبوۃ مع رد علی الحکماء۔ شرح علیٰ رباعیات خواجہ باقی باللہ فی علم التصوف علی اصلاح القوم، رسالۃ فی مذاہب الشیعۃ۔ اس کے علاوہ حواشی علی شرح المقاصد وشرح المواقف کا تذکرہ ہے۔

چھٹا باب آپ کی کرامات سے متعلق ہے۔ سات سو سے زیادہ کرامات کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں چند کی تفصیل بھی درج ہے۔

ساتواں باب آپ کے اُن احوال پر مشتمل ہے جن میں مکاشفات کا تذکرہ ہے۔

آٹھواں باب بھی خاصہ اہم ہے۔ اس میں مجدد صاحب کے بعض اقوال پر شبہات کے ازالے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سو سال کے بعد اللہ پاک ایک مجدد بھیجتا ہے۔ وحدۃ الشہود سے متعلق اہم دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں کتاب کے خاتمے میں سالکین اور صالحین کے کچھ قصے مذکور ہیں[لہ]۔

اس رسالے کے مجموعی جائزے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے شیخ سرہندی کے سلاسل کی عظمت اور ان کی مبنی بر شریعت فکرِ سلیم کی سند پیش کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اس کے اہل تھے اور حقیقتاً مجدد الف ثانی تھے۔

شیخ سرہندی کی اس سوانح حیات کے پس منظر میں ہمیں اس بات کا احساس ضرور ہوتا ہے کہ نامساعد حالات کی ہزار سنگینیوں کے باوجود مسلکوں کا حل اصلاً

نفس سوختۂ شام وسحر کی تازہ کاری کا تھا، سواسے شیخ احمد سرہندی نے کر دکھایا۔ اسلامی معاشرہ زوال آمادہ تو ہوسکتا ہے لیکن فنا نہیں ہوسکتا اسلامی معاشرے میں انقلاب آفریں شخصیتیں اٹھتی ہیں اور نفس سوختہ کی تازہ کاری کے ذریعہ اسے آفتاب تازہ کے مثل بنا دیتی ہیں۔ ان شخصیتوں میں بجا طور شیخ احمد سرہندی کی شخصیت بھی شامل تھی۔ آخر میں ایک چھوٹی سی تجویز رکھنا چاہوں گا کہ مستقبل قریب میں اس عربی رسالے کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو جائے تو مجدد صاحب کی مناسبت سے ایک مفید کام انجام دیا جائے گا۔

☆/☆

حواشی و مراجع

۱۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۳۳۵
۲۔ سید عبدالحیٔ الحسنی، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۷۸ء جلد ۶، ص ۱۳۷
۳۔ نزہۃ الخواطر، جلد ۶، ص ۱۳۷
۴۔ عبدالاحد، مجموعہ رسائل شیخ: مخطوطہ، شیفتہ کلکشن (مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، عربی، ۲، ۷/۶۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی لاہور میں

پروفیسر محمد اقبال مجددی
(صدر، شعبہ تاریخ، اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور)

☆☆

لاہور کو برصغیر پاکستان و ہند کے مسلم عہد اور اس سے پہلے بھی سیاسی اور سماجی مرکز کی حیثیت سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔

مسلمانوں کے عہد حکومت کے آغاز سے ہی لاہور کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اسے مسلمانوں کی ولایت یعنی افغانستان سے ملحق کر دیا گیا، اور لاہور براہ راست اس ولایت کے علمی و سماجی اثرات سے متاثر ہونا شروع ہو گیا...... اور غزنوی فتوحات کے ساتھ ہی لاہور کو علمی مرکز کی حیثیت سے جانا پہچانا جانے لگا۔

یہاں اس ولایت کے اکابر اہل علم و عرفان آنے اور بسنے لگے۔ ان بزرگوں میں حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش غزنی افغانستان سے طویل سیاحت کے بعد لاہور تشریف لائے تھے۔ آپ کے مرشد گرامی نے آپ کو لاہور میں قیام کا حکم فرمایا، جو اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ہمارا شہر لاہور چوتھی صدی ہجری تک عالم اسلام کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔

صرف ایک صدی میں ہی اسے شہرت دوام نصیب ہوئی، اور چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی میں جب اسلامی ہند کی تاریخ کی پہلی کتاب ''تاج المآثر''[۱] کے نام سے حسن نظامی نیشاپوری نے لکھی، تو اس نے لاہور کا ذکر کرتے ہوئے اسے ''قبلۂ احرار و ابرار'' ''کعبۂ اشراف'' مرکزِ اہل تقویٰ'' ''مامن زُہّاد و عُبّاد'' اور ''مسکن اقطاب و اوتاد'' قرار دیا۔

اس عہد کے دوسرے اہم مورخ فخر مدبر نے جس کی زندگی کا زیادہ حصہ لاہور میں گزرا تھا، لاہور کو ''مرکزِ اسلام ہند'' اور ثانی دارالملک غزنین'' کا درجہ دیا ہے۔ اسی مورخ نے اپنی دوسری اہم کتاب

''بحرالانساب'' لکھنی شروع کی تو انساب جیسے موضوع پر اُسے صرف لاہور کے کتب خانوں سے ایک ہزار کتابیں مل گئیں۔[۱]

حضرات افسوس ہے کہ کچھ اغیار کی دست درازیوں اور اس سے بڑھ کر ہماری اپنی بے حسی کے باعث لاہور کے یہ کتب خانے تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اور آج ہمیں لاہور کے بارے میں اگر کچھ تحقیق کرنا ہو تو یورپ و انگلستان کے کتب خانوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

لاہور کے بارے میں بہت سے اصحاب علم و دانش نے اپنے تاثرات بیان کیے ہیں ان سب کے احاطہ کی یہاں گنجایش نہیں ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ (۹۷۱ھ–۱۰۳۴ھ/۱۵۶۴ء–۱۶۲۴ء) متعدد مرتبہ لاہور تشریف لائے اور بعض اوقات تو مدتوں یہاں مقیم رہے۔ آپ کے والد گرامی مخدوم عبدالاحد کے بھی لاہور تشریف لانے کا تذکرہ ملتا ہے۔[۲]

لاہور دور وسطیٰ میں بھی ایسا مقام تھا جہاں کسی نہ کسی طور پر اہل علم و فن آتے رہتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی کے سوانح نگار ابتداء میں آپ کے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے ہمراہ لاہور جانے اور وہاں قیام کرنے کا تذکرہ کرتے ہیں[۳]...... پھر آپ کئی مرتبہ اکیلے بھی لاہور تشریف لائے، یہاں کے علماء و مشائخ سے آپ کی صحبتوں کے دل نشین واقعات بھی ملتے ہیں۔

لاہور کے مشہور عالم مولانا محمد جمال تلوی کا آپ کی خدمت میں آنا اور وحدت الوجود کے مسئلہ پر گفتگو کرنے، اور ان کے حضرت مجدد الف ثانی کے بلند کلمات کا سن کر بے ہوش ہونے کا ذکر تو ''حضرات القدس'' میں بھی کیا گیا ہے...... ''زبدۃ المقامات'' میں لکھا ہے کہ آپ کی مجالس لاہور میں عوام کثرت سے شریک ہوتے تھے[۴] علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سے آپ کی لاہور ہی میں ملاقات ہوئی تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے مرشد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کے ایام (۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) میں لاہور میں ہی تھے کہ وصال کی خبر ملی۔ تو سیدھے دہلی جا کر آپ کے مزار مبارک پر حاضری دی، اور وصال کے بعد بھی آپ کا علماء و صوفیۂ لاہور سے برابر رابطہ رہا...... حضرت خواجہ باقی باللہ کے تربیت یافتہ شیخ ملا محمد طاہر لاہوری حضرت مجدد الف ثانی کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ اور یہی بزرگ آپ کے فرزندان گرامی کے استاد بھی تھے، حضرت مجدد الف ثانی کے ۱۹ مکاتیب لاہور کے علماء و مشائخ کے نام ہیں،

ان اکابر کے علاوہ آپ نے لاہور کے سات صوبہ داروں کے نام مکاتیب ارسال فرمائے ہیں۔

ایک مکتوب میں لاہور کے صوبہ دار نواب قلیج محمد خان کو تحریر فرماتے ہیں:

> ''اظہارِ مُحمدت وشکر گزاری ایشاں می نماید کہ در بلدۂ معظمۂ لاہور بوجودِ ایشاں بسیاری از احکامِ شرعیہ دریں طور زمانہ رواجے پیدا کردہ است وتقویتِ دین وترویج ملت دراں بُقعہ کامل گشتہ است وآں بلدہ نزد فقیر ہمچو قطب ارشاد است نسبت بہ سائر بلادِ ہندوستان خیر و برکت آں بلدہ بجمیع بلادِ ہندوستان ساری ست، اگر آں جا دین را ترویج است در ہمہ جا نحوی از رواج متحقق است''[5]

مکتوب شریف کے اس اقتباس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

١......اس زمانے میں شرع اسلامی تعطل کا شکار تھی۔

٢......نواب قلیج خان کی بدولت لاہور میں احکام شرعیہ کو رواج ملا تھا۔

٣......نواب کے زمانہ صوبہ داری میں دین اسلام کو تقویت اور ملت اسلامیہ کی ترویج ہوئی۔

٤......حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک لاہور ایسے قطب ارشاد کی مانند ہے جس کے وجود سے سارے ہندوستان میں خیر و برکت جاری وساری ہے۔

٥......اس لیے حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں اگر لاہور میں دین اسلام کی ترویج ہوگئی تو سمجھ لیجیے کہ ہندوستان کے تمام علاقوں میں ترویج ملت اور تقویت دین کے امکانات روشن ہوگئے۔

٦......اس مکتوب کا تعلق حتمی طور پر آپ کی تحریک احیائے دین کے آغاز سے ہے۔

نواب قلیج خان ایک پرہیزگار، متقی اور متصلب سُنی قسم کے بزرگ تھے، معاصر مورخ فرید بھکری کا قول ہے کہ:

> ''(نواب) تا یک پاس بدرس علم فقہ وتفسیر ، حدیث در مدرسہ قیام داشت......ودر مذہب اہل سنت تعصب بسیار داشت و در زہد و ریاضت وتقوٰی می کوشید''[6]

جہانگیر بادشاہ نے اپنے دوسرے سال جلوس (۱۰۱۵ھ/۱۶۰۷ء) میں ہی نواب قلیج خان کو لاہور کا صوبہ دار (گورنر) بنا دیا تھا[۷]، حضرت مجدد الف ثانی کے اس مکتوب کا تعلق ان کی اسی صوبہ داری سے ہے، کیوں کہ حضرت مجدد الف ثانی یہ چاہتے تھے کہ جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً بعد ہی راسخ العقیدہ طبقہ امراء، بادشاہ اسلام نور الدین جہانگیر کا قرب حاصل کر لے، اور تاخیر کی صورت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ ''مسلمانانِ ہندو مزاج'' اور صلح کل وعقلیت کے دعویدار بڑھ کر بادشاہ کا قُرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، اور حالات پھر سے اکبر بادشاہ کے عہد جیسے ہو جائیں...... نواب قلیج خان تقریباً پانچ سال لاہور کے گورنر رہے۔ ان کے زمانے میں لاہور میں اسلام کو فروغ ہونا شروع ہو گیا، اور ان کے بعد جب جہانگیر نے چھٹے سال جلوس (۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء) میں لاہور کو ایک بزرگ منصب دار نواب مرتضٰی خان فرید بخاری کو بطور جاگیر دے دیا[۸] تو اس علاقے میں شعائر اسلامی کو مزید تقویت ملنا شروع ہو گئی...... یاد رہے کہ نواب مرتضٰی خان فرید بخاری وہی بزرگ شخصیت ہیں جن کے نام حضرت مجدد الف ثانی کے کئی مکاتیب ہیں، جن میں انہیں عہد اکبر میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو قیامت گزری تھی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے جہانگیری دور میں اسلام اور شریعت کے نفاذ کے لیے متعدد مرتبہ ترغیب دلائی تھی۔ نواب مرتضٰی فرید حضرت مجدد الف ثانی کے مرتب وبنا کردہ ''جرگہ مردان دولت اسلام'' کے سپہ سالار تھے''......

گویا جب حضرت مجدد الف ثانی نے عہد جہانگیری میں احیائے دین کا بیڑا اٹھایا تو آپ کا پہلا قدم اور پہلی منزل یہی مبارک خطہ تھا۔

''مقامات معصومی'' کی دریافت اور اشاعت سے جہاں سلسلۂ نقشبندیہ کی بہت سی روایات پہلی بار علمی وروحانی دنیا کے سامنے آئی ہیں۔ وہاں حضرت مجدد الف ثانی کے لاہور سے روابط کے کئی غیر واضح اشارات کی وضاحت بھی ہوئی ہے۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے فرزند گرامی خواجہ محمد معصوم کا عقد نکاح لاہور میں کیا۔ روم سے ایک نجیب الطرفین سید خانوادہ میر صفر احمد رومی کا رہتا تھا۔ جن کے حضرت مجدد الف ثانی کے ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء سے روابط تھے۔ یہ سید بزرگ اس سال آپ سے بیعت ہوئے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ کے تربیت یافتہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے نامور خلیفہ ملا شیخ محمد طاہر لاہوری نے اس رشتۂ ازدواج کو طے کرنے میں اہم کردار ادا کیا، اور میر صفر احمد رومی کی دوسری صاحبزادی رقیہ کے ساتھ

حدود ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء کو حضرت خواجہ کا نکاح عمل میں آیا "مقامات معصومی" میں ہی لکھا ہے کہ اس نکاح مسنون کے دوران اور بعد حضرت مجدد الف ثانی مدتوں لاہور میں مقیم رہے، اور یہاں کے علماء، صوفیہ اور طبقہ امراء کثیر تعداد میں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوے۔

"مقامات معصومی" سے ہی یہ بات پہلی مرتبہ معلوم ہوئی ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے خُسر اور حضرت مجدد الف ثانی کے مرید خاص میر صفر احمد رومی کا وصال ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء کو لاہور میں ہوا تھا۔ اور وہ یہیں شاہراہ ملتان پر مدفون ہیں، اور ان کا روضہ زیارت گاہ خلائق ہے...... لیکن افسوس کہ آج ان کے روضہ کا لاہور میں کوئی وجود نہیں ہے۔

خود حضرت خواجہ محمد معصوم نے حضرت مجدد الف ثانی کے لشکر جہانگیری کے ساتھ رہنے کی پابندی (۱۰۲۹/۱۰۳۳ھ) کے دوران لشکر کے ساتھ لاہور میں خواجہ قاسم کی حویلی میں قیام، اور وہاں "اسرار و معارف اور کمالاتِ فنا و عدمیت اشیاء" کا ظہور ہوا۔[۹]

ہمیں معلوم نہیں تھا کہ خواجہ قاسم کی اس حویلی میں ایسی کیا بات تھی، وہاں اس قسم کے عالی شان اسرار و معارف کا ظہور کیوں کر ہوا، خوش نصیبی سے "مقامات معصومی" اور کتب تاریخ سے اس حقیقت کا علم ہوا کہ خواجہ قاسم، خواجہ ابوالحسن نقشبندی اور خواجہ عبدالعزیز نقشبندی کے حقیقی بھائی اور خواجگان نقشبندیہ کی اولاد میں سے تھے، انہوں نے ماوراء النہر سے آ کر جہانگیر بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی[۱۰] گویا اس حویلی میں ہمارے نقشبندی بزرگوں کے مقدس انوار پہلے سے کارفرما تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا لاہور میں سب سے زیادہ رابطہ علمی و روحانی اپنے خلیفۂ نامدار حضرت ملا محمد طاہر لاہوری سے تھا، جو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے تربیت یافتہ بھی تھے، اور حضرت مجدد الف ثانی کے دونوں منجھلے فرزند حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمت انہی ملا محمد طاہر لاہوری کے شاگرد خاص تھے، ملا محمد طاہر لاہوری کے علمی و تحقیقی کارناموں سے آج ہم بالکل ناواقف ہیں، لیکن حضرت مجدد الف ثانی کے دونوں صاحبزادگان کی تحریرات خصوصاً خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کی نوشتہ "شرح مشکوۃ المصابیح" سے جو ائمہ حنفیہ کی مرتبہ فقہ کی تائید میں لکھی گئی ہے[۱۱]...... سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملا محمد طاہر کے فقہی افکار کیا تھے، اور ان کی فن حدیث پر کتنی گہری نظر تھی۔

لاہور میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا شیخ صفر احمد رومی،[۱۲] ملا محمد طاہر لاہوری،[۱۳] حویلی خواجہ قاسم نقشبندی (واقعہ محلّہ حاجی سوای موجودہ قلعہ گجر سنگھ) حویلی جدید[۱۴] (واقع گذر تلا نزد میو ہسپتال) اور

محلہ وسکن ملا جمال تلوی میں قیام کرنے کے معاصر شواہد ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ لاہور کی مقامی روایات کے مطابق مغل پورہ غازی آباد میں قدیم مسجد ''مسجد نور'' کے نام سے ہے، مشہور ہے کہ اس مسجد میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اور حضرت مجدد الف ثانی نے قیام کیا اور نمازیں ادا کیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب احیاء دین کی تحریک کا آغاز کیا تو آپ کی سب سے پہلے جس خطے پر نظر پڑی وہ یہی ہمارا شہر لاہور تھا۔ یہاں آپ نے لاہور کے مختلف گورنروں، علماء اور مشایخ سے تعلقات قایم کیے، اور ایک جامع پروگرام کے تحت یہاں سے تحریک کا آغاز اس طریقہ سے فرمایا کہ اس کے اثرات سارے ہندوستان میں نمایاں ہونے لگے، اور آپ نے اپنے مکتوب میں جہاں لاہور کو ''قطب ارشاد'' قرار دیا تھا وہ واقعی عملی طور پر ایسا ہی ہو کر نمودار ہوا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے ایک مارکسی نظریات کے حامل استاد پروفیسر محمد حبیب اور ان کے مکتبۂ فکر جسے تاریخ کا حبیب اسکول آف تھاٹ کہا جاتا ہے، نے ۱۹۶۱ء میں دلائل کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ

> ''سرہندی کے بارے میں یہ خیال کہ انہوں نے اکبر کے دین الٰہی کے خلاف احیاء دین کی قیادت کی تھی محض من گھڑت ہے، اور عقیدت مندوں نے اسے بیسویں صدی میں بیٹھ کر بنایا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے''۔

حاضرین! اس دعویٰ کو آج نصف صدی گزر چکی ہے پاکستان کے کسی محقق کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ اس لایعنی نظریہ کے خلاف ٹھوس اور معاصر شہادتوں کی بنیاد پر کوئی مقالہ تک لکھ سکے۔ جبکہ ہندوستان میں پروفیسر حبیب اسکول آف تھاٹ پر کئی کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ پروفیسر حبیب کی نگرانی میں سید اطہر عباس رضوی نے ۱۹۶۵ء میں پی ایچ ڈی کا مقالہ:

Muslim Revivalist Movements in Northern India

کے نام سے لکھا اور ڈکشنریوں سے مذمت کے الفاظ چن کر حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف لکھے، اور پروفیسر حبیب کے نظریہ کو تقویت بخشی، اسی طرح یہودی سکالر فریڈمان یوحنا کا حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق پی ایچ ڈی کا مقالہ اس کی بازگشت ہے۔

حضرات پاکستان سے حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں درجنوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جنہیں علمی دنیا میں کتب مناقب سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی، بے شک حضرت مجدد الف ثانی کے مناقب ہم جیسے کوتاہ بینوں سے کماحقہ ممکن نہیں ہے...... لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اصل کارنامہ یعنی ''تحریک احیاء دین کی قیادت'' اور اس کے نتائج و اثرات جیسے مباحث کی حاصل کوئی ایسی معیاری کتاب وجود میں نہیں آئی جو اُس عہد کے لٹریچر کے بالاستیعاب و تقابلی مطالعہ کا نتیجہ ہو...... جو نصف صدی سے پروفیسر حبیب اسکول آف تھاٹ کے اثرات کو دنیائے تحقیق میں زائل کر سکے، ہمیں ان موضوعات پر سوچنا اور ایسا لائحہ عمل اپنانا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی کو دنیائے تحقیق میں صحیح مقام دلا سکے۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ فخر مدبر: تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ۳۰
۲.. محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات
۳... زبدۃ المقامات ۱۴۱ (آپ اپنے مرشد کے ساتھ پورا ایک سال لاہور میں مقیم رہے)
۴ ایضاً ۲۲۷۔۲۲۸
۵ مکتوبات امام ربانی ۱/۶۷
۶... ذخیرۃ الخوانین ۱/۱۷۲۔۱۷۳ ، گلزار ابرار (بحوالہ نزہۃ الخواطر ۵/۳۱۳)
۷..... جہانگیر: تو زک جہانگیری ۲۷
۸...... ہم نے ان تمام امور کی تفصیلات عصری شواہد کی بناء پر ''مقامات معصومی'' کی پہلی جلد میں یک جا کر دی ہیں
۹...... مکتوبات معصومیہ ۱/۲۵/۱۰۶۔۱۰۷
۱۰...... جہانگیر: تو زک جہانگیری ۱۳۷، کامگار حسینی: مآثر جہانگیری ۴۵۰، ۴۵۹
۱۱...... زبدۃ المقامات ۳۱۱ (لطائف المدنیہ، مقدمہ ۱۰)
۱۲. .. صفر احمد معصومی: مقامات معصومی ۷۶
۱۳ زبدۃ المقامات
۱۴ محمد معصوم خواجہ، مکتوبات ۱/۲۵/۱۰۶۔۱۰۷

☆....☆ ☆

۷۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُجدّدِ الفِ ثانی قدس سرہٗ

کردار و افکار

غلام مصطفیٰ مُجدّدی ایم اے

اِدارۂ تعلیماتِ مُجدّدیّہ

۵۰۶۳

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلّی و نسلّم علٰی رسولہ الکریم

لاہور سے امام ربانی مجدد الف ثانی کی نسبت

صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد
چیئرمین، امام ربانی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، کراچی

☆☆

صدر ذی وقار، مہمانان گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آج ہم امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۰۳۴ھ) کے محبوب شہر لاہور میں آپکی یاد منارہے ہیں۔ جہاں آپ نے تین چار سال (۱۰۰۸ھ تا ۱۰۱۲ھ) قیام فرمایا اور علم وعرفان کی دولت لٹائی، آپ نے لاہور کے علماء ومشائخ اور گورنروں کے نام خطوط لکھے، گورنر لاہور مرزا قلیج خان (م۔ ۱۰۲۳ھ) کے نام ایک مکتوب شریف میں لاہور کی عظمت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> اور یہ شہر فقیر کے نزدیک ہندوستان کے تمام شہروں کی نسبت قطب ارشاد کی مانند ہے اس شہر کی خیر وبرکت ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیلی ہوئی ہے (جلد اول، مکتوب نمبر ۷۶)

شہر لاہور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا ہی محبوب نہیں بلکہ آپ کے مرشد کریم خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمۃ (م ۱۰۱۲ھ) کا محبوب بھی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ ایام جوانی میں مرشد کی تلاش میں لاہور تشریف لائے اور لاہور کی گلی کوچوں میں دیوانہ وار پھرتے رہے...... بالآخر اپنے مرشد کریم خواجہ املنگی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۰۰۸ھ) کے دامن سے وابستہ ہوگئے...... شہر لاہور میں مدفون مشہور مفکر وشاعر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال (م۔ ۱۹۳۶ء) جن کے نام نامی سے یہ ایوان منسوب ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے کمال عقیدت رکھتے تھے...... وہ حضرت مجدد کے افکار عالیہ سے بے حد متاثر ہوئے...... سرہند شریف حاضر ہوئے تو بے ساختہ پکار اٹھے:۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

جس شہر سیالکوٹ میں ڈاکٹر اقبال کی ولادت ہوئی اسی شہر کے ایک متبحر عالم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (م۔ ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) نے حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ (جن کا نام نامی شیخ احمد ہے) کے منصب جلیل ''مجدد الف ثانی'' کا سب سے پہلے اظہار فرمایا...... جو حق جل مجدہٗ نے آپکو عطا فرمایا علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کے خلیفۂ اجل مفتی ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ (م ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) کے اجداد میں تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ عالم اسلام میں نہایت ممتاز ہیں...... وہ متبحر عالم بھی تھے، بے مثال عارف بھی تھے، باکمال مدبر بھی تھے اور دور اندیش مبلغ بھی تھے...... ان کے ظاہری کمالات دیکھنے والوں نے دیکھے...... ان کے باطنی کمالات کا ادراک معاصرین بھی نہ کر سکے تو متاخرین کا ذکر کیا جائے..... ان کی متعدد تصانیف میں فارسی اور عربی مکتوبات شریف انسانی اور کائناتی حقائق کا سرچشمہ ہیں...... مکتوبات کی تاریخ میں ایسے مکتوبات نظر نہیں آتے جو علم لدنی کا خزانہ ہوں اور ہزاروں کتابوں پر بھاری ہوں...... حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے سچ فرمایا:۔

> فقیر جان جہاں ہوتا ہے اور عالم کی حقیقت کو غیب الغیب سے ظاہر کرسکتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں (عقل بیدار مطبوعہ لاہور صفحہ نمبر ۶)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنی تجدیدی مساعی کا آغاز عہد اکبری میں اُس وقت کیا جب علماء حق شہید کئے جا رہے تھے (۹۹۰ھ تا ۱۰۱۴ھ) اس کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے خود فرمایا...... آپ کا طریقۂ تبلیغ نہایت عارفانہ اور حکیمانہ تھا...... آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے علماء ومشائخ، وزراء وامراء اور بادشاہوں کو خطوط لکھے...... اسی کے ساتھ ساتھ برصغیر کے مختلف صوبوں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں اپنے خلفاء کی قیادت میں بکثرت وفود بھیجے .... آپ کی حکیمانہ مساعی، بیمثال صبر وتحمل اور حیرت انگیز تفکر وتدبر سے برصغیر میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا .... آپکی تعلیمات میں زندگی تھی .. کیونکہ ان تعلیمات کے پیچھے ایک زندہ مثالی نمونہ موجود تھا

جیسا کہ عرض کیا گیا.... آپ نے اپنی تجدیدی مساعی کا آغاز عہد اکبری میں فرمایا جو عہد جہانگیری میں بار آور ہوئیں پھر عہد شاہجہانی اور عہد عالمگیری میں اپنے عروج پر پہنچی اور برصغیر میں

نظام شریعت نافذ ہوا...... آپ کی اولاد احفاد نے بھی نفاذ اسلام کے لئے ہمہ گیر جدوجہد کی...... نہ صرف برصغیر میں بلکہ عرب میں آپ کے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید (م۔ ۱۰۷۰ھ/ ۱۶۵۰ء) اورخواجہ محمد معصوم (۱۰۷۹ھ/ ۱۶۵۹ء) علیہما الرحمۃ اور خلفاء کے ذریعے آپ کا فیض عام ہوا...... متاخرین میں شیخ خالد کردی نقشبندی مجددی کے ذریعے آپ کا سلسلۂ طریقت عرب وعجم میں خوب پھیلا ..... علامہ ابن عابدین شامی، شیخ عبدالغنی نابلسی، شیخ اسماعیل حقی، شیخ عابد سندھی، شیخ زاہد الکوثری وغیرہ نے آپ کا ذکر کیا ہے..... ملک عرب میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے مکتوبات شریف کی تینوں جلدیں عربی میں ترجمہ ہوکر مکہ مکرمہ سے شائع ہوئیں (۷۔ ۱۳۱۶ھ) دوسرا ایڈیشن حال ہی میں بیروت سے شائع ہوا ہے۔ (۱۴۲۴ھ)

ہندوستان کے علماء مشائخ میں شاہ ولی اللہ دہلوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، امام احمد رضا محدث بریلوی نے تعلیمات مجددیہ کو عام کیا...... حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات میں چار باتیں نمایاں نظر آتی ہیں:۔

۱...... درس توحید

۲...... تعظیم وعشق رسول ﷺ

۳...... اتباع رسول ﷺ

۴...... ردّ بدعات

۵...... ردّ فرق باطلہ

امام احمد رضا محدث بریلوی نے انہی امور پر بھرپور کوشش فرمائی...... آپ کی مجاہدانہ کوششوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کو جو انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد معرض خطر میں تھیں، اصل صورت میں زندہ رکھا ... امام احمد رضا کی انہی مساعی کے پیش نظر گزشتہ صدی کے نصف آخر میں امام احمد رضا پر کام کرنے والے محققین کی اکثریت نقشبندی مجددی ہے..... گوان محققین نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی فکر کو زندہ کیا مگر حقیقت میں فکر حضرت مجدد کو زندہ کیا... اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا فکر مجدد کے علمبردار تھے اس وقت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ نہ صرف عرب میں بلکہ پوری دنیا میں پھیلا

ہوا ہے...... ہر براعظم میں نقشبندی مجددی مشائخ موجود ہیں...... گزشتہ صدی میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وافکار وخدمات پر کام ہوا ہے... جن علماء و محققین نے کام کیا ہے ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:۔

○...... حضرت ابوالحسن زید فاروقی
○...... حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
○...... پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان نقشبندی
○...... پروفیسر محمد اقبال مجددی
○...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
○...... محمد صادق قصوری
○...... صوفی غلام سرور مجددی
○...... پروفیسر غلام مصطفٰے مجددی
○...... ابوالحسن علی ندوی
○...... سید زوار حسین شاہ
○...... منظور احمد نعمانی

اب تک ہماری معلومات کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی شخصیت وفکر کے مختلف پہلوؤں پر پاکستان و ہندوستان، امریکہ وترکی وغیرہ سے بارہ محققین ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں......

اس وقت اتحاد بین المسلمین کی سخت ضرورت ہے...... حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے سوا ماضی قریب وبعید میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو متحد کر سکے...... اہل سنت وجماعت کے تمام سلاسل طریقت اور تمام مکاتب فکر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی ذات پر مجتمع ہیں...... اور آپکی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اس لئے اتحاد بین المسلمین کے لئے آپ کی شخصیت اور تعلیمات زیادہ مؤثر ہو سکتی ہیں...... ڈاکٹر اقبال نے آج سے نوے سال پہلے کہا تھا......

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

پھر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے حضور یہ دردمندانہ التجا پیش کرتے ہیں:۔

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

عہد حاضر میں اتحاد بین المسلمین کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا جاوید اقبال مظہری نے کراچی میں ۲۰۰۲ء میں امام ربانی فاؤنڈیشن (انٹرنیشنل) قائم کی...... جس نے ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۵ء تک مسلسل تین سال جدوجہد کر کے اراکین ومعاونین کے تعاون سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے حالات وخدمات اور مقالات پر تقریباً دوسو فضلا اور محققین کے مقالات کا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا شائع کیا ہے...... جس کی سات جلدیں اس علمی مجلس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے...... امام ربانی فاؤنڈیشن کی یہ مساعی حقیقت میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر کام کا آغاز ہے......

جناب صوفی غلام سرور نقشبندی کی زیر صدارت حضرت مجدد الف ثانی سوسائٹی کئی برس سے امام ربانی کانفرنس کا انعقاد کرتی آرہی ہے۔ حوضۂ نقشبندی (لاہور) نے حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری کی سرپرستی میں اپنا علمی سفر شروع کر دیا ہے جو قابل مبارکباد ہے...... اللہ تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر کام کرنے والوں کی غیب سے مدد فرمائے اور آپ کی تعلیمات کو عام کر کے ملت اسلامیہ کو متحد ومتفق فرمائے۔ آمین

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

☆......☆......☆

ماخذ ومراجع

۱......ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ چہارم) کراچی
۲......احمد سرہندی، شیخ مکتوبات امام ربانی (سہ مجلدات) مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ

۳......احمد سرہندی، شیخ: اثبات النبوۃ، کراچی ۱۳۱۳ھ

۴.... سلطان باہو: عقل بیدار لاہور

۵......محمد اسلم، پروفیسر: دین الٰہی اور اسکا پس منظر، لاہور ۱۳۸۹ھ

۶......محمد اقبال، ڈاکٹر: بال جبریل، لاہور ۱۳۷۹ھ

۷......محمد مراد، منزلوی: الدرر المکنونات النفیسہ (سہ مجلدات) (۱۳۱۶۔۱۷ھ) مکہ مکرمہ

۸......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال کراچی ۱۴۲۳ھ

۹......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: سیرت مجدد الف ثانی کراچی ۱۳۹۶ھ

۱۰......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: محدث بریلوی، کراچی ۱۴۲۵ھ

۱۱......مصطفٰے حسنین عبد الہادی: المکتوبات الربانیہ (سہ مجلدات) بیروت ۱۴۲۴ھ

۱۲......محمد ہاشم، کشمی: زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ

۱۳......محمد مسرور احمد، ابو السرور، جاوید اقبال مظہری، اقبال احمد اختر القادری، ڈاکٹر: جہان امام ربانی (ہفت مجلدات) مطبوعہ کراچی ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء

☆......☆......☆

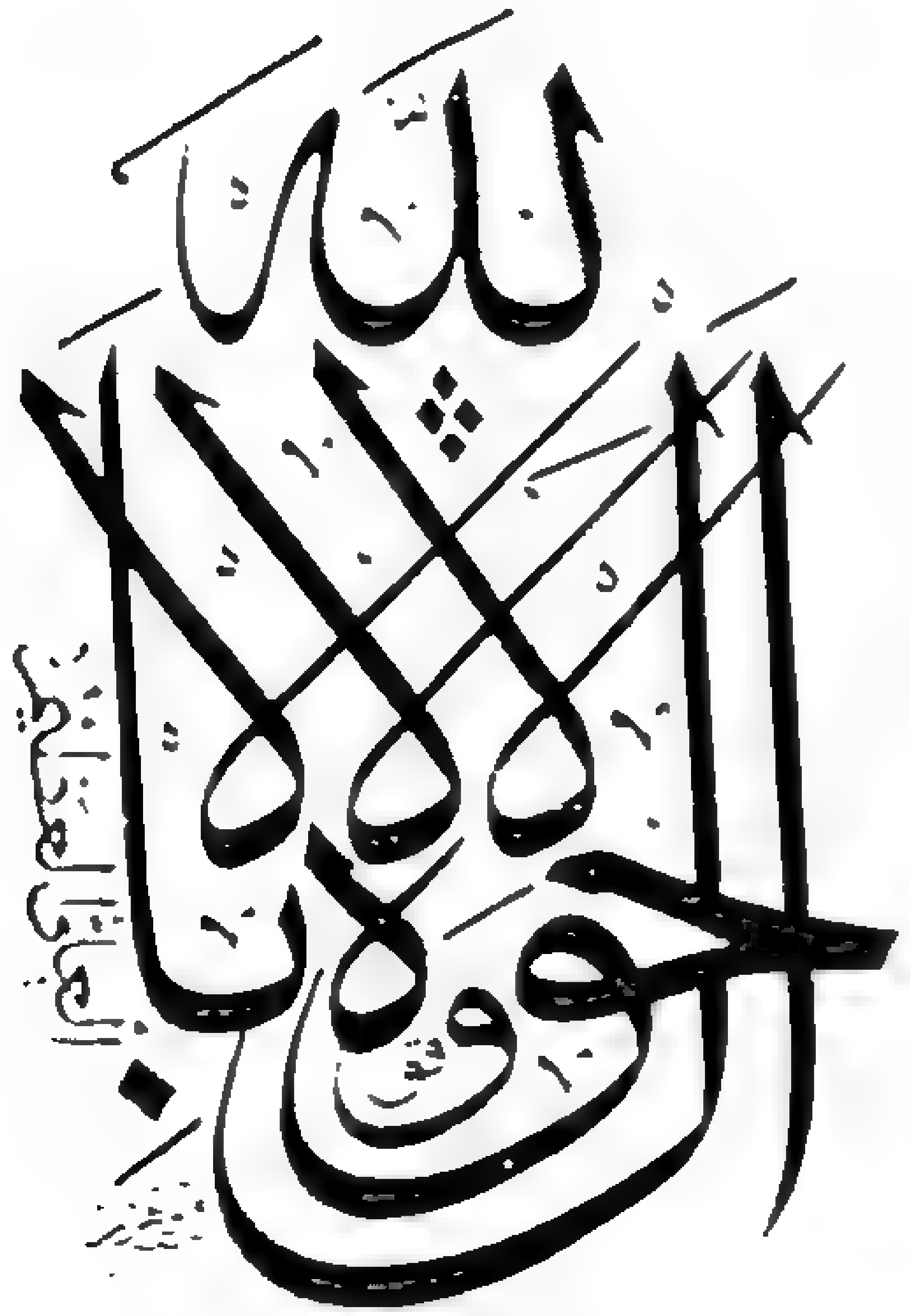

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ دوم

وہ سوزِ حضرت صدیق و جلالِ عمر
حیائے حضرت عثمان شجاعت حیدر
(خالد محمود)

رسائلِ مجدّدِ الفِ ثانی

تصنیفِ لطیف

حضرت شیخ احمد مجددِ الفِ ثانی سرہندی رضی اللہ عنہ

ترتیب

علامہ غلام مصطفٰے مجددی ایم۔اے

قادری رضوی کتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور

۵۰۷۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

فکر مجدد الف ثانی میں خلفاء راشدین کا مقام و مرتبہ

محمد یٰسین مظہر صدیقی

(ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

☆☆

حضرت شیخ احمد سرہندی بن شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی (۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء۔ ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) کو بالعموم مجددِ الف ثانی کے عظیم لقب سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ دوسرے ہزارۂ اسلامی میں انھوں نے اہم تجدیدی کارنامے انجام دئے۔ اپنی ولادتِ باسعادت (جمعہ ۴؍شوال ۹۷۱ھ/۲۶ مئی ۱۵۶۴ء) کے بعد ہوش وخرد سنبھالنے اور تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے وقت سے اپنی وفاتِ حسرت آیات (۲۸؍صفر ۱۰۳۴ھ/۱۰؍دسمبر ۱۶۲۴ء) تک تقریباً نصف صدی کے عرصے میں انھوں نے دوسرے اہم کاموں کے علاوہ جو سب سے عظیم کارنامہ انجام دیا وہ شریعت وطریقت کی کامل آہنگی اور تعامل کا ہے[۱]

تصوف وشریعت کے درمیان رشتۂ ارتباط اور سلسلۂ تفاعل ہمیشہ باعثِ اختلاف رہا ہے۔ اسلامی محققین اور بالغ نظر صوفیہ نے بہرحال تصوف کو شریعت کے تابع رکھا اور صوفیہ کے لئے شریعت کی پیروی لازم قرار دی، یہاں تک کہ بعض محققین صوفیہ نے شریعت سے متصادم تصوف وطریقت کو الحاد، زندقہ اور غیر اسلامی ہی ٹھہرایا۔ شیخ سرہندی کے بقول ”علوم لدنیہ کی درستی وصحت کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعیہ کے ساتھ صریح مطابقت وموافقت رکھتے ہوں“۔[۲]

حضرت مجدد بھی اسی فکر وعقیدے کے حامل اور داعی تھے اور اپنے خطبات ومواعظ ومکتوبات میں شریعت کی پابندی کو لازمی بتاتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں ”متابعت شریعت ہی اصل کار اور مدارِ نجات ومناطِ سعادت ہے“۔[۳]

فکرِ مجدد پر تحقیق کرنے والے علماء و صوفیہ اور دوسرے اہلِ علم نے ان کے اس اصولِ محکم اور قولِ فیصل کو ایک امتیازی علامت کہا ہے۔

بایں ہمہ شریعت و طریقت کے باہمی تعامل اور ان دونوں کے افکار و نظریات اور عقائد و اصول میں فرق پایا جاتا ہے۔ اور یہ فرق بہت اہم بھی ہے اور دور رس نتائج کا حامل بھی۔ اور یہ فرق شریعت و طریقت کے مآخذ سے شروع ہوتا ہے۔ بلاشبہ صوفی تعلیمات و افکار کا خاصا بڑا حصہ کتاب و سنت اور صحابہ و سلف کے اعمال و افکار سے ماخوذ و مستفاد ہے۔ لیکن بہت سے صوفی افکار و نظریات صوفیہ کرام کے کشف و الہام اور دوسرے غیبی ذرائع و مآخذ سے وجود و عمل میں آئے ہیں۔ ایسے شخصی روحانی تجربات کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر ان کی قطعیت اور ان سے زیادہ ان کے اطلاق پر کلام کیا گیا ہے۔[۵]

شریعت کے مآخذِ اصلی۔ قرآن مجید اور حدیث و سنت۔ وحی الٰہی کے قطعی ذرائع ابلاغ پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کی قطعیت و پختگی کی کئی جہات ہیں: اول یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ الفاظ و معانی پر حتمی طور سے قائم و استوار ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ الفاظ و معانی پوری طرح قلب و ذہنِ نبویؐ اور یادداشت محمدیؐ میں پیوست ہو کر مسلمہ واقعہ اور حقیقت ثابتہ بن جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ زبانِ رسالت مآب ﷺ سے ادا ہوتے ہی وہ اہلِ ایمان کے حافظہ اور یادداشت اور قلب و روح میں سما جاتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ وہ اہلِ ایمان و ایقان کے قلب و نظر سے چھن کر قرطاس و کاغذ کے صفحات پر نقشِ الٰہی بن کر بصری شواہد بن جاتے ہیں۔ پانچوں یہ کہ وہ نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ غیر مسلموں کے مشاہدے میں بھی آ جاتے ہیں، وحی الٰہی کے نزول کے شواہد بن کر بھی اور تحریری گواہی کی صورت میں بھی۔ چھٹے یہ کہ ان کے منزل من اللہ ہونے کا قطعی اور پختہ یقین صاحبِ رسالت و نبوت ﷺ اور مسلمانوں کو تو ہوتا ہی ہے کافروں کو بھی اس سے انکار نہیں ہوتا۔[۶]

طریقت و روحانی تجربے کے ذرائع خالص ذاتی تجربات ہوتے ہیں اور ان کی قطعیت پر صاحبِ تجربہ کو بسا اوقات اطمینان ہوتا ہے لیکن کبھی اس کو بھی صرف ظن و گمان ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی کشف و تجربے کے ہر دم منجانب اللہ ہونے کا یقین نہیں کر سکتا۔ اگرچہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) صوفیہ کے ذاتی کشف و الہام میں خطا کے قائل نہیں ہیں اور اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تاہم ان کے روحانی مرشد و پیشرو حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کشف والہام اور دوسرے روحانی تجربات صوفیہ میں خطا کا امکان مانتے ہیں۔ انکشافات والہامات غیبی کی تعبیر و تشریح میں تمام صوفیہ کرام اور تقریباً سارے اہلِ طریقت اس کے قائل ہیں کہ غلطی و خطا ان میں ہو سکتی ہے۔ [۷]

ان دونوں مآخذ علم و حقیقت کے اطلاقی پہلو میں بھی جوہری فرق ہے جس کو آسمان و زمین کا فرق بھی کہا جا سکتا ہے۔ شریعت کے اصول و تعلیمات اہل ایمان و اسلام بلکہ ساری دنیائے انسانیت کے لئے واجب و فرض اور ضروری و لازمی ہیں، ان کے تسلیم و اقرار پر لوگ مسلم و مومن بنتے ہیں اور ان کے انکار و رد پر کافر ٹھہرتے ہیں۔ اور ان پر عمل سے اچھے مسلم اور بدعملی سے گناہ گار ہو جاتے ہیں۔ محققین صوفیہ اور اکابر اہلِ طریقت میں سے بیشتر کا عقیدہ و فکر ہے کہ ایک صوفی کا کشف و الہام یا وجدان سے حاصل کردہ علم اس کے لئے بھی واجب و ضروری نہیں ہے چہ جائے کہ وہ دوسروں کے لئے واجب و ضروری بنے، کیونکہ وہ اس کا ذاتی تجربہ ہے، نوعی/انسانی تجربہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ شریعت سے تصادم کی صورت میں کشف و الہام صوفی کو مسترد کر دیا جائے گا اگر تطبیق کی صورت نہ نکلے۔ شیخ سرہندی کے خیال میں، ''الہام انکار کی گنجائش نہیں رکھتا اگرچہ دوسرے کے لئے حجت بھی نہیں ہے''۔ [۸]

علم و حقیقت کے ان دو مختلف مآخذ اور الگ الگ سرچشموں کا صحیح اسلامی تناظر میں ہی مطالعہ کرنا ضروری بن جاتا ہے۔ دوسرے صوفی نظریات،

تجربات، مشاہدات اور افکار و اعمال کے علاوہ خلفاء راشدین کے مقام و مرتبہ کا معاملہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ بہت سے اکابر صوفیہ کی مانند حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی فکر و فلسفہ میں اس موضوع کی دو مختلف جہات ملتی ہیں: ایک ان کے واضح بیانات و افکار و نظریات ہیں جو خالص کتاب و سنت، تعامل و طریقِ صحابہ اور علماء متبحرین کے مطابق نظر آتے ہیں جن کو ہم شریعت سے ہم آہنگ نظریات و افکار کہہ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ قطعی نصوص و پختہ متون پر مبنی و مشتمل ہیں۔ دوسری جہت صوفی ہے، اس بنا پر کہ خلفاء راشدین کے بارے میں حضرت مجدد کے افکار و نظریات ان کے روحانی تجربے پر مبنی ہیں۔ ان دونوں میں بہت واضح فرق پایا جاتا ہے، اس دعوے اور کسی حد تک حقیقت کے باوجود کہ حضرت مجدد کا تصوف خالص کتاب سنت پر مبنی تھا یا کم از کم شریعت کے تابع تھا۔

اس باب خاص میں دو امور یا نکات کو بطور خاص مد نظر رکھنا ضروری ہے ورنہ نظریات مجدد کی تفہیم مشکل ہوگی: اول یہ کہ ضروری نہیں کہ تمام تجرباتی نظریاتِ مجدد، بالخصوص خلفاء راشدین کے بارے میں ان کے کشفی خیالات و افکار، شرعی نقطۂ نظر کے خلاف ہی ہوں، وہ ہم آہنگ بھی ہو سکتے ہیں اور منفرد بھی اور متضاد و منافی بھی، اور ہر صورت میں ان کا مقام و مرتبہ الگ الگ ٹھہرے گا۔ ہم آہنگ ہونے کی صورت میں وہ شرعی و قطعی ضرور بن جائیں گے مگر ان کی حیثیت ثانوی اور تائیدی ہی ہوگی، وہ اولیت نہیں رکھیں گے۔ منفرد اور ممتاز خیالات و افکار کی کسوٹی بھی امت اسلامی اور اس سے بڑھ کر صحابہ کرام اور حدیث نبوی کا معیار ہے، اگر اس سے متصادم نہیں اور روحِ اسلام کے مطابق ہیں تو وہ بھی تسلیم کر لئے جائیں گے۔ مسئلہ ان افکار و خیالات کا ہے جو ان کے کشف و الہام اور روحانی تجربے کے سبب ان کے مسلمہ عقائد و اصول اور صحابہ کرام کے اتفاق اور حدیث و قرآن کے اجماع کے خلاف جاتے نظر آتے ہیں۔

اسی بنا پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کے

مقام و مرتبہ سے وابستہ فکرِ مجدد کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مطالعہ کیا جائے۔ ایک ان کے افکار و نظریات جو شرعی نقطہ نظر سے ہیں اور اسلامی امت و صحابہ کرام کے اجماعی نظریات ہیں، دوسرے وہ افکار و نظریات جو حضرت مجدد کے شخصی تجربات اور روحانی کشف والہام پر مبنی ہیں۔ اسی صورت میں تنقید و تجزیہ کی صحیح راہ ملے گی۔

(الف) شرعی اسلامی نقطۂ نظر

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور مقام و مرتبے کے بارے میں اپنے مکتوبات میں خاصا لکھا ہے۔ ان کا فرمان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین سب کے سب بزرگ اور قابلِ تعظیم و تکریم ہیں کہ ائمہ اسلام ہیں۔ مختلف کتبِ حدیث سے احادیث نبوی اس باب میں نقل کی ہیں جن کو معنی و مفہوم اور اطلاق کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول ان کے چیدہ و چنندہ طبقہ کے مقام و مرتبت اور ان کی فضیلت کے باب میں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں اور ان کا احترام و محبت سب پر واجب ہے، اور ان سے محبت و عقیدت کا مطلب ہے رسولِ اکرم ﷺ سے محبت و عقیدت و الفت، جو اصل بنیادِ ایمان ہے۔ دوسری وہ احادیث و ارشادات ہیں جن میں رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو صحابہ کرام پر نقد و تبصرہ اور طعن و شتم کرنے سے روکا ہے اور ایسے مرتکبین کو نہ صرف شرار امت قرار دیا ہے بلکہ رسول اکرم ﷺ کو تکلیف و ایذا دینے والا اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض بتایا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام سے بدظنی، اختلاف، نفرت و عداوت دراصل رسول اکرم ﷺ سے بغض و حسد و نفرت و دشمنی پر مبنی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ انسان تھے اور بشری خطاؤں سے عاری و محفوظ نہ تھے لیکن وہ حرص و ہوس اور نفسانیت کے مارے ہوئے نہ تھے۔ ان کے اختلافات، خواہ سیاسی ہوں یا دینی، سماجی ہوں یا تہذیبی، یا کسی اور نوع کے، وہ سب حق پرستی اور دینداری ہی

پر مبنی تھے۔ وہ تعصبات سے دور، نفسانی خواہشات سے محفوظ اور اجتہاد و رائے صحیح پر گامزن تھے جس کے سبب وہ خطا میں بھی مستحق اجر تھے۔ ان کے اختلافات و مشاجرات کی تاویل و توجیہ کی جائے گی اور ان کے باعث کسی بھی فرد یا طبقہ صحابہ کرام پر زبان درازی نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ سب مقتدائے امت اور فضلائے جماعت تھے اور ان کی غلطیاں اجتہادی تھیں لہذا وہ موردِ طعن و نقد نہیں بن سکتی ہیں۔ اہل ایمان پر ان کی توقیر و تکریم اور تعظیم و تجلیل ہی نہیں ان سے محبت و عقیدت اور شیفتگی و شائستگی بھی واجب فرض ہے۔ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: ''لہذا تم پر حضور سرورِ کائنات اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین، جو ہدایت دینے والے اور ہدایت یافتہ ہیں، کی متابعت لازم و ضروری ہے کیونکہ خلفاء راشدین ہدایت کے ستارے اور ولایت کے آفتاب ہیں، تو جس کو ان کی پیروی کا شرف نصیب ہو گیا وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو گیا، اور جس کی سرشت میں ان کی مخالفت ڈال دی وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''[۹]

خلفاء راشدین کے مقام و مرتبے کے باب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ صحابہ کرام اور اجماع امت کے عقیدے کے پابند ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ، اجماع صحابہ، اجماع امت اور اکابر صوفیہ کے اقوال فیصل کے مطابق سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ افضل ترین امت ہیں، افضلیت کے تیسرے مقام پر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ فائز ہیں اور چوتھے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان چاروں افضل ترین امت کی افضلیت ان کے مجموعی اوصاف و کمالات کی بنا پر ہے لہذا وہ ان کا ذاتی مقام و مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہوا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ سے اسے واضح کر دیا۔ ان چاروں اکابرین امت میں بھی افضلیت کے بر بنائے اوصاف علمی و کمالات دینی دو طبقات پائے جاتے ہیں۔ اول طبقہ میں حضرات ابوبکر صدیق و عمر فاروق

رضی اللہ عنہما رکھے جاتے ہیں اور جن کو اکابر امت نے شیخین کے لقب سے نوازا اور ممتاز کیا ہے۔ دوسرے طبقہ میں حضرات عثمان غنی اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما ہیں جو اپنے ذاتی مقام و مرتبے کے سبب طرفین بھی کہلائے جاسکتے ہیں بقول حضرت مجددؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مجھے حضرات شیخین پر فضیلت دی وہ مفتری ہے اور میں اس پر افتراء کی حد جاری کروں گا۔ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اجماع واتفاق سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ بعد کے امامانِ امت میں شامل ہیں: امام شافعی، امام ابوالحسن اشعری اور متعدد دوسرے اکابر علماء و شیوخ جن کا اجماع ہے کہ باقی امتِ صحابہ پر ان کی افضلیت قطعی ہے۔

بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چاروں اکابر صحابہ چونکہ یکے بعد دیگرے خلیفہ اسلام بنے لہذا ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کی بنا پر قائم ہے یعنی اول ابوبکر، دوم عمر، سوم عثمان اور چہارم علی رضی اللہ عنہم۔ یہ معیارِ افضلیت غلط خیال پر مبنی ہے۔ خلافت کے منصب و عہدے پر ان کے یکے بعد دیگرے فائز ہونے سے ان کی افضلیت نہیں قائم ہوئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خلافت نے ان کی درجہ بدرجہ افضلیت طے نہیں کی تھی بلکہ ان کی افضلیت نے ان کو درجہ بدرجہ خلافت نبوی سے سرفراز کیا تھا۔ لہذا ان کی ترتیب خلافت ان کی ترتیب افضلیت ہرگز نہیں ہے بلکہ ترتیب خلافت ان کی افضلیت کی ترتیب کو واضح کرتی ہے۔ اس کی تائید احادیث نبوی، اجماعِ امت، اکابر کے اقوال کے علاوہ اقوال و ارشادات صوفیہ کرام سے بھی ہوتی ہے۔

فکر مجددؒ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کے اقوال، ارشادات، اعمال اور کارنامے مکتوبات امام ربانی میں جابجا منقول ملتے ہیں اور حضرت مجددؒ ان کی تشریح و تاویل بھی مخصوص انداز سے فرماتے جاتے ہیں

اور ایسے تمام مقالات مجدد شرعی و تاریخی نقطۂ نظر سے ملتے ہیں ان کے موضوعات مختلف ہیں لیکن بہر حال وہ دین و شریعت ہی کے کسی نہ کسی باب سے متعلق ہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ موضوعات کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے اثرات سے متعلق ایک بیان مجددؒ یہ ہے کہ ''صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ قرآن مجید پڑھتا ہے اور روتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن اب ہمارے دل سخت ہو چکے ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد مدح مشابہ ذم کے قبیل سے ہے۔''[۱۰]

اسی طرح دوسرے خلفاء کرام کے بارے میں بعض شرعی افکار ملتے ہیں جن سے سر دست زیادہ بحث بھی نہیں ہے۔

(ب) صوفی روحانی تجربات کی میزان میں

یہ لازمی نہیں کہ صوفی روحانی تجربات میں شرعی نقطۂ نظر سے اختلاف و تصادم و نزاع پایا جائے، بلکہ وہ شرعی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ اور اجماع صحابہ و امت کے موئد بھی ہو سکتے ہیں اور متعدد معاملات میں وہ درحقیقت ہیں بھی۔ خود ان کے الفاظ میں '' تمام مکاشفات ظاہر شریعت کے مطابق ہو چکے ہیں[۱۱]'' خلفائے راشدین کی ترتیب افضلیت اور ترتیب خلافت دونوں کے بارے میں حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اپنے خیالات روحانی کا ذکر کیا ہے اور دوسرے بعض بزرگ صوفیہ اور اکابر طریقت کے ارشادات بھی نقل کیے ہیں، ایسے ارشادات و اقوال جو ان بزرگوں کے باطنی کشف و وجدان پر مبنی تھے ان میں سے بعض ارشادات کو حدیث نبوی کی بنا پر بیان کیا گیا ہے جو صرف صوفی ادب میں ملتے ہیں۔

افضلیت خلفاء راشدین کے بارے میں حضرت مجددؒ نے ایک بیان

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا نقل کیا ہے: ''شیخ گیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ایک حدیث نبوی یوں نقل کی ہے کہ ایک بار مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں عروج حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا میرے بعد علیؓ خلیفہ ہوں گے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے، وہ جو چاہے گا وہی ہوگا۔ البتہ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہوں گے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی حضرت شیخ جیلانیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ سے ایک عہد و وعدہ لیا تھا کہ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ، اور ان کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں گے''[۱۲]

مقاماتِ خلفاءِ راشدین

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے عرش پر اپنے مختلف عروج کا ذکر مکتوبات کے دفاتر میں مختلف مقامات پر کیا ہے۔ انہی روحانی تجربات کے دوران ان کو گذشتہ انبیاء کرام، صحابہ عظام، خلفاء راشدین اور دوسرے اولیاء کے مقامات کا ادراک ہوا۔ مرتبہ اول کے عروج میں حضرت مجددؒ نے ایک اہم حقیقت بھی بیان کی ہے جو ان مقامات کے اختلاف و تفاوت کو بیان کرتی ہے۔ اس سے زیادہ یہ حقیقت اجاگر کرتی ہے کہ اشخاص کے مقامات ان کے درجات کے مطابق تھے اور ان کے باہمی مقامات میں جو تفاوت تھا وہ ان کے درجات کے سبب تھا۔ یہ ایک اصولی بحث بھی ہے جس کے اثرات و اسباب و محرکات قابل ملاحظہ ہیں۔

مرتبہ دوم میں جو عروج ہوا اس میں شیخ مجددؒ نے دوسرے اکابر کے علاوہ خلفاءِ راشدین کے مقامات کا مشاہدہ کیا۔ درجہ بدرجہ مقاماتِ مشائخ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''ان سے اوپر ائمہ اہل بیت تھے اور ان سے اوپر خلفائے

راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین''۱۳؎۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ کے مکاشفاتِ مقامات میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے حوالے سے کئی مختلف نظریات ملتے ہیں: اول تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقامات درجہ بدرجہ کے مشاہدے سے متعلق ہیں۔ ان میں عمومی طور سے چاروں خلفاء کرام کو شامل کرتے ہیں۔ خواہ ان کے درجات ومقامات کے تفاوت کے حوالے سے ہی کیوں نہ ہو۔ بالعموم تمام خلفاء راشدین کا ذکر فرماتے ہیں۔ دوسرے کبھی صرف خلفاء ثلاثہ کے مقامات کا مجموعی ذکر کرتے ہیں اور اولین تین خلفاء کو اس میں شامل وداخل فرماتے ہیں۔ تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام خلفاء راشدین میں مخصوص مقام کو انفرادیت وامتیاز کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کو الگ کرتے ہیں۔ ان تینوں کے علاوہ کبھی کبھی صرف شیخین کے مقامات کے مشاہدے، ان کے مقامات کی عظمت وجلالت وافضلیت کا ذکر فرماتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے ان چاروں طبقات مقام میں ان کے عمومی ذکر یا طبقاتی حوالے کے علاوہ یعنی خلفائے راشدین، خلفائے ثلاثہ، شیخین کے ساتھ ساتھ ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ بھی ان کے مقامات عالیہ کا ذکر کرتے ہیں اور ان مقامات کا خاص نکتہ مجدد رحمہ اللہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا اپنا عبور بھی ان مقامات سے ہوتا ہے۔

مقاماتِ خلفاء ثلاثہ:

اپنے مخصوص صوفی نظریات کے مطابق حضرت مجددؒ نے بعض مقامات میں صرف خلفاء ثلاثہ کا مخصوص ذکر کیا ہے۔ اپنے شیخ حضرت باقی باللہ رحمہ اللہ کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''جس مقام میں ناچیز نے اپنے آپ کو پہلے دیکھا تھا آپ کے حکم عالی کے مطابق دوبارہ اس کا ملاحظہ کیا تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عبور اس مقام میں دکھائی دیا۔ مگر چونکہ اس مقام میں قیام واستقرار نہ تھا اس وجہ سے پہلی دفعہ نظر نہ پڑی......''۱۴؎۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اولین بار اپنے آپ کو اس مقام کے مناسب نہیں پایا تھا اس لئے ملاحظہ نہ فرما سکے۔ دوسری بار یہ بے مناسبتی دور ہوگئی۔

اسی مکتوب میں آگے چل کر مقامات کے فروتر اور بلند تر درجات کا ذکر فرما کر خلفاء ثلاثہ کے اسماء گرامی کے ساتھ ان کے مقامات کے مشاہدے کا بیان ملتا ہے۔ اس میں قابل لحاظ نکتہ یہ ہے کہ عروج فروتر مقام سے بلند تر مقامات کی طرف ہوتا ہے'' ...... اس مقام کو دوبارہ ملاحظہ کرنے سے کچھ اور مقامات اوپر نیچے ظاہر ہوئے۔ عاجزی اور شکستگی کے ساتھ توجہ کرنے کے بعد جب اس مقام پر جو مقام سابق سے فوق اور اوپر تھا پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے۔ اور یہ مقام بھی تکمیل وارشاد کا مقام ہے...... اس مقام کے اوپر ایک اور مقام دکھائی دیا جب اس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے اور اس مقام سے بھی اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ اس مقام تک بھی پہنچنا نصیب ہوا...... اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام سے عبور واقع ہو چکا ہے۔ فرق صرف عبور اور قیام اور گذرنے ٹھہرنے کا ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام محسوس نہیں ہوتا۔ سوائے حضرت رسالت خاتمیت کے مقام کا......''۱۵؎ حضرت مجدد کی اپنی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام سب سے فروتر ہے۔ اس سے بلند تر حضرت عمر فاروقؓ کا مقام ہے اور ان سے بھی بلند تر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ہے جو رسول اکرم ﷺ کے مقام اعلیٰ کے بعد ہی ہے۔ انسانوں میں مقام رسالت تک پہونچ کسی کی بساط میں نہیں ہے کہ وہ مقام نبوت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام خاص

اگر چہ نقشبندی صوفیہ اپنی نسبتِ سلسلہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قائم واستوار کرتے ہیں، تاہم ان میں بھی، اور دوسرے سلاسلِ تصوف۔ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ۔ میں ان سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام خاص ہے۔ دراصل اکابر صوفیہ، خواہ قدیم ہوں یا متاخر، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو علوم باطنی میں رسول اکرم ﷺ کا خلیفہ ووارث سمجھتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی اس نظریہ وفکر کے حامی، علمبردار اور داعی تھے۔ ان کی نگارشات میں دوسرے مؤلف صوفیہ کی مانند حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ باطنی کا نظریہ وتصور پایا جاتا ہے اور وہ ایک طرح سے صوفیہ کا اجماعی فیصلہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام خاص کی بازگشت مکتوبات امام ربانی میں جابجا سنائی دیتی ہے کہ وہ ان کا محبوب خیال تھا۔ افضلیت شیخین اور خلفاء ثلاثہ کے درجہ بدرجہ تفاوتِ مراتب کے باوجود بہت سے معاملات وامورِ تصوف میں وہ خلیفہ چہارم کی مخصوص افضلیت کے نظریہ کو مختلف دفاتر کے متعدد مکتوبات میں بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک مقامات روحانی صوفی کا باب بھی ہے۔ اپنے شیخ حضرت باقی باللہؒ (شیخ محمد عبدالباقی نقشبندی بن عبدالسلام بدخشی ۹۷۱/۱۵۶۳۔۱۰۱۲/۱۶۰۳) کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ’’خدمت اقدس میں عرض بھی کیا تھا کہ حضرت امیر (علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تجھے آسمانوں کا علم سکھانے آیا ہوں۔ جب خوب توجہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے یہ مقام حضرت علی رضی اللہ سے خاص ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔[۱۶]

مقامِ صدیق اکبرؓ

انبیاء کرام بالخصوص سید المرسلین حضرت محمد بن عبد اللہ ہاشمی ﷺ کے بلندترین مقام کے بعد ہی مقامِ صدیق اکبرؓ ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے خلفائے راشدین کے عام تذکرے میں یا خلفاء ثلاثہ کے مخصوص ذکر میں مقام صدیقی کا ذکر متعدد مکتوبات میں کیا ہے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے مقامِ بلند کے ضمن میں بھی کبھی کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ حضرت صدیق اکبرؓ ہی اس پر فائز ہیں۔ اپنے مختلف بلکہ متواتر عروج کے روحانی تجربات میں شیخ سرہندیؒ مقام صدیق ؓ کا ذکر کرتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ اہم وہ عروج ہیں جن میں حضرت مجددؒ مقام صدیق سے بھی بلند ایک مقام نورانی کا ذکر فرماتے ہیں جو دراصل مقامِ محبوبیت ہے۔ وہ اسے صفہ کی مانند تھوڑا سا بلند، نورانی، رنگین، منقش بتانے کے علاوہ خود کو اسی کے پرتو سے رنگین ومنقش پاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند (خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند ۷۱۸/۱۳۱۷ـ ۷۹۱/۱۳۸۹) کو بھی مقام صدیق میں موجود اور کیفیات سے سرشار دیکھتے ہیں۔[۱۷]

مقامِ صدیقیت فکر مجددؒ میں انتہائی مقام ہے جس سے ہمکنار ہونے کے بعد راہ سلوک کے علوم ومعارف نصیب ہوتے ہیں۔ ”راہِ سلوک میں بہت علوم ومعارف رونما ہوتے ہیں جن سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب تک نہایۃ النہایہ تک، جو مقام صدیقیت ہے۔ کوئی نہ پہونچے ان علوم سے حصہ نہیں پا سکتا..... “[۱۸]

اسی نسبتِ صدیقی کے سبب وہ نقشبندی اکابر کی ولایت کے سب سے زیادہ فائق واعلیٰ ہونے کے قائل ہیں کیونکہ ”ان اکابر نقشبندیہ قدس اسرارہم کی ولایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے“[۱۹]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

شریعت کی پاسداری اور طریقت کی تابعداری سے متعلق حضرت مجدد مختلف آیات واحادیث کے علاوہ خلفاء راشدین کے اقوال واحکام بالعموم اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آثار وارشادات بالخصوص نقل فرماتے ہیں۔ ان میں شرعی نقطہ نظر ہی پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ صوفیہ بالعموم اور دوسرے روحانی حضرات بالخصوص نوافل بالخصوص نماز شب پر بہت زور دیتے ہیں۔ بلاشبہ شب بیداری ایک مستحسن عمل ہے لیکن اگر وہ فرائض کی بجا آوری میں حارج ہونے لگے تو قابلِ تامل بھی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت مجدد شرعی نقطۂ نظریہ بیان فرماتے ہیں۔ ”منقول ہے کہ ایک روز امیر المومنین حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز فجر باجماعت ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر قوم پر نگاہ ڈالی۔ اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب کو نہ پایا۔ دریافت فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں۔ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ شخص رات کا اکثر حصہ بیدار رہتا ہے، شاید اس وقت سویا ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ ساری رات سویا رہتا اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کرتا تو بہتر تھا[۲۰]۔ اس پر حضرت مجددؒ کا تبصرہ بہت اہم ہے بلکہ خالص اسلامی ہے۔ ”لہٰذا ایک مستحب کی رعایت اور مکروہ سے بچنا، اگرچہ تنزیہی ہی ہو، اور مکروہ تحریمی تو بطریق اولی کئی مرتبے ذکر وفکر اور مراقبہ وتوجہ سے بہتر ہے۔ ہاں ہاں اگر یہ امور اس رعایت اور اس اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل کر لی۔ اس کے بغیر خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ مثلاً ایک روپیہ زکوٰۃ ادا کرنا بطریق نفل پہاڑوں جتنا سونا صدقہ کرنے سے کئی مرتبے بہتر ہے۔“[۲۱]

☆☆☆

حواشی و مراجع

۱۔ عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، اردو ترجمہ مفتی محمد مشتاق تجاروی، دہلی ۲۰۰۱ء باب اول؛ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، لکھنو ۴/ ۱۶

۲۔ مکتوبات امام ربانی، اردو ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء بار اول، دفتر اول مکتوب۔ ۳۰، اردو ۱/ ۱۰۸

۳۔ مکتوب۔ ۲۳، اردو ۱/ ۹۳

۴۔ انصاری، مذکورہ بالا ۵۲، علی میاں، مذکورہ بالا؛ زوار حسین شاہ، حضرت مجدد الف ثانیؒ کراچی ۱۹۷۵ء۔ ص ۲۶۔ ۲۸، ۳۸۳۔ ۳۸۵، ۴۲۹۔ ۴۴۳

۵۔ انصاری، مذکورہ بالا: مکتوب۔ ۲۔ اردو ۱/ ۴۶

۶۔ انصاری، مذکورہ بالا باب سوم، بالخصوص، مکتوبات، اردو ترجمہ، دفتر اول مکتوب ۲۔
”کامل صحو کے نتیجہ میں علوم نبوی کا صدور ہوتا ہے جو شریعت بن جاتا ہے“

۷۔ انصاری، باب سوم، ص ۱۰۱۔ ۱۰۲

۸۔ انصاری، باب سوم؛ مکتوب۔ ۳۱، اُردو ۱/ ۱۱۴

۹۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۲۵۱؛ دفتر دوم، مکتوب۔ ۶۷، اُردو ۲/ ۷۲؛ مکتوب۔ ۲۵، اردو ۱/ ۹۷

۱۰۔ مکتوب۔ ۲۶، اردو ۱/ ۹۸

۱۱۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۱۳، اردو ۱/ ۶۹

۱۲۔ دفتر دوم، مکتوب ۶۷، اُردو ۲/ ۷۱

۱۳۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۱، اردو ۱/ ۴۴

۱۴۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۱۱، اردو ۱/ ۶۱

۱۵۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۱۱، اُردو ۱/ ۶۳

۱۶۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۷، اردو ۱/ ۵۳

۱۷۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۱۱، اردو ۱/ ۶۵ نیز ماقبل

۱۸۔ دفتر اول، مکتوب۔ ۱۸، اردو ۱/ ۸۰۔ ۸۱

۱۹۔ مکتوب۔ ۲۱، اردو ۱/ ۸۸

۲۰۔ مکتوب۔ ۲۹، اردو ۱/ ۱۰۳

۲۱۔ مکتوب۔ ۲۹، اردو ۱/ ۱۰۳

٩٦

ملفوظاتِ نقشبندیہ

❁

مُرتّب:

محمد صادق قصوری

زاویہ پبلشرز
6- مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور
فون: 042-7248657 موبائل: 0300-9467047

٥٠٨٨

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیخ احمد سرہندی اور اہل حکومت میں شریعت کی ترویج

ڈاکٹر ظفر الاسلام
(ریڈر شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

☆☆

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۴۔۱۶۲۴ء) عہد اسلامی کے ہندوستان کی ان نادر شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اسلامی فکر کی اشاعت اور شریعت کی ترویج کو اپنا مشن بنایا اور اسی کام کے لئے اپنی ساری توجہات مرکوز کیں۔ اس زمانہ کے علماء میں شیخ سرہندی کو اس لحاظ سے امتیازی مقام حاصل ہے کہ انھوں نے ایک وسیع پیمانہ پر اپنا اصلاحی مشن جاری کیا اور مسلم معاشرہ کے تینوں اہم طبقوں (علماء، صوفیا و اہل حکومت) کو اپنا مخاطب بنایا، انھیں شرعی اصول وضوابط کا پابند بنانے کی کوشش کی اور خود ان میں اس بات کی تحریک پیدا کی کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں شریعت کو رواج دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے حالات کے گہرے مطالعہ اور تجزیہ کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ مسلمانوں میں جو دینی وسماجی خرابیاں در آئی ہیں، اور ان کی زندگی میں جو بگاڑ آ گیا ہے اس کے تین اہم ذرائع ہیں۔ علماء سو یا دنیا دار علماء، صوفیائے خام اور اہل حکومت (بادشاہ وامراء) اگر ان کی اصلاح ہوگئی اور ان کی زندگی کا رخ صحیح ہوگیا تو عام لوگوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تیسرے طبقہ کے لوگوں میں ترویج شریعت اور ان کی اصلاح کے لئے جو کوششیں کیں اور اس کے لئے جو طریق کار اختیار کیا، پیش نظر مقالہ میں خاص طور سے مکتوبات امام ربانی کے

حوالے سے ان کا مطالعہ مقصود ہے۔

شیخ احمد سرہندی کے خطوط کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ

معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی ومنتظر رہیں کہ کوئی موقع مذہبی ودینی گفتگو کا ہاتھ آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر واہل کفر کی خرابیاں بیان کی جاسکیں''[۴]

اہم بات یہ ہے کہ حکومت کے حلقہ میں ترویج شریعت اور بادشاہ کی اصلاح کے لئے بعض اوقات شیخ مجدد امراء کو دعوت مسابقت دیتے تھے۔ لالہ بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اب جہانگیر کی سلطنت کا آغاز ہے اگر ابتدائے بادشاہ میں مسلمانی رواج پاگئی اور مسلمانوں نے کوئی حیثیت پیدا کرلی تو فبہا ورنہ توقف کی صورت میں مسلمانوں کا مسئلہ بڑا مشکل ہوجائے گا دیکھنا چاہئے کہ کون نصیبہ ور اس سعادت سے سعادت مند ہوتا ہے اور کون سا شہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے''[۵]

امراء کے نام ان کے مکاتیب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے توسط سے انھیں جو پیغام دیا ہے، اسلام کی جو تعلیمات واضح کی ہیں یا شریعت کے جو مسائل بیان کیے ہیں، بہت سے مقامات پر انہیں قرآن وحدیث کے حوالوں سے مستحکم کیا ہے دوسرے ان کا انداز پوری طرح ناصحانہ وخیر خواہانہ ہے اور بعض مقامات پر سنت کی پیروی اور شریعت کی پابندی کے لئے ایسی دردمندانہ اپیل کی ہے کہ دل کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ مرزا عزیز کوکا خاں اعظم کے نام خط میں مسلمانوں کی حکومت کے باوجود ان کی زبوں حالی، اسلام کی ''غربت'' اور اسلامی احکام پر عمل میں موانع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ آپ کی تائید کرے اور احکام اسلامیہ کے اونچا کرنے میں اعداء اسلام کے مقابلہ میں آپ کی مدد فرمائے، مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لاسلام بدء غریباً ، سعود کمابدأ فطوبیٰ للغرباء (اسلام اپنے آغاز

کے اعتبار سے ایک اہم و موثر ذریعہ ابلاغ تھا، خاص بات یہ کہ امراء کے نام خطوط میں مخاطب کی رعایت کی گئی ہے اور اس مقصد کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے جس کے تحت یہ خطوط لکھے گئے۔ ان میں نسبتاً علمی اصطلاحیں کم ہیں اور زبان و بیان کے اعتبار سے بھی کچھ آسان ہیں، ان مکاتیب سے اصل مقصود امراء یا اہل حکومت کو دینی عقاید، شریعت کے ضروری احکام اور اسلام کی عام تعلیمات سے روشناس کرانا، ان میں شریعت کی ترویج و تنفیذ کی تحریک پیدا کرنا اور خاص طور سے بادشاہ کو دین کی ضروری باتوں سے باخبر کرتے رہنے پر آمادہ کرنا تھا، دوسرے امراء سے مراسلت کے ذریعہ شیخ احمد سرہندی شاہی دربار کے حالات، بادشاہ کے رویہ اور اہم اقدامات سے آگاہی بھی چاہتے تھے۔ ان مقاصد کی تکمیل میں امراء بہت اہم کردار رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں ان کاموں کی ترغیب دلانے کی خاطر مختلف طریقے اپناتے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اہم عہدہ داروں کے نام خطوط میں بادشاہ سے ان کی قربت، دربار میں ان کے اثر و رسوخ اور ان کی سیاسی حیثیت کا ذکر کر کے وہ ان کی تعریف و تحسین فرماتے تھے۔

شیخ فرید بخاری کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ کی عنایت سے آپ کو جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب کچھ میسر ہے اگر شرف ذاتی کے ساتھ ساتھ ترویج شریعت بھی آپ کے ذریعہ ہوگی تو آپ بوسیلہ چوگان سعادت گوئے سبقت لے جائیں گے''[۳]

دوسرے اہم افسر حکومت اور بادشاہ کے معتمد خان جہاں کو اس سے واضح الفاظ میں خطاب کرتے ہیں۔

''حق تعالیٰ سبحانہ نے آپ کو جس دولت عظمیٰ سے ممتاز کر رکھا ہے عام آدمی اس سے ناواقف ہیں ممکن ہے خود آپ کو بھی اس کا احساس نہ ہو جبکہ بادشاہ وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع ہے اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتاً یا اشارتاً جب جیسا موقع مل جائے حق یعنی حضرات اہل سنت و جماعت کے

انھوں نے حکمراں طبقہ کی اصلاح کو بہت زیادہ اہمیت دی اور اس کی وجہ بھی انھوں نے بیان کی ہے کہ عام لوگوں کے مقابلہ میں انکی حیثیت وہی ہے جو جسم کے لئے دل یا روح کی ہے۔ اگر وہ درست ہے تو جسم کے تمام اعضا ٹھیک ٹھیک طور پر کام کرتے ہیں اگر اس میں خرابی آ گئی تو پورے جسم کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اس لئے اس کی درستی مقدم ہے۔ عہد جہانگیری کے ایک اہم منصب دار خواجہ جہاں کے نام خط میں اسلامی عقائد و عبادات کی تفصیل سے وضاحت کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہے کہ سلطان کی حیثیت روح کی ہے اور تمام لوگ مانند جسم کے ہوتے ہیں۔ اگر روح صالح ہے تو جسم و بدن بھی صالح ہے اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے پس اصلاحِ سلطان کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور اصلاح کلمہ اسلام کے اظہار میں مُضمر ہے''[۱]

اسی خیال کے پیش نظر انھوں نے بادشاہ اور اہل حکومت کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی اور اس کے لئے انھوں نے جو لائحہ عمل تیار کیا اس میں خود حکومت کے متعلقین کو کلیدی حیثیت دی، بالفاظ دیگر انھوں نے اہل سیاست و حکومت کی اصلاح یا ان میں شرعی قوانین کی ترویج کے لئے خود ان لوگوں کو استعمال کرنا زیادہ مناسب و مفید سمجھا جو بادشاہ سے بہت قریب تھے یا خود حکومت کا جز تھے، یہ حسن اتفاق ہے یا شیخ سرہندی کی منصوبہ بندی کا حصہ تھا کہ امراء یا مغلیہ سلطنت کے بڑے عہد داروں میں متعدد شیخ کے معتقدین یا مریدین تھے۔ بعض مصنفین کے رائے میں شیخ مجدد نے خود ان سے رابطہ قایم کیا اور جب وہ ان سے قریب ہوئے تو ان کی عظمت و محبت ان کے دل میں ایسا بیٹھ گئی کہ وہ ان کے گرویدہ ہو گئے اور پھر شیخ نے ان کی تربیت فرما کر انھیں اس لائق بنا دیا کہ وہ ان کی اصلاحی مشنری بن گئے۔[۲] یہ بات بخوبی معروف ہے کہ امراء سے رابطہ اور ان تک اپنا پیغام پہونچانے کے لئے شیخ نے مکتوب نگاری کا وسیلہ اختیار کیا جو اس عہد کے مزاج

میں اجنبیت کی حالت میں رہا اور جس طرح اس کا آغاز ہو رہا تھا عنقریب وہ پھر اسی طرح ہو جائے گا، پس خوشخبری ہے غرباء کو یعنی ایسے لوگوں کو جو ایسی حالت میں اسلام سے وابستگی رکھنے کی بنا پر اس کے شریک حال ہوں) غربت اسلام اس حد کو پہنچی ہے کہ کفار برملا طعن اسلام اور ''ذم مسلمانان'' کر رہے ہیں اور بے محابا احکام کفر کا اجراء اور اہل کفر کی مداحی کوچہ و بازار میں ہو رہی ہے۔ مسلمان اجراء احکام سے روک دے گئے ہیں اور شریعت کی انجام دہی میں مطعون ہیں ...... رونق شرع شریف سلاطین کے ساتھ وابستہ بتلائی گئی ہے مگر اب قضیہ بالکل الٹا ہے اور معاملہ برعکس ہے واحسرتا، واندامتا، واویلا۔ ہم اس دور میں آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس ''معرکہ ضعیف و شکست خوردہ'' میں آپ ہی کو ایک ایسا جرنیل سمجھتے ہیں جو خم ٹھونک کر میدان مقابلہ میں آ جائے، حق تعالیٰ آپ کا ناصر و موید ہے''[۶]

حقیقت یہ کہ اہل حکومت میں شریعت کی ترویج اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لئے شیخ احمد سرہندی نے مختلف تدابیر اختیار کیں اور اس کام کے لئے خود امراء کو مختلف طریقہ سے رغبت دلائی۔ اس دینی خدمت کے لئے انھوں نے جن امراء سے کام لیا وہ ان سے گہری عقیدت اور قربت رکھتے تھے اور عہد جہانگیری میں مغل حکومت کے ممتاز و نامور ارکان بھی تھے اور وہ یہ ہیں۔

نواب فرید مرتضیٰ خاں بخاری:

عہد اکبری و جہانگیری کے اہم اراکین سلطنت میں سے، اکبر کے دور میں میر بخشی، جہانگیر کے عہد میں صوبہ گجرات و پنجاب کے گورنر، مرتضیٰ خاں کے لقب اور صاحب السیف والقلم کے خطاب سے سرفراز۔ شجاعت و سخاوت، علم دوستی، علمی ذوق اور رفاہ عام کے کاموں کے لئے کافی معروف ۔

عبدالرحیم خانخاناں:

جہانگیر کے اتالیق، عہد اکبری میں گجرات، سندھ و دکن کی فتح کے

دوران فوجی سربراہ، ممتاز و اہم ترین رکن سلطنت، ، امیر الامراء کے لقب سے سرفراز، علم وفن کے شایق، مختلف زبانوں کے ماہر اور اہل علم وفن کی قدر دانی و سرپرستی کے لئے مشہور۔

مرزا عزیز کوکا خان اعظم:

اکبر کے رضاعی بھائی، بہترین فوجی جرنل، شاہی دربار سے خان اعظم کے خطاب سے مشرف، گجرات کے گورنر، مرکزی حکومت میں کچھ عرصہ وکالت کے عہدہ پر سرفراز اور عہد جہانگیری کے نامور و باثر امراء میں سے۔

میران صدر جہاں:

عہد اکبری و جہانگیری میں ممالک محروسہ کے صدر (مذہبی امور کے ذمہ دار) و شعبہ افتاء کے سربراہ: بچپن میں جہانگیر کے اتالیق، تخت نشینی کے بعد ان کے بہت ہی قریبی و معتمد، شریعت کے سخت پابند، صاحب علم وفضل اور حسن اخلاق سے مزین۔

محمد قلیج خاں:

شہزادہ دانیال کے اتالیق، عہد اکبری میں مرکز میں وزیر اور گجرات، لاہور، کابل، آگرہ، مالوہ و پنجاب کے یکے بہ دیگرے گورنر، جہانگیر کے دور میں بھی گجرات، پنجاب وکابل کے گورنر، ماہر منقولات و معقولات اور اسلامیات میں خصوصی دلچسپی کے مالک اور درس و تدریس کے شایق۔

مرزا داراب خاں ابن عبدالرحیم خانخاناں:

عہد جہانگیری کے امراء عظام میں سے، برار اور احمد نگر کے گورنر۔ بعد میں شہزادہ خرم (شاہجہاں) کی بغاوت میں شرکت کی وجہ سے معتوب و مقتول۔

خواجہ دوست محمد کابلی (خواجہ جہاں):

ایام شہزادگی میں جہانگیر کے دیوان (افسر مالیات)، تخت نشینی کے بعد ان کے منصب و عہدہ میں اضافہ، خواجہ جہاں کے لقب سے مشرف، بادشاہ کے

خاص و معتمد امراء میں سے اور کچھ عرصہ کے لئے آگرہ کے حاکم۔

خان جہاں لودی:

عہد اکبری و جہانگیری کے مشہور و تجربہ کار فوجی جرنل۔ دکن میں شہزادہ پرویز کی ماتحتی میں فوجی کمانڈر۔

لالہ بیگ (جہانگیر قلی خاں):

عہد جہانگیری کے امراء عظام میں سے، پہلے باز بہادر اور بعد میں جہانگیر قلی خاں کے خطاب سے مشرف، پٹنہ و بہار کے گورنر، قرآن کریم سننے کے عاشق اور حفاظ کرام کے قریبی مصاحب۔

قلیج اللہ خاں. گورنر پنجاب و کابل محمد قلیج خاں کے صاحبزادے۔

ان کے علاوہ دیگر متعدد امراء کے نام شیخ سرہندی کے خطوط دستیاب ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں تفصیلی معلومات نہ مل سکیں۔ مذکورہ بالا امراء میں نواب فرید بخاری اور عبد الرحیم خانخاناں کے نام ان کے خطوط تعداد و مشتملات دونوں اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ خان جہاں کے نام ان کا ایک مکتوب (حصہ دوم، مکتوب نمبر ۶۷) اس لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے کہ تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل اس خط میں اسلامی عقاید و عبادات کی مفصل تشریح و توضیح کی گئی ہے اور شریعت کے خاص خاص احکام کی جامع تعبیر پیش کی گئی ہے۔ مزید براں اس میں شریعت کی اہمیت اور اہل حکومت میں اس کی ترویج کی ضرورت و افادیت کی جانب موثر انداز میں توجہ دلائی گئی ہے۔

حکومت اور شریعت کی ترویج سے متعلق شیخ احمد سرہندی کا واضح نقطہ نظر یہ تھا کہ حکومت اور اس کے ذمہ داروں سے بھی شریعت کی ترویج و تنفیذ وابستہ ہے اور یہ اہم کام بہت کچھ حکمران وقت کی دلچسپی اور حسن اہتمام پر موقوف ہے۔ اصلاً علماء و صوفیاء دعوت دین و ترویج شریعت کا کام انجام دیتے ہیں اور بادشاہان

وقت اپنے تعاون سے انھیں تقویت پہونچاتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی شریعت کی ترویج کا ذریعہ بنتے ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت کا رواج سلاطین کے حسنِ اہتمام کیساتھ (بھی) وابستہ ہے۔ اس اہتمام نے کچھ عرصہ سے ضعف پیدا کرلیا ہے۔ ناچار اسلام ضعیف ہورہا ہے...... بادشاہوں کے اعزاز واکرام سے بھی اسلام کو رونق ہوئی ہے، علماء وصوفیاء معزز ومحترم تھے اور شاہان وقت کی تقویت سے وہ ترویج شریعت میں کوشش کرتے رہتے تھے'' ۸

واقعہ یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں سلطنت سے جو مدد ملتی ہے اور سلطان کے دینی رجحان سے اس کام کو جو تقویت نصیب ہوتی ہے عہد وسطی کے ہندوستان میں بالخصوص قطب الدین ایبک، غیاث الدین تغلق، فیروز شاہ تغلق، سکندر لودی، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے دور میں اس کے متعدد مظاہر سامنے آئے ان کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے:

امراء واہل حکومت کو شریعت کی ترغیب دیتے ہوئے شیخ مجدد نے سب سے پہلے اس کام کی قدر وقیمت واضح کی اور اسے کارنبوت سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''انبیاء علیہم السلام جوکہ بہترین کائنات ہیں۔ انہوں نے شرائع کی دعوت دی ہے اور مدارنجات اِسی پر ہے، درحقیقت انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی تبلیغ شرائع ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی ترویج شریعت میں سعی کرنا اور اس کے احکام میں سے کسی کو زندہ کرنا ہے بالخصوص ایسے زمانہ میں کہ شعائر اسلام منہدم ہوگئے ہوں'' ۹

شریعت کی اہمیت جاگزیں کرنے کے لئے شیخ سرہندی یہ بھی فرماتے تھے:

''اللہ کی راہ میں کروڑوں روپے خرچ کرنا کسی ایک شرعی مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہوسکتا اس لئے کہ شرعی مسئلہ رواج دینے میں انبیاء کی پیروی

اور ان کے کارِ تبلیغ میں مشارکت ہے اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو انبیاء کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہوسکتا ہے"[۱۰]

مجدد الف ثانی کی نظر میں اس کام کی اہمیت اس زمانہ میں اور بڑھ جاتی ہے جب اسلامی احکام کی خلاف ورزی اور دینی شعائر کی بے حرمتی کے واقعات کی کثرت ہو جائے اور اسلامی تعلیمات اجنبی بن کر رہ جائیں، عہد اکبری کے حوالہ سے شیخ فرید کو اس جانب متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترویجِ دین وتقویتِ ملت جس وقت اور جس سے بھی وقوع میں آئے اچھی ہے لیکن اس وقت میں جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے آپ جیسے سیادت مآب جواں مردوں کے لئے بہت ہی زیادہ زیبا اور مناسب ہے...... حقیقی وراثتِ نبوی اس ترویج واشاعت دین میں مضمر ہے"[۱۱]

اس مہتم بالشان کام کی طرف اہل حکومت کو راغب کرتے ہوئے شیخ مجدد نے یہ حقیقت بھی ان کے گوش گزار کی کہ اگر اس راہ میں کچھ پریشانیاں آئیں اور دشواریوں کا سامنا ہو تو زہے قسمت، انہیں بہر صورت گوارا کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ تو انبیاء کی سنت رہی ہے انھوں نے دین کی تبلیغ کی راہ میں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور افضل الانبیاء حضرت محمد ﷺ بھی ان سے دوچار ہوئے بلکہ اس راہ میں آپ نے سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھائیں جیسا کہ حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے۔[۱۲]

مزید براں وہ اس پہلو سے بھی امراء کو ترویج شریعت پر ابھارتے تھے کہ یہ بڑی سعادت مندی کا کام ہے۔ حکومت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوتے ہوئے جس کو یہ توفیق نصیب ہو جائے اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوسکتا ہے وہ امراء جو حکومت کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور بادشاہ سے قربت کو ترویج شریعت کے لئے استعمال کرتے ہیں فقراء یا صوفیاء سالہا سال سر کھپائیں تو اس عمل میں ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔[۱۳]

شیخ احمد سرہندی نے ترویج شریعت کی راہ سے اہل حکومت کی اصلاح کے لئے جو مشن جاری کیا اس میں علم شریعت کو خاص اہمیت دیا۔ ظاہر ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اسلامی قوانین کو نافذ کرنے سے قبل ان سے واقفیت ضروری ہے درحقیقت ہر مسلمان کے لئے اس علم کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ شیخ مجدد کے بقول ''شریعت کے تین جزو ہیں (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت محقق نہ ہوگی۔ شریعت محقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ حاصل ہوگی اور یہ رضائے باری ہی تمام سعادات دنیویہ واخرویہ سے بلند و بالا ہے۔ ورضوان من اللہ اکبر''[۴] اور وہ اہل حکومت پر بھی زور دیتے تھے کہ وہ شریعت کے ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں اور دوسروں کو بھی ان سے روشناس کرائیں۔ حکومت کے ایک افسر کے نام خط میں اس ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' جو چیز ضروری ہے وہ یہ کہ اول عقاید کی تصحیح مطابق اہل سنت و جماعت۔ ثانیاً فرائض، سنن، واجبات و مستحبات، حلال وحرام، مکروہ ومشتبہ کا علم حاصل کیا جائے پھر احکام فقہیہ کے بموجب اعمال ادا کیے جائیں''[۵]

وہ بادشاہ کے قریبی ومعتمد امراء سے یہ توقع رکھتے تھے اور انہیں اس جانب متوجہ بھی کرتے تھے کہ وہ بادشاہ کو دین کی ضروری باتوں سے آگاہ کرتے رہیں گے اور جب بھی ان سے ملاقات کا موقع نصیب ہوا سے غنیمت جانتے ہوئے بادشاہ کو احکام شریعت سے مطلع کریں گے۔ بادشاہ کو یہ علم بہم پہونچانا وہ اس لئے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ ان کا یہ احساس تھا کہ دربار میں جو غیر اسلامی رسوم وروایات جاری ہیں یا حکومت کے حلقہ میں جو غیر شرعی اعمال رواج پارہے ہیں اس کی ایک وجہ شرعی اصول وضوابط سے عدم واقفیت یا قلت معلومات ہے۔ جہانگیر کے بہت ہی قریبی امیر شیخ فرید بخاری کے نام مکتوب میں ان کے یہ احساسات ملاحظہ فرمائیں:

''مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدکیشوں کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں اور ان کے مٹانے کی پوری کوشش کریں جو کچھ ان میں سے باقی رہ گئی ہیں ان کا بقا شاید اس وجہ سے ہو کہ بادشاہ کو ان کی خرابی کا علم نہ ہو، بہر حال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہنا نہایت ضروری ہے جب تک یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء پر اس کا بار رہے گا'' ۱۶

رہا یہ مسئلہ کہ شریعت کا علم کن سے حاصل کیا جائے یا شاہی دربار میں احکام شریعت سے واقف کرانے کے لئے کون سے حضرات مقرر کیے جائیں اس باب میں شیخ سرہندی نے واضح طور پر فرمایا کہ دنیا دار و جاہ پرست علماء سے احتراز کیا جائے اور علوم شریعت کے حصول کی خاطر ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو علم میں مہارت کے ساتھ تقویٰ و خلوص کے لئے بھی معروف ہوں۔ ایسے علماء کو انھوں نے علماء آخرت سے تعبیر کیا ہے۔ گورنر پنجاب محمد قلیج کے صاحبزادے قلیج اللہ خاں کو نصیحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''احکام شریعت کو علماء آخرت سے دریافت کرنا چاہیے ان کی بات میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ شاید ان کے انفاس کی برکت سے عمل کی توفیق ہو جائے۔ علماءِ دنیا سے جنہوں نے علم کو وسیلۂ مال و جاہ بنا رکھا ہے دور رہنا چاہیے۔ البتہ اگر تقویٰ شعار علماء نہ مل سکیں تو پھر مجبوراً ان علماء دنیا سے معلوم کر لیا جائے وہاں (لاہور میں) حاجی محمد اترہ علماء دیندار میں سے ہیں اور میاں شیخ علی اترہ خود تم سے واقف ہیں۔ غرض یہ دونوں بزرگ اس علاقہ میں غنیمت ہیں مسائل شرعیہ کی تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے'' ۱۷

اس اقتباس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ کی نظر میں علماء آخرت ہی اس لائق ہیں کہ ان سے استفادہ کیا جائے اور شریعت کے باب میں ان سے رہنمائی حاصل کی جائے وہیں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ مختلف علاقوں کے علماء پر ان کی گہری نظر تھی وہ ان کے احوال و خصائص سے بخوبی واقف تھے یہاں

یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ شاہی دربار میں تذکیر و اصلاح اور احکام شریعت سے واقف کرانے کے لئے بھی علماء کے انتخاب میں شیخ سرہندی نے بڑی احتیاط اور چھان بین پر زور دیا جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جہانگیر نے جب شاہی دربار میں شرعی مسائل کے باب میں رہنمائی کے لئے چار علماء مقرر کرنے کا پروگرام بنایا اور اپنے قریبی امراء سے ان کے انتخاب کے سلسلہ میں فرمائش کی تو شیخ مجدد کو اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی لیکن ساتھ ہی شیخ فرید اور صدر جہاں کو متنبہ کیا کہ علماء کے انتخاب میں بڑی تحقیق و احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایسے علماء اس کام کے لئے نہ منتخب کیے جائیں جو جاہ و منصب کے طالب اور مال و دولت کے حریص ہوں اس لئے کہ سابق دور میں حکومت کے ذریعہ جو خرابیاں معاشرہ میں در آئیں یا بادشاہ نے جو بددینی و گمرہی پھیلائی وہ زیادہ تر علماء سوء کے فتنوں کا نتیجہ تھیں، انھوں نے یہ بھی واضح کیا کہ جس طرح بہترین علماء بہترین خلائق ہیں اسی طرح بدترین علماء بدترین خلائق ہیں اس لئے انکے معاملات میں بڑی احتیاط و غور و فکر سے کام لینا چاہئے۔ صدر جہاں کو متنبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”سنا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علماء چاہتے ہیں الحمدللہ علی ذلک، آپ کو تو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا وہ علماء سوہی کی کمبختی سے پیدا ہوا تھا اس باب میں خوب تحقیق و تلاش کر کے دین دار علماء کا انتخاب فرمایا جائے۔ علماء سوء دین کے چور ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک عزت ہوتا ہے۔ خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ ہاں ان میں جو اچھے ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں“ ۱۸

یہاں یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مذہبی رجحانات اور دینی تعلیمات کی اشاعت میں ان کی کچھ دلچسپی دیکھتے ہوئے شیخ مجدد نے ۱۶۱۹ء میں اپنے ایک معتمد مرید شیخ بدیع الدین کو آگرہ کے شاہی لشکر میں رشد و ہدایت کا کام انجام دینے اور اپنے سلسلہ تصوف کو فروغ دینے کے لئے مامور کیا تھا۔ ۱۹

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ان کی علمی و دینی حیثیت سے مطمئن تھے اور انہیں علماء آخرت میں شمار کرتے تھے۔

امراء کے نام خطوط میں شیخ سرہندی نے علم شریعت کے حصول اور اجتماعی طور پر اسے فروغ دینے کی اہمیت اور اس کے طور وطریق واضح کرنے کے ساتھ اس بات کی بار بار تلقین کی کہ روزمرہ زندگی میں قوانین شریعت کی پیروی کی جائے۔ درحقیقت یہی وہ نکتہ ہے جس پر مکتوبات امام ربانی میں سب سے زیادہ زور ملتا ہے اور یہی وہ پیغام ہے جو علماء، صوفیاء اور حکمراں طبقہ کے نام خطوط میں بطور مشترک عنصر پایا جاتا ہے۔ ایک جانب انھوں نے علماء کو اتباع شریعت کی نصیحت کی اور ترجمانی شریعت کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں، دوسری جانب حکماء وفلاسفہ کو یہ سبق سکھایا کہ وہ فلسفی جس نے اپنی بصیرت کی آنکھوں میں صاحب شریعت محمد ﷺ کی تابعداری کا سرمہ نہیں لگایا عالم امر کی حقیقت سے اندھا ہے۔ تیسری جانب اہل تصوف کو یہ تلقین کی کہ طریقت وحقیقت شریعت کے خادم ہیں نہ کہ اس سے ماوراء وبرتر[۲۰]۔ حاجی محمد لاہوری کے نام ایک خط میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"پس شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی حاجت پڑے۔ طریقت وحقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں تیسرے جز یعنی اخلاص (ان کے مطابق شریعت کے پہلے دو جز علم وعمل ہیں) کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر شریعت کے سوا"[۲۱]

بہر حال علماء ہوں یا صوفیاء، اہل حکومت ہوں یا عوام سب کو شیخ مجدد اتباع شریعت کی تلقین کرتے تھے اور ان کے ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں کرتے تھے کہ ان کی نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔ عہد اکبری وجہانگیری کے نامور رکن

سلطنت عبدالرحیم خانخاناں کو اتباعِ شریعت کی نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''زندگانی چند روزہ صاحبِ شریعت کی اتباع میں بسر کرنا چاہئے اس لئے کہ عذاب اخروی سے چھٹکارا اور تنعمات سرمدی تک پہنچنا اتباع شریعت کی سعادت ہی سے وابستہ ہے''[۲۲]

شیخ سرہندی کے معتقدین میں جب مریز خاں افغان شاہی دربار سے منسلک ہوئے اور انھیں دنیوی آسائش و فراخی نصیب ہوئی تو ان کو اس طور پر شریعت پر کاربند رہنے کی تلقین کی:

''اب جبکہ تم اس حالت میں مبتلا ہو گئے ہو تو اس امر کی کوشش کرو کہ طریقِ استقامت اور التزام شریعت کا دامن تمھارے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور شغل باطن میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہو''[۲۳]

یہاں یہ واضح رہے کہ حکومت کے جن عہدہ داروں سے شیخ کی مراسلت ہوئی ان میں بہت سے ان کے سلسلہ تصوف سے منسلک تھے ان کے نام خطوط میں وہ اپنے صوفیانہ افکار کی تبلیغ کرتے تھے اور انہیں اصلاح باطن کی نصیحت کرتے ہوئے یہ فرماتے تھے کہ یہ راہ شریعتِ مطہرہ سے ہو کر گذرتی ہے اس پر چلے بغیر تصوف کی منزل تک پہنچنا مشکل ہے۔ فتح خاں افغان کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''باطن کے اہتمام کے ساتھ لازم ہے کہ ظاہر کا اہتمام بھی ہو۔ جو شخص صرف باطن میں مشغول ہو اور ظاہر کے درست کرنے سے باز رہے وہ ملحد ہے۔ اس کے احوال باطن استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حال باطن کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ ظاہر احکام شرعیہ سے آراستہ ہو۔ طریقت استقامت یہی ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔''[۲۴]

مزید براں گورنر پنجاب کے صاحبزادے قلیج اللہ خاں کو انتہائی مخلصانہ انداز میں نصیحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''اے فرزند! جو چیز فردا قیامت میں کام آئے گی وہ اتباع صاحب شریعت ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ احوال ومواجید، علوم ومعارف، اشارات ورموز اگر اتباع رسول کے ساتھ جمع ہوجائیں تو بہت اچھا ہے اور اگر اتباع رسول کے ساتھ نہیں تو سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں ہے۔ متابعتِ شریعت سراپا برکت ہے اور مخالفت شریعت سراسر ہلاکت، اس بات کو خوب ذہن نشین کرلینا''[۲۵]

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں شیخ فرید بخاری کو متنبہ کرتے ہیں

''قیامت میں شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا تصوف کے متعلق نہیں۔ جنت کا داخلہ اور آتش دوزخ سے نجات شریعت ہی کی پابندی سے وابستہ ہے''[۲۶]

اہل حکومت کو عمومی انداز میں شریعت کے پیروی کی تلقین وتاکید کرنے کے علاوہ شیخ مجدد شریعت کے متعینہ احکام کے حوالہ سے ان کی بجاآوری پر زور دیتے رہے اور خاص طور سے فرائض کی ادائیگی کے لئے انہیں بار بار متوجہ کرتے رہے۔ اس باب میں اصولی طور پر انھوں نے جو باتیں پیش کیں وہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اول انھوں نے یہ حقیقت آشکارا کی کہ دین اسلام میں بڑی آسانی ہے اللہ تعالیٰ نے جو عبادات فرض کی ہیں اور روزمرہ زندگی کے لئے جو احکام وضع کیے ہیں ان میں انسان کی بشری کمزوریوں اور طبعی ضرورتوں کی پوری پوری رعایت ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے خاص طور سے نماز، زکوۃ، حج اور کھانے پینے ولباس سے متعلق شریعت کے احکام کے حوالہ سے "الدین یسر" کی تشریح فرمائی۔ اسکی اردو ترجمانی ملاحظہ فرمائیں:

''اللہ جل سلطانہ کی کمال عنایت ہے کہ تمام تکلیفات شرعیہ اور مامورات دینیہ میں اس نے انتہائی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے مثلاً آٹھ پہر (دن رات) میں سترہ رکعات (فرض) پر اکتفا کیا گیا کہ جس کی ادائیگی میں کل وقت

ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں لگتا۔ ساتھ ہی ساتھ نماز میں قراءت کو بھی اتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی آسان ہو۔ اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی جا سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا اور بیٹھنا بھی مشکل ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھنے کے لئے فرمایا گیا اور جب رکوع و سجود بھی مشکل ہو تو اشارہ سے نماز پڑھنے کی سہولت عطا فرمائی طہارت میں اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم کو اس کا خلیفہ بنا دیا۔ زکوۃ میں (صرف) چالیسواں حصہ فقراء و مساکین کے لئے مقرر فرمایا اور اسکو مال نامی اور جنگل میں چرنے والے چوپایوں پر ہی رکھا گیا، تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کو فرض کیا گیا اور ساتھ ہی زاد و راحلہ اور راستہ کے امن کے ساتھ مشروط فرمایا۔ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں اکثر کو مباح کر دیا اور تھوڑی سی چیزیں حرام قرار دیں اور وہ بھی بندوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھ کر''[۲۷]۔

دوسرے شیخ سرہندی نے یہ واضح کیا کہ احکام شریعت کی مختلف قسمیں ہیں اور عبادات کی الگ الگ نوعیتیں ہیں اور اس بنیادی نکتہ پر خاص زور دیا کہ اسلامی شریعت میں فرض کا اپنا مقام ہے اور نفل کی اپنی حیثیت ہے نفل کسی بھی صورت میں فرض کے برابر نہیں ہو سکتی، ان کا یہ نقطہ نظر ایک مکتوب کے اس حصہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے:

''اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے اعمال یا فرائض ہیں یا نوافل مگر نوافل کا فرائض کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں اپنے وقت میں کسی فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نوافل سے بہتر ہے اگر چہ وہ نوافل بہ نیت خالص ادا کیے جائیں ...... ایک دانگ (چھ رتی وزن کے برابر) زکوۃ کا حساب کر کے نکالنا نفلی طریقہ پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ خیرات کر دینے سے کہیں زیادہ افضل ہے''[۲۸]

یہاں اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کا مقام پہچاننے اور اسے برتنے کی ہدایت صوفیاء، علماء و اہل حکومت سب کے نام خطوط میں ملتی ہے اور اہل تصوف کے نام خطوط میں اس پر کچھ زیادہ ہی زور نظر آتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صوفیاءِ وقت نفل عبادات کے اہتمام پر خاص توجہ دیتے تھے اور مشائخ اپنے مریدین و معتقدین کو بھی اس کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ غالباً اس ماحول میں نوافل کی کثرت کی وجہ سے فرائض کو وہ مقام نہیں مل پا رہا تھا جن کے وہ مستحق ہیں، عبادات کے باب میں اس عدم توازن کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے شیخ سرہندی فرائض کا مقام و مرتبہ ملحوظ رکھنے کی طرف بار بار لوگوں کو متوجہ کرتے رہے۔

امراء و اہلِ مناصب کے نام شیخ سرہندی کے خطوط میں جن فرائض کی ادائیگی کی سب سے زیادہ تاکید ملتی ہے وہ نماز اور زکوۃ ہیں۔ ان کی عظمت و اہمیت محتاج بیان نہیں۔ مرزا فتح اللہ حکیم کے نام ایک خط کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:

''آدمی کو جس طرح درستگیِ اعتقاد کے بغیر چارہ نہیں، اعمال صالحہ کی ادائیگی کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ جامع ترین عبادت اور مقرب ترین اطاعت نماز کا ادا کرنا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامها فقداقام الدین ومن ترکها فقد هدم الدین (نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز قایم کیا اس نے دین قایم کیا اور جس نے نماز کو چھوڑا اس نے دین کو ڈھایا) جس کسی کو نماز کی پابندی نصیب ہوتی ہے اس کو فحشاء و منکر سے بھی محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ان الصلوٰۃ تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ یہ آیت میری بات کی تائید کر رہی ہے۔ اگر نماز بے حیائی و برائی سے نہیں بچا رہی ہے تو سمجھو کہ صورتِ نماز ہے حقیقتِ نماز نہیں ہے۔ مگر جس وقت تک یہ حقیقت حاصل نہ ہو جائے تو صورت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے ...... پس تم پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کو ادا کرو اس لئے کہ یہ نماز سبب نجات و فلاح ہے''۲۹

مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شیخ مجدد صرف نماز کی نہیں بلکہ باجماعت نماز کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے اس کا مزید ثبوت بعض دیگر خطوط

سے بھی ملتا ہے جن میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کی نصیحت کی گئی ہے سکندر خاں لودی کے نام خط میں ان کی ہدایت یہ ہے کہ جماعت سے نماز پنج گانہ کی بجا آوری اور سنن موکدہ کی ادائیگی کے بعد باقی اوقات ذکر الٰہی میں لگانے چاہئے۔[۳۰]

بعض امراء کے نام خطوط میں شیخ سرہندی نے روزہ کی اہمیت، اس کے فضائل اور اصول و آداب واضح کیے ہیں[۳۱] لیکن ان کے خطوط میں اس سے زیادہ تفصیل اور بار بار تاکید زکوٰۃ کے باب میں ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اہل حکومت کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزیں کرنے کی کوشش کی کہ بے حساب داد و دہش سے بہتر و ضروری یہ ہے کہ اپنے اموال کا باقاعدہ حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ شیخ مجدد کی اس ہدایت کی معنویت اس پس منظر میں سمجھی جاسکتی ہے کہ بادشاہ و امراء کے یہاں داد و دہش کی روایت بہت مستحکم تھی، خاص طور سے کسی خوشی، فتح یا تہوار کے موقع پر وہ خواص و عوام کو انعام و عطایا سے نوازتے تھے ان فیض یافتگان میں فقراء و مساکین بھی شامل ہوتے تھے۔ بسا اوقات یہ داد و دہش محض نام و نمود کے لئے ہوتی تھی لیکن اموال کی باضابطہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں وہ کوتاہ تھے اس صورتحال کی عکاسی شیخ کے ایک خط میں بھی ملتی ہے۔ فرائض کی بجا آوری کی نصیحت کرتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''بہت سے آدمی اس زمانہ میں اشاعت نوافل اور تخریب فرائض میں مشغول ہیں نفلی عبادتوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو خوار و بے اعتبار قرار دے رکھا ہے۔ بہت سا روپیہ موقع بے موقع مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن ایک جیتل (ایک معمولی سکہ) زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان کو دینا مشکل ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک جیتل زکوٰۃ میں دینا لاکھوں روپیہ صدقہ نافلہ میں دینے سے بہتر ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ میں محض حکم خداوندی پورا کیا جاتا ہے اور صدقہ نافلہ کا منشا اکثر و بیشتر ہوائے نفسانی ہے۔ اسی لئے فرض میں ریاکاری کی گنجائش نہیں

اور نفل میں ریا کاری کے لئے بڑا میدان ہے'' ۳۲؎

یہی وجہ ہے کہ شیخ مجدد نے اہل حکومت کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا پابند بنانے کی کوشش کی اور اس کے لئے وہ انہیں مختلف طریقہ سے ترغیب دیتے رہے: قلیچ اللہ خاں کو نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پانچ وقت کی نماز پڑھو، اگر تہجد میسر ہو جائے تو زہے سعادت، ادائے زکوٰۃ بھی ارکان اسلام میں سے ہے۔ زکوٰۃ بھی نکالو۔ وہ طریقہ جس سے زکوٰۃ کی ادائیگی بسہولت ہو جاتی ہے یہ ہے کہ اپنے مال میں جو حقِ فقراء ہے اس کو سالانہ جدا کر لیا جائے اور اس کو زکوٰۃ کی نیت سے محفوظ رکھ کر سال بھر تک مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جائے۔ اس صورت میں ہر مرتبہ ادائے زکوٰۃ کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی ایک مرتبہ نیت زکوٰۃ سے مال کا جدا کرنا کافی ہوگا۔ ویسے تو فقراء و مستحقین پر بہتیرا خرچ کرتے ہوں گے لیکن چونکہ نیتِ زکوٰۃ نہیں ہوتی اس لئے زکوٰۃ میں وہ رقم محسوب نہ ہوگی'' ۳۳؎

مذکورہ بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ سرہندی نے نہ صرف زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت دی بلکہ امراء کو اس کی ادائیگی کا ایک آسان طریقہ بھی بتایا کہ زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اور ان کی داد و دہش بھی جاری ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے باب میں اہل حکومت کی کوتاہی اور اس کے تئیں شیخ مجدد کی فکرمندی اس سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ متعدد ارکان سلطنت کے نام خطوط میں اس کی جانب توجہ دلائی گئی ہے ان میں نامور امراء عبدالرحیم خانخاناں اور شیخ فرید بخاری بھی شامل ہیں۔ اول الذکر کو نصیحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''پس مال نامی اور جنگل میں چرنے والے چوپایوں کی پوری زکوٰۃ ادا کرنا اور اس امر کو اموال و چہار پائگاں میں نہ پھنسنے کا وسیلہ بنانا چاہئے۔ لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں حظ نفس کو ملحوظ نہ رکھا جائے بلکہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں سوائے اس کے کہ ادائے عبادت پر قوت حاصل ہوگی اور کوئی نیت

نہ کی جائے''۳۴؎

اس سے قبل شیخ فرید اور بعض دوسرے امراء کے نام خط کے حوالہ سے حضرت مجدد کی یہ اصولی بات بیان کی جا چکی ہے کہ زکوٰۃ میں مقررہ شرح کے مطابق معمولی رقم خرچ کرنا نفلی صدقات میں بے تحاشا مال و دولت لٹانے سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ مزید براں تصوف سے تعلق رکھنے والے امراء کو اس طور پر بھی اس فریضہ کی بجا آوری کی ترغیب دیتے تھے کہ نفس کی پامالی اور تزکیہ نفس کے لئے شریعت کے ضابطہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا بہت زیادہ مفید ہے۔ ۳۵؎ اس کے علاوہ زکوٰۃ میں جو آسانی کا پہلو ہے اسے یاد دلا کر بھی اس کی ادائیگی پر لوگوں کو ابھارتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ چالیس میں سے ایک حصہ یا اپنے اموال کا ڈھائی فی صد زکوۃ کے طور پر نکال دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ ایک خط میں اسی نکتہ پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نصاب کی موجودگی میں زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروریات اسلام میں سے ہے اس کو بھی رغبت بلکہ جذبہ احسان مندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے تمام دن رات میں صرف پانچ وقت ادائے عبادت کے لئے مقرر فرمایا ہے اور مال نامی اور جنگل میں چرنے والے جانوروں میں سے چالیسواں حصہ (تحقیقی یا تقریبی طور پر) فقراء کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بڑی ناانصافی کی بات ہوگی کہ رات دن کی ساٹھ گھڑیوں میں سے دو گھڑی بھی عبادت الٰہی میں مصروف نہ ہوں اور چالیس میں سے ایک حصہ بھی فقراء کو نہ دیا جائے ''۳۶؎

بعض امراء کے نام خطوط میں فرائض اسلام میں نماز، روزہ و زکوٰۃ کے ساتھ حج کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کی ادائیگی کی جانب بھی توجہ مبذول کرائی گئی ہے ۳۷؎ گرچہ اس باب میں وہ ترغیبات و تاکیدات شیخ سرہندی کے خطوط میں نہیں پائی جاتیں جو نماز و زکوٰۃ کے ضمن میں ملتی ہیں۔

اہلِ حکومت کے نام شیخ سرہندی کے خطوط میں فرائض کی بجاآوری کے علاوہ جن باتوں کی طرف خاص طور سے ان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے وہ ہیں: حلال وحرام کی تمیز، فضول خرچی سے اجتناب، حقوق العباد کی نگہداشت، خوردونوش اور لباس میں اسلامی ضوابط کی پابندی، لوگوں سے برتاؤ میں تواضع وخاکساری، اہلِ بدعت وعلماءِ سو سے دوری اور متقی علماء وصلحاء کی صحبت وقربت۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا تعلق روزمرہ زندگی سے ہے اور مسلمانوں کی زندگی کا ہر پہلو شریعت سے منضبط ہوتا ہے۔ اہم بات یہ کہ ان خطوط میں شیخ احمد سرہندی نے بادشاہ وحکومت کے عہدہ داروں کو جن باتوں کی زیادہ تاکید کی ہے وہ مال کے حصول واستعمال میں حلال وحرام کا خیال اور دوسروں کے مالی حقوق کی دیانت دارانہ ادائیگی ہے۔ اس زمانہ کے بادشاہوں اور اہلِ مناصب کے بارے میں یہ معروف ہے کہ مالی معاملات میں عام طور پر ان کے یہاں بہت سی بے ضابطگیاں پائی جاتی تھیں۔ شریعت کے متعینہ محاصل کے علاوہ دیگر محاصل عائد کرنا، محاصل کی مقرر مقدار سے زائد وصول کرنا، عیش وعشرت وتفریحات پر بے تحاشا مال ودولت خرچ کرنا، ریاست کی آمدنی کو ناجائز طور پر اپنے اور اہل وعیال کے فائدہ کے لئے خرچ کرنا، محکمہ مالیات (بالخصوص شعبۂ محاصل) کے افسران کا رشوت ستانی ومالی بددیانتی میں ملوث ہونا انہی بے ضابطگیوں میں شامل تھیں۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ عہدِ وسطیٰ کے بعض ہندوستانی علماء بادشاہوں کے ہدایا وانعامات قبول کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ ان کے ذرائع آمدنی میں حرام مال کی آمیزش ہوتی تھی۔[۳۸] اس سیاق میں حرام ومشتبہ مال سے اجتناب، فضول خرچی سے احتراز اور مالی واجبات کی ادائیگی کے سلسلہ میں امراء کو شیخ سرہندی کی ہدایات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ محمد مراد بخشی کے نام خط میں بہت ساری نصیحتوں کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ایک اور نصیحت یہ کرنی ہے کہ کھانے میں لقمہ حلال کا خاص خیال رکھا

جائے، یہ کیا ضروری ہے کہ کوئی شخص جو کچھ کسی جگہ سے پائے اس کو کھالے اور حلال وحرام شرعی کا لحاظ نہ کرے۔ یہ شخص خود مختار نہیں ہے کہ جو چاہے کرے بلکہ اپنا ایک آقائے حقیقی رکھتا ہے کہ جس نے امر ونہی کی تکلیف دی ہے اور بذریعہ انبیاء علیہم السلام اس نے اپنی رضا وعدم رضا کو بیان فرمایا ہے وہ بندہ بڑا بے سعادت ہے جو اپنے مولیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی خواہش رکھتا ہو اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے مُلک ومِلک میں تصرف کرے“[۳۹]

اسی طرح عبدالرحیم خانخاناں کو رجوع الی اللہ، توبہ وانابت اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے مالی معاملات میں دیانت داری کی نصیحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا ہے کہ ایک کوڑی جو حرام طریقہ پر حاصل کی تھی اس کا واپس کرنا اس سے سو گنا صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک درہم کا چھٹا حصہ (جو غلط طریقہ سے حاصل ہوا ہے) واپس کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو مقبول حجوں سے بہتر ہے“ مخدوما مکرما! اگر توبہ تمام گناہوں سے میسر ہو اور تمام حرام ومشتبہ چیزوں سے پرہیز ہو تو یہ ایک بڑی نعمت واعلیٰ دولت ہے۔ ورنہ بعض گناہوں سے توبہ اور کچھ محرمات سے پرہیز یہ بھی غنیمت درجہ میں ہے“[۴۰]

ایک دوسرے سرکاری افسر کو دنیا کی ترغیبات وتحریصات سے متنبہ کرتے ہوئے حرام ومشتبہ چیزوں سے اجتناب کی نصیحت بڑے دردمندانہ انداز میں کرتے ہیں۔

”مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوستان نیک انجام دنیا کی آرائشوں میں پھنس کر بچوں کی طرح اس کے فریفتہ ہو جائیں اور دشمن لعین (شیطان) کی رہنمائی میں مباح سے مشتبہ کی طرف اور مشتبہ سے حرام کی طرف رغبت نہ کرنے لگیں، ایسا ہوا تو مولائے حقیقی کے سامنے خجل وشرمندہ ہونا پڑے گا۔ توبہ اور رجوع اللہ میں

قدم راسخ رکھنا اور منہیات شرعیہ کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے''اھ

شیخ احمد سرہندی کی ان ہدایات ونصائح سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کس طرح مالی معاملات میں صحیح رخ پر اہل حکومت کی ذہن سازی کی کوشش کی اور وہ مسلسل انہیں محرمات ومشتبہات سے دور رہنے کی مخلصانہ نصیحت کرتے رہے۔

یہاں یہ سوال ابھرتا ہے امراء کے نام خطوط میں اکبری دور میں اسلامی شعائر کی بے حرمتی، قوانین شریعت کی خلاف ورزی اور اسلامی روایات کی پامالی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی نے بادشاہ کی اصلاح، شریعت کی اتباع اور اسلامی تعلیمات پر عمل آوری کی بار بار نصیحت کی لیکن ان خطوط میں واضح طور پر یہ ہدایات نہیں ملتیں کہ حکومت کی ذمہ داریاں شریعت کے مطابق انجام دینی چاہئیں، حکومت کی آمدنی کے ذرائع ومصارف میں شرعی اصول وضوابط کی پابندی ہونی چاہیے، عدلیہ کے شعبہ میں اسلام کے اصول عدل وانصاف پر کاربند رہنا چاہیے، دربار کے غیر اسلامی رسوم وروایات کو ختم کر دینا چاہیے اور عوام کے ساتھ برتاؤ میں قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔ مزید براں مکتوبات امام ربانی میں جہانگیر بادشاہ کے نام بھی ایک خط ہے اور صاحبزادوں کے نام ایک خط میں بادشاہ کی ایک مجلس میں حاضری اور وعظ وتذکیر کا حوالہ ملتا ہے لیکن ان خطوط میں بھی مذکورہ بالا امور کی جانب واضح لفظوں میں توجہ نہیں دلائی گئی ہے۔ بادشاہ کے نام مکتوب میں اس کی سلطنت کی بقا اور لشکرِ شاہی کی فتح ونصرت کے لئے دعا کی گئی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ لشکر غزا وجہاد سے سلطنت کو تقویت ملتی ہے اور سلطنت کی مضبوطی سے شریعتِ غرا کی ترویج واشاعت بھی وابستہ ہے۔ دوسری جانب یہ کام لشکرِ دعا سے بھی متعلق ہے جو ''ارباب فقراء اور اصحاب مصیبت وبلا'' کا لشکر ہے اور اس کی دعاؤں کی بدولت حقیقی معنوں میں فتح ونصرت نصیب ہوتی ہے اور لشکر غزا کے

لئے لشکر دعا کی حیثیت روح کی ہے پس فوجی لشکر کو لشکر دعا کے بغیر چارہ نہیں''[۴۲] دوسرے خط میں بادشاہ کی جس مجلس کا تذکرہ ہے وہ رمضان المبارک کی ایک مجلس تھی اس میں جو موضوعات بادشاہ واہل دربار کے سامنے زیر بحث آئے وہ یہ تھے۔ بعثت انبیاء، ختم نبوت، آخرت پر ایمان، اعمال صالحہ پر آخرت میں ثواب، دیدار الٰہی بروز قیامت، خلفاء راشدین کی اتباع، سنتِ تراویح، عقیدۂ تناسخ کا بطلان اور ہر صدی میں مجدد کا ظہور۔ شیخ سرہندی کے بقول بادشاہ نے ان موضوعات پر ان کی گفتگو کو بہت توجہ سے سنا[۴۳]۔

بہر حال ان باتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیخ مجدد بادشاہ وامراء کی سیاسی زندگی یا حکومت کے نظم ونسق میں شریعت کے مطابق اصلاح نہیں چاہتے تھے اصل بات یہ ہے کہ وہ علماء، صوفیاء، حکمراں وعوام ہر طبقہ کے لوگوں کی زندگی کی اصلاح مجموعی طور پر چاہتے تھے اور روزمرہ زندگی میں انہیں سنت نبویؐ کا پیرو اور شریعت کا متبع بنانا چاہتے تھے۔ غالبًا ان کا یہ احساس تھا کہ وہ (خواہ اہل حکومت ہوں یا کوئی اور) عام زندگی میں شریعت کے پابند ہو جائیں گے تو اپنی مخصوص مصروفیات یا اپنے خاص دائرہ کار میں ان کے لئے شریعت پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مکتوبات ربانی میں ان تینوں طبقوں کے نام مکاتیب میں مضامین کا کچھ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ان میں جو باتیں کم وبیش مشترک نظر آتی ہیں وہ ہیں اللہ ورسول کی اطاعت، شریعت کی پیروی اور نقشبندی صوفیاء کے طریقہ پر تزکیہ واحسان کا حصول۔ درحقیقت شیخ مجدد کے اصلاحی مشن کے تین ارکان تھے۔ تصحیح عقائد، شریعت پر عمل آوری اور تزکیہ نفس۔ تیسرا رکن خود انہی کی وضاحت کے مطابق اول دونوں کا تکملہ اور ان کے تابع تھا۔ وہ اسی نہج پر لوگوں کی ذہن سازی واصلاح چاہتے تھے اور اپنے خطوط میں بار بار انہی نکات پر زور دیتے رہے۔[۴۴] ان کا خیال تھا کہ اس طور پر اگر کسی کی زندگی سدھر جائے گی تو ہر معاملہ میں شریعت کی اتباع اس کی اولین ترجیح بن جائے گی اور یہی اصلاً ہر مومن

سے مقصود ہے۔ وہ علماء وصوفیاء، اہل حکومت وعوام سب سے اس کے لئے درمندانہ اپیل کرتے تھے اس باب میں تساہلی ونرم رویہ کو سخت ناپسند کرتے تھے اور بادشاہ کی مجلسوں میں بھی اسلامی اصول وضوابط کی ترجمانی میں کسی تکلف سے کام نہیں لیتے تھے ۴۵؎ مزید براں وہ ان علماء وصوفیاء پر برملا نقد کرتے تھے جو رخصت کا بہانہ لے کر خلافِ شریعت امور کو مباح قرار دیتے تھے جیسا کہ ذیل کی تفصیلات سے واضح ہوتا ہے۔

اس زمانہ میں شاہی دربار میں حاضری پر بادشاہ کی تعظیم وتکریم میں اس کے سامنے سجدہ کرنے کا رواج تھا بلکہ یہ دربار کے آداب میں شامل تھا اور اس کی خلاف ورزی جرم سمجھی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سراسر غیر اسلامی روایت اور ایک ناجائز عمل تھا، لیکن بعض علماء اسے سجدہ تعظیمی قرار دیتے ہوئے اس کی اباحت کے قائل تھے۔ شیخ احمد سرہندی کسی بھی صورت میں غیر اللہ کے سامنے سجدہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ شاہی دربار میں طلبی پر اس روایت کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں بادشاہ کی ناراضگی مول لینی پڑی جس کی وجہ سے وہ قید وبند کی آزمائش سے بھی دوچار ہوئے۔ اُسی دوران شہزادہ خرم (جو شیخ کے بڑے معتقد تھے) نے بعض علماء کے توسط سے سجدۂ تعظیمی کی اباحت کے حوالہ سے انہیں اس کے لئے راضی کرنا چاہا تاکہ وہ قید وبند کی پریشانیوں سے بچ جائیں تو شیخ نے یہ کہہ کر اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔ ۴۶؎ اس واقعہ سے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے کے مسئلہ پر ان کا موقف بخوبی سمجھا جا سکتا ہے اس کی مزید وضاحت ایک مرید (میر محمد نعمان اکبرآبادی) کے استفتاء پر ان کے اس جواب میں ملتی ہے:

''اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں انتہائی تذلل وشکستگی کو متضمن ہے اور اس میں کمال تواضع وفروتنی پائی جاتی ہے اس وجہ سے اس قسم کی تواضع وفروتنی کو صرف واجب الوجود جل سلطانہ کی عبادت کے ساتھ مخصوص

رکھا گیا ہے اس کے غیر کے لئے سجدہ جائز نہیں رکھا گیا ہے...... **بعض علماء نے** سلاطین کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیا ہے لیکن سلاطین عظام کے لائق حال یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے تواضع و فروتنی کا مظاہرہ کریں اور اس انتہائی تذلل و انکسار (سجدہ) کو غیر اللہ کے لئے جائز نہ قرار دیں۔ حضرت حق جل مجدہ نے ایک عالم کو بادشاہوں کا مسخر اور ان کا محتاج کر دیا ہے، اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کریں اور ایسی تواضع کو جو کمال عجز و انکساری کی اطلاع دیتی ہے فقط جناب قدس کے لئے ہی مسلم رکھیں۔ اس معاملہ میں کسی کی اس کے ساتھ شرکت نہ ڈھونڈیں، ہر چند کچھ عالم اس سجدہ تعظیمی کو ان کے لئے جائز قرار دیں لیکن بادشاہوں کے حسن تواضع کا یہ تقاضا ہے کہ وہ خود اس کو جائز نہ سمجھیں''[۴۷]

زیر بحث مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ اور شاہی دربار سے متعلق مسائل پر امراء کے علاوہ دوسروں کے نام مکاتیب میں بھی اظہار خیال فرماتے تھے۔ یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ بعض صوفیاء (بالخصوص چشتی سلسلہ سے تعلق رکھنے والوں) کے حلقہ میں شیخ کے روبرو سجدہ تعظیمی کا رواج تھا اور وہ اسے مباح سمجھتے تھے۔ شیخ سرہندی نے سختی سے اس کی بھی مخالفت کی اور جس طرح انھوں نے اس کو جائز تصور کرنے والے علماء پر نکیر ظاہر کی اس طرح ایسے صوفیاء کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا اور اہل تصوف کو اس غیر شرعی عمل سے اجتناب کی ہدایت دی۔ شیخ نظام الدین فاروقی تھانیسری کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ بھی معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مریدان کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں فقط زمین بوسی ہی پر اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی خرابی اظہر من الشمس ہے ان کو سختی سے منع کیجئے۔ اس قسم کے افعال سے ہر ایک کو اجتناب کرنا چاہئے۔ علی الخصوص وہ شخص جو مخلوق کا مقتدیٰ بنے اس کو تو اس قسم

کے افعال سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے ورنہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی اقتدا کریں گے اور وبال میں گرفتار ہوں گے''[۴۸]

ان بیانات سے یہ اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کو شریعت کے باب میں کس کی بھی جانب سے مداہنت گوارا نہ تھی اور یہ کہ شریعت سے انحراف کرنے والوں کو وہ بلا تکلف متنبہ کرتے تھے اور واضح لفظوں میں اس سے باز آجانے کی انھیں ہدایت دیتے تھے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی نے اہل حکومت میں شریعت کی ترویج پر خصوصی توجہ دی۔ ایک مسلمان کے لئے اتباعِ شریعت کی اہمیت کے اثبات کے ساتھ انھوں نے ان کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزیں کرنے کی کوشش کی کہ ترویج شریعت بہت عظیم کام ہے جسے بہترین خلائق یعنی انبیاء علیہم السلام انجام دیتے رہے ہیں اور اس کی اہمیت اس زمانہ میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب دینی بے راہ روی اور گمرہی کا دور دورہ ہو جائے۔ دوسرے حکومت کے حلقوں میں شریعت کو رواج دینا اس وجہ سے اور اہم ہے کہ بادشاہ و حکمراں طبقہ اپنے قول و عمل سے عوام پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس طبقہ کے لوگوں کی اصلاح سے کافی حد تک عوام کی اصلاح منسلک ہے۔ شیخ مجدد نے خطوط کے ذریعہ امراء یا حکومت کے اہم عہدہ داروں کو مختلف طریقہ سے اس بات کے لئے راغب کیا کہ روزمرہ زندگی میں شریعت کو رہنما بنائیں اور بادشاہ کو بھی اس کی پیروی کے لئے آمادہ کریں اور جب بھی موقع ملے اسے دین کی ضروری باتوں اور شریعت کے احکام سے باخبر کرتے رہیں۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اہل حکومت کو عمومی انداز میں اتباعِ شریعت کی تاکید کے ساتھ شیخ مجدد انہیں فرائض کی بجا آوری اور سماجی و معاشی زندگی سے متعلق اہم احکام پہ عمل آوری کی تلقین مسلسل کرتے رہے اور محرمات سے اجتناب پر خاص زور دیتے رہے۔ اصلاحِ احوال پر

ابھارتے ہوئے سب سے زیادہ دو باتوں کی جانب انھیں متوجہ کیا۔ اول عقاید کی درستگی اور دوسرے ہر معاملہ میں شریعت کی پیروی۔ وہ بار بار یہ حقیقت ان کے گوش گزار کرتے رہے کہ لوگوں کی نجات کا مدار اِسی پر ہے خواہ وہ اصحابِ منصب ہوں یا عوام، علماء ہوں یا صوفیاء۔ مزید براں امراء کے نام خطوط میں شیخ مجدد نے بڑے ہی موثر انداز میں یہ نکتہ واضح کیا کہ ہر مسلمان کے لئے علم شریعت کا اکتساب بھی ضروری ہے لیکن یہ اکتساب اسی وقت بار آور ہوگا جب اس علم کو عملی روپ دیا جائے یہ امر بدیہی ہے کہ وہ بیمار جو اپنے مرض کی دوا کا علم رکھتا ہے صحت اسی وقت پائے گا جب وہ اسے استعمال کرے۔ فقط دوا کا علم اس کے لئے صحت بخش نہ ہوگا۔ انھوں نے اس طور پر بھی اتباعِ شریعت کی رغبت دلائی کہ شریعت کے مطابق تھوڑا سا عمل بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث بنتا ہے جب کہ اسی کے بالمقابل خلافِ شریعت کام اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے اور پھر اس پر اجر و ثواب کا سوال ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عمل موافق شریعت ہوتا ہے وہ پسندیدہ حق تعالیٰ ہوتا ہے اور خلاف شریعت عمل ناپسندیدہ حق ہے اس پر ثواب کی کیا امید ہو سکتی ہے بلکہ اس پر سزا کا ڈر رہتا ہے۔ بڑے ہی دردمندانہ لہجہ میں شیخ نے یہ تکلیف دہ صورتحال بیان کی کہ آقائے مجازی کی رضامندی کا خیال تو رکھا جاتا ہے اور اس کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے لیکن مولائے حقیقی کو جو باتیں ناپسند ہیں اور جن سے وہ منع فرماتا ہے ان پر توجہ نہیں کی جاتی یہ کتنے بڑے شرم کی بات ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اہل حکومت میں شریعت کی ترویج کے لئے شیخ مجدد نے جو کچھ کوشش کی اور خود ان میں اس کے لئے جو تحریک پیدا کی وہ اس زمانہ کے سیاسی، سماجی و مذہبی حالات کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ عہد اکبری میں دینی شعائر، اسلامی تعلیمات و احکام شریعت کے تئیں سرکاری طور پر جو رویہ اپنایا گیا اس کا انھوں نے بخوبی مشاہدہ کیا تھا۔ اس صورت حال سے وہ بہت آزردہ خاطر

تھے اور اس کی تبدیلی کے لئے وہ متفکر و کوشاں ہوئے۔ اسی لئے نئے بادشاہ (جہانگیر) کے تخت نشیں ہوتے ہی وہ اس کوشش میں لگ گئے کہ بادشاہ کی توجہات کو صحیح رخ پر موڑ دیا جائے تاکہ عہد سابق کی خرابیوں کا ازالہ ہو سکے اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت و اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ کے لئے فضا ہموار ہو جائے۔ اس کام کے لئے انھوں نے امراء یا بادشاہ کے قریبی مصاحبین وعہدہ داروں کو اپنا معاون خاص بنایا۔ ایک جانب تو انھوں نے شریعت کی روشنی میں حکومت کے اِن کَل پرزوں کو درست کرنے پر توجہ دی، دوسری جانب بادشاہ تک اپنا پیغام پہونچانے کے لئے ان مقربینِ بارگاہ کو وسیلہ بنایا اور ان کے توسط سے بادشاہ کی اصلاح کی بھی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ اس اہم کام کے لئے علماء کا تعاون بھی درکار تھا ان سے بھی شیخ مجدد نے مراسلت جاری کی اور بالخصوص بادشاہ سے قربت رکھنے والے علماء کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور نئے بادشاہ کے حوصلہ افزا رجحانات کے حوالے سے ان سے اپیل کی کہ بدلے ہوئے حالات میں ترویج شریعت کے کام میں تاخیر مناسب نہ ہوگی ورنہ تلافیِ مافات مشکل ہو جائے گی اور یہ ان کے لئے بڑے اضطراب و بے چینی کا باعث ہوگی صدر جہاں کے نام ایک خط میں ان کے یہ احساسات ملاحظہ فرمائیں:

''ائمہ اسلام پر خواہ وہ صدر الصدور ہوں یا علمائے کرام لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو ترویج شریعت میں مشغول اور آغاز کار ہی میں اسلام کے منہدم ارکان کو قایم و برپا کر دیں کیونکہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ تاخیر کے باعث غریبوں کے دل اضطراب میں ہیں۔ قرنِ سابق کی سختیاں مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تلافی نہ ہو اور اسلام کی کس مپرسی طول کھینچ جائے جبکہ بادشاہ ترویج سنت نبویہ میں سرگرم نہ ہوں نیز ان کے مقربین بھی اس معاملہ میں ڈھیلے پڑ جائیں اور حیات چند روزہ ہی کو عزیز سمجھیں تو فقراء اہل اسلام پر کام بہت تنگ و تاریک ہو جائے گا''[۹]

رہا یہ مسئلہ کہ شیخ مجدد کی ان ساری کوششوں کے کیا اثرات مترتب ہوئے۔ ان کی اصلاحی تحریک حکومتِ وقت کے مزاج و آہنگ میں کس حد تک تبدیلی پیدا کر سکی یہ ایک الگ موضوع بحث ہے جس کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہے لیکن اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قریبی عہد میں یا بعد کے زمانہ میں ہندوستان میں جتنی اصلاحی تحریکیں برپا ہوئیں ان سب میں تحریک مجددی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ انہی کی اس دعا پر اس مقالہ کو ختم کیا جاتا ہے کہ:

''اللہ آپ کو اور ہم کو متابعتِ شریعتِ مصطفویہ کی توفیق عطا فرمائے۔''

☆☆☆

حواشی ومراجع

١ نسیم احمد فریدی امروہوی، تجلیات ربانی۔ ترجمہ و تلخیص مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ ١٩٧٨ء، ٦٣/٢ (مکتوب نمبر ٦٧)۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قاضی عالم الدین نے مکتوبات امام ربانی کا اردو میں مکمل ترجمہ کیا ہے جو تین جلدوں میں اللجنۃ العلمیۃ، حیدر آباد سے شائع ہوا ہے۔ مجھے مولانا نسیم احمد فریدی کا ترجمہ زیادہ سلیس و عام فہم نظر آیا اس لئے اس مضمون میں زیادہ تر ''تجلیات ربانی'' کا حوالہ دیا ہے۔ طوالت کے اندیشہ سے فارسی عبارت نقل کرنے سے احتراز کیا گیا)

٢ محمد منظور نعمانی، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، ١٩٧٠ء، ص ١٤٤

٣ تجلیات ربانی، ٦٨/١ (مکتوب نمبر ٥١)

٤ تجلیات ربانی، ٦١/٢ (مکتوب نمبر ٦٧)

٥ تجلیات ربانی، ١٠٥/١ (مکتوب نمبر ٨١)

٦ تجلیات ربانی، ٨٢/١۔٨٣ (مکتوب نمبر ٦٥)

٧ مذکورہ امراء کے بارے میں تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: شاہنواز

خاں، مآثر الامراء (انگیزی ترجمہ: ایس بورج) جانکی پرکاشن، پٹنہ، ۱۹۷۹ء، ۱/۶۰_۶۵، ۷۸_۸۰، ۳۱۹_۳۳۴، ۴۵۰_۴۵۳، ۵۲۱_۵۲۷، ۵۳۰_۵۳۴، ۷۲۸_۷۲_

۸ـ تجلیات ربانی، ۲/۷۷ (مکتوب نمبر ۹۲)

۹ـ تجلیات ربانی، ۱/۶۷ (مکتوب نمبر ۴۸)

۱۰ـ حوالہ مذکور

۱۱ـ تجلیات ربانی، ۱/۱۵۹ (مکتوب نمبر ۱۹۳)

۱۲ـ تجلیات ربانی ۱/۱۶۰ (مکتوب نمبر ۱۹۳)

۱۳ـ تجلیات ربانی، ۲/۱۶۴ (مکتوب نمبر ۵۴)

۱۴ـ تجلیات ربانی، ۱/۵۴ (مکتوب نمبر ۳۶)

۱۵ـ تجلیات ربانی، ۱/۱۰۸ (مکتوب نمبر ۹۴)

۱۶ـ تجلیات ربانی، ۱/۱۵۹_۱۶۰ (مکتوب نمبر ۱۹۳)

۱۷ـ تجلیات ربانی، ۱/۹۵ (مکتوب نمبر ۷۳)

۱۸ـ تجلیات ربانی، ۱/۱۶۱ (مکتوب نمبر ۱۹۴) نیز دیکھئے ۱/۱۷ (مکتوب نمبر ۵۳)

۱۹ـ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، نول کشور، کانپور (ب۔ت) ص ۳۴۷_۳۴۸، سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ ۲۰۰۰ء ۱۶۱/۴

۲۰ـ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (اردو ترجمہ از قاضی عالم الدین)، اللجنۃ العلمیہ، حیدرآباد، (بدون تاریخ)، ۱/۱۵۰_۱۵۱ (مکتوب نمبر ۳۴)

۲۱ـ حوالہ مذکور، ۱/۱۵۴ (مکتوب نمبر ۳۶)، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۱ نیز دیکھئے بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۱

۲۲ـ تجلیات ربانی، ۱/۸۷ (مکتوب نمبر ۷۰)

۲۳ـ تجلیات ربانی، ۲/۱۶۵ (مکتوب نمبر ۵۵)

۲۴ـ تجلیات ربانی، ۲/۷۴ (مکتوب نمبر ۸۷)

۲۵ـ تجلیات ربانی، ۱/۱۵۲_۱۵۳ (مکتوب نمبر ۱۸۴)

۲۶ـ تجلیات ربانی، ۱/۶۷ (مکتوب نمبر ۴۸)

۲۷۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۵۶_۱۵۷ (مکتوب نمبر ۱۹۱)
۲۸۔ تجلیات ربانی، ۱/۴۶ (مکتوب نمبر ۲۹)
۲۹۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۰۵_۱۰۶ (مکتوب نمبر ۸۵)
۳۰۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۰۷ (مکتوب نمبر ۹۳) نیز دیکھیے ۱/۱۵۵ (مکتوب نمبر ۱۸۹)
۳۱۔ تجلیات ربانی، ۱/۶۰ (مکتوب نمبر ۴۵)
۳۲۔ تجلیات ربانی، ۱/۷۰ (مکتوب نمبر ۸۲)
۳۳۔ تجلیات ربانی، ۱/۹۴ (مکتوب نمبر ۷۳)
۳۴۔ تجلیات ربانی، ۱/۸۷ (مکتوب نمبر ۷۰)
۳۵۔ تجلیات ربانی، ۱/۷۰ (مکتوب نمبر ۵۲)
۳۶۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۰۸_۱۰۹ (مکتوب نمبر ۹۶)
۳۷۔ تجلیات ربانی، ۲/۶۰ (مکتوب نمبر ۶۷)
۳۸۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۸۱ء ص ۳۱۶_۳۱۷
۳۹۔ تجلیات ربانی، ۲/۶۶ (مکتوب نمبر ۶۹)
۴۰۔ تجلیات ربانی، ۲/۵۱، ۵۲ (مکتوب نمبر ۵۲) نیز دیکھیے ۲/۷۱ (مکتوب نمبر ۸۷)
۴۱۔ تجلیات ربانی، ۲/۶۸_۶۹ (مکتوب نمبر ۸۱)
۴۲۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۶۱ (مکتوب نمبر ۴۷)
۴۳۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۵۵_۱۵۶ (مکتوب نمبر ۴۳)
۴۴۔ تجلیات ربانی، ۱/۸۸، ۱۰۸، ۱۵۶ (مکاتیب نمبر ۷۱، ۹۴، ۱۹۱) ۲/۵۲_۵۳ (مکتوب نمبر ۶۷)
۴۵۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۵۵_۱۵۶ (مکتوب نمبر ۴۳)
۴۶۔ حضرات القدس، محولہ بالا، ص ۱۱۶
۴۷۔ تجلیات ربانی، ۲/۷۸_۷۹ (مکتوب نمبر ۹۲)
۴۸۔ تجلیات ربانی، ۱/۴۷ (مکتوب نمبر ۲۹)
۴۹۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۶۲ (مکتوب نمبر ۱۹۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیخ احمد سرہندی

اصلاحی وتجدیدی خدمات کی روشنی میں

محمد شمیم اختر قاسمی

(ریسرچ اسکالر، شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

☆☆

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی ۱۴؍شوال ۹۷۱ھ مطابق ۲۶؍مئی ۱۵۶۴ء کو پنجاب کے ایک مشہور قصبہ سرہند میں جمعرات کے دن پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد[1] (م۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۹ء) سے حاصل کی، حفظ کلام اللہ سے فارغ ہو کر اعلیٰ رسمی وروایتی تعلیم کے لئے سیال کوٹ کا سفر کیا، وہاں کے مشہور عالم ملا کمال کشمیری[2] (م۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء) سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی، شیخ یعقوب کشمیری[3] (م۱۰۰۳ھ/ ۱۵۹۴ء) سے حدیث اور تفسیر کی امہات الکتب قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھیں۔ محدث یعقوب سے ہی طریقہ کبرویہ اخذ کیا۔[4] یہاں تک کہ سترہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فراغت پا کر وطن لوٹے اور درس وتدریس میں مشغول ہوئے[5] اس کے بعد جلد ہی دو اہم رسالے[6] لکھ کر عوام وخواص میں مقبول ہو گئے۔

مراجعت وطن کے تین سال بعد دار الحکومت آگرہ (اکبر آباد) پہنچے، دیگر علماء کبار کے ساتھ فیضی[7] (م۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۵ء) اور ابوالفضل[8] (م۱۰۱۱ھ/ ۱۶۰۲ء) سے ملاقات ہوئی، کچھ دنوں تک ان سے صحبتیں رہیں اور علمی مذاکرات ہوئے۔ فیضی نے اپنی غیر منقوط تفسیر ''سواطع الالہام'' کی تالیف میں چند مشکل مقام پر استفادہ بھی کیا۔[9] ایک روز ابوالفضل نے فلاسفہ پر گفتگو شروع کی، اس نے دوران گفتگو امام غزالیؒ[10] (م۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء) کو نامعقول کہہ دیا، شیخ احمد یہ سن کر آزردہ ہوئے اور اس مجلس سے اٹھتے وقت کہا کہ اگر اہل علم

کی صحبت کا ذوق رکھتے ہو تو اس قسم کی بے ادبی سے اپنی زبان کو محفوظ رکھو، کئی روز تک اس کی مجلس میں نہیں آئے تو ابوالفضل نے کسی کو بھیج کر معذرت کی[11] باوجود اس کے حضرت کے تعلقات ان سے زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے۔

آگرہ میں آپ کا قیام کچھ طویل ہو گیا تو والد ماجد متفکر ہوئے، یہاں تک کہ کبر سنی کے باوجود بیٹے کو لینے آگرہ پہنچ گئے، واپسی میں تھانیسر کے مقام سے گذر ہوا تو وہاں کے حاکم شیخ سلطان[12] سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ کیا اور اپنا مہمان بنالیا۔ پھر اپنی دختر نیک اختر کو شیخ احمد کے نکاح میں دینے کی خواہش ظاہر کی، اشارۂ غیبی[13] سمجھ کر آپ نے اسے قبول کرلیا۔[14] اس مناکحت سے آپ کو کافی مال ملا۔[15] اس کے بعد سب لوگ سرہند پہنچے۔ آپ کو اللہ نے سات اولاد سے نوازا۔ جن میں چار آپ کی حیات ہی میں داغ مفارقت دے گئے، بقیہ تین صاحب زادے آپ کی حیات تک زندہ رہے، جو آپ کے انتقال کے بعد آپ کے مشعل ہدایت کے امین بنے اور اسے دور دور تک پھیلایا۔

رشتۂ مناکحت قائم ہوجانے کے باوجود بھی حضرت مجدد نے تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور اپنے والد ماجد کے سامنے راہ سلوک کی منزلیں طے کیں اور خلافت چشتیہ اور قادریہ کا خرقہ ان سے حاصل کیا، جو انہیں شیخ عبدالقدوس گنگوہی[16] (م۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء) اور شاہ کمال کیتھلی سے حاصل ہوا تھا۔[17] شیخ احمد کو ابن عربی[18] کے خیالات سے بڑا شغف تھا اور وہ ان کی کتاب کا درس بڑے شوق واہتمام سے دیتے تھے۔[19] آپ نے اپنے مکتوبات میں والد کے متعلق لکھا ہے کہ:

> ''فقیر کا اعتقاد لڑکپن سے اہل توحید کا مشرب تھا اور فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ العزیز اسی مشرب پر ہوئے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے حضرت باقی باللہ[20] کی خدمت وصحبت نصیب ہوئی اور انہوں نے فقیر کو طریقہ علیا نقشبندیہ میں داخل کیا اور یوں مسکین کے حال زار پر توجہ فرمائی۔''[21]

اپنے والد بزرگوار کے فیض صحبت سے انہیں ابتدا ہی میں تصوف کے مروجہ طریقوں کی بنیادی خوبیوں کے ساتھ ان کی جدید خرابیوں کا بھی علم ہو گیا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''اس فقیر نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہ سے سنا ہے کہ بہتر فرقوں میں سے اکثر لوگ جو گمراہ ہو کر راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اس کی منشا طریق صوفیہ میں ان کی خواری ہے کہ انہوں نے اپنے کام کو سرانجام نہیں کیا اور غلط راہ پر پڑ گئے اور یوں گمراہ ہو گئے۔''[۲۲]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد کی اکثر صلاحیتیں خداداد تھیں اور ان کے جوہر نقشبندیہ سلسلے میں بیعت اور حضرت باقی باللہ (م۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کی خدمت میں پہنچنے کے بعد کھلے، لیکن شاید ان کے خیالات کی ساخت میں سب سے زیادہ دخل ان کے شفیق باپ کی صحبت اور ابتدائی ماحول کا تھا۔[۲۳] یہی وجہ ہے کہ وہ شروع زمانے ہی میں ابن عربی کے نظریہ تصوف ''وحدۃ الوجود'' کی کچھ خامیوں کی نشاندہی کی تھی۔ چوں کہ آپ کے والد ماجد اپنے درس میں باوجود شغف کے جہاں جہاں ابن عربی کے نظریہ میں خامی دیکھتے طلباء کی توجہ مرکوز کراتے اور صحیح صورت حال سے آگاہ فرما دیتے۔[۲۴]

عرصہ سے آپ کو حج بیت اللہ کا شوق دامن گیر تھا، مگر والد ماجد کی پیرانہ سالی اور ضعف کی وجہ سے ارادے کو موقوف رکھا۔ جب ۱۰۰۷ء میں والد کا انتقال ہو گیا تو ۱۰۰۸ھ میں حج بیت اللہ کے ارادہ سے سرہند سے کوچ کر کے دہلی پہنچے اور وہاں مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت باقی باللہ سے ملاقات کرائی جو ان دنوں دہلی میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔ چند دنوں تک شیخ احمد سرہندی نے خواجہ کے اصرار پر یہاں قیام کیا، اس مدت میں آپ حضرت خواجہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو کر سلسلہ نقشبندیہ سے جڑ گئے، اور حضرت خواجہ نے بھی اپنے معمولات[۲۵] سے ہٹ کر بلا استخارہ انہیں اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔ آپ نے جلد ہی راہ سلوک کی تمام منزلیں طے کر لیں۔ اس حیرت انگیز ترقی کو دیکھ کر حضرت باقی باللہ بہت متاثر ہوئے، جس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک خط میں کیا ہے جو ایک دوست کے نام لکھا تھا:

> ''سرہند میں ایک بڑے عالم و عامل ہیں جن کا نام شیخ احمد ہے، انہوں نے چند روز میرے پاس نشست و برخاست کی، جس میں میں نے ان کے عجیب عجیب حالات دیکھے ہیں اور ان کے اوقات و اعمال صالحہ کے پیش نظر یقین ہے کہ وہ عنقریب ایسا روشن آفتاب ہوں گے جس سے

ساری دنیا جگمگائے گی۔'' ۲۶

شیخ عبدالحق ۲۷ محدث دہلوی حضرت سرہندی کے ہمعصر اور ان کے پیر بھائی تھے، انہوں نے حضرت خواجہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ مجدد کے بارے میں فرماتے تھے:

> ''شیخ احمد ایسے افتاب ہیں جس کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں تارے چھپے ہوئے ہیں۔'' ۲۸

حضرت خواجہ باقی باللہ جن دنوں کابل سے ہندوستان آنے کا ارادہ کر رہے تھے، تو انہیں اپنے ارادہ میں تامل ہوا، یہاں تک کہ استخارہ کے ذریعہ شرح صدر ہوا کہ ''ایک خوبصورت طوطی ہے جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے، ان کے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا ہے، وہ اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اور وہ اپنے منقار سے ان کے منہ میں شکر دے رہا ہے'' حضرت خواجہ نے اپنے پیرومرشد حضرت امکنگی ۲۹ (م ۱۰۰۸ھ) سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا:

> ''طوطی ہندوستان کا جانور ہے، ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص تیار ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔'' ۳۰

حضرت خواجہ امکنگی نے استخارہ کی جو تشریح و تعبیر بتائی اس کے پیش نظر حضرت باقی باللہ ہندوستان پہنچ کر ایسے شخص کے متلاشی ضرور رہے ہوں گے کہ حضرت مجدد الف ثانی ان کی خدمت میں پہنچے اور ذکر و فکر میں شیخ احمد نے جو مدارج جلد ہی طے کئے اسے دیکھ کر حضرت خواجہ کو یقین ہو گیا کہ جو شخص ہماری تربیت سے ایک عالم کو منور کرے گا وہ یہی شیخ احمد سرہندی ہیں۔ ۳۱ جن پر آپ نے شروع سے ہی خاص توجہ فرمائی اور بلا استخارہ انہیں اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد وطن آئے، پھر دوبارہ کچھ عرصہ بعد حضرت کی خدمت حاضر ہوئے تو خلعت سے نوازے گئے اور طالبان خدا کی تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کی اجازت دی گئی اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم و طریقت کے لئے آپ کے سپرد کر دیا۔ ۳۲ تیسری مرتبہ حضرت باقی باللہ کے حکم سے بغرض ملاقات دہلی پہنچے تو حضرت خواجہ آپ کے استقبال کے لئے باہر دور تک نکل آئے اور آپ کے گرد حلقہ بنالیا اور بہت ساری بشارتوں سے نوازا، اپنے مریدوں سے کہا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف

متوجہ نہ ہوا کرے، اس موقع پر حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے امید حیات بہت کم ہے''، اور اپنے افراد خانہ کی طرف ان کی توجہ دلائی۔ [۳۳] ساری بشارتیں اور ہدایت ملنے کے بعد شیخ احمد سرہندی اپنے وطن لوٹ آئے، کچھ دن یہاں قیام فرمایا، پھر مرشد کی ہدایت کے مطابق لاہور تشریف لے گئے، وہاں آپ کی بہت پذیرائی ہوئی، بڑے بڑے علماء اور مشائخ نے آپ کا استقبال کیا اور بڑی تعداد میں عوام وخواص نے استفادہ علمی وروحانی کیا۔ [۳۴]

لاہور پہنچے زیادہ دن بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کا انتقال ۳۰ر نومبر ۱۶۰۳ء/ ۲۵ر جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ میں ہوگیا۔ [۳۵] خبر ملتے ہی دہلی پہنچے اور خواجہ کے مزار پر حاضری دی، مرشدزادوں اور برادران طریقت سے تعزیت کی۔ تسکین قلب وذہن کی خاطر چندروز یہاں قیام فرمایا، ''تربیت وارشاد کی محفل جو حضرت خواجہ کے ارتحال سے سونی ہوگئی تھی دوبارہ آباد اور مغموم ومجروح دل شگفتہ اور تازہ ہوگئے۔'' [۳۶]

آپ کے پیر بھائیوں کا سلوک ابتدا میں آپ کے ساتھ اچھا رہا مگر بعد میں کچھ لوگ بعض غلط فہمی کی بنا پر آپ سے اختلاف [۳۷] کرنے لگے۔ آپ نے انہیں سمجھایا مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پھر آپ سرہند لوٹ آئے اور یہیں پوری طرح دعوت وارشاد کی محفل گرم کردی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ کے عرس کے موقع سے دہلی تشریف لے جاتے۔ [۳۸] خانقاہ باقویہ سے بھی ان کی دلی وابستگی رہی۔ [۳۹] جب کہ علی میاں ندویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کے انتقال کے بعد صرف ایک مرتبہ دہلی اور دوتین مرتبہ آگرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ [۴۰]

یہاں جو اختلاف ہوا اس کی اصل وجہ کیا تھی اس کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی جس سے صحیح صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکے۔ شیخ محمد اکرام نے اس سلسلے میں قدرے روشنی ڈالی ہے، جس کو ماننے میں قباحت معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر محمد اسلم نے شیخ محمد اکرام کے سلسلے میں لکھا ہے کہ: ''وہ حضرت کے متعلق صحیح رائے نہیں رکھتے۔'' [۴۱] پروفیسر محمد اسلم کی رائے اس لئے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ شیخ محمد اکرام نے حضرت مجدد الف ثانی کا تذکرہ اپنی کتاب میں تو ضرور کیا ہے اور ان کی خدمات کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، مگر وہ اکبری الحاد کے خاتمہ اور اس کی اصلاح کا سہرا خود اکبر کی موت اور جہانگیر (۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء/

۱۰۳۷ھ ۱۶۲۶ء) کی دینی حمیت کو قرار دیا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔

سرہند میں آپ کی تعلیم و تربیت سے بہت سے لوگ مستفیض ہوئے اور ایسے ایسے نامی گرامی خلفاء آپ کے دامن تربیت سے اٹھے کہ تعجب ہوتا ہے، جو پورے ملک و بیرون ملک میں چمکنے دمکنے لگے۔ ان بزرگوں نے بڑی محنت اور خلوص وللٰہیت سے سرشار ہو کر خلق خدا کی اصلاح اور طریقۂ نقشبندیہ کی تشہیر و اشاعت کی۔ ترکستان کی طرف شیخ نے مولانا قاسم کی قیادت میں ۷۰ر خلفا روانہ کئے، عرب، یمن، شام اور روم کے اطراف واکناف میں ۴۰ر حضرات کو مولانا فرخ حسین کی امارت میں بھیجا۔ ۱۰ر ذمہ دار اور تربیت یافتہ مولانا صادق کابلی کے ماتحت کاشغر اور ۳۰ر خلفا مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران اور خراسان گئے۔[۴۲]

یہ خلفا اپنے اپنے مقام پر پہنچ کر بڑی کامیابی حاصل کی، نہ صرف عوام نے ان سے استفادہ کیا بلکہ وہاں کے علماء و مشائخ اور خواص کے دل میں بھی حضرت مجدد سے ملنے اور روحانی فیض حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوگئی۔ شاہ بدخشاں کے معتمد علیہ شیخ طاہر بدخشی، طالقان کے جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابی، شیخ احمد برسی، مولانا یار محمد اور مولانا محمد یوسف وغیرہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے اکثر کو خلافت و اجازت عطا فرما کر دعوت دین کے لئے اپنے اپنے مقام کو واپس کر دیا۔[۴۳]

ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبات میں خلق خدا کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لئے مجدد نے اپنے خلفاء کو بھیجا ان میں چند اہم خلفاء کے نام حسب ذیل ہیں:

> ’’خواجہ میر نعمان کو خلافت عطا فرما کر دکن بھیجا، ان کی خانقاہ میں کئی کئی سو سوار اور بے شمار پیادہ ذکر و مراقبہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عطا فرما کر پہلے سہارنپور پھر شاہی لشکر گاہ (معسکر) آگرہ میں متعین کیا، ان کو وہاں قبول عام حاصل ہوا، بہت سے ارکان سلطنت ان کے حلقہ بگوش ہوئے، لشکر کے ہزارہا آدمی مرید ہوئے، ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امرا کو مشکل سے شیخ کی زیارت کی نوبت آتی۔ میر نعمان کشمی کو جو حضرت باقی باللہ کے خلفا میں

> تھے تجدید بیعت واجازت نامہ فرما کر برہان پور روانہ فرمایا اور آپ وہاں مرجع طالبین بن گئے اور لوگوں کی بڑی اصلاح ہوئی۔ شیخ طاہر لاہوری کو شہر لاہور کے (جو ہندوستان کا دوسرا علمی وسیاسی مرکز تھا) طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے روانہ فرمایا اور ان سے اس دیار میں بڑا فیض پہنچا۔ شیخ نور محمد پٹنی کو اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا اور ان سے اس دیار میں ارشاد و ہدایت اور افادۂ علوم دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ شیخ حمید بنگالی کو منازل سلوک طے کرا کے اور تعلیم وطریقت کی اجازت دے کر بنگال روانہ کیا۔ شیخ طاہر بدخشی کو تکمیل حال کے بعد تعلیم وطریقت کی اجازت دے کر جون پور روانہ کیا۔ مولانا احمد برکی تعلیم وطریقت میں مجاز ہونے کے بعد برک پہنچ کر ارشاد و تربیت میں مشغول ہو گئے اور اپنے مریدوں کے احوال بذریعہ مکاتیب حضرت کی خدمت میں لکھتے رہے۔ شیخ عبدالحی حصار شادمانی (علاقہ اصفہان) کے باشندہ تھے، مکتوب کا دفتر ثانی آپ کا ہی ترتیب دیا ہوا ہے، حضرت نے آپ کو تعلیم وطریقت کی اجازت دے کر پٹنہ روانہ فرمایا۔ شیخ عبدالحی شہر کے درمیان تشنگان طریقت کی پیاس بجھاتے تھے اور شیخ نور محمد دریائے گنگا کے کنارے ارشاد و تربیت کا چشمہ جاری کئے ہوئے تھے۔ شیخ حسن برکی بھی اپنے وطن میں اشاعت طریقت وسنت پر مامور تھے۔ سید محب اللہ مانکپوری کو خلافت عطا کر کے مانکپور روانہ کیا، پھر حضرت کی اجازت سے وہ الہ آباد منتقل ہو گئے۔ شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی توجہات خصوصی سے سرفراز ہو کر وطن واپس ہو گئے۔''[۴۴]

اس کے علاوہ بھی اور بہت سے خلفاء کرام کو ملک کے اکناف میں روانہ فرمایا جس کا ذکر تذکروں میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ کوئی شہر نہ ہوگا جہاں آپ کے خلفا نہ پہنچے ہوں، بلکہ بعض شہروں میں ایک وقت میں کئی خلفا موجود ہوتے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ اور خواجہ ملنکی کی مذکورہ بشارت و پیشین گوئی پر غور کیا جائے، پھر حضرت مجدد کی مساعی اور خلق خدا کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیجے گئے خلفا کی تعداد کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت مجدد الفِ ثانی کے دور پر نظر ڈالی جائے تو انہیں مجددین تسلیم کرنے میں کیوں کر کسی کو تامل و تردد ہونا چاہیے؟ حضرت مجدد نے ان گمراہیوں کا مکمل سدِ باب کیا کہ جس کی وجہ سے اسلام ہندوستان میں زوال پذیر تھا، اور جس کے لیے آپ نے جہاد بالقلم و جہاد باللسان کو آلہ بنایا۔ مگر قابل افسوس امر یہ ہے کہ عصر حاضر کے بہت سے علماء انہیں مجدد الفِ ثانی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حالاں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جوان کے پیر بھائی تھے، شروع میں حضرت مجدد الف ثانی سے بعض غلط فہمیوں کی بنا پر اختلاف[۴۵] بھی تھا، مگر بعد میں ان کے مشن، ان کی فکر اور ان کے طریق کار کی افادیت و معنویت کو سمجھ لیا تو نہ صرف اختلاف جاتا رہا بلکہ ان کی خدمات[۴۶] کو سراہتے ہوئے مجدد الف ثانی کا خطاب دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''جو کوئی حضرت شیخ کے تفصیلی حالات، کشف الہامات اور مبشرات وغیرہ دیکھنا چاہے وہ آپ کی تصنیفات حضرات القدس برکات احمدیہ، معارف جدیدہ اور حقائق نادرہ وغیرہ کا مطالعہ کرے جو آپ کے نورانی قلم سے لکھی گئی ہیں۔ آپ وہ آفتاب تھے جن سے منکروں کی آنکھیں چوندھیاتی ہیں اور حاسدوں کے دل اوندھے ہو جاتے ہیں۔ یہ معارف و حقائق اور ہدایات و ارشاد جو سنے اور دیکھے جا رہے ہیں اس ذات والا صفات کے ہیں جو علی علی کہتے تھے۔ آپ مجدد ہیں، سو سال کے بعد کے مجدد نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے ہزاروں سال بعد والے مجدد ہیں اور یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں بلکہ بہت بڑا فرق ہے، کاش تم لوگ اس سے واقفیت حاصل کرلو۔''[۴۷]

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کو ''مجدد الف ثانی'' کا خطاب سب سے پہلے مولانا عبدالحکیم[۴۸] سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) نے دیا۔[۴۹] جب کہ یہ خطاب پہلے پہل

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) کی تحریر میں ملتی ہے۔ راقم کے خیال میں یہ خطاب سب سے پہلے عبدالحق محدث دہلوی نے دیا ہوگا اختلاف کے رفع ہو جانے کے بعد، چوں کہ شیخ احمد کی وفات ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔ خطاب کے تعین میں تفاوت زمانہ کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے۔

اہلِ علم کے ایک بڑے طبقے نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' کا خطاب دیا ہے، آخر یہ خطاب کیوں کر دیا گیا؟ آپ نے کس قسم کے تجدیدی امور انجام دیئے اور اس سے بالخصوص ہندوستان میں اسلام کو کس حد تک عروج و تقویت حاصل ہوا، اور مسلمانوں کو آپ کے تجدیدی کام سے کس حد تک فائدہ پہونچا؟ اس قسم کے اور بہت سے سوالات حضرت مجدد کے کام سے متعلق پیدا ہوتے ہیں جس پر بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے، کچھ لوگوں نے آپ کو مجدد محض مانا ہے، کسی نے پورے دوسرے ہزار سالہ کا مجدد کہا ہے۔ تو کسی نے آپ کو مصلح دین تسلیم کیا ہے، تو کسی نے سرے سے مجدد الف ثانی ہونے سے انکار کیا ہے۔

حضرت کے تجدیدی کارنامے کو سمجھنے اور اس کو تسلیم کرنے سے قبل اس عہد کے دینی و مذہبی ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی ضروری ہے تا کہ نفس مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس پس منظر کے لیے ہم دربار اکبری کے نامور مورخ ملا عبدالقادر کی تاریخ منتخب ابواب کی روشنی میں چند حقائق و شواہد پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''بادشاہ اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا رخ اسلام سے پھیر لیا تھا، علماء سوء کی جو اس کی مورد عنایات بنے کے لیے ہر بات کر سکتے تھے ہمت افزائی کرتا تھا۔ اس نے اپنے گرد و پیش ایسے لوگوں کو جمع کر لیا تھا جو یقیناً وحی اور شرع کے منکر تھے، وحی پر عقیدہ رکھنے کو کورانہ تقلید یعنی ایسی ادنیٰ ذہنیت بتایا جاتا تھا جو صرف جاہلوں کے مناسب حال ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ اکبر نے اس سے بھی تجاوز کیا اور علی الاعلان اسلام کی مخالفت شروع کر دی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ احکام اسلام محض عارضی اور بے دلیل ہیں۔ اس زمانہ میں جب عقائد اسلام اور مسائل دین کے متعلق بدگوئی اور ان پر ہر طرف سے اعتراضات

شروع ہوئے تو بہت سے بدبخت ہندوؤں نے اور ہندوزدہ مسلمانوں نے پیغمبر اسلام پر زبان طعن و تشنیع دراز کرنی شروع کی۔ علماء سوء اپنی تصنیفات میں شہنشاہ کی عصمت کا اعلان کرتے تھے اور خطبۂ کتاب میں صرف توحید کے بیان پر اکتفا کرتے۔ بادشاہ کے القاب و خطابات لکھ دیتے تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کا نام علی الرغم الکذابین خطبہ میں لے تا، یہ حالات تھے، تمام ابتری پھیل گئی تھی اور ہر طرف فتنہ اور فساد نے سر اٹھایا تھا اور اعلیٰ و ادنی طبقوں کے ذلیل لوگوں نے بادشاہ کے روحانی اتباع کا طوق اپنی گردن میں ڈال کر ارادت کا دعویٰ کیا تھا۔ بادشاہ قرآن کا منکر ہو گیا تھا۔ حیات بعد الموت اور یوم جزا کا انکار کرتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس نے حکم دے دیا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی جگہ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ علی الاعلان پڑھا جائے۔ لیکن اس سے فتنہ پیدا ہوا، اس لیے مصلحت یہ قرار پائی کہ اس کلمہ کا استعمال حرم سرائے کی چہار دیواری میں محدود رکھا جائے۔ سجدہ جسے اسلام نے صرف اللہ کے لیے مخصوص کیا ہے، بادشاہ کے لیے لازم قرار دیا گیا۔ شراب حلال کی گئی۔ سور کا گوشت شراب کا جز بن گیا۔ جزیہ موقوف کر دیا گیا۔ گائے کا گوشت حرام پایا۔ کتے اور سور کے بچوں کی پرورش کو خاص طور پر رواج دیا گیا اور وہ مظہر الٰہی قرار پائے۔ صوم وصلوٰۃ اور حج منسوخ کر دیے گئے۔ تقویم اسلامی کے بدلے الٰہی ماہ و سال رائج کیے گئے اور کہا گیا کہ اسلام اب ایک ہزار سال کے بعد ختم ہو چکا۔ عربی کے مطالعہ کو بہ نظر تحقیر دیکھا جانے لگا۔ اذان اور نماز باجماعت جو اسلام کے حکم کے مطابق پانچ وقت دیوان حکومت میں ہوتی تھی موقوف کر دی گئی۔ اس طرح کے نام جیسے احمد، محمد مصطفےٰ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مختلف نام ہیں بادشاہ پر گراں گزرنے لگے اور ان کا منہ سے

> نکالنا جرم ہو گیا۔ مساجد اور نماز کے کمرے گوداموں اور ہندوؤں کی چوکیوں میں تبدیل کر دیئے گئے۔" ۵۱؎

اور بھی ایسے امور انجام دیئے جاتے جو صرف مشرکانہ و ہندوانہ مراسم و عقائد پر مشتمل تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کفار بالکل نڈر ہو گئے اور مسلمانوں کو طرح طرح سے نقصان پہونچانے لگے تھے، اور شعائر اسلامی کو بڑی طرح سے پامال کیا جانے لگا تھا۔ مسلمانوں کے اندر سے مقابلہ کرنے کی جراءت ختم ہو چکی تھی، اور اگر وہ مقابلہ کرتے تو اس کا انجام برا ہوتا تھا۔ حضرت مجدد الفاثانی ان تمام واقعات و شواہد کو اپنے مکتوبات میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

> "ہندوستان کے کافر بے تحاشا مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ اپنی عبادت گاہیں بنا رہے ہیں۔ تھانیسر کرکھیت حوض کے اندر ایک مسجد تھی اور کسی بزرگ کا مزار تھا، اس کو گرا کر اس جگہ میں ایک بہت بڑا گوردوارا تعمیر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کافر کفر کی رسمیں برملا بجالاتے ہیں اور مسلمان اسلام کے اکثر احکام کے نافذ کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھاتے پیتے نہیں ہیں، وہ اہتمام کرتے ہیں کہ ان دن مسلمانوں کے شہروں میں بھی کوئی مسلمان بازار میں روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے اور نہ کھانا پکائیں اور نہ بیچیں، اور رمضان المبارک کے مہینہ میں وہ کھلم کھلا روٹی اور کھانا پکاتے ہیں اور بیچتے ہیں اور کوئی بھی ان کو اسلام کی کمزوری کی وجہ سے منع نہیں کر سکتا۔" ۵۲؎

دوسری طرف ہندوؤں کی دیکھا دیکھی سیدھے سادے عام مسلمان بھی مشرکانہ اور ہندوانہ رسوم انجام دینے لگے تھے۔ وہ غیر مسلمان کے مذہبی رسوم میں شرکت کرتے، اپنی اغراض کے لیے ان کی دیوی دیوتاؤں سے منت مانگتے، عورتیں چیچک سے بچنے کے لیے چیچک کی دیوی کے سامنے پراتھنا کرتیں۔ راکھی اور دیوالی جیسے ہندو تیوہاروں میں مسلمان کثرت سے شریک ہوتے، دیوالی کے موقع پر وہ بالکل ہندوؤں کی طرح دیئے جلاتے اور

کھانا پکا کر رنگ برنگ برتنوں میں دوستوں کے یہاں تحفے بھیجا کرتے تھے۔ ہندو تہذیب کا اثر اوپر کے طبقوں تک پہونچ چکا تھا، مثلاً دکن میں خان خانا کے دوبار میں ایک شاعر کفری تخلص اختیار کر لیا تھا۔۵۳

جاہل اور گمراہ صوفیا کے اثرات عوام پر اس قدر اثر انداز ہو گئے تھے کہ ہندوؤں کے بتوں کی طرح لوگ ان کے نام کی نذریں مانتے تھے اور ان کی قبروں پر قربانی کرتے تھے، عورتیں اپنے صوفی پیروں کے نام پر روزہ رکھتیں اور بہت سے جاہلانہ بلکہ مشرکانہ رسوم انجام دیتیں تھیں۔ ان کے روزہ افطار کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ بھیک مانگ کر روزہ افطار کرتیں حالاں کہ وہ مالدار اور متمول گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ رجب کی ستائیسویں، رجب کی پہلی جمعرات جسے لیلۃ الرغاب کہا جاتا ہے اور پندرہویں شعبان بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا اور اس موقع پر لوگ اجتماعی طور سے نہ صرف نفل پڑھتے بلکہ بڑے ہی دھوم دھام کا مظاہرہ کرتے تھے۔۵۴

صوفیا سماع، وجد اور رقص وغیرہ پر بہت زور دیتے تھے جشن عید میلاد النبی دھوم دھا سے منایا جاتا تھا۔ فرائض وسنن کے مقابلے میں ذکر وفکر کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، لوگ چلہ کشی تو کرتے تھے مگر نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتے۔ پیروں کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ ان کے اندر ایسی روحانی قوت ہے کہ اگر وہ کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے روحانی ارتقا سے محروم کر سکتے ہیں اور اگر کسی سے راضی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہ بخشوا سکتے ہیں۔ کچھ صوفیہ یہ کہہ کر نماز کی اہمیت گھٹایا کرتے تھے کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان تفریق کرتی ہے۔ بعض صوفیہ فنا اور بقا کو وفات اور حسرت کے مساوی قرار دیتے تھے اور جزاء وسزا کا انکار کرتے تھے۔ بعض صوفیہ حسین چہروں کو دیکھتے تھے اور خوش گلوئی آواز سننے کا یہ جواز نکالتے تھے کہ یہ حسن ازلی کے مظاہر ہیں۔۵۵

ادھر علما میں ایسے لوگ بھی تھے جو ہر وقت لڑتے بھڑتے اور فتویٰ بازی کرتے اور ایک دوسرے کی تذلیل وتضحیک کرتے تھے، ان میں بالخصوص دو شخصوں نے بڑا عروج پایا، گویا دین کی ساری ٹھیکے داری ان ہی دونوں کے ہاتھوں میں تھی۔ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان

پوری[۵۶] (م ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) اور شیخ عبدالنبی صدرالصدور[۵۷] (م ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ء) اور انہی لوگوں کے ظلم وستم کا ایک قتیل خاندان ملا مبارک[۵۸] ناگوری (۱۰۰۱ھ) بھی تھا۔[۵۹] ان لوگوں کی رقابت حد سے تجاوز کر گئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک عالم ایک وقت میں ایک چیز کو حلال قرار دیتا، تو اسی چیز کو دوسرا عالم حرام ٹھہرا دیتا۔ اس طرح پوری نظام دین کو مسخ کرنے کی کاوش کرنے لگے۔ ایک صاحب نے فتویٰ دیا کہ مکہ کا راستہ پر خطرہ ہونے کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہوگئی ہے۔ ایک دوسرے عالم نے فتویٰ دیا کہ سود لینا جائز ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کی رقابت کی بنا پر علما کے دو گروہ ہو گئے۔ نتیجہ کیا نکل سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے بادشاہ کو مجتہد اعظم کا خطاب دیا۔[۶۰] تو کسی نے بادشاہ کے لیے سجدہ کو لازم ٹھہرایا، تو کسی نے داڑھی منڈوانے کے سلسلے میں دلائل و براہین کے انبار جمع کر دیے۔[۶۱] وغیرہ وغیرہ۔

یہ حالت تھی ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی، بظاہر حق مغلوب تھا اور کفر کو عروج حاصل تھا۔ جائز و ناجائز میں تمیز کرنا مشکل تھا، اسلامی عقائد و عبادات پر برائے نام عمل ہو رہا تھا، ہر طرف ظلم و عدوان کا دور دورہ تھا۔ ایسی حالت میں ہندوستان کی سرزمین اور باغیرت مسلمان منتظر تھے ایسے مرد مجاہد کا جو بے خوف خطر پورے ملک میں قال اللہ و قال الرسول کی آواز بلند کر دے اور اپنے اصلاحی و تجدیدی کاموں سے کفر و الحاد کی کساد بازاری کو ختم کر دے، یہاں تک کہ بادشاہ، امرا، علماء صوفیا عوام اور ہندو مسلمان ہر ایک کے دل پر اپنی تعلیم و تلقین اور ارشاد و ہدایت سے انمٹ نقوش ثبت کر دے۔ یہ سب ہو ہی رہا کہ اچانک:

> ”سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی راستہ صاف کرو، راستے کا چلنے والا آتا ہے۔ ایک فاروقی مجدد فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرہندی تھے، جہانگیر کے طوق سلاسل نے بڑھ کر ان کے قدم لیے اور شاہی قیدی کی حیثیت میں اسیر زنداں ہوئے، اس یوسف زندانی نے یوسف کنعانی کی طرح، ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار کا نعرہ لگایا، اس نعرے نے سوتوں کو جگا دیا۔“[۶۲]

حضرت باقی باللہ کا انتقال ۱۶۰۳ء میں ہوا تقریباً دو سال بعد اکبر بادشاہ کی موت ہوئی۔ اس وقت حضرت مجدد کی عمر ۴۳ رسال تھی اور انہیں سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہوئے صرف سات سال کا عرصہ گزرا تھا۔ اکبری عہد میں جو گمراہی پھیلی ہوئی تھی اس کا مشاہدہ آپ نے بہت قریب سے کیا۔ اس وقت تک حضرت نے کس طرح کی اصلاحی اقدامات کیے جیسا کہ بعد کے زمانہ میں کیا تھا۔ اس سلسلے میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے صحیح صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکے سوائے دو چند رسالے تحریر کرنے اور چند نامی گرامی امرا کو اپنے دعوتی خطوط کے ذریعہ متاثر کرنے کے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چوں کہ حضرت کے پیرومرشد خواجہ باقی باللہ زندہ تھے جو موقع ومناسبت سے لوگوں کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔ دراصل اس زمانہ میں آپ نے خود کو اس قدر تیار کیا جو آنے والے طوفان کے سامنے پوری مستعدی سے کھڑا ہوسکیں اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ: ''ابھی تک وہ سرا ہاتھ نہیں آیا تھا جس کے ذریعہ آپ سلطنت اور اس کے رجحان اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے مس اس کی سیاست پر اثر انداز ہوسکیں۔'' [۶۳]

جہانگیر کے تخت نشین ہوتے ہی ملک کی فضا میں تبدیلی تو ضرور آئی مگر کلی طور پر یہ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس نئے بادشاہ نے اپنے ابتدائی زمانہ میں حالات کے سدھارنے میں دلچسپی لی ہو۔ حالاں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس فتنہ عظیم کے انسداد میں جہانگیر کے دینی حمیت کو بڑا دخل ہے۔ [۶۴] جس سے راقم الحروف کو اتفاق نہیں ہے۔ اس نے جس قدر دینی حمیت کا مظاہرہ کیا وہ بعد کا زمانہ ہے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ البتہ یہاں سے حضرت مجدد اپنے تجدیدی کام آغاز کرتے اور امرا کو واسطہ بنا کر دین کا پیغام بادشاہ تک پہنچواتے ہیں اور زور دیتے ہیں کہ وہ سلطان سابق کے لیے برعکس دین اسلام کو اپنی سلطنت میں فروغ دیں۔ ادھر اپنے خلفاء ومریدین خاص کو تاکید فرماتے ہیں کہ اس نازک وقت میں بادشاہ وقت کی حمایت کریں تاکہ فضا سازگار ہو۔ چنانچہ شیخ احمد اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''آج جب کہ دولت ونعمت اسلام کے آگے رکاوٹوں کے زوال کی خوش خبری اور اسلامی بادشاہ کے بیٹھنے کی بشارت خاص وعام کے کانوں تک پہونچ چکی ہے۔ اہل اسلام

اپنے اوپر لازم کرلیں کہ بادشاہ کے مدد و معاون بنیں، اور ترویج شریعت اور تقویت دولت اسلام کی طرف رہنمائی کریں۔ یہ امداد و تقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے۔ نعمت اسلام کی سب سے اولین مدد یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کی وضاحت کی جائے اور کتاب و سنت اور اجماع کے عقائد کلامی کا اظہار کیا جائے تا کہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں پڑ کر راستہ نہ روک دے اور کام کو خرابی اور فساد میں نہ ڈال دے۔''۶۵

اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ جہانگیر نے کچھ دنوں کے بعد شیخ فرید سے کہا کہ چوں کہ دین اسلام کی نمائندگی علماء غلط طریقے سے کر رہے ہیں اس لیے اسلام کی صحیح تشریح و توضیح کے لیے ایسے علماء کی کمیٹی تشکیل دی جائے جس سے شریعت اسلامی میں کوئی فتور نہ آئے۔ چنانچہ شیخ فرید نے چار علماء کے نام پیش کیے۔ جس کی اطلاع حضرت مجدد کو ہوئی تو انہوں نے شیخ کو روکا اور کہا کہ انہی علماء کی وجہ سے ایام سابقہ میں اسلام کی جو حالت ہوئی وہ عیاں ہے۔ اس لیے اس کام کے لیے صرف ایک عالم دین کو منتخب کیا جائے جو اسلام کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔ غور کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ کے اندر جو تغیر ہوا اور دین اسلام کی نمائندگی کا جو جذبہ پیدا ہوا اس کے عوامل و محرکات اصل میں یہی امراء تھے جن کا تعلق حضرت مجدد سے تھا اور وہ ان سے ارادت رکھتے تھے۔ گویا کہ حضرت مجدد نے بادشاہ کے ارد گرد ایسے لوگوں کا حصار بنا دیا تھا جن سے راہ فرار کی صورت بادشاہ کے لیے ممکن بایں معنی نہیں تھی شیخ فرید وغیرہ کی وجہ سے جہانگیر اپنے آبائی سلطنت پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوا تھا اور جس پر بادشاہ بے حد اعتماد کرتا تھا۔ ۶۶

سلطان جہانگیر کے تخت نشین ہونے سے حضرت مجدد کو یقیناً مسرت ہوئی، کیوں بادشاہ ''حامی اسلام نہیں تو ماحی اسلام بھی نہیں تھا'' مگر اس وقت بھی بادشاہ کے ارد گرد ایسے لوگ جمع تھے جو بادشاہ کے بہت قریبی تھے جن کا تعلق شیعوں سے تھا اور خود بادشاہ کی بیوی نور جہاں شیعہ تھی، جن کا دربار میں بڑا دخل تھا بلکہ بادشاہ نور جہاں کے مشورہ کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیتا تھا۔ ادھر اکبر کے زمانہ سے ہی شیعی و ایرانی علماء کی آمد کا جو سلسلہ جاری ہوا تھا وہ بدستور اب بھی جاری رہا۔ اس لحاظ سے شیعوں کی بڑی تعداد دربار میں جمع ہوگئی تھی اور

بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے تھے۔ یہ سب ہندوستان میں شیعیت کو بڑی تیزی سے پھیلا رہے تھے، اور اسلام اور اسلام کی مایہ ناز شخصیت پر ہدف وتنقید کرتے تھے۔ جس کا سخت نوٹس حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ایک رسالہ میں لیا اور ان کی اسلام دشمنی کا راز فاش کیا تھا۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے سامنے پہلے کے بہ نسبت اس عہد میں زیادہ چیلنج اور خطرات درپیش تھے، اور سب کی نظر میں آپ ایک طرح سے خار بنے ہوئے تھے۔ شیعی حضرات اسلام پر کس طرح سے حدف وتنقید کرتے تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری [۶۷] جو اپنے وقت کا بڑا صاحب اثر اور ادیب سمجھا جاتا تھا، جس کی علمیت کی تعریف بدایونی نے اپنی کتاب میں خوب کی ہے۔ اسے سرکاری حلقوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس نے مجالس المومنین کے عنوان سے شیعہ علما اور اہل قلم کا ایک تذکرہ تحریر کیا جس میں اس نے بڑے بڑے ثقہ سنی اکابر کو بھی شیعوں کے زمرے میں شامل کر دیا۔ اس نے مذکورہ کتاب میں جہاں کہیں کسی صحابی اور خاص طور پر سیدنا عمر فاروق [۶۸] کا ذکر آیا ہے وہاں اس نے اس کے نام کے ساتھ ''علیہ اللعنۃ'' ضرور لکھا ہے۔ [۶۹] یہی وجہ بنی نور اللہ شوستری کے قتل کی۔ اب سب لوگوں نے مل کر قاضی صاحب کے خون کا انتقام لینے کی آڑ میں حضرت مجدد کو نشانہ بنایا اور ان کے خلاف نہ صرف ایک مہم شروع کر دی، بلکہ کچھ لوگوں نے آپ کے قتل کا فتویٰ بھی دیا، [۷۰] جو ایک الگ جماعت تھی۔ کیوں کہ اس جماعت کی ناگفتی پر بھی آپ نے کڑی تنقید کی تھی۔ بہر حال فضا کو اس قدر مسموم کیا گیا اور جہانگیر کو حضرت کے خلاف اس قدر اکسایا اور بھڑکایا گیا کہ اب وہ بھی حضرت سے بدظن ہو گیا اور ان کے متعلق مختلف قسم کے شکوک وشبہات بادشاہ کے دل میں پیدا ہو گئے، جس کا اندازہ خود جہانگیر کی تحریر سے کیا جاسکتا ہے جو اس نے اپنی تزک میں قلم بند کیا ہے:

> ''ان ہی دنوں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک جعل ساز نے سرہند میں مکر وفریب کا جال بچھا کر بہت سے ظاہر پرستوں کو پھانس رکھا ہے، اس نے ہر شہر اور ہر علاقہ میں ایک خلیفہ مقرر کر رکھا ہے، جو دوکانداری، معرفت فروشی اور فریبی میں بہت پختہ ہیں، اس نے اپنے

> مریدوں اور معتقدوں کو بہت سے خرافات لکھے ہیں، ان کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے اور نام مکتوب رکھا ہے، اس میں بہت سی مہمل اور لاطائل باتیں لکھی ہیں جو کفر کی حد تک پہونچتی ہیں۔ ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ میں سلوک کی راہ میں ذی النورین کے مقام سے گزرا جو نہایت اونچا اور پاکیزہ تھا، اس سے گزر کر مقام فاروق میں پیوست ہو گیا اور مقام فاروق سے گزر کر مقام صدیق کو عبور کیا، ہر مقام کی تعریف اس کے مطابق کر کے لکھا ہے کہ مقامِ محبوبیت میں پہونچ گیا، یہ مقام مشاہدہ تھا جو کہ نہایت منور اور دلکش تھا اور مجھ پر مختلف قسم کے انوار کا عکس پڑ رہا تھا۔ یعنی استغفر اللہ خلفا کے مقام سے گزر کر ان سے عالی تر مقام میں پہونچ گیا، اس نے اسی طرح کی اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں جن کا لکھنا طوالت اور بے ادبی ہے، میں نے اسی بنا پر حکم دیا کہ وہ دربار میں حاضر ہو، میرے حکم کے مطابق آیا اور جو کچھ میں نے پوچھا اس کا معقول جواب نہیں دے سکا، وہ ریا کار، بے عقل، مغرور اور خود پسند معلوم ہوا، اس کے اس حال کی اصلاح کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ کچھ روز کے لیے اس کو قید کر دیا جائے، تا کہ اس کے مزاج کی شوریدگی، دماغ کی آشفتگی کچھ دور ہو جائے اور عوام کی شورش فرو ہو جائے، اس کو انی رائے سنگھ لن کے حوالے کیا کہ اس کو گوالیار کے قید میں رکھے۔'' [1]

جن دنوں حضرت مجدد کے خلاف یہ سازشیں ہو رہی تھیں، اس وقت تک حضرت کے مکتوب کی دو جلدیں منظر عام پر آ چکی تھیں، جس میں ایک مقام پر حضرت باقی باللہ کو اپنے حال کی اطلاع کو بیان کیا گیا تھا کہ ''مشاہدہ میں بہت سے مقام نظر آئے جو ایک دوسرے سے بلند تھے۔ جب ان کی رسائی ایک بلند مقام پر ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت ذی النورین عثمانؓ [2] کا ہے اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام پر عبور ہوا ہے۔ اس مقام سے بالاتر حضرت صدیقؓ [3] کا مقام ظاہر ہوا اور دوسرے خلفا، عظام کا بھی اس مقام پر عبور

ہوا ہے، چنانچہ اس بلند و بالا مقام پر رسائی ہوئی۔" ۴ے اس طرح کی اور بہت سے باتیں ہیں جن کا تعلق ولایت اور تصوف سے ہے۔ اس طرح کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت اسی شخص کے اندر ہو سکتی ہے جو اس وادی کہسار میں مستغرق اور فنائیت کا درجہ رکھتا ہو۔

لہٰذا اس مکتوب کو جہانگیر کے حاشیہ برداروں نے بادشاہ کے سامنے کر دیا اور سمجھایا کہ شیخ خود کو حضرت صدیق اکبر سے بہتر اور بالاتر جانتا ہے۔ اس کے علاوہ اور دوسری سازشوں کے ذریعہ بادشاہ کو بدظن کیا اور کہا کہ شیخ احمد کے ہزاروں جاں نثار مریدان کے گرد جمع ہو گئے ہیں جس سے خطرہ ہے کہ ملک میں کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دے۔ یہ ایک مغرور شخص ہے خرابی نیت کی تصدیق اس سے ہو سکتی ہے کہ سجدہ تہنیت جو بادشاہ جہاں پناہ کے لیے جائز مانا جاتا ہے اس کا وہ منکر ہے۔ وہ پہلے بھی شاہی احترام سے کنارہ رہا اور اب آئندہ بھی وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ۵ے۔ ان سب باتوں کو سننے کے بعد بادشاہ کے دل میں بھی شیخ سے نفرت کی چنگاری بھڑک اٹھی اور اسے مذہب سے زیادہ سیاسی خطرہ لاحق ہوا، لہٰذا اس نے حکم جاری کیا کہ شیخ کو حاضر کیا جائے، چنانچہ ۱۰۲۸ھ کو حضرت مجدد الف ثانی جہانگیر کے دربار میں پہونچے یہاں جو صورت حال پیش آئی اس کے متعلق آپ کے خلیفہ مولانا بدرالدین سرہندی ارقام فرماتے ہیں کہ:

> "جب کہ آنجناب قدس سرہ کو اس کلام کے باعث جہاں گیر بادشاہ کے پاس لے گئے، بادشاہ نے آپ سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بلند تر ہے۔ آپ نے یہی جواب دیا، اور ایک مثال بھی بیان کی کہ آپ کسی ادنیٰ آدمی کو حضرت کے لیے بلائیں اور اس سے از راہ نوازش اسرار کی باتیں کریں ن تو وہ لامحالہ پنج ہزاری امرا کے مقام کو طے کر کے پیشی تک پہونچے گا اور پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جائے گا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ امرا پنج ہزاری سے زیادہ ہو جائے۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ کا عتاب دور ہو گیا۔ اسی ثنا میں ایک شخص جو

> خدا شناسی سے دور تھا بادشاہ سے کہا کہ اس شیخ کا حال دیکھئے کہ آپ ظل اللہ اور خلیفہ اللہ میں آپ کو سجدہ نہیں کیا، بلکہ معمولی تواضع باہمی بجا نہیں لایا۔ بادشاہ اس کلام کو سننے سے خفا ہوا اور گوالیار میں حضرت کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ سے پہلے شہزادہ دین پناہ شاہ جہاں کہ آنجناب سے خلوص کامل رکھتا تھا۔ علمائے مقامی افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو کتب فقہ کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بھیج چکا تھا کہ سجدہ تحیت سلاطین کے لیے آیا ہے، اگر آپ سجدہ کرلیں تو کوئی گزند بادشاہ سے آپ کو نہیں پہونچے گا، میں ضامن اور ذمہ دار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ مسئلہ ضعیف حکم رخصت ہے اور مسئلہ قوی عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کو سجدہ نہ کریں۔" [۷۶]

مذہب سے متعلق بادشاہ کو جو غلط فہمی شیخ کی طرف سے ہوئی تھی سوال جواب سے اس کا ازالہ ہو گیا، مگر جب ان کے چیلے چپاٹوں نے دیکھا کہ تیر نشانہ سے چوک گیا تو فوراً دوسرا مسئلہ کھڑا کر دیا اور کان میں بات ڈالی کہ انہوں نے سجدہ تعظیمی نہیں کیا۔ شیخ نے اس سے بھی انکار کیا تو بادشاہ کا وزیر اعظم آصف خاں جو خود بھی شیعہ تھا جہانگیر کو مشورہ دیا کہ وہ ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھے، کیوں کہ ان کا اثر ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ اپنے فوجیوں کو ان کے اور ان کے خلفا کے پاس جانے اور بیعت ہونے سے روکے، اور اس موقع پر آصف خاں نے بادشاہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ شیخ کو نظر بند کر دیا جائے۔ [۷۷] چنانچہ بادشاہ نے شیخ کو گوالیار میں نظر بند کر دیا۔ گوالیار کا قلعہ عام طور پر سیاسی قیدیوں کے لیے مخصوص تھا، اس لیے شیخ کو وہیں نظر بند رکھا گیا، اور ان پر ایک ہندو نگراں مقرر کر دیا۔

شیخ کی نظر بندی کی جو تفصیلات ملتی ہیں اس کے متعلق تذکرہ نویسوں نے صحیح صورت حال کو پیش کرنے کے بجائے عجیب بھونڈی روایتیں نقل کر دی ہیں، کسی نے لکھا ہے کہ شیخ احمد کو اس لیے بادشاہ نے نظر بند کر دیا کہ ان کے اعتقاد غلط تھے۔ [۷۸] ڈاکٹر بنی پرشاد

نے شیخ پر یہ الزام لگایا ہے کہ شیخ نے مہدی موعود ہونے کا دعوی کیا تھا اور انہوں نے ایک نئی شریعت بنالی تھی جس کے انسداد کے لیے بادشاہ نے انہیں گوالیار میں بند کر دیا۔ [۷۹] اسی طرح شیخ محمد اکرم کی رائے بھی حضرت کے قید کیے جانے کے سلسلے میں بھلی معلوم نہیں ہوتی، انہوں نے لکھا ہے کہ عام شورش کو دبانے کے لیے حضرت کو قید کیا گیا تھا۔ [۸۰] یہ الگ بات ہے علماء نے شیخ کے قتل کا فتوی دیا تھا، مگر عوام یا پھر علماء کے اندر اتنی جرأت نہ ہوئی تھی اور نہ حضرت عوام میں اتنے متنازع فیہ بن گئے تھے کہ لوگوں نے ان کے خلاف شورش برپا کر دی تھی۔ دراصل شیخ کو بادشاہ نے اس لیے قید کروادیا کہ کوئی سیاسی خطرہ لاحق نہ ہو۔ دوسرے شیعی امرا کی نظروں میں قاضی نوراللہ شوستری کے خون کا دھبہ اپنے دامن سے دھونا چاہتا تھا۔ اور اگر جان کا خطرہ لاحق تھا تو بادشاہ زیادہ سے زیادہ حضرت کو قید کر دیتا نہ کہ غصہ میں آ کر حضرت کے گھر لوٹنے اور مال و جائداد کو ضبط کر لینے کا حکم دیتا۔ جس کے لیے حضرت مجدد اپنے صاجزادوں کو قید خانے کے اندر سے صبر و ضبط کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ [۸۱] حضرت کی اسیری اور اس کے پیچھے کارفرما عوامل کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے سید صلاح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

> ”بزرگان دین سے عقیدت کے باوجود حضرت مجدد کے تمام کارناموں اور خوبیوں کو نظر انداز کر کے جہانگیر کا ان کو جعل ساز، دوکاندار، معرفت فروش اور مردم فریب وغیرہ کہنا تعجب انگیز ہے، کیوں کہ وہ بہت ہی محبت کیش تھا، اس کا دل بڑا ہی دردمند واقع تھا، خود حضرت مجدد اس کے اسلامی حسن باطن کے معترف رہے، اس لیے اس نے حضرت مجدد کی شان میں جو الفاظ لکھے ہیں ان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، وہ علم و فن کا بڑا اداشناس بھی تھا، اس لیے حضرت مجدد کے مکتوبات جیسے گنجینۂ حقائق و معارف کو مہمل اور لاطائل لکھنا اور بھی زیادہ بوالعجبی ہے، یا تو اس پوری عبارت کو الحاق سمجھ کر رد کر دیا جائے، اور اگر یہ الحاق نہیں ہے تو پھر یہ قیاس کرنا غلط نہ ہوگا کہ جہانگیر نے حضرت مجدد کی شان میں اس قسم کے

> نازیبا الفاظ لکھ کر نور جہاں اور اپنے شیعی امرا کی نظروں سے قاضی نور اللہ شوستری کے خون کا دھبہ اپنے دامن سے دھونے کی کوشش کی ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت مجدد کی بزرگی اور شہرت کے باوجود جہانگیر نے ان سے اسیری کے واقعہ سے پہلے ملنا پسند نہیں کیا، اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت مجدد نے اپنی تجدیدی اور اصلاحی کوششوں میں شیعوں کے خلاف بھی ایک محاذ قائم کیا تھا اور ان کے اثرات کو دور کرنے کی خاطر بڑے شد و مد سے ان کے مذہبی عقائد کی تردید میں لگے ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ وہ تمام شیعی امرا کی نظروں میں خار کی طرح کھٹک رہے ہوں گے، ایسی صورت میں جہانگیر کو ان کے خلاف ابھار کر ان کو قید کرا دیا، تو یہ بعید از قیاس نہیں، اس سے نہ صرف قاضی نور اللہ شوستری کے قتل کا خون بہا ادا ہوگیا، بلکہ شیعت کے خلاف بھی کچھ دنوں کے لیے سرگرمیاں کم ہوگئیں۔ اگر قاضی نور اللہ شوستری کے قتل سے جہانگیر کے سنی امرا خوش ہوئے ہوں گے تو اس کے شیعی امرا کو حضرت مجدد کی اسیری سے کچھ تسکین ضرور ہوگئی ہوگی، جہانگیر کا حضرت مجدد کو اپنے ایک ھندو منصب دار رائے سنگھ کے حوالے کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس معاملہ میں وہ اپنے سنی امرا پر زیادہ بھروسہ نہیں رکھتا تھا، کیوں کہ اس کو سنی امرا میں ان کی مقبولیت کا اندازہ رہا ہوگا۔”[۸۲]

شیخ احمد کو جن دنوں گوالیار میں قید کیا گیا تھا، اس سے پہلے خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر ایک آفت اور بلا نازل ہونے والی ہے جو میرے لیے مقامات ولایت کی ترقیات کا باعث ہوگی، اس بلا کے نزول کے بغیر ترقیات کا حصول ناممکن ہے۔[۸۳] یہی وجہ ہے کہ دربار میں طلب گئے تو انہیں اندازہ ہوگیا کہ شاید وہ وقت آگیا ہے جس کے لیے وہ منتظر تھے اور کسی حد تک مضطرب بھی رہے ہوں گے۔ لہٰذ جب وہ دربار میں پہونچے تو بڑے ہی

ہمت واستقلال کے ساتھ پہونچے اور سوال وجواب کے دوران آپ کے پائے استقامت متزلزل نہ ہوئے۔ اور جس کے نتیجے میں انہیں اسیری کی سزادی گئی اور ایک سال تک گوالیار میں نظر بند رہے۔ آپ نے یہاں پہونچ کر تسلیم ورضا کا جو مظاہرہ کیا اس سے آپ کی بلندی اور عالی ہمتی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے اس قلعہ میں بھی اپنا مشن جاری رکھا اور آپ کی سعی وکاوش سے بہت سے غیر مسلم جو اس قلعہ میں قید تھے مشرف باسلام ہوئے اور فاسق وفاجر مسلمان قیدیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے سابقہ اعمال سے تائب ہوگئی[۸۴]۔ حضرت مجدد یہاں کی کامیابی پر کہا کرتے تھے کہ: خدا تعالیٰ نے شاہد اسی کام کے لیے انہیں گوالیار میں بھیجا تھا۔[۸۵]

حضرت مجدد کو جب قید میں ڈالا گیا تو آپ پر نگراں مقرر کیے گئے تاکہ اگر شیخ حکومت سے بغاوت کریں تو اس کی اطلاع ملتی رہے۔ مگر یہاں معاملہ ہی کچھ دوسرا ہوا۔ یہاں سے جو اطلاع بادشاہ کو ملتی تھی حضرت کی نیک نیتی اور ان کے اعمال صالحات اور تقویٰ و دینداری سے متعلق تھی۔ جوں جوں خبر ملتی بادشاہ دن بدن حضرت مجدد کا گرویدہ ہوتا جاتا، یہاں تک کہ وہ اپنے کیے پرنام وشرمندہ ہوا ہوگا۔ ادھر حضرت قید سے اپنے خلفا، مریدین اور امراء وبہی خواہوں کو برابر خط لکھتے رہے کہ وہ دین کی پاسداری اور حمایت واشاعت میں کوتاہی نہ کریں۔ ان وجوہ سے متعلقین کے اندر شورش وانتشار کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اس لیے سلطان وقت کو خطرہ ہوا۔ لہٰذا اس نے جلد ہی اس شورش پر قابو پانے کے لیے شیخ کی رہائی کا فرمان جاری کر دیا۔ چنانچہ حضرت کو بعد ایک سال کے ۱۰۲۹ھ میں رہا کر دیا گیا۔ بادشاہ نے انہیں دربار میں طلب کیا اور انہیں خلعت وانعام سے نوازا۔[۸۶] اور شاہی لشکر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار دیا۔

جب کہ کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ: جہانگیر نے انہیں اس وقت تک رہا نہیں کیا جب تک کہ انہوں نے اپنی غلطیوں کی معافی نہیں مانگ لی اور آئندہ فرماں بردار ہو کر رہنے کا وعدہ نہیں کر لیا۔[۸۷] حالانکہ بیشتر مورخ اور سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ قلعہ سے رہائی کے بعد حضرت مجدد اپنے وطن سرہند پہونچے اور تین دن وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد لشکر شاہی کے ساتھ آگرہ پہونچے۔ شہزادہ خرم اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا اور چند روز

اپنے لشکر میں رہنے کی درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ [۸۸] چوں کہ شیخ کو اپنے مقاصد عالیہ کی تکمیل کرنی تھی اس لیے صرف ہمرکابی کو ہی ترجیح نہیں دی۔ بلکہ چند شرطوں کی منظوری کے بعد ساتھ رہنا پسند کیا۔ یہ وہ شرائط تھے جس پر اگر بادشاہ نے ذرا بھی توجہ دی تو سلطنت کا نقشہ بدل سکتا ہے اور پوری سلطنت میں اسلام اور مسلمانوں کو جو کس مپرسی کا شکار تھے اس کو عروج حاصل ہو سکتا تھا۔ حضرت مجدد کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بادشاہ کو سجدہ تعظیمی بند کیا جائے۔
۲۔ بادشاہ اور اس کے حواری نماز کی پابندی کیا کریں۔
۳۔ ذبیحہ گاؤ پر پابندی ختم کیا جائے۔
۴۔ خلاف شریعت رسومات کو بند کیا جائے۔
۵۔ جو قوانین شریعت سے متصادم ہوتے ہیں انہیں منسوخ کیا جائے۔
۶۔ قاضی اور محتسب مقرر کیے جائیں۔
۷۔ جو مسجدیں مرمت طلب ہیں ان کی مرمت کی جائے اور جو منہدم ہو چکی ہیں انہیں از سر تعمیر کیا جائے۔ [۸۹]

شرائط کے طے ہو جانے کے بعد حضرت مجدد برسوں سلطان کے ساتھ رہے اور بادشاہ کے اذہان وقلوب کو ایمانی حرارت سے جلا بخشتے اور اسلام کی طرف مائل کرتے رہے۔ اس ہمرکابی کا اثر یہ ہوا کہ وہ تھوڑی ہی مدت میں حضرت کا گرویدہ ہو گیا اور جو شکوک وشبہات حضرت مجدد سے متعلق تھے وہ زائل ہو گئے۔ بلکہ اس ہمرکابی کے بعد اسے جو فتوحات اور امور سلطنت میں کامیابی ملی اسے شیخ کی ہمرکابی کے برکات پر محمول کیا۔

بعض لوگوں نے حضرت سے بیعت کا ذکر کیا ہے مگر ڈاکٹر فرمان اپنی طویل بحث میں اس کی تردید کرتے ہیں جس کا خلاصہ مولانا علی میاں اپنی کتاب میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ”جہانگیر کی ارادت ثابت نہیں اور اس میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا۔
> دوسرے قدیم سوانح نگاروں نے نہ جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے نہ

> شاہ جہاں کی۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہانگیر نے اس رفاقت سے فائدہ اٹھایا۔ اس کے اندر نئے دینی رجحانات پیدا ہوئے۔ منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر اور مفتوح علاقوں میں دینی مدارس کے قیام سے دلچسپی میں اس کو بہت دخل تھا۔ ۱۰۳۱ھ میں قلعہ کانگرہ کی فتح کے موقع پر اس نے جس طرح اپنی اسلامیت کا اظہار کیا اور وہاں شعائر اسلام کا اجرا کرایا اس سے بھی اس تبدیلی اور دینی ترقی کا پتہ چلتا ہے، جسے مجدد صاحب کی شرف ہمرکابی کا فیض کہا جاسکتا ہے۔'' ۹۰

بادشاہ مجدد صاحب سے ارادت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو یہ بڑا مسئلہ نہیں ہے مسئلہ یہ ہے کہ عقیدت نے جو رنگ بھرا اس سے اسلام اور مسلمانوں کو وہ فائدہ ہوا یا نہیں جس کی توقع ایک مسلمان بادشاہ سے کی جاسکتی ہے اور جیسا کہ فرمان صاحب نے ذکر کیا ہے کہ اس سے اسلام کو تقویت ملی۔ مگر اب یہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ وہ حضرت کی تعلیم سے متاثر ہو کر اپنی سلطنت کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی تو وہ اس میں کس حد تک کامیاب ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سلطنت میں بعد کے عہد میں اسلام کو عروج ضرور حاصل ہوا۔ مگر ان فتنوں اور گمراہیوں پر اس قدر جلدی قابو پانا بایں طور مشکل تھا کہ اکبری عہد سے قبل یہاں جو انحطاط شروع ہوا تھا اسلام اور مسلمانوں کے تئیں اور پھر اکبر کے عہد میں اس کی جڑ اور زیادہ مضبوط ہوگئی تھی۔ اس پر تبدریج ہی قابو پایا جاسکتا ہے۔ چوں کہ یہاں کی آبادی ہندو اکثریت پر مشتمل تھی جن میں کچھ امرا دربار میں اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے اور پھر مسلمانوں کے عقائد بھی مختل ہو چکے تھے اس لیے بیک وقت ان سب کا انسداد حکومت کے استحکام و دوام کے لیے خطرہ ہوسکتا تھا، اور سب سے زیادہ خطرہ بادشاہ کو شیعی ارکان سلطنت سے تھا۔ لہٰذا جو بھی احکام جاری کیے گئے وہ تبدریج تھے اور مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے بہت زیادہ سختی نہیں کی گئی جو ایک بادشاہ کے لیے دفعتہً ایسا کرنا ممکن بھی نہیں۔ مگر اس عہد میں جو کامیابی ملی وہ اسلام کے استحکام کے لیے کسی حد تک کافی تھا۔ جو حضرت مجدد الف ثانی کی کرشمہ سازنظر اور کچھ جہانگیر کی دینی حمیت کا ثمرہ تھا اس کے نتیجے میں تبدریج ایسی فضا بن گئی کہ:

''شاہ جہاں اور عالم گیر اپنی کامل دینداری کے ساتھ تقریباً ایک صدی تک حکومت کرتے رہے اور یہی فضا باقی رہتی اگر عالم گیر کے جانشین فکر و ہمت سے محروم نہ ہوتے۔

اکبر ابتداء میں دیندار تھا۔ مگر پھر بے دین ہو گیا، جہانگیر مذہبی جذبات رکھتا تھا مگر ساری عمر بھٹکتا رہا اور مذہبی افسانہ بن سکا کیوں؟

ان دونوں کی لادینی یا برگشتگی کا اصل ارکان حکومت یا نام نہاد علماء تھے جو دین کے پیرایہ میں دنیا پرستی کرتے تھے۔ ان عاقبت فروشوں کو ایوان حکومت سے کس نے نکالا؟

نور جہاں کا بھائی آصف خاں اب تھا اور پہلے سے زیادہ طمطراق کے ساتھ نظام حکومت بلکہ شاہ جہاں کے تاج شاہی کا قیمتی ہیرا تھا۔

اس کی بیٹی ممتاز محل نور جہاں سے زیادہ اپنے نامور سرتاج (شاہ جہاں) کو عزیز تھی۔

(نور جہاں اور جہانگیر کی محبت اوراق تاریخ کا ایک پرانہ افسانہ بن گئی، لیکن ممتاز محل اور شاہ جہاں کی محبت کی شہادت تین سو برس کے بعد آج بھی تاج محل کی بے نظیر عمارت دے رہی ہے اور در حقیقت سچی محبت یہ تھی کہ اٹھائیس سال گزرنے کے بعد بھی اپنی اس محبوبہ کو نہیں بھولا۔) مگر آصف خاں کی سیاست اب بدلی ہوئی ہے۔ ممتاز محل اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر شاہ جہاں کی ہم مذہب ہو گئی ہے۔

مختصر یہ کہ حکومت کا وہ داہنا بازو جو تقریباً ستر سال برسر اقتدار رہ کر حکومت کے رگ و ریشہ میں اپنا تسلط جما چکا تھا آج اس نے اس طرح شکست کھائی کہ نہ شاہ جہاں کا بال بیکا کر سکا، نہ عالم گیر کا۔

کیا اب حکومت میں ہندوؤں کا حصہ نہ تھا، کیا شیعوں کو حکومت نے خارج کر دیا گیا تھا، اب عیسائیوں کی آمد بند ہو گئی تھی، اکبری فتنہ کا ہر عنصر موجود تھا۔ مگر صرف ایک تریاق نے تمام زہریلے جراثیم کو ختم کر دیا۔ در حقیقت یہ ہے وہ کامیابی جو مجدد صاحب کی مجددیت کی دلیل ہے۔

جب کہ اکبر دنیا میں امن و آشتی کا نعرہ لگاتے ہوئے ایک مشترک دین کی تلقین کر رہا تھا اور آسمان آئین و دانش کے تارے ابوالفضل، بیربل، راجہ ٹوڈرمل، ملا مبارک وغیرہ اس کے نورتن کے ماہ پروین بنے ہوئے تھے۔ دنیا کی ہر ایک دولت قدموں پر تھی۔ ہر

ایک فیروزمندی سر تسلیم خم کیے ہوئی تھی، عظمت وجلالت کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا تھا، حتی کہ دین ومذہب کی لعنتوں سے بے نیاز ہو کر ہر ایک مذہب کا ہر ایک شہسوار اور سورما شاہی درفن کے وقت زمین نیاز پر سجدہ بیزی شروع کر دیتا تھا، تو کس کو خیال تھا کہ یہ مذہب جس کی بنیادیں اس قدر مضبوط ہیں، ایسا فنا ہوگا کہ تاریخ کی کتابوں میں بھی تفتیش وتحقیق کے بعد کچھ آثار مشکل سے مل سکیں گے۔ مگر دین اکبری کو فنا کے گھات کس نے اُتارا؟

ہر فرعونے راموسیٰ۔ اکبر جیسے جلیل القدر شہنشاہ کے لیے شیخ احمد جیسا مجدد بھیجا گیا۔

ملت مصطفویہ پر ایک ہزار سال گزر جانے کے بہانے اکبر نے دین الٰہی کی بنیاد رکھی تھی، لیکن خدا کے پاک بندے شیخ احمد مجدد نے دنیا کو بتادیا کہ یہ خاتم النبیین کا مذہب ہے جس کے مقدس دامنوں کو میدان حشر کے کناروں تک پھیلا دیا گیا ہے، جو اُن مقدس دامنوں کو سمیٹنا چاہے گا وہ خود ہی مٹ جائے گا۔ لا تزال الطائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضرهم من خزلهم حتی یاتی امر الله۔

عالم گیر کے ناخلف جانشینوں نے مسلمانوں کی حکومت ختم کر دی مگر الحمد اللہ روح مذہب ختم نہ ہوئی تھی اور حضرت مجدد کے قابل جانشینوں نے اس کے بقاء وتحفظ کی دوسری صورتیں پیدا کر دیں۔"[۹۱]

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جہانگیر کے ابتدائی عہد میں جو دینی ابتری پھیلی ہوئی تھی اس کا مکمل انسداد تو نہیں ہو سکا مگر حالات ایسے ضرور بن گئے کہ لوگوں کی یہ جرأت نہ رہی کہ وہ دین میں کھل کر رخنہ اندازی کر سکیں۔ اور اسی کامیابی سے فائدہ اٹھا کر شاہ جہاں اور اورنگ زیب نے شاندار طریقے پر مدت دراز تک حکومت کی اور اسلام کو عروج واستحکام بخشا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے درست لکھا ہے کہ:

> "شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء ومشائخ حق سے بالکل خالی ہوگیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے، لیکن مفاسد وقت کی اصلاح وتجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا

وجود گرامی ہی تن تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا۔ معلوم ہے کہ اس عہد میں بڑے بڑے علماء و اصحاب خانقاہ موجود تھے۔ بدایونی و ''طبقات'' اور ''روضۃ العلماء'' و ''اخبار الاخیار'' وغیرہ دیکھو تو معلوم ہوتا ہے، ہندوستان میں بجز عالموں اور پیروں کے کوئی نہیں بستا، کوئی شہر و قریہ نہ تھا کہ خانقاہوں اور مدرسوں سے خالی ہو۔ علماء میں شیخ وجیہ گجراتی، شیخ علی متقی، شیخ جلال تھانیسری، ملا محمود جونپوری، مولانا یعقوب کشمیری، ملا قطب الدین سہالوی، شیخ عبدالحق محدث، ملا عبدالحکیم سیال کوٹی، مولانا الہداد جونپوری وغیرہم اپنے وقتوں کے مالک اور علم و تعلم کے بادشاہ تھے۔ بایں ہمہ دوسرے گوشوں اور کاموں میں وقت بسر کر گئے، اس راہ میں تو ایک قدم بھی نہ اٹھ سکا۔ شیخ عبدالحق محدث کو تو حضرت مجدد کے بارے میں سخت لغزش بھی ہوئی۔ اگرچہ آخر عمر کے اعتراف و رجوع نے تلافی کر دی۔ اصحاب طریقت میں حضرت خواجہ باقی باللہ جیسے عارف کامل خود دہلی میں بعہد اکبر مقیم رہے لیکن وہ خود کہتے تھے کہ: ''میں چراغ نہیں ہوں چقماق ہوں، آگ نکال دوں گا۔ چراغ شیخ احمد سرہندی ہے،، جو حالت اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام کابل و ترکستان و خراسان کی ہو رہی تھی ان سب کے سامنے تھی۔ سب اس پر آہ و فغان بھی کرتے ہیں، مگر اس کے آگے معاملہ نہیں بڑھتا۔ ہندوستان میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ عوام و خواص پر تصوف کا رنگ غالب تھا۔ بحدے کہ اس کے سوا علماً و عملاً کوئی بات مقبول نہیں۔ لیکن تصوف صالح کا جوہر پاک جہل و بدعت کی آمیزش سے یکسر مکدر ہو چکا تھا، بلکہ ایک طرح کی اباحت و مطلق العنانی تھی جس کو طریق باطن و اسرار سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ملک کا ملک شریعت و علوم شریعت سے بے گانہ محض اور اصل حقیقت یک قلم معدوم۔ صرف خانقاہوں اور سجادہ نشینی کے سلسلوں

کے جال میں پوری اقلیم جکڑ بند تھی۔ دوسری طرف عبد اکبری کی بدعات تخت و تاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھی اور علماء سوو مشائخ دنیا پرست خود ان کے احداث و اشاعت کے نقیب تھے۔ کون تھا کہ اس وقت امن و عافیت کے مدرسوں اور سلطانی و فرماروائی کی خانقاہوں سے نکلتا اور دعوت و اصلاح کی امتحان گاہوں میں قدم رکھتا؟ اور پھر نصرت الٰہی کے لشکروں اور نفوذ باطنی کے سامانوں سے ایسا مسلح ہوتا کہ نہ شہنشاہ ہند کا تاج و تخت اس کی راہ روک سکتا اور نہ وقت کی حکمرانی و فرماں روائی اس کے سلطان حق و سطوت الٰہی پر غالب آ سکتی؟ خود حضرت موصوف ایک مکتوب میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں: ''اے فرزند! این وقت آن است کہ درامم سابقہ دریں طور وقتی کہ پر از ظلمت ست، پیغمبر اولوالعزم مبعوث می گشت، و بنائے شریعت جدیدہ می کرد۔ دریں امت کہ خیر الامم ست و پیغمبر ایشاں خاتم الرسل، علماء را مرتبہ انبیا دادہ اند، و از وجود علماء بوجود انبیاء کفایت فرمودہ اند۔ دریں وقت عالمے عارفے تام المعرفت ازیں امت درکارست کہ قائم مقام انبیاء اولوالعزم باشد:

فیض روح القدس ار باز فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجود گرامی ہی کے لیے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا۔ انبیاء اولوا العزم کی نیابت و قائم مقامی یعنی مقام عزیمت دعوت کا خلعت صرف انہی کے جسم پر چست آیا۔ باقی جس قدر تھے، یا تو مدرسوں میں پڑھاتے رہے، یا موٹی موٹی کتابیں اور نئی نئی شرحیں اور حاشیے لکھتے رہے، یا پھر ان کی تذلیل و تکفیر کے فتووں پر دستخط کرتے رہے۔ وقت کا جو اصلی کام تھا اس کو کوئی ہاتھ نہ لگا سکا۔ دوسری جلد کے چوتھے مکتوب میں لکھتے ہیں: ''از حق الیقین و عین الیقین

> چہ گوید؟ و اگر گوید کہ فہم کند؟ ایں معاملات از حیطۂ ولایت نیست۔ ارباب ولایت بہ رنگ علماء ظواہر در ادراک آں عاجز اند، ایں کار مقتبس از مشکوٰۃ نبوت است کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گشتہ صاحب ایں علوم و معارف مجدد است'' الخ۔ یہ جو بار بار کہہ رہا ہوں کہ وقت کا سلطان اور خزینہ دار ایک ہی ہوتا ہے خواہ کوئی ہو اور کیسا ہی ہو، مگر اس سے الگ رہ کر کچھ نہیں پاسکتا۔ تو یہ وہی حقیقت ہے جس کو بار بار حضرت ممدوح فرماتے رہے اور ان سے پہلے بھی تمام محرمان راہ نے اشارات کیے: ''مجدد آں است کہ ہر چہ در آں مدت از فیوض بہ امت رسد بتوسط او رسد، اگرچہ اقطاب و اوتادِ آں وقت باشند۔''[۹۲]

دوسرے علما اور صوفیا کی روش سے الگ تھلگ مجدد الف ثانی کا نقطہ نظر ہندوؤں کے سلسلے میں تھا، وہ انہیں بڑی کڑی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی تذلیل و تحقیر کے مواقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ دراصل اس سلسلے میں شیخ کا جو نقطہ نظر تھا وہ کسی قدر مصلحت پر مبنی تھا۔ وہ ہندو احیا پرستی کو ہرگز برداشت کرنے کو تیار نہ تھے جب کہ اکبر کے زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے سے ہندو احیا پرستی کی ہوا جو تیز ہوئی اس میں مسلمانوں کو اور اسلام کو بہت نقصان پہونچا، اور ان لوگوں نے مسلمانوں کو اور اسلامی شعائر کو بری طرح پامال کیا تھا۔ جس کے متعلق حضرت نے اپنے مکتوب میں جابجا ذکر کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہندو احیا پرستی کی تحریک اتنے زوروں پر تھی کہ مسلمان مارے خون کے اس میں ضم بھی ہو رہے تھے، بالخصوص مسلمان عورتوں پر اس کا خاصا اثر پڑ رہا تھا۔ مگر جب اس تحریک پر ضرب کاری ہوئی اور اس کی سرگرمی کمزور پڑی تو اس فتنہ پر کسی طرح قابو پایا جاسکا۔ یہ تمام شدت حضرت کے مکتوب کے دفتر اول اور دفتر دوم میں جابجا نظر آتے ہیں۔ مگر دفتر سوم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت کے نظریات ہندوؤں کے سلسلے میں بدلے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ اب ان کے قول و فعل میں تبدیلی آئی تو پھر حضرت کا نظریہ بھی تبدیل ہو گیا جو رواداری پر مبنی ہے۔ شیخ محمد اکرام کی تحریر سے حضرت کے اس نظریہ اور اس میں تبدیلی اور رواداری کے

اصول کی وضاحت ہوتی ہے:

> ''حضرت مجدد کا انداز بیان عام صوفیوں سے مختلف تھا۔ ان کا نقطہ نظر محض متعصبانہ نہ تھا، انہوں نے حالات کے تحت بعض جگہ بڑے سخت الفاظ استعمال کیے، لیکن ہندو مسلم مسئلے کا انہوں نے ایک حل بھی پیش کیا اور شاید کشیدگی کو دور کرنے اور ملک میں ایک خوش گوار فضا پیدا کرنے کے لیے سب سے کارآمد طریق کار وہی تھا، ان کی نگہ تیز بین نے اندازہ لگالیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دین الٰہی کا ملغوبہ بنا کر، یا رام اور رحمان کو ایک کہہ کر انہیں جوڑا نہیں جاسکتا۔ یہ ایک سعی لاحاصل ہے، یا خرابیوں کا پیش خیمہ اور بہر کیف اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک خطرہ عظیم ہے۔ باہمی امن وامان کی خاطر اور ہندوستان کے خاص حالات کے لیے زیادہ سے زیادہ وہ جس بات کو گوارا کر سکتے تھے وہ یہ تھی۔ ''مسلمانان بردین خود باشند و کفار بر کیش خود'' لکم دینکم ولی دین بایں معنی است ''یعنی امتزاج یا اتحاد (Integration) نہیں رواداری (Co-existence) اور کیا یہ طریق کار حالات کا واحد قابل عمل ہونے کے علاوہ منصفانہ نہ تھا۔ ۹۳''

مجدد الف ثانی تعلیم سے فراغت کے بعد ہی اسلامی معاشرہ کی برائی اور گمراہی کے علاوہ شیعیت کے بڑھتے ہوئے اثرات وخرافات پر کڑی نکتہ چینی کی جو ایک دردمند دل کے قلم سے صفحہ قرطاس پر قلم بند ہوئے۔ اس سلسلے میں آپ نے کئی رسالے تحریر کر کے اس پر کاری ضرب لگائی اور جگہ بجگہ اس مرض کی نشاندہی کی۔ آپ کی تصنیفات میں مکتوبات قدسیہ، مبداء ومعاد، معارف لدنیہ، مکاشفات غیبیہ، شرح رباعیات عارف باللہ خواجہ باقی، رسالہ ردروافض، رسالہ فی اثبات النبوت۔ رسالہ بسلسلہ حدیث وغیرہ شامل ہیں۔ مگر ان کتابوں میں مکتوبات کو غیر معمولی اہمیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ مکتوب آپ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ نے لکھا ہے اپنے خلفا ومریدین کے علاوہ شاہان وقت اور امراء کبار کے

نام لکھے اور ان کی اصلاح حال وقال پر زور دیا۔ اس مکتوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں آپ نے بے چین دلوں کو سرور بخشا ہے، راہ راست سے ہٹے ہوئے لوگوں کے لیے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کی ہے۔ علماء وصوفیا کو اپنے مقصد کی تکمیل اور اس میں میانہ روی کی راہ اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ سلطان وقت اور امرا کو مخاطب کر کے انہیں اس بات کی رغبت دلائی کہ بحیثیت مسلمان اپنے عقل وفکر اور طریقہ کار میں غلو سے اجتناب کریں۔ اور بقول مولانا علی میاں ندوی:

> ''یہ خطوط اپنے درد واخلاص، جوش وتاثیر، زور قلم اور قوت انشا کے لحاظ سے ان خطوط ومکاتیب کے مجموعہ ہیں جو دنیا کی کسی زبان اور کسی دینی اصلاح وتحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کیے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی ان میں اثر اور دل آویزی پائی جاتی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ مجدد نے اپنے مکتوب الیہم کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا۔ حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت وتبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دلوں کے ترجمان، ان کے قطرات اشک اور ان کے لختہائے جگر ہیں اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا اس میں اس کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔''[۹۴]

مکتوبات کی تین جلدیں آپ کے سامنے ہی ترتیب پا کر منظر عام پر آ چکی تھیں پہلی دو جلدیں اسیری سے قبل اور آخری ایک جلد اسیری کے بعد ترتیب پائیں۔ پہلی جلد کو آپ کے خلیفہ یار محمد ۱۰۲۵ھ میں جمع کیا اور اس کا نام درالمعروف رکھا۔ دوسری جلد مولانا عبدالحی نے ۱۰۲۸ھ میں مرتب کیا جو نورالخلائق کے نام سے موسوم ہوئی اور تیسری جلد کو مولانا محمد ہاشم برہان پوری نے ۱۰۳۱ھ میں یکجا کیا جو معرفتہ الخلائق کے نام سے جانی جاتی ہیں۔[۹۵]

ہندوستان کے نامور عالم دین وادیب اور انشاء پرداز مولانا عبدالماجد دریا آبادی جن دنوں دینی ومذہبی کش مکش کی زندگی میں مبتلا تھے اور کفر والحاد کا شکار بنے ہوئے تھے۔ اس

وقت جو اہم تصوف کی کتابیں زیر مطالعہ آئیں اور اس کی سحر انگریزی نے دوبارہ آپ کو اسلام پر لا کھڑا کیا ان میں ایک مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی بھی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ”تصوف اسلام کے ذخیرہ میں سب سے زیادہ اثر میرے اوپر دو ہی کتابوں کا پڑا ہے۔ نمبر اول پر مثنوی ہے جس نے دہریت والحاد سے کھینچ کر مجھے اسلام کی راہ دکھائی۔ اس اجمال کے بعد ضرورت تفصیل کی تھی۔ یعنی اسلام کے اندر عقائد و اعمال میں متعین راہ کون سی اختیار کی جائے۔ اس بات میں شمع ہدایت کا کام مکتوبات ہی نے دیا۔ ۹۶

حضرت مجدد الف ثانی جس جرأت مندی اور دور اندیشی سے اکبری الحاد و بے دینی کا قلع قمع کیا اور جہانگیر کی دینی و مذہبی فکر کو جلا بخشنے کے ساتھ علماء و صوفیا کے زور کو توڑا اس سے نہ صرف دینی حمیت رکھنے والے غیور مسلمانوں کی اطمینان کی سانس لینا نصیب ہوا۔ بلکہ وہ جاہل اور سیدھے سادھے لوگ بھی جو علماء سو اور نام نہاد کے صوفیا کے جال میں پھنس کر گمراہ ہو گئے تھے راہ راست پر آئے اور تصوف کے اندر جو غلو پیدا ہو گیا تھا، اس کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک ایسا نظریہ ”وحدۃ الشہود“ جو تصوف صالح تھا اور ”وحدۃ الوجود“ کے نظریہ کے سامنے سہل اور افراط و تفریط سے خالی تھا۔ تن تنہا حضرت مجدد کا ان سب چیزوں پر قابو پا لینا کوئی معمولی بات نہ تھی، جو ایک الگ کرامت تھی۔ اس کے علاوہ بھی حضرت کی دو کرامتیں دنیا کے لیے بڑے فیوض و برکات کا باعث ہیں: ”ایک یہ کہ اللہ نے آپ کو صالح اولاد سے نوازا جو ہر ایک یگانہ روزگار تھے، جو ظاہری اور باطنی علوم میں اعلیٰ پائے کے بزرگ ہوئے اور انھوں نے ترویج شریعت میں اپنے والد کے ہر ارشاد کی تعمیل کی اور ان کے انتقال (۲۸؍ صفر ۱۰۳۴ھ) کے بعد ان کی مشعل ہدایت کے نور کو دور دور تک پھیلا دیا۔ دوسری کرامت حضرت کے مکتوبات ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کی علمیت معرفت خلوص اور شرع کی پابندی کا ایک ایسا حسین دلکش اور مستحکم منظر آنکھوں کے آگے آ جاتا ہے جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور اور سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج و افعال میں نمایاں تبدیلی پاتا ہے“۔ ۹۷

ماخذ ومراجع

۱: شیخ عبدالاحد کے تفصیلی حالات کے لئے مطالعہ کریں: حیات مجدد پروفیسر محمد فرمان ص: ۱-۲، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۵۸ء۔ تاریخ دعوت وعزیمت، سید ابوالحسن علی ندوی، ص: ۱۴۳-۱۳۹، ج: ۴، مجلس تحقیقات نشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۰ء۔ بزم تیموریہ، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ص: ۱۲۰-۱۱۹، ج: ۲، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ۱۹۹۱ء۔

۲: مولانا کمال الدین کشمیری کے حالات کے لئے دیکھیں: نزھۃ الخواطر، سید عبدالحی الحسنی لکھنوی، ص: ۳۱۶، ج: ۵، حیدرآباد ۱۹۵۴ء۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۴۵، ج: ۴، فٹ نوٹ۔ رودکوثر، شیخ محمد اکرام، ص: ۲۲۴-۲۲۳، ادبی دنیا مٹیا محل، دہلی، ۱۹۹۸ء

۳: مولانا یعقوب کشمیری بن شیخ گنائی عاصمی کے حالات کے لئے مطالعہ کریں: تذکرہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مرتب مالک رام، ص: ۴۵۷-۴۵۶، ساہتیہ اکادمی دہلی، ۱۹۹۰ء۔ نزھۃ الخواطر، ص: ۴۳۹-۴۳۸، ج: ۵۔ تذکرہ علمائے ہند، رحمٰن علی، ص: ۲۵۵، لکھنؤ ۱۹۱۴ء۔ منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر بدایونی، مرتبین: احمد علی اور ولیم ناسولیس، ص: ۱۴۲، ج: ۳، کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ حدائق الحنفیہ، فقیر محمد دیلمی، ص: ۳۹۴، نول کشور لکھنؤ، ۱۸۸۶ء۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۴۵، ج: ۴، فٹ نوٹ۔ بزم تیموریہ، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ص: ۴۵۲، ج: ۱، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۹۵ء۔

۴: حیات مجدد، ص: ۲۔

حضرت مجدد کی حیات وخدمات اور اصلاحی وتجدیدی کارنامہ کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ کریں: زبدۃ المقامات، خواجہ محمد ہاشم کشمی، جواہر مجددیہ: احمد حسین خاں۔ حضرات القدس: بدرالدین احمد سرہندی، روضۃ القیومہ: خواجہ کمال الدین، مقامات احمدیہ: خواجہ محمد امین، مقامات امام ربانی: مولوی محمد حسن اور مکتوبات مجدد الف ثانی کے علاوہ نزہۃ الخواطر، ص: ۴۱-۴۸، ج: ۵۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۰۴-۴۰۶، ابجد العلوم، صدیق حسن خاں، ص: ۹۰۰-۸۹۸، بھوپال، ۱۲۹۵۔ حیات مجدد، تاریخ دعوت وعزیمت، ج: ۴۔ رود کوثر۔ اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مترجم اردو مفتی غلام معین الدین، ص: ۶۳۲-۶۲۹، فرید بک ڈپو۔ بزم تیموریہ، سید صباح الدین عبد الرحمان، ج: ۲۔ تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) ص: ۴۵۶-۴۵۵۔ تصوف اور شریعت، ڈاکٹر عبدالحق انصاری، ص: ۵۲-۳۱، مترجم اردو مفتی محمد مشتاق تجاروی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۲۰۰۱ء۔ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، مولانا منظور احمد نعمانی، مکتبہ الفرقان لکھنؤ، ۱۹۶۰ء۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، اعجاز الحق قدوسی، اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۲ء۔ سرمایہ عمر، پروفیسر محمد اسلم، ندوۃ المصنفین، لاہور ۱۹۷۶ء۔ ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، سید صباح الدین عبد الرحمان، ص: ۱۷۵-۱۷۳، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۴ء۔ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۲-۱۰۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، مولانا سید محمد میاں، ص: ۳۱۰-۵۸، ج: ۱، کتابستان دہلی۔

۶: تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۴۶، ج: ۴۔

۷: فیضی کے حالات کے لئے مطالعہ کریں: تذکرہ، ص: ۳۶۴-۳۶۳، منتخب التواریخ، ص: ۳۱۰-۲۹۹، ج: ۳۔ ماثر الکرام، ص: ۲۰۰-۱۹۸۔ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۴۔ ابجد العلوم، ص: ۸۹۷۔ بزم تیموریہ، ص: ۱۷۵-۱۴۴، ج: ۱۔ منتخب اللباب، ہاشم علی خاں (خافی خاں نظام الملک) مترجم اردو نور احمد فاروقی،

ص: ۲۲۲-۲۱۹، ج: ۱، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۳ء۔ دربار اکبری، مولوی محمد حسین آزاد، ص: ۴۷۳-۴۰۶، مکتبہ کلیان لکھنؤ، ۱۹۱۰۔ آئین اکبری، ابوالفضل، مترجم اردو مولوی محمد فدا علی طالب، ص: ۴۲۶-۳۸۹، ج: ۲، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۰۷-۹۶، ج: ۴۔

۸ : ابوالفضل کے حالات کے لئے مطالعہ کریں: تذکرہ، ص: ۳۶۳-۳۶۲۔ آئین اکبری، ص: ۴۲۶-۳۸۹۔ دربار اکبری، ص: ۵۸۴-۵۲۱۔ مآثر الامرا، صمصام الدولہ، شاہنواز خاں، ۶۲۲-۶۰۸، ج: ۲، کلکتہ ۱۸۹۱ء۔ نزہۃ الخواطر، ص: ۲۶ - ۲۴ ج: ۵۔ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۵-۴۔ دربار اکبری، ص: ۵۸۴-۵۲۱۔ بزم تیموریہ، ص: ۲۰۵-۱۷۶، ج: ۱۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۰۷-۹۶، ج: ۴۔ منتخب التواریخ، جلد دو کے متعدد اوراق پر ابوالفضل کے حالات بکھرے ہوئے ہیں۔ طبقات اکبری، نظام الدین احمد، ص: ۴۵۸، ج: ۲، کلکتہ ۱۹۱۳ء

۹ : بزم تیموریہ، ص: ۱۲۰، ج: ۲، تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۴۶، ج: ۴، رودکوثر، ص: ۲۲۸۔

۱۰ : امام غزالیؒ کے حالات وکارناموں سے متعلق ملاحظہ فرمائیں: تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۹۶-۱۳۰، ج: ۱۔ تجدید واحیائے دین، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ص: ۶۸-۵۹، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۸ء۔

۱۱ : بزم تیموریہ، ص: ۱۲۰، ج: ۲۔ رودکوثر، ص: ۲۲۸۔

۱۲ : تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں: بزم تیموریہ، ص: ۱۲۱، ج: ۲۔ رودکوثر، ص: ۲۴۲-۲۳۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۴۶، ج: ۴۔ حیات مجدد، ص: ۳۔

۱۳ : علامہ احسان اللہ گورکھپوری لکھتے ہیں کہ: واپسی پر شیخ سلطان ایک مقرب شاہ ھند کی لڑکی سے حضرت مجدد کا عقد ہوا، کہا جاتا ہے کہ اس عقد کی بابت حضرت محمد ﷺ سے شیخ سلطان کو خواب میں علم ہوا، (سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی، علامہ احسان اللہ گورکھپوری، ص: ۷۰، مطبوعہ رام پور، ۱۹۲۶ء۔ رودکوثر، ص: ۲۳۶۔

۱۴: تاریخ دعوت وعزیمت، ص، ۱۴۶، ج:۴۔ رودکوثر، ص، ۲۲۷-۲۲۶۔

۱۵: روضۃ القیوم، سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی، ص: ۷۰۔ رودکوثر، ص: ۲۳۶۔ حیات مجدد، ص:۳۔

۱۶: شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حالات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ تذکرہ علمائے ھند، ص: ۱۳۰ ، نزھۃ الخواطر ، ص: ۱۹۹-۱۹۸، ج: ۴۔ اخبارالاخیار، ص: ۴۶۷-۴۶۳۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، ص: ۴۳۰-۴۲۳۔ رودکوثر، ص: ۷۴-۷۳۔

۱۷: حیات مجدد، ص: ۳۔ رودکوثر، ص: ۲۲۳۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۴۸، ج: ۴۔ بزم تیموریہ، ص: ۴۵۲، ج: ۱۔

۱۸: تفصیلی خدمات کے مطالعے کے لیے ملاحظہ کریں: الفتوحات المکیہ، ابن عربی، (خاتمہ بحث) قاہرہ ۱۲۹۳ھ۔ شذرات الذھب، ابن العماد الحنبلی، ص: ۱۹، ج: ۵، قاہرہ ۱۳۵۰ھ۔ میزان الاعتدال، شمس الدین الذہبی، ص: ۱۰۸، ج: ۳، قاہرہ ۱۳۲۵ھ۔

۱۹: حیات مجدد، ص: ۳۔

۲۰: حضرت خواجہ باقی باللہ، اصلی نام رضی الدین احمد تھا، شیخ عبدالسلام کے بیٹے تھے، تقریباً ۹۷۲-۹۷۱ھ/ ۶۴-۱۵۶۳ء میں کابل میں پیدا ہوئے، اپنے وطن اور مدینہ منورہ میں تعلیم کی تکمیل کے بعد عہد اکبری میں ھندوستان آئے، نقشبندی سلسلے میں امام زمانہ تھے، ۲۵ر جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ/ ۲۰ر نومبر ۱۶۰۳ء کو دلی میں واصل حق ہوئے، صدر بازار میں درگاہ قدم رسول کے جوار میں آسودۂ خواب ابدی ہیں۔ تذکرہ، ص: ۴۵۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۵۴-۱۴۹، ج: ۴۔ رودکوثر، ص: ۲۱۱-۱۹۰۔ تذکرہ علمائے ھند، ص: ۱۰۷-۱۰۶، حدائق الحنفیہ، ص: ۳۹۹-۳۹۸۔ بزم تیموریہ، ص: ۱۲۱، ج: ۲۔ نزھۃ الخواطر، ص: ۲۰۰-۱۹۶، ج: ۵۔ واقعات دارالحکومت، بشیر الدین احمد، ص: ۵۱۴-۵۱۳، ج: ۲، شمسی پریس آگرہ، ۱۹۱۹ء۔ آثار الصنادید، سرسید احمد خاں، ص: ۲۵۶، مطبوعہ دلی ۱۹۶۵ء۔

۲۱: مکتوبات امام ربانی، حضرت مجدد الف ثانی، مترجم اردو محمد سعید احمد، ص:۱۱۰، ج:۱، مکتوب:۳۱، دفتر اول، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۹۶ء۔ حیات مجدد، ص:۴۔

۲۲: ایضاً ص:۴۹۰، ج:۱، مکتوب:۲۲۰۔ حیات مجدد، ص:۴۔

۲۳: رود کوثر، ص:۲۲۴۔

۲۴: رود کوثر، ص:۲۲۴۔

۲۵: حضرت باقی باللہ کے پاس کوئی بیعت کے لیے آتا تو کسر نفسی کا اظہار کرتے اور کہتے کہ میں اس کار عظیم کے لائق نہیں ہوں کہیں دوسری جگہ دامن بڑھاؤ اور اگر کوئی مرد کامل کا پتہ چلے تو مجھے بھی خبر دینا تاکہ میں بھی اس کی خدمت میں پہونچوں، جب کوئی زیادہ اصرار کرتا تو استخارہ کرتے شرح صدر ہوتا تو بیعت کر لیتے ورنہ لوٹا دیتے، مگر حضرت مجدد کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا بلکہ ان کے علو مراتب کو دیکھتے ہوئے بلا استخارہ بیعت فرمالیا۔

۲۶: اخبار الاخیار، ص:۶۲۹- تاریخ دعوت عزیمت، ص:۵۷-۱۵، ج:۴۔

۲۷: شیخ ابوالمجد عبدالحق محدث دہلوی کے حالات وکارناموں کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تذکرہ، ص: ۳۵۰۔ اخبار الاخیار ص:۱۵-۱۱۔ منتخب التواریخ، ص: ۱۱۷- ۱۱۲، ج:۳۔ تذکرہ علمائے ھند، ص:۱۱۰-۱۰۹۔ نزھۃ الخواطر، ص:۲۱۰-۲۰۱، ج:۵۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۱۰-۴۰۹۔ رود کوثر، ص: ۳۷۹-۳۴۳۔ بزم تیموریہ، ص: ۱۴۶-۱۳۹، ج:۲۔ حیات شیخ عبدالحق، پروفیسر خلیق احمد نظامی، دہلی ۱۹۵۳ء۔ تذکرہ شیخ عبدالحق، سید احمد قادری، شاد بکڈپو پٹنہ، ۱۳۷۰ء۔ ابجد العلوم، ص:۹۰۱-۹۰۰۔

۲۸: اخبار الاخیار، ص:۶۲۹۔

۲۹: آپ کی ولادت ۹۱۸ھ اور وفات ۱۰۰۸ء میں ہوئی، نوے سال کی عمر پائی، والد ماجد درویش محمد صاحب کے خلیفہ تھے اور درویش محمد صاحب کے خلیفہ تھے اور درویش محمد صاحب حضرت خواجہ عبید اللہ احراری کے خلیفہ تھے، حضرت خواجہ امکنگی

حضرت کے قدم بقدم چلنے میں ضرب المثل تھے اور جماعت تہجد وغیرہ کی کچھ بدعتیں جو اس زمانہ میں طریقہ میں رائج تھیں، ان سے اجتناب فرماتے تھے۔ (ماخوذ از خطبہ شوقیہ، بحوالہ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص: ۶-۵، ج: ۱۔

۳۰ : تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۵۵، ج: ۴۔

۳۱ : علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص: ۲۲۶، ج: ۱۔

۳۲ : تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۵۶، ج: ۴۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص: ۵، ج: ۱۔

۳۳ : تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۵۶، ج: ۴۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص: ۶-۵، ج: ۱۔

۳۴ : حیات مجدد، ص: ۷، تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۶۰- ۱۵۹۔ رود کوثر، ص: ۲۵۳-۲۵۲۔

۳۵ : حاشیہ نمبر ۲۰ / ملاحظہ فرمائیں۔

۳۶ : تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۶۰-۱۵۹، ج: ۴۔

۳۷ : رود کوثر میں شیخ محمد اکرام نے اس اختلاف کی جو وجہ بتائی ہے اس میں انہوں نے شدت سے کام لیا ہے، اور اس انداز سے اس مسئلہ کو چھیڑا ہے جیسے کہ حضرت کے پیر بھائیوں نے حضرت سے جو اختلاف کیا وہ درست تھا، حالاں کہ ان لوگوں کے اختلاف کی کوئی معقول وجہ نہ تھی لوگوں کو حضرت کے افکار و خیالات کے سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حیات مجدد، ص: ۱۳-۸۔ تاریخ دعوت و عزیمت ۳۶۹-۳۵، ج: ۴۔ بزم تیموریہ، ۱۳۲، ج: ۲۔ رود کوثر، ص: ۲۵۶-۲۵۳۔

۳۸ : حیات مجدد، ص: ۷۔

۳۹ : رود کوثر، ص: ۲۵۶۔

۴۰ : تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۶۰، ج: ۴۔

۴۱ : سرمایہ عمر، ص: ۱۱۸۔

۴۲ : تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۶۰، ج: ۴۔

۴۳ : تاریخ دعوت عزیمت، ص:۱۶۱-۱۶۰، ج:۴۔

۴۴ : تاریخ دعوت عزیمت، ص:۱۶۲-۱۶۱، ج:۴۔

۴۵ : اختلاف کی نوعیت دو طرح کی تھی، ایک وہ مخالفت تھی جو کسی مخالفین کی غلط بیانی کی بنیاد پر یا کسی غلط فہمی کے نتیجے میں پیدا ہوئی، اور اس غلط بیانی اور سازش کا پردہ چاک ہونے یا اس غلط فہمی کے دور ہو جانے کے بعد رفع ہوگی، دوسری وہ جو اختلاف عقیدہ و مسلک یا کسی عصبیت یا ذاتی عناد پر تھی۔ پہلی قسم میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی تھے۔ مگر جب ذاتی مشاہدہ اور طریق کار کو شیخ نے سمجھ لیا تو اختلاف جاتا رہا اور وہ نہ صرف حضرت کے قریب ہوئے بلکہ ان کی مدح اور توصیف کو بڑھ چڑھ کر بیان اور ان سے بھی علمی و روحانی استفادہ کیا۔ جیسا کہ مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور سب ایسی دیگر باتیں ہیں جس سے حضرت کی مساعی کو سراہا، حضرت کے فیض سے جو کچھ ان کو حاصل ہوا اس کا ذکر کیا ہے: (تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۳۶۹-۳۵۰، ج:۴۔ تذکرہ شیخ عبد الحق، ص:۵۱-۴۷۔ بزم تیموریہ، ص:۱۳۶-۱۳۲، اور ص:۱۴۸-۱۴۷۔

۴۶ : اخبار الاخبار، ص:۶۳۱-۶۳۰۔

۴۷ : اخبار الاخبار، ص:۶۳۲۔

۴۸ : مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی کی خدمات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: (تذکرہ، ص: ۴۵۷۔ نزہۃ الخواطر، ص: ۲۱۱-۲۱۰ ج:۵۔ حدائق الحنفیہ ۴۱۵-۴۱۴، مآثر الکرام ص:۲۰۵-۲۰۴۔ بزم تیموریہ، ص:۳۴۰۔۲۲۹، ج:۲۔

۴۹ : خزینۃ الاصفیا، مولانا غلام سرور، ص: ۲۶۴، نول کشور لکھنؤ ۱۲۹۰ھ تذکرہ ص: ۴۵۷۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص:۲۲۹، ج:۱۔

۵۰ : ملا عبدالقادر بدایونی کی حیات و خدمات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: غبار خاطر، مولانا ابوالکلام آزاد، مرتب: مالک رام، ص:۳۵۸، ساہتیہ اکادمی دہلی

۱۹۸۳ء۔ منتخب التواریخ، ص:۱۶-۱، ج:۳۔ مآثر الکرام، ص:۴۰-۳۹۔ دربار اکبری، ۴۷۲-۵۲۱۔ بزم تیموریہ: ص:۲۲۳-۲۰۵، ج:۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص:۳۶۱-۳۵۳، ج:۱۔

۵۱ : اقتباس کی عبارت حیات مجدد، ص:۴۶-۴۵- سے نقل کی گئی ہے جو منتخب التواریخ، ۳۶۲-۳۰۵، ج:۲ سے ماخوذ ہے- علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص:۴۷-۱۲، ج: ۱- تاریخ دعوت وعزیمت، ص:۱۱۳۲-۱۱۰۔ علوم وفنون ہندوستان میں، عبدالحی لکھنوی، مترجم اُردو ابوالعرفان ندوی، ص۱۳، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء۔

۵۲ : مکتوبات امام ربانی، ص:۱۱۸، ج:۲، مکتوب:۹۱۔

۵۳: تصوف اور شریعت، ص۴۳۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص:۲۶۱-۲۵۹، ج:۴۔ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، ص:۱۲۰۔

۵۴ تصوف اور شریعت، ص:۴۳۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص:۲۶۳-۲۶۲، ج:۴۔

۵۵ تصوف اور شریعت، ص:۴۴۔ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، ص:۱۱۶-۱۱۴۔

۵۶ : ملا عبداللہ سلطان پوری کے حالات کا تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیں: (تذکرہ، ص: ۳۵۶۔ منتخب التواریخ، ص:۳۱۱، ج:۲ اور ص:۷۳-۷۰، ج:۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص:۱۰۳- نزہۃ الخواطر، ص:۲۰۸-۲۰۶، ج:۴۔ بزم تیموریہ، ص:۴۳۴- ۴۲۳، ج:۱- دربار اکبری۔

۵۷ : شیخ عبدالنبی کے حالات اور خدمات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: (تذکرہ، ص: ۳۵۵۔ منتخب التواریخ، ص:۳۱۲-۳۱۱، ج:۲۔ دربار اکبری، ص:۳۶۱-۳۷۰۔ بزم تیموریہ، ص:۴۴۴-۴۳۴، ج:۱۔ نزہۃ الخواطر، ص:۲۲۲-۲۱۹، ج:۴۔

۵۸ : شیخ کے کارناموں اور خدمات کے لیے مطالعہ کریں: (تذکرہ، ص:۳۵۴-۳۵۳، تذکرہ علمائے ہند، ص:۱۷۴۔ دربار اکبری، ص:۴۰۶-۳۷۰، حدائق حنفیہ، ص: ۳۹۴۔ منتخب التواریخ، ص: ۷۵-۷۳، ج: ۳۔ بزم تیموریہ، ص۱۴۳-۱۴۰۔

تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۰۷-۹۶، ج: ۴۔

۵۹ : تذکرہ (ابوالکلام آزاد) ص: ۳۸-۳۷۔

۶۰ : منتخب التوریخ، ص: ۲۷۱، ج: ۲۔

۶۱ : ان تمام تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ''منتخب التواریخ جلد دوم کے چیدہ چیدہ اوراق۔ تذکرہ امام ربانی، ص: ۱۰۲-۶۳۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص ۱۳۲-۱۱۱، ج: ۴۔ تصوف وشریعت۔

۶۲ : سیرت سید احمد شہید، شیخ ابوالحسن ندوی، ص: ۳۷-۳۶، ج: ۱ مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۶۳ : تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۶۳-۱۶۲، ج: ۴۔

۶۴ : رودکوثر، ص، ۱۶۰۔ حیات مجدد، ص: ۴۸۔

۶۵ : مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، ص: ۱۸۰، ج: ۱- مکتوب: ۴۷۔

۶۶ : سرمایہ عمر، ص: ۲۸۴-۲۷۵۔

۶۷ : تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: بزم تیموریہ، ص: ۴۵۰-۴۴۹، ج: ۱- منتخب التوریخ، ص: ۱۳۸-۱۳۷، ج: ۳۔

۶۸ : تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ طبری، تاریخ یعقوبی تاریخ ابن کثیر، سیرۃ مصطفٰے، سیرۃ النبی وغیرہ۔

۶۹ : مجالس المومنین، نوراللہ شوستری، ص: ۴، مطبوعہ تہران ۱۸۷۲ء۔

۷۰ : رودکوثر، ص: ۲۷۰۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۳۶۰-۳۵۰، ج: ۴۔

۷۱ : تزک جہاں گیری، نورالدین جہانگیر بادشاہ، ص: ۲۷۳، مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۶۴ء۔

۷۲ : تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ یعقوبی، سیرۃ مصطفٰے، سیرۃ النبی وغیرہ۔

۷۳ : ایضاً

۷۴؎ : مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، ص: ۶۳، ج: ۱، مکتوب: ۱۱۔

۷۵؎ : سرمایہ عمر، ص: ۱۱۸-۱۱۷۔

۷۶؎ : حضرات القدس، ص: ۹۰-۸۹، دفتر دوم، بحوالہ رود کوثر، ص ۲۶۹۔

۷۷؎ : سرمایہ عمر، ص: ۱۱۸۔

۷۸؎ : ایضاً۔

۷۹؎ : ایضاً، ص: ۱۱۹۔

۸۰؎ : رود کوثر، ص: ۲۷۰۔

۸۱؎ : حویلی، سرا، کنواں باغ اور کتابوں کا غم معمولی بات ہے، اگر ہم مر بھی جاتے تب بھی جاتی رہتیں، اب زندگی میں جاتی رہیں، کوئی فکر نہیں، اولیاء اللہ خود ان چیزوں کو چھوڑ جاتے ہیں، اب شکر ادا کرو کہ خدا نے اپنے اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دیا۔ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، ص: ۲۶، ج: ۲، مکتوب: ۲، دفتر سوم)

۸۲؎ : بزم تیموریہ، ص: ۱۳۷-۱۳۶، ج: ۲۔

۸۳؎ :

۸۴؎ : سرمایہ عمر، ص: ۲۰۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۷۰، ج: ۴۔

۸۵؎ : ایضاً، ص: ۱۲۰۔ مزید مطالعہ کے لئے ملاحظہ کریں: مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، ص: ۱۲۸، ج: ۲، مکتوب: ۵، دفتر سوم۔

۸۶؎ : تزک جہانگیر، ص: ۳۰۸۔

۸۷؎ : ہسٹری آف اورنگ زیب، بینی پرشاد، ص: ۱۰۵، مطبوعہ بمبئی ۱۹۴۲ء، بحوالہ سرمایہ عمر، ص: ۱۲۱۔

۸۸؎ : ابجد العلوم، ص: ۸۹۹۔ مسلمانوں کا عروج وزوال، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ص: ۳۰۹، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۲ء۔

۸۹ : مسلمانوں کا عروج وزوال، ص:۳۱۰-۳۰۹۔

۹۰ : تاریخ دعوت وعزیمت، ص:۱۷۵، ج:۴۔ حیات مجدد، ص:۲۶-۲۵۔

۹۱ : علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص۲۱۳-۲۰۹، ج:۱۔

۹۲ : تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد)، ص:۲۶۷-۲۶۳۔

۹۳ : رودکوثر، ص:۳۲۵-۳۲۴۔

۹۴ : تاریخ دعوت وعزیمت، ص۳۱۵، ج:۴۔

۹۵ : تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، ص:۲۹۸-۲۹۷۔ رودکوثر، ص:۳۲۶۔ حیات مجدد۔

۹۶ : رودکوثر، ص:۳۲۵۔

۹۷ : حیات مجدد، ص:۲۶۲۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القارعة ما القارعة

وما أدراك ما القارعة يوم يكون الناس كالفراش المبثوث

وتكون الجبال كالعهن المنفوش صدق اللہ العظيم

کتبہ: خورشید عالم گوہر قلم برائے
حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ سوم

شمع رہِ عرفاں ہیں مجدد الف ثانی
ایماں کے نگہباں ہیں مجدد الف ثانی
(عبدالحفیظ قادری)

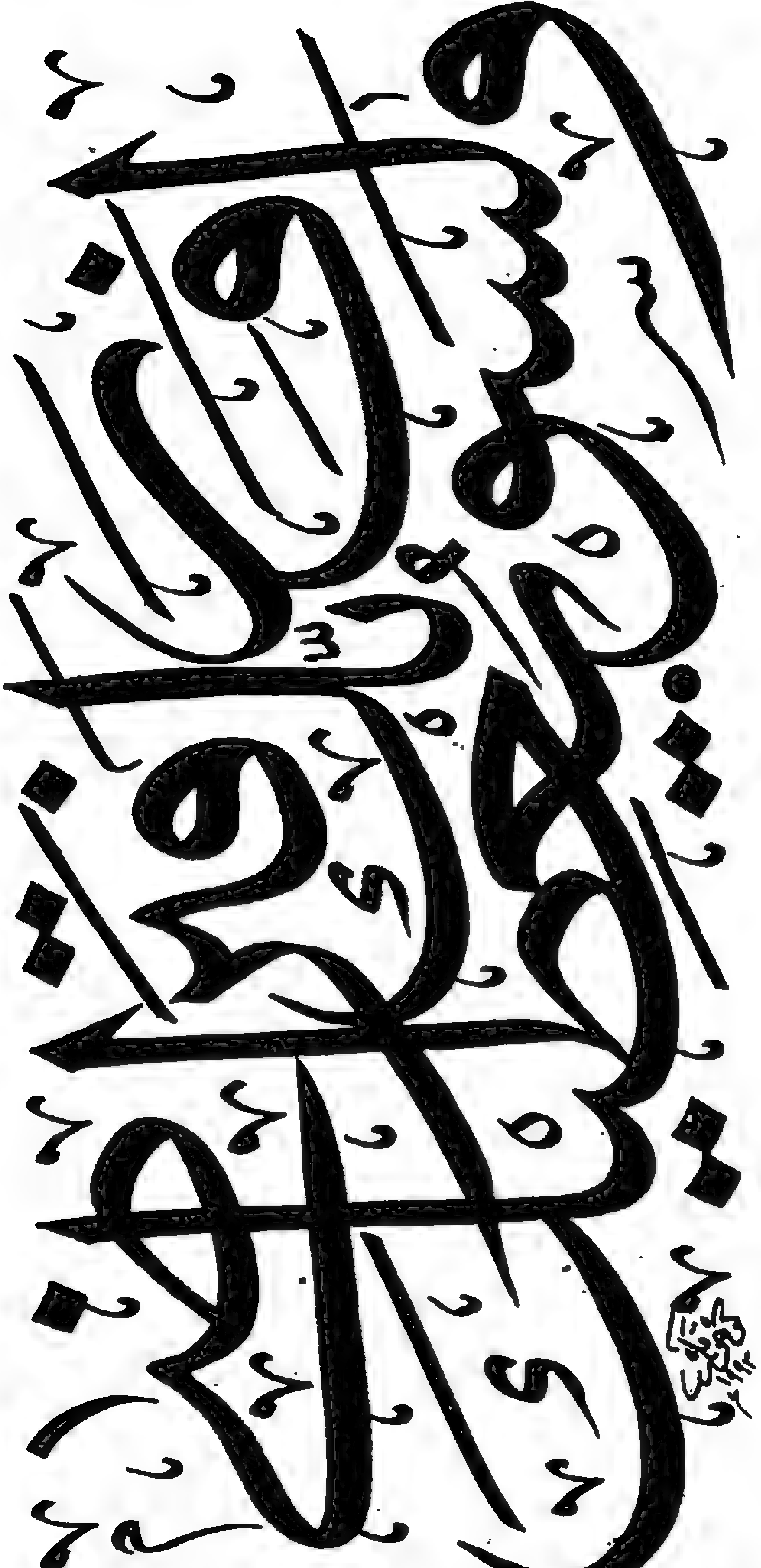
ولسوف يعطيك ربك فترضى

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مجدد الف ثانی کی عربی نگارشات اور کارِ تجدید میں ان کی اہمیت

جمشید احمد ندوی

(ریسرچ ایسوسی ایٹ شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

☆☆

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۹۷۱_۱۰۳۴ھ) کا شمار ان نامور فرزندان اسلام میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے علم وعمل اور فکر وفراست سے وقت کے سنگین فتنوں کا سد باب کیا تھا خصوصاً مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنی تجدیدی واصلاحی کاوشوں سے جس فتنہ کا سد باب کیا تھا وہ ایسا نہ تھا جس کے اثرات صرف محدود علاقے پر مرتب ہوتے بلکہ وہ ایسا فتنہ تھا کہ اگر اس کے خاتمہ کے لئے جد وجہد نہ کی جاتی تو پوری امت مسلمہ خصوصاً ہندوستان کی امت اسلامیہ ضلالت وگمراہی کا شکار ہوجاتی اور اس سرزمین میں اسلامی تعلیمات وروایات کا بول بالا ختم ہوجاتا۔ اصلاح امت کے لئے شیخ مجدد نے مختلف طریقے اختیار کیے جن میں فارسی وعربی کتب ورسائل کی تصنیف وتالیف بھی شامل تھی۔ ان کی عربی نگارشات رسالہ "اثبات النبوۃ"، رسالہ تہلیلیہ اور بعض عربی مکتوبات پر مشتمل ہیں۔ یہ سرمایہ کمیت کے اعتبار سے مختصر معلوم ہوتا ہے لیکن موضوع بحث کے لحاظ سے بڑی قدر وقیمت رکھتا ہے اس لئے کہ ان نگارشات سے بالخصوص رسالہ اثبات النبوۃ سے ان کا وہ اصل کارنامہ سامنے آتا ہے جس کی وجہ سے وہ مجدد کے منصب پر سرفراز ہوئے۔

نامور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ نے تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم میں ان کے مختلف اصلاحی کارناموں کو سامنے

رکھتے ہوئے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ان کا اصل کارنامہ کیا ہے جس نے انھیں ''مجدد'' جیسے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا تھا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے مختلف حضرات کے نقطۂ نظر بیان فرمائے ہیں جن کی وجہ سے وہ ''مجدد'' کے لقب سے سرفراز کئے گئے تھے۔ ان مختلف نقطۂ نظر میں سے ہر ایک یقینی طور پر اہم وقابل ذکر ہے لیکن مولانائے محترم نے ان کا سب سے عظیم الشان کارنامہ اوران کے دائرہ تجدید کا مرکزی نکتہ نبوت محمدی پر ایمان واعتماد کی تجدید اور نبوت محمدی اوراس کی ابدیت اورضرورت پر اعتماد کی بحالی کو قرار دیا ہے اوراس پر کتاب مذکور کے باب پنجم میں تفصیلی بحث کی ہے اوراپنے نقطۂ نظر کو مکتوبات ربانی کے حوالے سے مدلل ومستند بنا دیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔ ''حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اوران کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کی انقلابی واصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں وہ نبوت محمدی اوراس کی ابدیت وضرورت پر امت میں اعتقاد واعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی وانقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل ووضاحت وقوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا۔ شاید یہ اس لئے بھی کہ اس زمانہ میں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی اوراس کے خلاف کوئی منظم تحریک یا فلسفہ سامنے نہیں آیا تھا۔

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سد باب ہوتا ہے جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرۂ طیبہ اوراس کے پورے اعتقادی، فکری اور روحانی نظام کو نگل لینے کے لئے تیار تھے۔ ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اوراس کے پیرو بھی شامل ہیں جنھوں نے نبوت محمدی اوراس کے بقا ودوام کے خلاف کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا اوراعلان کیا تھا کہ ''نبوت محمدی کا ایک ہزار سالہ دور ختم ہوا اوراب دینی رہنمائی اور زندگی کی تشکیل

جدید اور آئین سازی کا وہ دور شروع ہونے جا رہا ہے جس کی اساس عقلیت وفلسفہ پر ہوگی جس کی قیادت محمود پسیخوانی اور اس کی جماعت کے ہاتھ میں اور جس کا مرکز ایران و ہندوستان ہوگا" ان فتنوں میں اکبر کا "دین اکبری" اور "آئین جدید" بھی شامل ہے جو ہندوستان میں نبوت و شریعت محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا۔ دینی زندگی، اعمال وعبادات اور معاشرہ وتمدن کی وہ دینی بدعات بھی داخل ہیں جو ایک متوازی شریعت بنتی جا رہی تھیں اور جن کی ایک مستقل "فقہ" مدون ہو رہی تھی اور وہ بھی درحقیقت محمد رسول ﷺ کی خاتمیت کے لئے ایک چیلنج اور منصب تشریع کی مدعی تھی ...... اس سلسلہ میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے ...... یہ فلسفہ اور دعوت بھی نبوت کی پیش کی ہوئی دعوت، اس کی واضح تعلیمات اور اس کے مقاصد کا (دانستہ یا نادانستہ طریقہ پر) حریف بنتی جا رہی تھی ...... اس ضمن میں فرقہ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے اور جو امام کی ایسی تعریف کرتا ہے اور اس کے ایسے صفات وخصوصیات بیان کرتا ہے جو اس کو قریب قریب نبی کا ہمسر ومساوی بنا دیتی ہے۔ اس طرح انھوں نے "نبوت محمدی پر ایمان واعتماد کی تجدید" کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری پیچیدہ قفل کھول دیئے جو یونانی وایرانی فلسفہ اور مصری و ہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کئے تھے، ایک تیر سے ان سب فتنوں کا شکار کیا جن کا مسلمانوں کا ذہین طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا"۔[1]

شیخ مجدد نے رسالہ اثبات النبوۃ میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے ذیل میں اس رسالہ کا اور ان کی دیگر عربی نگارشات کا تعارف دیا جا رہا ہے۔ اس سے ان کی قدر وقیمت بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔

۱۔ اثبات النبوۃ: اس رسالہ میں مجدد الف ثانی نے اس وقت کے سب سے بڑے فتنہ کا سدباب کیا ہے۔ اس میں انھوں نے نبوت کی ضرورت وافادیت اور اس کے اثبات پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے معترضین کے اعتراضات کا رد کیا ہے۔

اس رسالہ پر نہ تو ناشر و سنہ اشاعت کا ذکر ہے اور نہ ہی مترجم کے متعلق کسی قسم کی وضاحت کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ترجمہ غلام مصطفیٰ خاں نے ہی کیا ہو لیکن ان کے مقدمہ سے کسی قسم کی وضاحت نہیں ہوتی ہے۔ تاہم اس کتاب کی اولین اشاعت جناب غلام مصطفیٰ خاں کی کوششوں سے ۱۶؍رمضان ۱۳۸۳ھ کے آس پاس عمل میں آئی تھی کہ مذکورہ تاریخ ان کے مقدمہ پر مذکور ہے۔ رسالہ تہلیلیہ کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ ادارہ مجددیہ نے اسے شائع کیا تھا۔ عربی متن کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی شامل کتاب ہے۔

چھوٹی تقطیع کی یہ کتاب ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں عربی متن ہے جو ۴۴ صفحات (۵۔۴۸) پر مشتمل ہے باقی ماندہ صفحات میں سے ابتدائی چار صفحات غلام مصطفیٰ خاں کے مقدمہ اور متن کے اردو ترجمہ پر مشتمل ہے (۴۹۔۱۱۲) فاضل مرتب نے اس کا زمانہ تصنیف ۹۹۰ھ کے آس پاس قرار دیا ہے (اثبات النبوۃ ص ۱)

کتاب مذکور ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ دو بحثوں۔ نبوت کے معنی کی تحقیق اور معجزہ۔ پر محیط ہے۔ پہلا مقالہ دو حصوں میں منقسم ہے (امام سرہندی نے حصہ کو مسلک سے تعبیر کیا) پہلا حصہ (مسلک) بعثت اور نبوت کی حقیقت اور تمام مخلوقات کا اس کا محتاج ہونے کے ضمن میں ہے۔ دوسرا حصہ (مسلک) خاتم الانبیا ﷺ کی نبوت کے اثبات پر مشتمل ہے۔ دوسرے مقالہ کا عنوان مجدد علیہ الرحمہ نے فلاسفہ کی مذمت، ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہونے والا ضرر مقرر کیا ہے لیکن یہ مقالہ کتاب میں شامل نہیں ہے۔ اس مقالہ کا صرف عنوان پہلے مقالہ کے خاتمہ پر مذکور ہے۔ غلام مصطفیٰ خاں کے بقول یہ مقالہ انھیں کسی نسخہ میں نہیں مل سکا لہذا انہوں نے نہ ہونے سے ہونا بہتر کے مصداق پہلے ہی مقالہ کو شائع کر دیا۔

مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے مقدمہ سے قبل تمہیدی کلمات میں اس

کتاب کی وجہ تالیف کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ’’جب میں نے اس زمانہ میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا، پھر ایک شخص معین کی نبوت کے ثبوت اور تحقق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہوگیا...... جب میں نے دیکھا کہ یہ میری ذات پر ایک حق واجب ہے اور ایک لازمی قرض ہے جو بغیر ادائیگی کے ساقط نہیں ہوتا تو میں نے ایک رسالہ کی تالیف کی اور ایک مقالہ لکھا، اصل نبوت کا مطلب ثابت کرنے میں۔ پھر خاتم الرسل (علیہ من الصلوۃ افضلہا ومن التحیات اکملہا) کے حق میں اس کے ثبوت اور تحقق کے بیان میں اور منکرین اور اس کی نفی کرنے والوں کے شبہ کے ردّ میں اور فلسفہ کی مذمت اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے، اس کے بیان میں ایک مقالہ دلائل و براہین کے ساتھ لکھا جو میں نے قوم کی کتابوں سے اخذ کئے اور اس پر اضافہ اور الحاق کیا جو میرے درماندہ دل پر ظاہر ہوا‘‘ (ص ۵۰۔۵۵)۔

وجہ تالیف کے بعد کتاب کے ابواب کی تقسیم کے متعلق لکھا ہے کہ ’’یہ رسالہ ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مشتمل ہے اور مقدمہ میں دو بحثیں ہیں۔ پہلی بحث نبوت کے معنی کی تحقیق میں (ص ۵۵) دوسری بحث معجزہ میں (ص ۵۹)۔ پہلا مقالہ اور اس میں دو مسلک (حصے) ہیں: پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت میں اور تمام مخلوقات کے اس کی طرف احتیاج کے بیان میں ہے (ص ۶۸)۔ دوسرا مسلک خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کے اثبات میں (ص ۸۸)۔

مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنے تمہیدی کلمات میں ہی اصل مسئلہ یعنی نبوت کے اثبات پر بحث کرتے ہوئے معترضین کا اصل اعتراض نقل کیا ہے کہ ’’نبوت کا حاصل حکمت و مصلحت ہے اور عوام کو شہوات میں آزادروی، باہمی نزاع اور اختلاف سے محفوظ رکھنا ہے اور اس کو نجات اخرویہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا

تعلق صرف تہذیب اخلاق اور قلبی اعمال کے ان فضائل کی تحصیل سے ہے جنھیں حکماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ ...... (ص ۵۱۔۵۲) اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے شیخ سرہندیؒ رقمطراز ہیں ''تو میں کہتا ہوں کہ حکمت ازلیہ اور عنایت الٰہیہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی مقتضی ہے تاکہ نفوس بشریہ کی تکمیل اور قلبی امراض کا علاج کریں اور یہ اس کے بغیر میسر نہیں ہوسکتا کہ وہ نافرمانوں کو ڈرانے والے اور فرمانبرداروں کو خوش خبری سنانے والے ہوں اور اخروی عذاب وثواب کی خبر دینے والے ہوں...... بلکہ نجات اخروی اور سعادت ابدی بی بعثت سے مطلوب ہے۔ ...... (ص ۵۲۔۵۵)۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد مقدمہ لکھا ہے جو دو مباحث پر مشتمل ہے پہلے مبحث میں نبوت کے معنی کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔ اور نبوت کے متعلق متکلمین وفلاسفہ کی آراء نقل کرتے ہوئے ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اسی ضمن میں فلاسفہ کے بیان کردہ ان تین خواص کا ذکر کیا گیا ہے جن سے متصف ہونا ہر نبی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ ان تینوں خواص کے متعلق امام سرہندی نے اپنی آراء بیان کی ہیں (ص ۵۵۔۵۹)۔

مقدمہ کا دوسرا مبحث ''معجزہ'' کی تفصیل اور اس کی شرائط کے بیان میں ہے امام سرہندی نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''معجزہ سے ہمارے نزدیک مراد وہ چیز ہے جس سے اس شخص کی صداقت کا اظہار مقصود ہو جو اس کا دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا رسول ہے (ص ۵۹) اس کے بعد معجزہ کے ظہور کے لئے سات شرائط کا ذکر کرتے ہوئے آخری شرط میں معجزہ وکرامت کا فرق بتایا ہے (ص ۶۰) اس کے علاوہ انھوں نے معجزہ کے متعلق دیگر امور کو بھی بیان کیا مثلاً جھوٹے کے ہاتھ سے معجزہ کا ظہور ہوگا کہ نہیں۔ اس ضمن میں معتزلہ، اہل سنت وجماعت ودیگر افراد کی آراء بیان کرنے کے بعد اپنی رائے نقل کی ہے کہ ''اگر اللہ سبحانہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کردے تو اس معجزہ سے اس شخص کے صدق کا اعتقاد عادتاً متخلف نہ ہوگا اور اس کے صدق کا علم عادی اس کو لازم ہے۔ اس

لئے کہ عادت بھی حس کی طرح علم کا ایک ذریعہ ہے لیکن کاذب کے صدق کا علم محال ہے۔ نیز معجزہ کا ظاہر کرنا اللہ کی طرف سے کاذب کی تصدیق ہوگی اور کاذب کی تصدیق کذب ہے'' (۶۵۔۶۷)۔

مقدمہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو دو مقالوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔

اولین مقالہ کے پہلے حصہ میں بعثت و نبوت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے تمام مخلوقات کا اس کا محتاج ہونا ثابت کیا گیا ہے (ص ۶۸۔۸۸)۔

اولین مقالہ میں تمہیدی کلمات کے بعد نبوت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے امام سرہندی رقمطراز ہیں ''نبوت سے مراد وہ درجہ ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی کہ اس کی روشنی میں غیب اور وہ دیگر امور ظاہر ہوتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی اور نبوت میں شک یا تو اس کے امکان میں یا اس کے وجود میں واقع ہوگا حالانکہ اس کا وجود اس کے امکان کی دلیل ہے اور اس کے وجود کی دلیل وہ علوم و معارف ہیں جن کا عقل سے حاصل ہونا متصور نہیں ہو سکتا ..... بلکہ اس جنس کا ادراک جو مدرکات عقل سے خارج ہے نبوت کے خواص میں سے ایک ہے'' (ص ۷۰۔۷۱)۔

اس کے بعد فلاسفہ کی نگاہ میں بعثت کا ذکر کرتے ہوئے اس کا انکار کرنے والوں کے نو (۹) اعتراضات نقل کئے ہیں اور ہر ایک اعتراض کا شافی جواب دیا ہے (ص ۷۱۔۸۸) خصوصاً چوتھے اعتراض تکلیف مالا یطاق کا تفصیل سے جواب دیا ہے (ص ۷۵۔۸۲)۔

مذکورہ مقالہ کے دوسرے مبحث میں بعثت و نبوت کی حقیقت و ضرورت بیان کرنے کے بعد اس عہد کے سب سے بڑے فتنہ یعنی نبوت کے انکار کا سد باب کرتے ہوئے آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کو دلائل و مثالوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ جب نجومیوں کی بات اور نقش وغیرہ پر اعتبار کیا جا سکتا ہے تو نبی کی بات پر

کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ کیا صرف اس لئے کہ نبوت کا مسئلہ عقل کے خانے میں فٹ نہیں آتا ہے؟ وہ لکھتے ہیں ''کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جن لوگوں کی عقلیں ان عجیب باتوں کو قبول کرتی ہیں اور وہ اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ یہ ایسے خواص ہیں جن کا علم بعض انبیاء کا معجزہ ہے تو پھر اس قسم کی باتوں کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں جو نبی صادق سے سنی ہیں اور ان کی تائید معجزات کے ذریعہ کی گئی ہے اور ان کا کذب کبھی معلوم نہیں ہوا۔ رکعات کی تعداد میں، رمی جمار میں، ارکان حج کی تعداد اور دیگر شرعی تعبدات میں ان خواص کا امکان ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا حالانکہ ہم ان میں اور دواؤں اور نجوم کے خواص میں کوئی فرق نہیں پاتے'' (ص ۹۱۔۹۲)۔

اثبات نبوت کے تمہیدی کلمات کے بعد انھوں نے علماء کرام کے حوالے سے آپ ﷺ کی نبوت کے اثبات کے تین دلائل دیئے ہیں (ص ۹۵۔۱۱۲) آپ ﷺ کے توسط سے معجزات کے ظہور کا ذکر کرتے ہوئے خصوصاً دلیل اول ''قرآن کا معجزہ ہونا'' کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے معجزہ ہونے کی کئی دلائل دیتے ہوئے اس کے اعجاز کی کئی شکلیں بیان کی ہیں اور اس کے معجزہ ہونے پر معترضین کے اعتراضات کے جوابات تفصیل سے دیئے ہیں (ص ۹۵۔۱۰۸)۔

قرآن کے علاوہ دیگر معجزات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''باقی دیگر معجزات مثلاً شق قمر، جمادات کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی طرف حرکت کر کے آنا اور حیوانات کا کلام کرنا اور اس قسم کے افعال بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں، تو یہ معجزات اگرچہ ان میں سے ہر ایک متواتر نہیں لیکن ان کے درمیان قدر مشترک یعنی معجزہ کا ثبوت بلاشبہ متواتر ہے...... اور یہ اثبات نبوت میں ہمارے لئے کافی ہے'' (ص ۱۰۸)۔

کتاب کی ورق گردانی سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مختلف

مقامات پر آیات قرآنی اور احادیث نبویہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ دیگر متعدد مصادر کے حوالے بھی ملتے ہیں لیکن مؤلف علیہ الرحمہ نے ان کے حوالے نقل کرنے کے ضمن میں مختلف طریقے اختیار کیے ہیں بسا اوقات مصنف اور کتاب دونوں کا نام دیتے ہیں جیسے امام غزالی کی احیاء علوم الدین (ص ۵۲) اور المنقذ من الضلال (ص ۷۱)، سید شریف جرجانی کی شرح المواقف (ص ۶۱، ۶۲)، تو کبھی صرف مصنف کا ذکر کرتے ہیں مثلاً امام غزالی (ص ۹۴، ۱۰۸)، جاحظ (ص ۹۹، ۱۰۸)، امام باقلانی (ص ۹۹)، نظام معتزلی (ص ۱۰۰) امام مرتضیٰ شیعی (ص ۱۰۰) امام رازی (ص ۱۱۰) کا حوالہ دیتے ہیں۔ بسا اوقات مصنف کا ذکر کئے بغیر صرف کتاب کا نام بیان کر دیتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھا ہے قال الامام فی المطالب العالیة" (ص ۴۸)، اسی طرح بعض غیر واضح مصادر سے استفادہ کا بھی پتہ چلتا ہے مثلاً بعض مقامات پر "قال الشیخ وبعض اصحابنا (ص ۱۶)، قال القاضی (ص ۱۶)، ماقالہ حکماء الاسلام (ص ۲۴)، ماقالت المعتزلة (ص ۲۶)، العلماء اور دوافی اثبات نبوة ﷺ (ص ۳۷)، قال اهل العربیة (ص ۳۹) اور قال الاستاذ (ص ۴۰) حاشیہ پر لکھا۔ لعله الغزالی) جیسی عبارتیں ملتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یقینی طور پر ان کے سامنے کچھ نہ کچھ دیگر مصادر بھی تھے جس کی تائید ان کے اس قول سے بھی ہوتی ہے "......اس کے بیان میں ایک مقالہ دلائل و براہین کے ساتھ لکھا جو میں نے قوم (غالباً علما مراد ہے) کی کتابوں سے اخذ کیے" (ص ۵۵)۔ اسی طرح انھوں نے قرآن کے معجزہ ہونے کی بحث میں ایک عربی شعر سے بھی استشہاد کیا ہے (ص ۱۰۷)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کتاب میں انھوں نے اثبات وضرورت نبوت کے متعلق معترضین کے اعتراضات کے مدلل جوابات لکھے ہیں اور ان کے ذریعہ سے اس فتنہ کا سد باب کیا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین کے

طور پر اسلام کو منتخب کیا ہے لہذا جب بھی کوئی فتنہ سامنے آتا ہے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی شخصیت سامنے آجاتی ہے اور وہ اپنی کوششوں وقربانیوں سے اسلام پر چھائے غبار کو صاف کر کے اس کی حقانیت کو ثابت کرتی ہے جیسا کہ دسویں وگیارہویں صدی ہجری میں امام سرہندی نے اسلام واسلامی شریعت کی حقانیت وصداقت ثابت کرنے کے لئے اپنا اصلاحی مشن جاری کیا تھا۔

کتاب کے مباحث سے اگر ایک لمحہ کے لئے قطع نظر کرلیا جائے تو اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی عربی زبان لکھنے پر قدرت اور اپنے مافی الضمیر کو عمدہ پیرایہ بیان میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ عربی زبان پر ان کی قدرت کا یہ عالم تھا کہ بقول مصنفِ ''زبدۃ المقامات'' فیضی جیسے صاحبِ زبان کو سواطع الالہام میں ایک جگہ دشواری پیش آرہی تھی لہذا انھوں نے غیر منقوط الفاظ بتا کر اس کی پریشانی کو دور کر دیا تھا۔[۲] امام سرہندی کی عربیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کتاب میں بعض مقامات پر ان کے قلم سے سلاست وفصاحت سے بھرپور خوبصورت جملے نکل گئے ہیں۔ ان تحریروں کو پڑھ کر حیرت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے کہ یہ تحریر اس زمانہ کی یادگار ہے جسے عربی زبان وادب کا عصرِ انحطاط قرار دیا جاتا ہے۔ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے زور بیان کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے کہ اس جیسے نمونے کئی جگہوں پر موجود ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی جامعیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' **وکان فی غایۃ الفصاحۃ کما قال اوتیت جوامع الکلم مع کونہ امیا، وقد تحمل فی تبلیغ الرسالۃ انواع المشقات حتی قال ما اوذی نبی مثل ما اوذیت وصبر علیها بلافتور فی عزیمته، ولما استولی علی الاعداء وبلغ الرتبۃ الرفیعۃ فی نفاذ امره فی الاموال والانفس لم یتغیر عما کان علیه بل بقی من اول عمره الی آخره علی طریقۃ واحدۃ مرضیۃ وکان فی غایۃ الشفقۃ علی امته حتی**

خوطب بقوله "فلاتذهب نفسک علیهم حسرات" وقوله "فلعلک باخع نفسک علی آثارهم" وفی غایة السخاوة حتی عوتب بقوله "ولاتبسطها کل البسط "وکان عدیم الالتفات إلی زخارف الدنیا حتی ان قریشا عرضوا علیه المال والزوجیة والریاسة حتی یترک دعواه فلم یلتفت إلیه" (ص۴۶)۔

۲۔ الرسالة التهليلية:

امام ربانی کی دوسری عربی کتاب کا نام الرسالۃ التہلیلیۃ ہے۔ یہ رسالہ چھوٹی تقطیع پر چھپا ہوا ہے اور ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے اور وہ اس طرح کہ رسالہ کے ایک صفحہ پر عربی متن ہے اور اس کے بالمقابل اس کا اردو ترجمہ ہے۔ اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر صفحہ کے عربی متن کا مکمل ترجمہ اس کے مدمقابل صفحہ پر پورا آجائے۔ اگر اس رسالہ کے صفحات کو اردو اور عربی کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۲۱ صفحات پر عربی متن مشتمل ہے اور اتنے ہی صفحات پر اردو ترجمہ محیط ہے۔ باقیماندہ چھ صفحات میں کتاب کا ٹائٹل، مرتب کا مقدمہ (۲۔۵) اور حواشی وتعلیقات ہیں۔ یہ تعلیقات کتاب کے بالکل آخر میں ہیں (ص ۴۸)۔

اس رسالہ میں کلمہ طیبہ کے اسرار ورموز سے بحث کی گئی ہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب نے اپنے مقدمہ میں اس رسالہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے " حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس رسالہ میں کلمۂ طیبہ ہی سے متعلق مندرجہ ذیل امور سے بحث کی ہے یعنی لفظ اللہ کی تحقیق، لفظ اللہ کے لطائف، دلیل توحید، فلاسفہ کی دلیل، قرآن وسنت کی روشنی میں کلمۂ توحید کے فضائل، حضور انور ﷺ کی رسالت کے دلائل ومعجزات وغیرہ۔ ایسی بحث دوسرے بزرگوں کے یہاں بھی آجاتی ہے لیکن امام موصوف نے اپنے زمانے کے جابرانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف نہ صرف نظری بلکہ عملی طور پر بھی اعلائے کلمۃ الحق فرماکر

''دارورسن'' کی اذیتیں جھیلی ہیں۔ اس لئے یہ رسالہ علمی اور تاریخی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔''

فاضل مرتب نے اس کا زمانۂ تصنیف ۱۰۰۷ھ کے بعد کا قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں انھوں نے اپنی کتاب "اثبات النبوۃ" اور اپنے والد ماجد خواجہ عبدالاحد (م ۱۰۰۷ھ) کی کتاب ''کنزالحقائق'' کا ذکر کیا ہے اور والد کے نام کے ساتھ ''قدس سرہ العزیز (متن میں صرف قدس سرہ مذکور ہے) لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۰۰۷ھ کے بعد کی تصنیف ہے۔

رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہے حالانکہ مصنف نے اسے تقسیم کرنے کی وضاحت نہیں کی ہے پہلے حصہ میں لا إلـٰه إلا الله سے متعلق نحوی، لغوی اور دیگر مباحث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (۶۔۳۷) دوسرے حصہ میں کلمہ کے دوسرے حصہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بحث کی گئی ہے۔ اس حصہ میں امام ربانی نے آپ ﷺ کی اثبات نبوت کے مختصر دلائل پیش کئے ہیں۔ اس حصہ کو ہم ''اثبات النبوۃ'' کا خلاصہ بھی کہہ سکتے ہیں (۳۷۔۴۷)۔

اس رسالہ میں متعدد مقامات پر آیات قرآنی واحادیث نبوی نقل کی گئی ہیں دیگر مصادر میں سید شریف جرجانی کا حاشیہ کشاف (ص ۸)، ابن حاجب کی کافیہ (ص ۸)، امام بخاری وامام مسلم کی صحیحین (ص ۲۰)، امام احمد کی مسند احمد اوامام احمد ترمذی کی سنن اور شرح السنۃ (ص ۲۴) کے علاوہ عضدالدین عبدالرحمٰن ایجی کی شرح مواقف، صدرالدین قونوی کی النصوص (ص ۲۸) شامل ہیں۔ ان کے علاوہ قاضی بیضاوی (ص ۱۴)، شیخ عراقی، ولی الدین ابوزرند وجنید بغدادی (ص ۳۲)، ابن عربی جیسے ائمہ فن کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مزید براں انھوں نے اپنے والد ماجد کے رسالہ کنزالحقائق اور عبدالقدوس حنفی کے فارسی مکتوبات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مصادر بیان کرنے میں ان کا طریقۂ کار یکساں نہیں ہے کہ کہیں کہیں وہ کتاب ومصنف دونوں کا ذکر

کرتے ہیں تو بسا اوقات صرف مصنف کے نام پر اکتفا کرتے ہیں تو کہیں صرف کتاب کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی کبھی بغیر صراحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں مثلاً بعض محققین نے فرمایا (ص ۱۷)، منها ماقال المفسرون (ص ۲۴)۔ کتب کے علاوہ انھوں نے متعدد مقامات پر فارسی اور عربی اشعار بھی نقل کئے ہیں مترجم نے ان کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔

اس رسالہ کی زبان بھی عمدہ ہے نمونہ ملاحظہ فرمائیں ''واما بحسب المعانی فانت إذادعوت الله فكانت دعوته بجميع الصفات بخلاف سائرالاسماء ولهذا صحت كلمة الشهادة۔''

۱۳۸۶ھ/۱۹۶۵ء میں ادارہ مجددیہ کے زیر اہتمام چھپنے والے اس رسالہ کا اردو ترجمہ رشید احمد ارشدؔ نے کیا ہے۔

۳۔ مکتوبات امام ربانی: بقول مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ''یہ حضرت مجدد کی سب سے بڑی علمی، اصلاحی وتجدیدی یادگار اوران کے وہبی کمالات، مجتہدانہ ومجددانہ مقام، تحقیق ومعرفت اور ان کے دلی جذبات واحساسات کا آئینہ ہے جن کی بنا پر ان کو مجدد الف ثانی کا لقب دیا گیا''[۳]۔

ان مکتوبات کی زبان فارسی ہے لیکن بعض مکتوبات عربی میں بھی لکھے گئے ہیں۔ مستقل بالذات عربی مکاتیب کے علاوہ متعدد خطوط کے درمیان عربی عبارات بھی ملتی ہیں۔ مزید براں اِن مکتوبات میں ان کی اپنی تحریروں کے علاوہ آیات قرآنی واحادیث نبویہ سے جابجا استشہاد ملتا ہے اور وہ تحریروں میں بالکل نگینے کی طرح جڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ قرآنی آیات واحادیث نبویہ کے مقامِ استدلال سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا عربی کا ذوق کتنا پاکیزہ وعمدہ تھا۔ قرآنی آیات واحادیث کے علاوہ انھوں نے متعدد مکاتیب میں مختلف عربی کتب کی عبارتیں اپنے مسلک کی تائید میں نقل کی ہیں۔

مکتوبات امام ربانی میں بعض مکاتیب عربی زبان میں لکھے گئے ہیں۔

ان مکتوبات کو ہم نے مکتوبات امام ربانی مرتبہ مولانا نور احمد، نور کمپنی، انار کلی لاہور (ب۔ ت) سے نقل کیا ہے۔ اس ایڈیشن کی ہمیں صرف دو جلدیں (دفتر) دستیاب ہوسکیں ورنہ شاید مکاتیب عربی کی تعداد میں مزید اضافہ ہوسکتا تھا۔ اس ایڈیشن کی جلد اول (دفتر اول) میں تین حصے ہیں اور ان تمام حصوں میں مکاتیب کے نمبر شمار تسلسل سے بیان کئے گئے ہیں جلد دوم (دفتر دوم) میں جلد اول کے باقیماندہ حصے یعنی حصہ چہارم وپنجم شامل ہے ان پانچوں حصوں میں مکاتیب کا نمبر شمار مسلسل ہے لیکن ہر حصہ کے صفحہ نمبر نئے سرے سے شروع ہوتے ہیں اسی لئے ان پانچ حصوں میں شامل خطوط کے نمبر شمار تو مسلسل ملتے ہیں لیکن صفحات نمبر بدلتے رہتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تسلسل نہیں پایا جاتا ہے۔

حصہ ششم سے جلد دوم (دفتر دوم) کی شروعات ہوتی ہے اور اس حصہ سے مکاتیب کے نمبر شمار کا نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس جلد کے آخر میں نئی جلد میں حصہ ہفتم شروع ہونے کا ذکر ہے لیکن چونکہ ہمیں وہ جلد دستیاب نہ ہوسکی اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں کل کتنے عربی خطوط شامل ہیں۔

مکتوبات امام ربانی (جلد اول) میں حسب ذیل مکاتیب عربی میں لکھے گئے ہیں:

مکتوب نمبر ۲۱: یہ مکتوب محمد کلی بن موسی لاہوری کے نام لکھا گیا ہے اور اس میں ولایت کے درجات خصوصاً ولایت محمدی کے ساتھ طریقۂ نقشبندیہ کی مدح، اس کا فضل اور تمام طرق پر اس کی افضلیت بیان کی گئی ہے (ص۴۹۔۵۴)۔

مکتوب نمبر ۲۲: یہ مکتوب شیخ عبدالمجید بن مفتی محمد لاہوری کے نام لکھا گیا ہے اور اس میں روح ونفس کے درمیان تعلق کے علاوہ ان سے متعلق دیگر امور بیان کئے گئے ہیں (ص۵۴۔۶۰)۔

مکتوب نمبر ۲۳: اس کے مکتوب الیہ عبدالرحیم خانخاناں ہیں یہ خط ان کے اس خط کے جواب میں لکھا گیا تھا جس میں انھوں نے پیر ناقص سے اخذ

طریقہ (تصوف) اور اس کے مضرات وغیرہ کے بارے میں استفسار کیا تھا (ص ۶۰۔۶۵)۔

مکتوب نمبر ۲۴: اس کے مکتوب الیہ محمد قلیج خاں ہیں اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے صوفی کائن و بائن ہوتا ہے اور دلی تعلق صرف کسی ایک سے ہو سکتا ہے (ص ۶۵۔۶۹)۔

مکتوب نمبر ۲۵: یہ خط خواجہ جہاں کے نام لکھا گیا ہے جس میں انھیں آپ ﷺ اور آپؐ کے خلفائے راشدین کی پیروی پر ابھارا گیا ہے (ص ۶۹۔۷۰)۔

مکتوب نمبر ۲۶: یہ خط مولانا حاجی محمد لاہوری کے نام لکھا گیا ہے کہ شوق کی منازل ابرار کے لئے ہوتی ہیں نہ کہ مقربین کے لئے۔ (ص ۷۰۔۷۵)۔

مکتوب نمبر ۱۳۵: اس کے مکتوب الیہ محمد صدیق ہیں جس میں ولایتِ عمومی و خصوصی کے مراتب کے ساتھ ساتھ خواص کی خصوصیات بیان کی گئی ہے (دفتر اول حصہ سوم ص ۱۶۔۱۹)۔

مکتوب نمبر ۱۵۸: حمید بنگالی کے نام لکھے گئے اس مختصر مکتوب میں استعداد کے مطابق مراتب کمال کے تفاوت کو بیان کیا گیا ہے (ایضاً ص ۴۰۔۴۱)۔

مکتوب نمبر ۲۰۵: خواجہ محمد اشرف کابلی کے نام لکھا جانے والے یہ خط ان کے عربی خطوط میں شاید سب سے مختصر ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی پیروی کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس خط کا فارسی ترجمہ مذکور نہیں ہے (ایضاً ص ۱۱۲)۔

مکتوب نمبر ۲۴۷: مرزا حسام الدین احمد کے نام لکھے گئے اس خط کی صرف ابتدائی دو سطر فارسی میں ہے۔ جس میں حق تعالیٰ کے وجود کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اس خط کا پس منظر ذکر کرنے کے بعد جواب عربی میں تحریر کیا ہے (دفتر اول حصہ چہارم، ص ۵۵۔۵۶)۔

مکتوب ۲۸۹: مولانا بدرالدین کے نام لکھا گیا یہ خط شاید ان کا سب سے طویل عربی خط ہے جس میں قضا و قدر کے اسرار بیان کئے گئے ہیں۔ خط کا

سرنامہ فارسی میں ہے اور پورا مکتوب عربی میں ہے (دفتر اول حصہ پنجم، ص ۸۱۔۹۵)

مکتوب نمبر ۲۹۷: اس کے مکتوب الیہ مولانا بدر الدین سرہندی ہیں۔ اس خط کا بھی صرف سرنامہ بھی فارسی میں ہے بقیہ پورا خط عربی میں ہے جس میں ذات الٰہی کے احاطہ کرنے کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے (حصہ چہارم، دفتر اول، ص ۱۴۰۔۱۴۴)۔

مکتوبات امام ربانی (جلد دوم) کے حسب ذیل خطوط عربی میں ہیں:

مکتوب نمبر ۱۹: میر محب اللہ کے نام لکھے گئے اس عربی خط کا سرنامہ بھی فارسی میں ہے جس میں اتباعِ سنت اور بدعت سے بچنے کا بیان ہے، اس خط کا بھی فارسی ترجمہ نہیں دیا گیا ہے۔؎

مذکورہ بالا مکمل عربی خطوط کے علاوہ متعدد خطوط میں عربی عبارات پائی جاتی ہیں جن میں سے بعض ائمہ کی جانب منسوب ہے مثلاً **قال الامام الاشعری، فی الفتاوی السراجیة** تو بعض جگہ انھوں نے طبع زاد تحریریں نقل کی ہیں۔ بعض خطوط میں پے درپے احادیث نقل کی گئی ہیں مثلاً حصہ ششم، دفتر دوم کے خط نمبر ۳۶ کے آخر میں فضائل اہل بیت کے سلسلہ میں متعدد احادیث نقل کی گئی ہیں۔ نمونے کے طور پر حسب ذیل خطوط کے صرف نمبر دیے جا رہے ہیں جن میں عربی عبارتیں پائی جاتی ہیں حصہ اول کے مکتوب نمبر ۴۴، ۵۹، ۹۸، ۲۰۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۷۷، ۲۸۸، ۲۹۳، ۳۱۲ کے علاوہ حصہ دوم کے مکتوب نمبر ۱، ۳، ۱۵، ۳۶ میں بھی طویل طویل عربی عبارتیں ہیں جن میں سے کچھ ان کی ہے اور کچھ انھوں نے مصادر سے نقل کی ہیں۔ مصادر سے نقل کی گئی عبارتوں کا حوالہ بھی اس لئے دیا گیا ہے کہ ان کے متعلق حتمی طور پر یہ کہنا کہ ان کی تحریر نہیں ہے اسی وقت مناسب ہوگا جب مذکورہ مصادر سے ان عبارتوں کا موازنہ کر لیا جائے۔ کیونکہ بہر حال اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ انھوں نے ان مصادر میں مذکور عبارتوں کی تلخیص اپنی زبان میں کر دی ہو۔

ان کے عربی مکاتیب کی زبان میں بھی سلاست وفصاحت پائی جاتی ہے نمونۂ تحریر ملاحظہ فرمائیں...... وان کانت البدعة تری مثل فلق الصبح لانه فی الحقیقة لانور فیها ولا ضیاء ولاللعلیل منها شفاء ولاللداء منها دواء، کیف والبدعة، امارافعة للسنة او ساکتة عنها[۵]۔

شیخ مجدد کی عربی نگارشات کے جائزہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان میں انھوں نے بڑے اہم وقیمتی مضامین پر بحث کی ہے خاص طور سے اپنے عربی رسائل میں نے جس مدلل انداز میں عقیدۂ توحید ونبوت کو ثابت کیا ہے اور ان کی اہمیت جاگزیں کی ہے اور عربی مکتوبات میں جس طرح سنت کی اتباع اور شریعت کی پیروی پر انھوں نے زور دیا ہے وہ اس وقت کے پرفتن حالات میں بڑی اہمیت رکھتے تھے اور آج بھی ان کی معنویت وافادیت مسلم ہے۔

☆☆☆

حواشی ومراجع

۱ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، ۲۰۰۰ء، ۴/۱۹۵۔۱۹۸۔

۲ مجدد الف ثانی، اثبات النبوۃ، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۳۸۳ھ، ص ۱ (مقدمہ)

۳ تاریخ دعوت وعزیمت، ۴/۴۰۲

۴ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی (مع حواشی وشرح) مرتبہ مولانا نور احمد نقشبندی، نور کمپنی، لاہور (بدون تاریخ، دفتر دوم حصہ ششم، ص ۵۲۔۵۳۔

۵ حوالہ مذکور، ص ۵۲

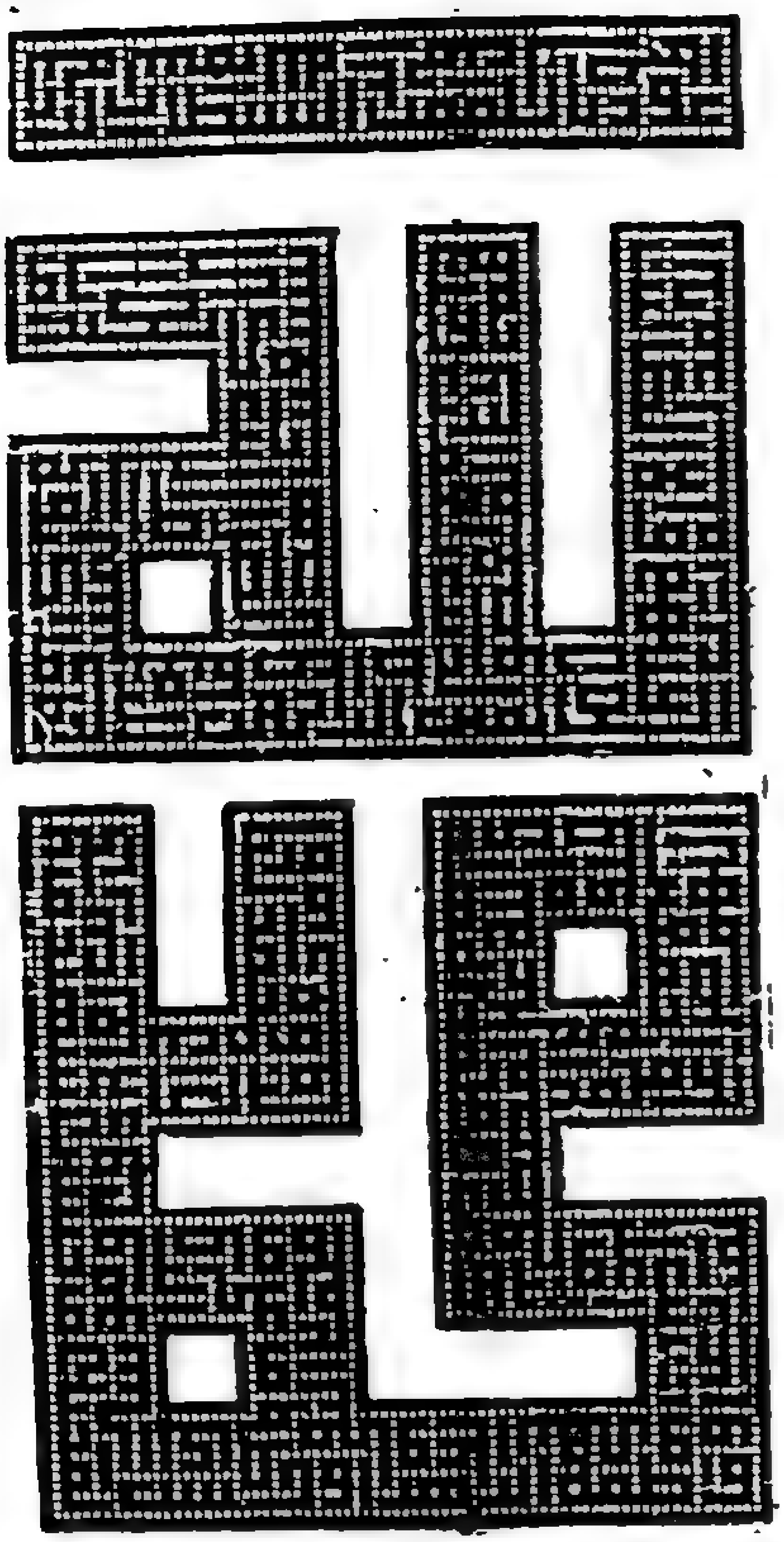

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمْ
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی کی علم پروری اور علماء نوازی

صاحب زادہ بدر الاسلام صدیقی

☆☆

اسلام میں علم کی اہمیت اور مقصد:

اسلام کی رو سے علم کی اہمیت کتنی ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ لفظ اپنی مختلف اشتقاقی صورتوں میں قرآن مجید میں بقول ''دائرہ معارفِ اسلامیہ'' ۸۷۷ مرتبہ آیا ہے۔ ۱

قرآن مجید میں علم اور اس کے مشتقات کی اتنی کثرت سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت مزید اس وقت عیاں ہوتی ہے جب ہم قرآن مجید میں مزید غور کرتے ہیں کہ یہ لفظ اپنے جزوی مترادفات (مثلاً عقل ۲، شعور ۳، تفقہ ۴، تدبر ۵ وغیرہ) کے مشتقات کی صورت میں بکثرت وارد ہے۔

قرآن مجید کے بعد اسلام میں احادیث مبارکہ کا مقام آتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں یہ لفظ کثرت سے مستعمل ہے۔ اس کے استعمال کے مختلف مقامات پر نظر ڈالنے کے لیے الفاظِ احادیث اور موضوعات احادیث کی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ ۶

ان حقائق کی روشنی میں اگر یوں کہا جائے کہ اسلام میں علم کو مافوق الکل اہمیت حاصل ہے۔ تو بے جا نہ ہوگا انسان کی شرافت و عظمت کا راز اس کے موصوف بالعلم ہونے میں ہے اسی کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ تھے۔ ۷

اسلامی تعلیمات کی رو سے علم کا مقصد اولین ذاتِ باری اور اس کی صفات کی معرفت ہے۔ اس کے ساتھ ساری بالخصوص بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود بھی اس کا مقصد ہے۔ لیکن اس مقصد سے مراد صرف

مادی اور دنیوی عیش وعشرت، خوش حالی، فراخ دستی اور فلاح و بہبود نہیں جیسا کہ مغرب کے ہاں اس کا مقصد خیال کیا جاتا ہے بلکہ اس فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ روحانی فلاح و بہبود بھی اس کا مقصد ہے۔

علم کی اقسام:

علم ایک مسلسل وسعت پذیر حقیقت ہے۔ اس کی وسعتیں روز افزوں ہیں، علمائے کرام نے مختلف زمانوں میں اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی متعدد تقسیمات کے تحت متعدد اقسام بیان کی ہیں۔ ۸

ان میں بعض علوم فائدہ مند اور نفع بخش ہیں اور بعض علوم نقصان رساں ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی صرف مفید علوم کے حصول کا لوگوں کو شوق دلاتے اور غیر مفید علوم میں وقت ضائع کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً فلسفہ وغیرہ کہ اس کے متعدد اصول، اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے اجداد کرام کی علم پروری:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ستائیسویں پشت سے ہیں آپ کو علم پروری کا جذبہ آباؤ واجداد سے وراثت میں ملا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کے آباء واجداد میں تقریباً ہر فرد ہی آسمان علم وعرفان کا آفتاب ومہتاب تھا۔ اس حقیقت کی صداقت کو جاننے کے لیے ہم کو سرسری طور پر ان نفوس قدسیہ کی علمی استعداد کے بارے میں تاریخی تصریحات پر طائرانہ نظر ڈالنا مفید ہوگا۔ تمام آبائے کرام کا ذکر موجب طوالت ہوگا صرف چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱.....حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی علمی استعداد اظہر من الشمس ہے آپ کے علمی مقام اور معارف پروری کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد کافی ہے۔

لو کان بعدی نبیاًلکان عمر

''اگر میرے بعد کوئی نیا نبی ہوتا تو وہ عمر فاروق ہوتے''

۲.....حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، آپ مکثرین فی الحدیث میں فائق تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد آپ کا مقام ہے۔ چنانچہ (۲۶۳۰) احادیث آپ سے مروی ہیں۔ محدثین کرام جس سند کو سلسلۃ الذہب کہتے ہیں اس کی آخری کڑی آپ کی ذات ستودہ صفات ہی ہے جو یوں ہے۔ مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔ ۹

۳...... حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کی علم پروری اور علماء نوازی کا، مقام اس حقیقت سے عیاں ہے آپ مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ کے رکن رکین ہیں۔ ۱۰

اور صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں آپ سے روایات موجود ہیں۔ ۱۱

۴...... حضرت شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ آپ تابعین سے تھے۔ ۱۲

۵. .... حضرت اسحاق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین سے تھے مجتہدین میں آپ کی شان نرالی تھی۔ ۱۳

۶...... حضرت شیخ ابوالفتح بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ آپ بھی تبع تابعین سے تھے۔ ۱۴

۷...... حضرت شیخ عبداللہ واعظ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے محدثین اور مجتہدین کے سردار تھے۔ ۱۵

۸...... حضرت شیخ عبداللہ واعظ الاصغر رحمۃ اللہ علیہ علم ظاہری میں آپ کو کمال تھا اکثر علماء آپ سے استفادہ کرتے۔ ۱۶

۹...... حضرت شیخ مسعود بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے علمی وروحانی مرتبہ سے متاثر ہو کر خلفائے بنی عباس نے آپ کو مکہ مکرمہ سے بغداد میں اپنے ہاں بلا لیا تھا۔ ۱۷

۱۰...... حضرت شیخ سلیمان بن مسعود آپ جید عالم تھے اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ۱۸

۱۱...... حضرت سلمان شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی رحمۃ اللہ علیہ آپ ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہونے کے ساتھ کابل کی سلطنت کے حکمران تھے۔ ۱۹

۱۲...... امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ سرہند شریف کے بانی ہیں ظاہری اور باطنی علوم میں یکتا تھے آپ نے چار سو مشائخ کبار سے استفادہ فرمایا تھا۔ حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے خلیفہ، امام نماز اور داماد تھے۔

۱۳...... حضرت مخدوم عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ ابھی تحصیل علم میں مشغول تھے کہ والد کے وصال کے بعد سجادگی کی ذمہ داریاں سر پر آن پڑیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے بیعت کی اور اوراد و اشغال میں مصروف ہوئے، لیکن شیخ کے فرمان پر تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ دینی علوم کی تکمیل کے بعد حضرت شیخ رکن الدین گنگوہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۲۰

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم تھے بڑے بڑے فضلاء اور علماء آپ کے سامنے زانوں تلمذتہ کرتے اصحاب ذوق وشوق دور دور سے آپ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے۔ شہزادہ داراشکوہ

کے استاد شیخ میرک آپ ہی کے شاگرد اور دست گرفتہ تھے۔ آپ کی قیام گاہ صوفیہ کے لیے خانقاہ اور علماء کے لیے دار العلوم کی حیثیت رکھتی تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی علم وعرفان کے ماحول میں آنکھ کھولی آپ نے والد ماجد کے جاری کردہ چشمہ علموعرفان سے خوب خوب استفادہ فرمایا۔ آپ کے دیگر برادران بھی جید عالم تھے اس کی گواہی حضرت شیخ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دی۔[٢١]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی علم پروری اور علماء نوازی:

آپ ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ علم کی خدمت کا مقدس کام شروع فرمادیا تھا چنانچہ آپ کے تمام تذکرہ نگار اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ جہاں کہیں دقیق عبارت ہوتی آپ نہایت وضاحت سے حل کر کے اس پر حاشیہ تحریر فرمادیتے۔[٢٢]

سترہ سال کی عمر مبارک ہوئی تو آپ فارغ التحصیل ہو گئے اس کے بعد مسند کو زینت بخشی۔ مختلف ممالک سے صدہا طلبہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ دن رات درس وتدریس کا مشغلہ جاری رہتا اور حدیث وتفسیر کا حلقہ گرم رہتا۔ بہت سے علماء آپ کی اس درس گاہ سے فارغ ہوئے۔

آگرہ میں قیام اور خدمت:

علم کے حصول کے کچھ عرصہ بعد جب کہ آپ پر جوانی کا عالم تھا آپ نے اکبر آباد (اگرہ) کا رخ کیا۔ تا کہ وہاں جا علمی فیض کو عام کیا جاسکے۔ وہاں پہنچنے کے چندروز بعد ہی آپ کے علم وفضل کی وہ شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے علماء حدیث وتفسیر میں آپ سے سند حاصل کرنا اپنے لیے فخر کا باعث سمجھنے لگے۔ وہیں ابو الفضل اور ابو الفیض فیضی سے آپ کی ملاقات ہوئی انہوں نے بھی آپ سے علمی استفادہ کیا چنانچہ ”سواطع الالہام“ کا ایک مقام فیضی آپ کی امداد واعانت سے لکھنے پر قادر ہوا۔

اسی قیام آگرہ کے دوران آپ نے ایک ایسی علمی خدمت سرانجام دی جس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگادیے۔ یعنی اپنی کتاب ردّ روافض تحریر کی۔ جو اپنے موضوع پر اس قدر جامع ہے کہ شیعہ علماء میں سے کسی سے اس کا رد لکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ قیام آگرہ کے دوران جہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری فرمایا وہیں تصنیف وتالیف کے شعبہ میں قابل ذکر خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ ”رسالہ تہلیلہ“ اور

''اثبات النبوۃ'' بھی اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کی بنا پر آپ کو واپس سرہند شریف آنا پڑا۔ واپس آکر اپنے والد ماجد کی خانقاہ اور دار العلوم میں دوبارہ مصروف افادہ علم ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی زندگی کا اہم موڑ آپ کی حضرت خواجہ خواجگان شیخ باقی باللہ قدس سرہ سے ملاقات کے بعد آتا ہے۔ آپ سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ کے افادہ اور فیض رسانی کیفیت اور کمیت میں کئی گناہ اضافہ ہوگیا۔ اس کے بعد اگرچہ آپ کی مصروفیات میں طالبان طریقت کی راہنمائی کا عنصر غالب ہوگیا لیکن آپ نے درس وتدریس سے کامل طور پر کنارہ کشی اختیار نہ فرمائی۔ بلکہ اس کے لیے اوقات مقرر فرمادی چنانچہ نماز ظہر کے بعد آپ دینی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے۔ ۲۳

آپ نے اپنی دیگر روحانی مصروفیات کے باوجود خانقاہ شریفہ میں دینی کتابوں کے درس وتدریس کی کیفیت اور کمیت میں کمی نہ آنے دی۔ اس کے لیے آپ نے اپنی سرپرستی میں استاذ العلماء ومشائخ حضرت مولانا محمد طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، اپنے لخت جگر حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر شہزادگان اور خلفائے کرام کو مختلف منتہی کتب کی تدریس کے لیے مقرر فرمادیا۔ درس وتدریس کا سلسلہ آپ نے علوم درسیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد شروع کیا تھا۔ اسے آپ نے عمر بھر مختلف صورتوں میں نبھایا۔ چنانچہ اپنی خانقاہ مبارکہ، گوالیار کے قید خانے شاہی دربار میں نظر بندی کی حیثیت سے قیام الغرض اپنی حیات مبارکہ کے ہر مرحلہ میں دینی علوم اور احکام شرعیہ کے ابلاغ کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ آپ کے مکتوبات مبارکہ علم ودین کی خدمت کی بہترین مثال ہے۔ ان میں سے ہر مکتوب ایک مستقل تصنیف کا درجہ رکھتا ہے۔ ان کی ہر ہر سطر اور لفظ لفظ علوم دینیہ عرفانیہ کا ہشت پہلو ہیرہ ہے۔ جسے جس سمت سے دیکھو، پرکھو نئے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ مجموعہ مبارکہ جہاں طالبان سلوک کے لیے دستور العمل اور نصاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہیں آپ کے علوم ومعارف کا گنجینہ بھی ہے۔ آپ نے اپنے دست گرفتہ اہل علم وفضل مختلف علماء وفضلاء کو اپنے مکتوبات میں دینی علوم کے اسباق پڑھانے کی تاکید کی ہے۔ ۲۴

علمائے باعمل کا آپ کی نظر میں مقام:

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

۱۔۔۔۔۔ یہی (علمائے حق) لوگ بہترین مخلوق ہیں، کل قیامت کے دن انکی سیاہی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں

شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہوگا اور ''نوم العالم عبادۃ'' یعنی علماء کا سونا بھی عبادت ہے انہی کی شان میں وارد ہے۔ ۲۵

۲...... مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت کے روز شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی سے وزن کریں گے اور سیاہی کا پلہ بھاری ہوگا سبحان اللہ وبحمدہ یہ سیاہی اور سیاہ روئی ان کی سرخروئی کا باعث ہوگی۔ اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔

ہاں بتاریکی درون آب حیات است۔ ۲۶

مخلوق میں بہترین لوگ علماء ہیں اور بدترین بھی علماء:

فرماتے ہیں کے:

سمجھ نہیں آتی کہ کیا لکھوں جس طرح لوگوں کی نجات علماء سے وابستہ ہے اسی طرح لوگوں کی بربادی کا باعث بھی یہی علماء ہی ہیں۔ بہترین بھی مخلوق علماء ہی ہیں اور بدترین بھی علماء ہی ہیں۔ لوگو کی ہدایت اور ان کی گمراہی انہیں لوگوں سے وابستہ ہے۔ ۲۷

علماء حق کی پہچان:

آپ کا ارشاد مبارک ہے یہی علماء ہیں جن کی نظروں میں آخرت کا جمال اچھا لگتا ہے۔ دنیا کی قباحت اور برائی کا انہیں مشاہدہ ہو چکا انہوں نے آخرت کو بقا کی نظر سے دیکھا۔ اور دنیا کو زوال وفنا کے داغ سے داغدار پایا، اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو باقی رہنے والی آخرت کے حوالہ کر دیا۔ اور فانی دنیا سے الگ ہوگئے ہیں۔ آخرت کی عظمت کا مشاہدہ خدائے لایزال کی عظمت کے مشاہدہ کا ثمر اور نتیجہ ہے۔

دنیا اور مافیہا کو ذلیل وخوار جاننا آخرت کی عظمت کے مشاہدے کے لوازمات میں سے ہے۔ (کیونکہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے) اگر دنیا عزیز ہو تو آخرت خوار اور اگر دنیا خوار ہے تو آخرت عزیز ہے۔ ۲۸

علماء کی اولاد کے لیے سفارش:

آپ علماء اور انکی اولادوں اور اعزہ واقرباہ کو مختلف طریقوں سے نوازتے۔ مختلف امراء کی طرف مکتوبات میں ان کے لیے وظیفہ، مدد معاش اور ملازمت کے لیے سفارشات بھی تحریر کرنے سے دریغ نہ فرماتے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

۱......دوسری ضروری بات یہ ہے جناب اخوی اعزی میاں مظفر ولد شیخ گھوان مرحوم اشرف اور بزرگ زادہ لوگوں میں سے ہیں جماعت (عیال) کثیر اس سے وابستہ ہے رحم وشفقت کا مستحق ہے۔ ۲۹

۲......اس دعائیہ رقعہ کے حامل مولانا محمد حافظ اہل علم ہیں اور کثیر العیال ہیں۔ اسباب معیشت کی قلت کی بنا پر فوج (ملازمت) کی طرف متوجہ ہوے ہیں۔ اگر سرکار نصرت آثار، سیادت ونقاہت پناہ شیخ جیو کے کچھ وظیفہ یا امداد مولانا موصوف کے لیے حاصل وجاری کرادی جائے تو یہ آپ کا عین کرم ہوگا۔ ۳۰

۳......اس بنا پر یہ گستاخی کی جارہی ہے کہ فصلانے کے ہزار ٹکے شیخ ابوالحسن حافظ اور صاحب علم کے لیے اور ہزار ٹکے شیخ شاہ محمد حافظ کے نام سرکار نواب شیخ کی طرف سے مقرر ہیں۔ یہ دونوں مذکورہ حضرات زندہ اور قائم ہیں، ان کے بارے میں کوئی شبہ نہیں انہوں نے کوئی اپنا آدمی بھیجا ہے جو بااعتماد ہے اگر اس خبر کو سچ تسلیم کرلیں تو ان دونوں کے وظیفے کی رقم اس عریضہ لانے والے کے حوالے کردیں۔ ۳۱

۴......دوسری مقصودی بات یہ ہے کہ حامل رقعہ ہذا مولانا اسحٰق فقیر کا آشنا اور مخلص ہے اور قدیم زمانے سے ہمسائیگی کا حق بھی رکھتا ہے۔ اگر آپ سے مدد واعانت طلب کرے تو اس کی طرف خصوصی توجہ فرمانا۔ ۳۲

۵......تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ مولانا عبدالغفور اور مولانا حاجی محمد خاص دوستوں میں سے ہیں۔ ان دونوں پر آپ کی طرف سے جو احسان بھی ہوگا وہ دراصل فقیر پر احسان ہوگا۔

''بر کریماں کارہا دشوار نیست۔ ۳۳
کریم لوگوں پر کوئی کام دشوار نہیں''

۶......حافظ حامد نیک آدمی اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ ہاں بال بچے کی کثرت نے ان کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے آپ کے کرم سے درخواست ہے کہ ان کی امداد واعانت کریں۔ سخی لوگوں کی سخاوت کے لیے بہانہ کافی ہے۔ ۳۴

ضروریات شرعیہ کے لیے علماء کی طرف رجوع کا حکم:

اس کی چند مثالیں مکتوبات شریفہ سے درج ذیل ہیں

۱...... وہاں آپ کے پاس حاجی محمد اترہ دین دار علماء میں سے ہیں اور یہاں شیخ ولی اترہ سے تو آپ کی شناسائی بھی ہے غرض یہ کہ یہ دونوں حضرات ان علاقوں میں غنیمت ہیں۔ مسائل شرعیہ کی تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا بہت ہی مناسب ہے۔ ۳۵

۲...... حلال وحرام کے معاملہ میں ہمیشہ دین دار علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ یہی نجات کا راستہ ہے۔ شریعت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ بے اعتبار ہے۔

فماذا بعد الحق الا الضلٰل. ۳۶

''حق کے سوا سب گمراہی ہے''

۳...... احکام شرعیہ کی صحیح نوعیت علماء آخرت سے معلوم کریں، ان کے کلام میں ایک تاثیر ہے شاید ان کے مبارک کلمات کی برکت سے عمل کی توفیق بھی مل جائے۔ ۳۷

۴...... اسی طرح ان تمام کاموں میں ان دین دار علماء کرام کے فتوی کے مطابق جنہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کر رکھا ہے، اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں۔ زندگی بسر کرنا چاہیے اور اس کو نجات اخروی ابدی کا وسیلہ قرار دینا چاہیے۔

مایفعل اللّٰہ بعذابکم ان شکر تم وامنتم. ۳۸

''اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا جب کہ تم شکر گزار اور مومن بنو''

۵...... فرائض اور سنتوں کی ادائیگی اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب میں پوری احتیاط کرنا چاہیے۔ اور چھوٹی بڑی بات میں علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان کے فتوی کے تقاضا کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ ۳۹

۶...... شیخ عبدالحی تقریباً پانچ سال تک خدمت میں رہے اور حاضری کی اکثر خدمات انہیں سے تعلق رکھتی ہیں۔ فقیر کے علوم و معارف سے سیراب ہیں اور جذب وسلوک کے احوال سے واقف ہیں مشار الیہ کو کہا ہے کہ وہ چند روز آپ کے پاس ٹھریں اور وہ معارف جو مناسب وقت حال ہوں درمیان میں لائیں گزرے ہوے اور موجودہ وقت کے جو بھی احوال و مواجید ہوں سب مشار الیہ سے کھول کر بیان کریں اور جو وہ نصیحت کریں اس پر یقین کریں۔ ۴۰

علماء کی تعظیم کرنے کی تلقین:

چنانچہ فرماتے ہیں کہ؛ آپ علماء کے مرتبہ کا بڑا لحاظ فرماتے علم کی بدولت لوگوں کو ان کی تعظیم و توقیر کرنے کی تلقین فرماتے۔

۱ ... لازم اور ضروری ہے کہ ساری ہمت احکام شرعیہ کی بجا آوری میں صرف کی جائے اور اہل شریعت یعنی علماء و صلحاء کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیے۔[۴۱]

۲...... خواجہ محمد صالح فرزندوں کی خدمت گاری سعادت عظمیٰ جانے کیونکہ وہ فی الحقیقت خواجہ صاحب کی ہی مدد و اطاعت ہے کیونکہ خواجہ صاحب اقبال لوگوں میں سے ہیں۔

وادیم ترا ز گنج مقصود نشاں
''ہم نے تجھے خزانہ کا نشان بتا دیا''[۴۲]

۳...... فرقہ صحیحہ اہل سنت و جماعت کے علمائے ظاہر اگر بعض اعمال میں کوتاہی کر جاتے ہیں لیکن ذات وصفات کے متعلق ان کے عقائد کی درستی کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ ان کی کوتاہی اس نورانیت کے آگے مضمحل اور ناچیز ہو جاتی ہے۔ علماء کرام اور دینی طلبہ علوم سے بہت محبت بڑھ چکی ان کی روش بہت اچھی لگتی ہے۔ فقیر آرزو کرتا ہے کہ طلبہ علوم اور علماء کے گرہ میں بیٹھا ہو اور (اصول فقہ کی آخری مشہور کتاب) تلویح کے مقدمات اربعہ کا کسی طالب علم سے تکرار کر رہا ہو نیز (فقہ حنفی کی مشہور کتاب) ہدایہ کا تکرار بھی شروع کر رکھا ہے۔[۴۳]

۴...... سیادت پناہ میرے بھائی میر محمد نعمان کے آپ پر چوں کہ بہت حقوق ہیں اور وہ تمہارے بے اجازت چلے آنے سے تکلیف میں ہیں چاہیے کہ بے توقف اپنے آپ کو ان کی خدمت میں پہنچاؤ اور اس تکلیف کی تلافی کرو۔ اگر اجازت سے آتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔[۴۴]

علمائے سوء سے پرہیز کی تلقین:

آپ نے نصیحت فرماتے ہوئے علمائے سوء کی پہچان بیان فرمائی اور ان سے اپنے مخاطبین کو پرہیز کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ جس میں علماء و طالبات کے لیے نصیحت ہے کہ ان صفات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

۱......علماء سوء پارس کے پتھر کی طرح ہیں کہ لوہا تانبا وغیرہ جو بھی اس کے ساتھ ملتا ہے سونا بن جاتا ہے مگر وہ خود پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہوتی ہے جہان کو اس سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ لیکن خود وہ بانس اور پتھر اندرونی آگ سے بے نصیب رہتے ہیں۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ علم ان کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے کہ ان کے علم نے ان پر حجت مکمل کر دی۔

ان شد الناس عذابا یوم القیامة عالم لم ینفعه اللّٰه بعلم

''سب سے زیادہ عذاب قیامت کے روز اس شخص کو ہوگا جسے اللہ نے اس کے علم سے نفع نہ دیا''

ان کا علم ان کے لیے کیوں نقصان دہ اور مضر نہ ہو حالانکہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزت چیز اور موجودات میں سے اشرف شے ہے اسے انہوں نے کمینی دنیا اور مال وجاہ اور سرداری حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنالیا ہے حالانکہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وخوار اور ساری مخلوق سے بدترین شے ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والی شے کو ذلیل کرنا اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہے اسے عزت دینا نہایت ہی برا ہے اور فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ ہے[۴۵]۔

۲......دنیا پرست علماء جن کا مقصود کمینی دنیا ہے ان کی صحبت زہر قاتل ہے ان کی بدی کا فساد دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

عالم کہ کامرانی وتن پروری کند
اوخود گم است و کرا رہبری کند

جو عالم اپنے مقصود کی پوجا اور تن پروری میں مصروف ہو وہ خود گم کردہ راہ ہے اور دوسروں کی کیا رہبری کرے گا۔[۴۶]

۳......علمائے بد دین کے چور ہیں ان کا مقصد ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ وریاست وبزرگی حاصل ہو جائے۔ العیاذ باللہ من فتنتھم اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔[۴۷]

۱......حق بات یہ ہے کہ اس زمانے میں پرستی اور مداہنت جو امور شرعیہ میں واقع ہو چکی ہے اور ہر فتور جو دین وملت کی ترویج واشاعت میں پیدا ہو چکا سب علماء کی شومی کے باعث ہے۔[۴۸]

۲......آپ جانتے ہوں گے کہ گذشتہ زمانہ (اکبری دور) میں اہل اسلام کے سروں پر کیا کچھ گزر چکا ہے، ابتدائے اسلام کے وقت جب کہ مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس وقت بھی اہل اسلام کی کسمپرسی اس حد تک نہیں پہنچی تھی کیونکہ مسلمان اپنے دین پر قائم اور کفار اپنے طریقہ پر۔

آیت کریمہ ''لکم دینکم ولی دین'' (تمہارے لیے تمہارا دین ہمارے لیے ہمارا دین)

اس سے قبل اعلانیہ غلبہ اور زور کے ساتھ دارالاسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے رہے اور مسلمان اسلامی احکام کے اظہار سے عاجز اور بے بس تھے اگر مسلمان ایسا کرنے کی جرأت کرتے تو قتل کر دیے جاتے (اس) زمانہ میں جو بھی بلا و آفت اسلام کے سر پر ٹوٹی وہ انہی علماء سوء کی شومی کی بدولت تھی بادشاہوں کو یہی علماء سوٗ راہِ راست سے بھٹکاتے ہیں۔ بہتر فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں ان کے مقتدا یہی علماء سوء ہیں علماء کے ماسوا گمراہی دوسروں تک کم ہی متجاوز کرتی ہے۔ ۴۹

۳......آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء کی کم بختی سے ظہور میں آیا تھا۔ ۵۰

۴...... وقت کا بادشاہ جو سات پشت سے مسلمان چلا رہا ہے اور اہل سنت سے ہے اور حنفی مذہب رکھتا ہے اگرچہ کچھ سال ہوئے ایسے وقت میں قرب قیامت کا وقت ہے او عہد نبوت سے دور کا زمانہ ہے بعض طالب علم (علماء) طمع کی نحوست سے جو کہ خبث باطن سے پیدا ہوتا ہے بادشاہوں کے امراء کا تقرب حاصل کرتے ہیں اور ان کی خوشامد کرتے ہیں اور دین متین میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو سیدھی راہ سے بھٹکا دیتے ہیں۔ ۵۱

۵......کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ و بیکار ہے اس کا راز دریافت کیا ابلیس نے بتایا کہ اس وقت کے علماء ہمارے کام کو انجام دیتے ہیں اور بہکاتے اور گمراہ کرنے کے لیے کافی ہیں (مجھے تگ و دوہ کرنے کی ضرورت نہیں) ۵۲

الغرض حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی تمام زندگی علم پروری اور علماء نوازی سے عبارت ہے اس سلسلہ میں آپ نے کبھی کوتاہی نہ برتی۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ ج ۱۳۔ ص ۴۴۷

راقم الحروف عفی عنہ نے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم کی مدد سے گنتی کی تو یہ تعداد آٹھ سو پچپن نکلی۔ اور بعض حوالوں میں ایک سے زائد بار بھی یہ لفظ اپنی اشتقاقی صورتوں میں موجود ہے۔ اس طرح یہ تعداد اس سے بھی متجاوز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲ عقل کے مشتقات کی تعداد قرآن مجید میں ۴۹ ہے۔ ملاحظہ ہوا المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ص ۵۹۴، ۵۹۵

۳۔ شعور کے مشتقات ۴۰ کی تعداد میں ہیں۔ ملاحظہ ہوا المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ص ۴۹۴

۴۔ فقہ کے مشتقات ۲۰ کی تعداد میں ہیں۔ ملاحظہ ہوا المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم۔ ص ۶۵۰

۵۔ تدبر کے مشتقات تعداد میں ۹ ہیں ملاحظہ ہوا المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم۔ ص ۳۲۰، ۳۲۱

۶۔ مثال کے طور پر درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔ (۱) المعجم المفہرس لالفظ الحدیث النبوی ج ۴، ص ۳۳۰ تا ۳۳۹ (مسلسل دس صفحات ۹ (۲) مفتاح کنوز السنۃ ص ۳۵۰ تا ۳۲۵ (تین صفحات)

۷۔ ملاحظہ ہو القرآن الحکیم (۱) البقرہ۔ ۳۷ (۲) الاعراف۔ ۱۱ (۳) الاسراء۔ ۶۱ (۴) الکہف۔ ۵۰

۸۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں (۱) الفہرست' ابن ندیم (۲) مفاتیح العلوم' خوارزمی (۳) احصاء العلوم' فارابی (۴) کشف الظنون' حاجی خلیفہ (۵) مفتاح السعادۃ' محمد امین (۶) ابجد العلوم' نواب صدیق حسن بھوپالی

۹۔ سیر الصحابہ ج ۳۔ حصہ دوم۔ ص ۴۵

۱۰۔ تابعین از شاہ معین الدین ندوی ص ۱۳۳ تا ۱۳۹

۱۱۔ طبقات ابن سعد

۱۲۔ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۹

۱۳۔ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۹

۱۴۔ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۹

۱۵۔ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۹

۱۶۔ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۹

۱۷۔ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۹

۱۸۔ جواہر مجددیہ۔ ص ۲۰

۱۹۔ روضۃ القیومیہ۔ ص ۲۰

٢٠۔ ....روضۃ القیومیہ

٢١۔ ....کلیات باقی باللہ مکتوب ٦٥

٢٢۔ ....مجدد الف ثانی۔ ص ١٤٠، ١٤١

٢٣۔ ....مجدد الف ثانی ص ٢٥١

٢٤۔ .... ملاحظہ ہو (١) دفتر اول مکتوب ١٤۔ (٢) دفتر اول مکتوب ٢٧٥۔ (٣) دفتر اول مکتوب ١٧٩ (٤) دفتر اول، مکتوب ٢٧٥ وغیرہ۔

٢٥۔ ....دفتر اول مکتوب ٣٣

٢٦۔ ....دفتر سوم مکتوب ٤٧

٢٧۔ ....دفتر اول مکتوب ٥٣

٢٨۔ ....دفتر اول مکتوب ٣٣

٢٩۔ ....دفتر اول مکتوب ٤٢

٣٠۔ ....دفتر اول مکتوب ١٤

٣١۔ ....دفتر اول مکتوب ١٩

٣٢۔ ....دفتر اول مکتوب ٩٦

٣٣۔ ....دفتر اول مکتوب ٨

٣٤۔ ....دفتر دوم مکتوب ٩٠

٣٥۔ ....دفتر اول مکتوب ٤٣

٣٦۔ ....دفتر اول مکتوب ١٦٤

٣٧۔ ....دفتر اول مکتوب ٤٣

٣٨۔ ....دفتر اول مکتوب ٧١

٣٩۔ ....دفتر اول مکتوب ١٩٠

٤٠۔ ....دفتر دوم مکتوب ٨٤

٤١۔ ....دفتر اول مکتوب ١٦٥

٤٢۔ ....دفتر اول مکتوب ١٧٧

٤٣۔ ....دفتر اول مکتوب ٨

٤٤۔ ....دفتر سوم مکتوب ١٦

۴۵ ... دفترِ اول مکتوب ۳۳

۴۶ دفترِ اول مکتوب ۴۷

۴۷ .. دفترِ اول مکتوب ۱۹۳

۴۸ دفترِ اول مکتوب ۳۳

۴۹ دفترِ اول مکتوب ۴۷

۵۰ دفترِ اول مکتوب ۱۹۳

۵۱ دفترِ دوم مکتوب ۶۷

۵۲ دفترِ اول مکتوب ۵۳

☆...☆...☆

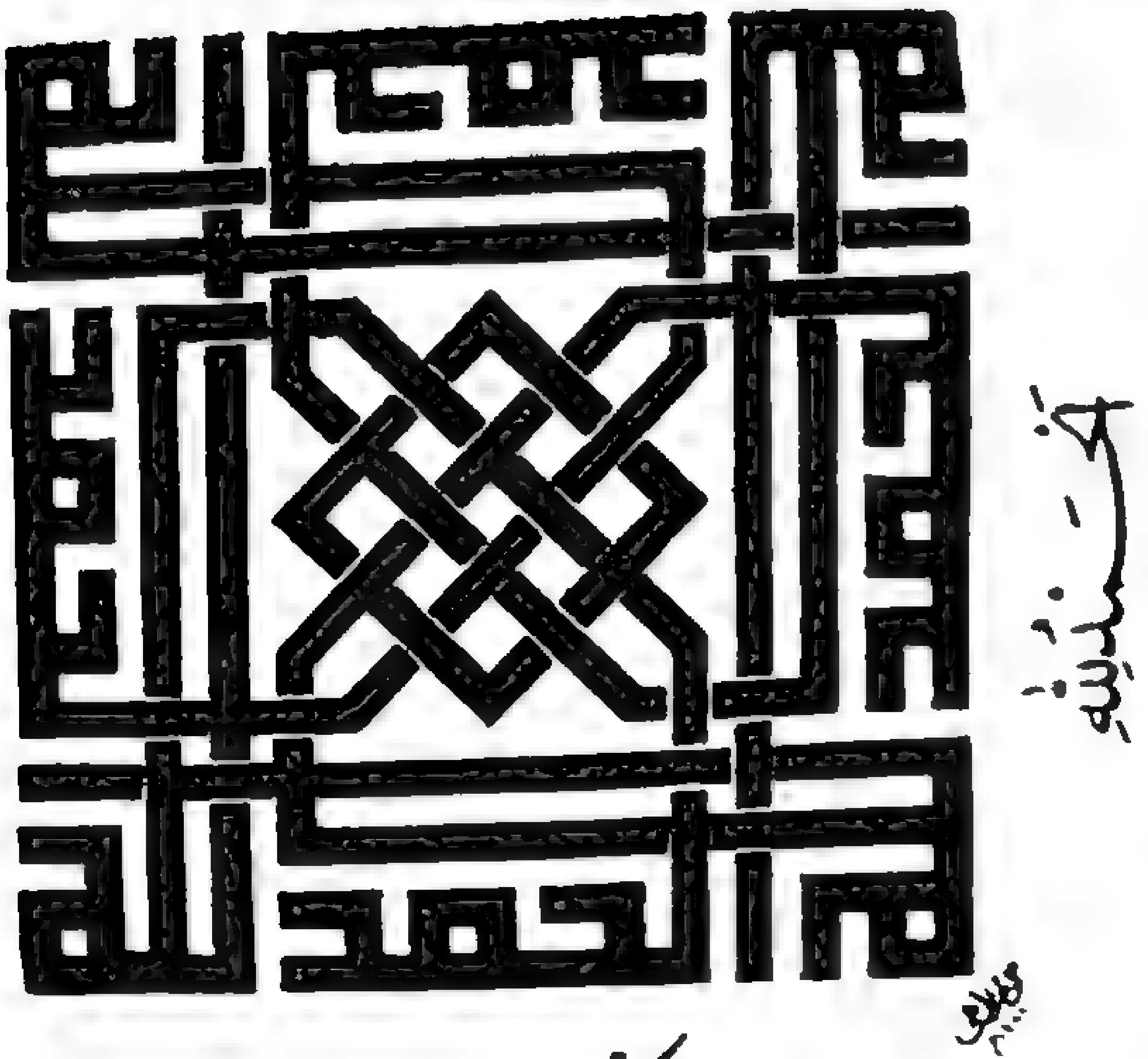

خط کوفی چہار ضربی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

امام احمد رضا پر امام ربانی کے اثرات

پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی

☆☆

زمانی اعتبار سے اُمتِ محمدیہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اولین اور آخرین کے مخصوص زُمرے اسی حقیقت کی ترجمانی کر دیتے ہیں، قرآنِ پاک میں ارشادِ باری ہے،

ثُلَّۃٌ مِنَ الاوَّلِینَ' وثُلَّۃٌمِنَ الاخرِینَ (سُورۃ الواقعہ آیت ۳۹، ۴۰)

''اگلوں میں سے ایک گروہ اور پچھلوں میں سے ایک گروہ''

مفسر قرآن حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:۔

''یہ اصحاب یمین کے دو گروہوں کا بیان ہے کہ وہ اس اُمت کے پہلوں' پچھلوں دونوں گروہوں میں سے ہوں گے، پہلے گروہ اصحابِ رسول اللہ ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور پچھلے ان کے بعد والے، (خزائن العرفان ص ۹۶۳)

حضورِ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اُمتِ مرحومہ کے اولین و آخرین کی خُوب شان و عظمت بیان فرمائی ہے، ایک حدیث مبارک ہے:۔

مَثَلُ امَّتی مَثَلُ الْمَطَرِ لَایُدْرٰی اَوَّلُہ' خَیْرٌاَمْ آخِرُہ'

''میری امت کی مثل اس بارش کی سی ہے کہ خبر نہیں کہ اگلی خیر ہے یا پچھلی'' (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب ثواب ھٰذہ الامۃ)

ایک اور حدیث مبارک میں ہے:

> مجھے ساری مخلوق میں پیاری ایمان والی وہ قوم ہے جو میرے بعد ہوگی'' ایک اور مقام پر فرمایا ''اس امت کے آخر میں ایک ایسی قوم ہوگی جن کو اگلوں کا سا ثواب ہوگا''۔ (مشکوٰۃ)۔

اس مضمون کی اور بھی متعدد احادیث منورہ موجود ہیں، پھر یہ بات بھی حقائق کی روشنی میں نہایت واضح ہو چکی ہے کہ اُمت کے اولین پہلے ہزارے تک پھیلے ہوئے ہیں اور آخرین کا شمار دوسرے ہزارے میں ہوتا ہے، حضرتِ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ دوسرے ہزارے کے سرے پر جلوہ افروز ہوئے، اِس لیے آپ کی ذاتِ گرامی اگلوں اور پچھلوں کے درمیان اس واسطے کی مانند ہے جو اگلوں سے فیوضات و کمالات حاصل کرتا ہے اور پچھلوں میں تقسیم کرتا ہے، منصب قیومیت جو آپ پر ظاہر کیا گیا، اس کا منشا بھی یہی ہے۔ اگر تاریخ نبوت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ہزارے کے بعد ایک اولوالعزم رسول کو مبعوث کیا جاتا رہا جس کی بدولت زمانے کی از سرِ نو تنظیم معرضِ وجود میں آتی رہی۔ حضور خاتم الانبیاء محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدس پر سلسلہ نبوت کو تو ختم کر دیا گیا لیکن خالق نے آپ کی اُمت کے ایک اولوالعزم امامِ برحق کو اولوالعزم رسُول کا وارث اور نائب بنا کر پیدا کر دیا جس کے دم قدم سے دینِ اسلام کے خزاں رسیدہ گلستان میں بہارِ جاوداں مسکرانے لگی، وہ امامِ برحق کون ہے؟ واللہ وہ امام برحق سرہند کا تاجدار ہے، تجدید کا شہسوار ہے، فیضانِ صدیق کا علمبردار ہے، احسانِ فاروق کا شاہکار ہے، انوارِ عثمان کا دُرِّ شہوار ہے، اسرارِ حیدر کا پاسدار ہے، طریقت اور شریعت کے درمیان مجمع افکار ہے، اِسی لیے زمانہ آپ کو مجدد الف ثانی کے معزز لقب سے یاد کرتا ہے، اس عظیم مقام کی طرف آپ خود اشارہ فرماتے ہیں:

> ''اے فرزند! یہ وہ وقت ہے کہ گزشتہ امتوں میں اس طرح کے ظلمت بھرے ہوئے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتے تھے، اور نئی شریعت کی بنیاد رکھتے تھے، اور اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے، اور اس اُمت کے پیغمبر خاتم الرسل ہیں، علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کا مرتبہ دیا ہے، علماء کے وجود کو انبیاء کے وجود کے بجائے کافی بنایا ہے، اس لیے ہر سو سال پر اس اُمت کے علماء میں سے ایک مجدد متعین

فرماتے ہیں جو شریعت کا احیاء کرتا ہے، خصوصاً ایک ہزار سال کے بعد کہ پہلی امتوں میں اولوالعزم پیغمبروں کا وقت ہوتا تھا اور اس وقت میں ایک پیغمبر پر کفایت نہیں کرتے تھے، اس طرح کے وقت میں اس اُمت کے لیے ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جو معرفت تامہ رکھتا ہو، تا کہ اولوالعزم انبیاء کے قائم مقام ہو۔

فیضِ روح القدس ارباز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(مکتوب ۱/۲۳۴)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''اس اُمت کی آخریت کی ابتداء حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے ایک ہزار سال کے بعد سے ہے کہ گزرے ہوئے ہزار سال کی ایک عظیم خاصیت ہے تغیرِ اُمور میں، اور قوی تاثیر ہے تبدیل اشیاء میں، اور چونکہ اس امت میں کسی طرح نسخ اور تبدیلی نہیں ہو سکتی، اس لیے سابقہ نسبت ہی تازگی اور رونق کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے، اور اس الفِ ثانی میں شریعت کی تائید اور ملّت کی تجدید ہوئی ہے، اس پر عادل گواہ حضرت عیسیٰ بھی ہیں اور حضرتِ مہدی بھی، اے بھائی! ایسی بات کہنی آج تو اکثر لوگوں کو گراں گزرتی ہے اور اُن کی سمجھ سے دور ہے، لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم ومعارف کا موازنہ کریں اور صحت وسقم کو شریعت کے علوم کے معیار پر دیکھیں کہ مطابقت ہے یا نہیں، اور یہ بھی کہ شریعت اور نبوت کی توقیر وتعظیم کہاں زیادہ ہے، تو شاید اس تعجب سے نکل آئیں، دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت اور حقیقت شریعت کی خادم ہیں، اور ولایت سے نبوت افضل ہے خواہ وہ نبی کی

ولایت ہو۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ولایت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے مقابلے میں کوئی قدر و قیمت نہیں، اس کی حقیقت وہی ہے جیسی کہ دریائے محیط کے مقابلے میں قطرے کی ہوتی ہے، اسی طرح اور بھی بہت کچھ لکھا ہے، مقصود اس گفتگو سے محض تحدیثِ نعمتِ حق ہے اور بس، اور اس سے اس طریق کے طالبوں کے لیے ترغیب بھی ہے، اس سے دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود نہیں، اللہ تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو خود کو کافر فرنگ سے بدتر نہ جانتا ہو، پھر اکابرِ دین سے کیا مناسبت ہو سکے گی۔''

اُٹھایا شہ نے مٹی سے تو حق ہے
کہ میں اونچا کروں سر آسماں سے
اِسی مٹی پہ بارانِ بہاراں
ہوا کرتا ہے لطفِ مہرباں سے
اگر ہوں سو زبانیں مثلِ سوسن
ادا ہو شکر کیونکر، کس زُباں سے

(مکتوبات ۱/ ۲۶۱)

حضرتِ امام ربانی قدس سرہٗ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلے ہوئے معارف نے خوب روشن کر دیا ہے کہ آپ کے فیوضات اور اثرات سے اِس ہزارۂ دوم کا ایک ایک لمحہ مالا مال ہے، آپ ہی کے بقول:

''مجدد وہ ہے کہ جو کچھ اس مدت میں امتوں کو فیض و برکات حاصل ہوتے ہیں اسی کے توسط سے حاصل ہوتے ہیں، اگرچہ کہ اقطاب و اوتاد بھی اس وقت میں ہوتے ہیں، اور بُدَلاء اور نجباء بھی ہوا کرتے ہیں''۔ (مکتوبات ۲/ ۴)

چونکہ آپ کا زمانہ ایک ہزار سال پر مبنی ہے اس لیے اس ہزارے میں جتنے بھی اقطاب و ابدال ہوں گے، اغواث و افراد ہوں گے، مجددینِ اسلام اور محققینِ اعلام ہوں گے، سب کی ذات و صفات پر آپ کا اثر

موجود ہوگا، سب کی شخصیت اور حیثیت میں آپ کا جلوہ کارفرما ہوگا، ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی کو اس حقیقت ثابتہ کی خبر نہ دی جائے۔ ولایت کی ایک قسم یہ بھی تو ہوتی ہے کہ ولی اپنی ولایت سے باخبر نہیں ہوتا، ہاں ہاں اس عرصے میں سب کی گردنوں پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے احسانات کا بار ہے، محقق عصر حضرت علامہ پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی مظہری فرماتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ امام ربانی کے افکار نے پاک وہند کی فکری زندگی اور سیاسیات پر گہرا اثر ڈالا، اور معاشرے میں تدریجی انقلاب پیدا کیا ہے، پاکستان وہند کے مفکرین میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ امام ربانی سے بہت متاثر ہیں''۔
> (تقدیم مکتوبات بحثیتِ ماخذ ایمانیات ص ۱۸)

امام احمد رضا پر اثرات:۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے احوال ومواجید اور افکار وانوار کے اثرات تو عالمگیر نوعیت کے حامل ہیں، تمام بلاد اسلامیہ میں آپ کے فکرِ تازہ نے ایک سماں باندھ کر رکھ دیا ہے، آپ کے خلفاء کرام نے آپ کے فیوضات واثرات کے وہ سرچشمے جاری کیے ہیں کہ جن سے صدیوں بعد بھی زمانہ اپنی تشنگی کا فور کر رہا ہے، جہاں تک چودھویں صدی ہجری کے عظیم الشان مجدد، ملت اسلامیہ کے جلیل القدر رہنما حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کا تعلق ہے تو آپ کی شخصیت میں بھی غیرت مجددی اور حمیتِ سرہندی کی بھرپور جھلک دکھائی دے رہی ہے، آپ کے دور میں انگریزوں اور ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں نے مسلمانوں کو ہر میدان میں پسپا کر رکھا تھا، دینِ وحدت کے ماننے والے مختلف فرقوں میں تقسیم ہو رہے تھے، آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی غیرت وحمیت کے حوالے دے کر اُن ظلمت شعاروں کی خوب خبر لی، آپ نے مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء کو لکھا ہے''۔

> ''بالفعل آپ جیسے صوفی صافی منش کو حضرتِ شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد دلاتا ہوں، اس عین ہدایت کے امتثال کی اُمید رکھتا ہوں، حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد

> فرماتے ہیں: ''فسادِ مبتدع زیادہ تر از فسادِ صحبتِ د کافر است''
> (یعنی سو علانیہ کافروں سے ایک بدعتی زیادہ مہلک وخطرناک ہے)
> مولانا انصاف! آپ یا زید یا اورارا کین، مصلحتِ دین ومذہب زیادہ جانتے ہیں یا حضرتِ شیخ مجدد! مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ لغو وباطل جانیے، اور جب وہ حق اور بے شک حق ہے تو کیوں نہ مانیے جس سے ظاہر کہ کافروں کے بارہ میں فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین کا حکم ایک حصہ ہے تو بدمذہبوں کے باب میں سو حصے بھی زیادہ خطرناک ہے''(مکتوبات امام احمد رضا، ص ۹۰-۹۱)

خدارا غور کیجیے، کیا اب بھی کوئی حق آشنا یہ جسارت کر سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو معیارِ حق نہیں مانتے، اللہ اللہ، وہ آپ کے غیرت مند کردار کو اپنے حلقۂ احباب میں بطورِ مثال پیش کرتے تھے، آپ اسی طرح دوسرے اکابرِ اُمت کے ساتھ امام ربانی کے بحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بے شک اس مہرِ سپہرِ اصطفاء ماہِ منیرِ اجتباء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سایہ نہ تھا، اور یہ امر احادیث اور اقوال علمائے کرام سے ثابت اور اکابرِ ائمہ وجہابذِ فضلا مثل حافظ رزین، محدث وعلامہ ابن سبع، صاحب شفاء الصدور ..... جناب مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی، شیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہم اجلاف عضلین ومقتدایان کہ آج کل مدعیانِ خام کار کوان کی شاگردی بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں، خلفاً عن سلف دائماً اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کرتے آئے''۔ (رسائلِ نور ص ۵۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ، امام ربانی مجدد الف ثانی کے زبردست مداح تھے، آپ کے علم وفضل، فکر وعرفان اور شان وعظمت کا اعتراف کرتے تھے، آپ کو مجدد الف ثانی یعنی

ہزار سال کا مجدد لکھتے تھے، آپ کے سلسلے کے اکابرِ وقت سے اُن کا تعلق قائم تھا۔ اِن اُمور سے ظاہر ہوا کہ اُن کی شخصیت پر امام ربانی کا گہرا اثر موجود ہے، آپ کے قلم شعلہ بار میں مجددی توانائیاں پوری طرح اُجاگر نظر آتی ہیں، جس نے باطل کے آلودہ دامن جلا کر خاکستر کر دیے اور جس کی علمی ہیبت سے آج بھی جہانِ کُفر لرزہ براندام ہے۔ اہل علم حضرتِ امام بریلوی کے رسائل وفتاویٰ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں، اُن میں تصورِ شیخ کا نازک مسئلہ ہو یا استعداد اولیاء کا عظیم عقیدہ ہو، نورانیتِ مصطفےٰ کا بیان ہو یا مشاہدہ مصطفےٰ کا ایقان ہو، فلاسفہ کی تردید ہو یا مذاہبِ باطلہ کی تہدید ہو، سماعِ موتیٰ کی بات ہو یا انبیاء کے بارے میں عقیدہ حیات ہو، جہاں بھی آپ نے مخالفین اہل سنّت پر حجت قائم کی ہے، وہاں حضرتِ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحریروں کا حوالہ پیش کیا ہے۔ جب مخالفین اہلسنت نے آپ کے خلاف الزامات کے محاذ کھولے تو اس میں ایک محاذ یہ بھی تھا کہ آپ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور دیگر اکابرِ اُمت کے خلاف ہیں، آپ نے خود اِس محاذ کا جواب دیا ہے:

> ’’ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دِن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں، اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق کو کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا، پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب کو کہہ دیا، یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں عیاذ أباللہ عیاذ أباللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا‘‘۔ (حسام الحرمین ص ۴۲)

اس غلط فہمی کے ازالے کے لیے آپ نے مولانا شاہ محمد حُسین الہ آبادی کے استفسار پر ایک رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری بھی تحریر فرمایا، اور مخالفین اہل سنت کی افترا پردازیوں کے پردے

چاک کیے، اگر آپ نظرِ محبت سے ان دونوں راہنماؤں کے حالات وآثار پر روشنی ڈالیں تو آپ کو حیرت انگیز طور پر معلوم ہوگا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے کوائفِ زندگی میں بھی بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ گویا جن معاملات میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، اُن معاملات میں بھی حضرت مجدد الف ثانی کے روحانی اثرات اعلیٰ حضرت بریلوی پر پوری طرح چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، مثلاً:

○......حضرت مجدد الف ثانی شوال المکرّم میں پیدا ہوئے تو حضرت مجدد بریلوی بھی شوال المکرّم میں پیدا ہوئے۔

○......حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی ''احمد'' ہے تو حضرت مجدد بریلوی کا اسم گرامی بھی ''احمد'' ہے

○......حضرت مجدد الف ثانی کا وصال صفر المظفر میں ہوا تو حضرت مجدد بریلوی کا وصال بھی صفر المظفر میں ہوا۔

○......حضرت مجدد الف ثانی کا تعلق ایک علمی وفکری خاندان کے ساتھ تھا تو حضرت مجدد بریلوی کا تعلق بھی ایک علمی وفکری خاندان کے ساتھ تھا۔

○......حضرت مجدد الف ثانی کو عالمگیر شہرت نصیب ہوئی تو حضرت مجدد بریلوی کو بھی عالمگیر شہرت نصیب ہوئی۔

○......حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء اور اولاد نے اسلام کی تاریخی خدمت سرانجام دی تو حضرت مجدد بریلوی کے خلفاء اور اولاد نے بھی اسلام کی تاریخی خدمت سرانجام دی۔

○......دونوں علم قرآن، حدیث، علم کلام، علم فقہ اور علمِ تصوف کے عظیم عالم اور منصبِ تجدید پر فائز المرام ہیں۔

○......پھر لطف کی بات ہے کہ دونوں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیضان سے تابدار ہیں۔

اِس ہزارۂ دوم میں تاریخ عالم نے ملاحظہ کرلیا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کے روپ میں وہ مجدد سرہندی جلوہ انداز تھا جس نے اہل سنت وجماعت کو ہی حقیقت میں اسلام کا حقیقی نمائندہ سمجھا، اور اس مذہب مہذب کی اشاعت وترویج میں حیاتِ مستعار کے قیمتی دن بسر کیے، آج ہمیں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہم بھی ان دونوں راہنماؤں کے نقشِ قدم پر چلیں، اہلِ سنّت وجماعت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے،

قیادت وامامت کے لیے کوئی مقتدر شخصیت پردۂ غیب سے ظاہر نہیں ہو رہی، بیگانوں سے راہ ورسم قایم ہے، اپنوں سے نفرت وحقارت کا سلوک ہے، چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر بڑے بڑے مسائل کھڑے کر کے اپنی رسوائی کا سامان بن رہے ہیں، دوسری طرف اغیار اہل سنت ہمارے اکابر کے بنائے ہوئے پاکستان پر چھائے ہوئے ہیں؛ مجدد الف ثانی اور مجدد بریلوی کے بتائے ہوئے دوقومی نظریے کے مطابق معرض وجود میں آنے والی مملکتِ خداداد کے دوصوبوں کی اسمبلیوں میں براجمان ہیں، سندھ میں اُن کے مکروہ اثرات پھیل رہے ہیں، پنجاب میں اُن کی جماعتیں دیہاتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں، توحید، قرآن، اسلام، حدیث، تفسیر، مکہ، مدینہ، غرض ہمارے ہر ٹائٹل پر اُن کا قبضہ نظر آتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے نعرۂ مستانہ کو حضرت مجدد بریلوی کی آواز میں سنیے:

سُونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

☆......☆......☆

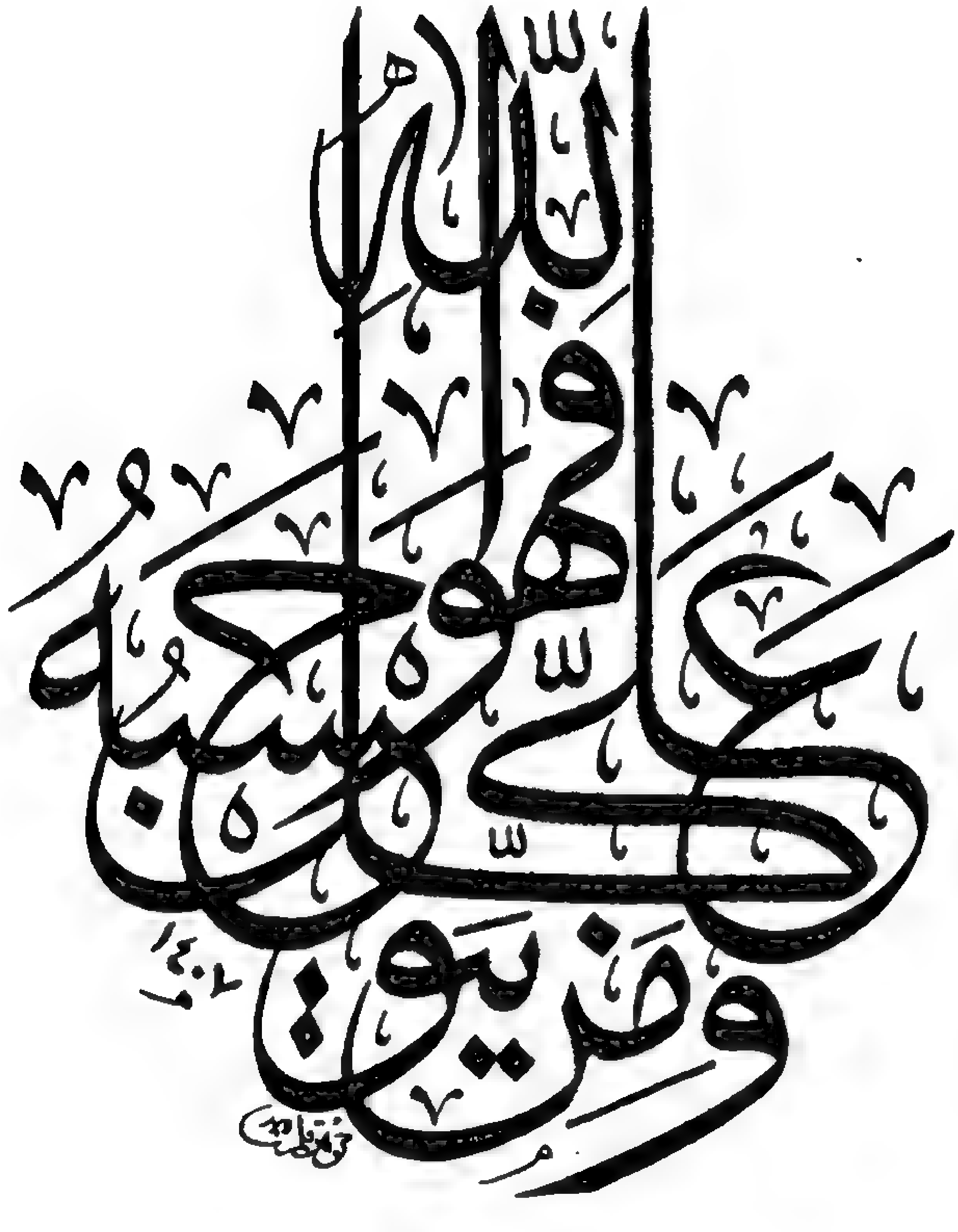
ومن يتوكل على الله فهو حسبه
١٤٠٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدمتِ خلق اور صوفیائے نقشبند

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

☆☆

اسلامی تعلیمات میں انسان کا ایک اہم مقام ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انسان کی ذمہ داریوں، اس کے مقام و مرتبہ اور اس کی کمزوریوں کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں رحمت الٰہی کا مستحق بننے کے لیے مخلوق سے شفقت و محبت ضروری ہے، بلکہ یہ تصور ذہنوں میں جاگزیں کیا گیا ہے کہ مخلوق کی خدمت کرتے وقت قُرب الٰہی کی منازل ہی پیش نظر ہوں۔ قرآن کریم نے جا بجا صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا اکٹھا ذکر کر کے اس چیز کی وضاحت کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جس قدر بدنی عبادت (صلوٰۃ) اہم ہے، اسی قدر مالی عبادت (زکوٰۃ) بھی اہم ہے۔ بعض اسلاف نے عبادت کے دو پہلو بیان کیے ہیں:

۱......اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجا لانا۔ **(التعظیم لا مر اللہ)**

۲......مخلوق پر مہربانی۔ **(وا لشفقة علی خلق اللہ)**۔[۱]

اسی جذبہ کے تحت قرآن کریم نے والدین، رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین، غلاموں، محکوموں، ہمسائیوں، کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے:

وَا عْبُدُ واللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْ ابِهٖ شَيْئًاوَّ بِا لْوَا لِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَا كِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَا لْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِا لْجَنْبِ وَا بْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ[۲]

> ’’اور عبادت کرو اللہ کی، اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو، اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو رشتہ دار ہے، اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں، اور ہم مجلس اور مسافر، اور جو (لونڈی، غلام) تمہارے قبضہ میں ہے (ان سے حسن سلوک کرو)‘‘۔

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ’’پہلے میاں بیوی کے حقوق کا ذکر ہوا، آپس میں حسن سلوک اور حسن معاشرت کی تاکید ہوئی، اصلاح حال کی تدبیریں بتائی گئیں، اب مخاطب کو یہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ تیرا تعلق صرف گھر اور گھر والی سے ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ تیرا رشتہ اپنے خالق سے بھی ہے اور اسکی مخلوق سے بھی۔ ان کے حقوق کی ادائیگی بھی تم پر لازم ہے۔ اپنے خالق کا حق تجھ پر یہ ہے کہ اس کی یاد، اس کے ذکر اور اس کی عبادت میں سرشار رہے، اور کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس کا شریک نہ بنائے نہ ذات میں نہ صفات میں۔ اور اس کی مخلوق کا تجھ پر یہ حق ہے کہ سب کے ساتھ احسان اور مروت کا برتاؤ کرے۔ کسی کو ضرر اور دکھ نہ پہنچانے کا تو خیال تک بھی تیرے دل میں نہ گزرے۔ ترتیب بیان مراتب کی تربیت پر دلالت کرتی ہے کاش ہم تعلیمات قرآنی پر عمل کرنے کی سعی کریں۔‘‘[۳]

خدمت خلق میں اخلاص اور حفظ مراتب نہایت اہمیت کی حامل چیزیں ہیں۔ انسان بعض اوقات اپنے قریبی اعزاء واقربا کو غیروں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر دوسروں کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔ اسلام نے اس امر کو مستحسن نہیں جانا۔ اس طرح بہت ہی اہم اور اہم میں فرق کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض اوقات انسان صحراؤں کو گلستان بنانے کی فکر میں پڑ جاتا ہے، اور مخلوق خدا سسکتی بلکتی رہتی ہے۔ اس حوالہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’احیاء العلوم‘‘ کا یہ اقتباس چشم عبرت وا کرنے کے لیے کافی ہے۔

آپ معاشرے کے مالدار طبقے کی ایک روش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وہ حج کے بعد حج کرتے ہیں مگر اپنے ہمسائے کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے جو بے سبب بھی حج کرتے ہوں گے، حالانکہ ان کے پاس مال ہوگا۔ اس واسطے سفر کرنے کو کچھ دشوار نہ جانتے ہوں گے۔ حج سے جو پھریں گے تو محروم و تہی دست آئیں گے۔ خود تو سواری پر جنگل اور ریگستان میں پھرتے ہوں گے، اور ان کے پڑوس محتاج ہوں گے کہ ان کی خبر نہ لیں گے۔ ابو نصر کہتے ہیں ایک شخص حضرت بشر بن الحارث کے پاس آیا اور کہا کہ میرا ارادہ حج کا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ حج کے لیے تیرے پاس کیا ہے۔ اس نے کہا دو ہزار درہم۔ آپ نے فرمایا کہ مقصود رضائے الٰہی ہے تو یہ تجھے گھر بیٹھے بھی مل سکتی ہے۔
>
> جا یہ، دو ہزار درہم ایسے آدمیوں کو دے دے جو قرض دار ہوں اور اپنا قرض ادا کر سکیں، محتاج کو دے دے وہ اپنی ضرورت پوری کر سکے، یتیم کی پرورش کرنے والے کو دے دے تاکہ وہ یتیم کو خوش کر سکے......''۔[۴]

عصر حاضر میں خدمت خلق کے مختلف انداز ہو سکتے ہیں، جیسے کسی کے لیے روزگار کا انتظام کرنا، کسی کے لیے تعلیم کا اہتمام کرنا، کوئی چیز عاریۃً دینا، نیک مشورہ دینا، مظلوم کی مدد کرنا، خیراتی ہسپتال بنانا، کسی کے لیے روزمرہ استعمال کے لیے اشیاء فراہم کرنا وغیرہ گویا انسانی معاشرے کے ارتقاء کے ساتھ ان شعبوں میں وسعت آتی جائے گی۔ اسی وجہ سے اسلام میں صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد مبارک سے صدقہ کی درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

(الف)...... دو افراد کے درمیان عدل کرانا۔

(ب)...... کسی کی سواری پر سوار ہونے کے لیے مدد کرنا۔

(ج)...... کسی کا سواری پر سامان رکھ دینا۔

(د)......زبان سے اچھی بات کرنا۔

(ر)......نماز کے لیے اٹھنے والے قدم۔

(س)......رستہ سے تکلیف دہ چیز دور کرنا۔

(ص)......مجبور اور پریشان کی مدد۔

(ط)......برائی سے باز رہنا۔[۵]

اس مفہوم کو آپ نے اس قدر وسعت دیدی کہ:

"کل معروف صدقہ" "بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے"

اس کی ترغیب دلانے اور صدقہ کی قلت و کثرت کو اہمیت نہ دینے کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

اتقوا النار ولو بشق تمرة فان لم یکن فبکلمة طیبة.[۶]

"آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اچھی بات کر کے ہی آگ سے بچو"

یہ احادیث خدمت کے وسیع الجہت پروگرام کو اُمت کے سامنے پیش کر رہی ہے۔

آج دُنیا کے مختلف خطوں میں بالخصوص مسلم ممالک میں اپنے بعض خاص مقاصد کے تحت مختلف N.G.O's کام کر رہی ہیں۔ لیکن فقط اسلام نے انسانیت کی فلاح دارین کے لیے ایک مربوط اور وسیع البنیاد پروگرام دیا ہے جس کی بنیاد اخلاص پر ہے۔ اسی خدمت خلق کے جذبے کو صوفیہ نے اپنے مشن کا حصہ بنایا۔ یہ مردان باصفا اپنے اور بے گانے کی تمیز کیے بغیر لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے، اور کچھ نہ ہوتا تو ان کے دو میٹھے بول ہی ان کے دلوں کا مرہم ثابت ہوتے۔

ذیل میں نقشبندی سلسلے سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگانِ دین کے ارشادات اور واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

صوفیہ کے اقوال اور خدمت خلق:

☆......اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو بارِ خلق کھینچے اور خوش خُلق رہے۔

(بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ)

☆......مخلوق کے ساتھ تعلق خاطر داری سے رکھنا چاہیے، حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تعلق پاکی کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے۔ (ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ)

☆......اللہ تعالیٰ کی دوستی اس شخص کے دل میں نہیں ہوتی جس کو مخلوق خدا پر شفقت نہیں ہوتی۔

(ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ)

☆...... یہ مجھے گوارا ہے کہ دنیا سے مقروض ہو کر جاؤں، اور قیامت کے دن قرض خواہ میرا دامن پکڑے۔ مگر مجھے یہ گوارا نہیں کہ کوئی سائل مجھ سے سوال کرے اور اس کی حاجت رد کر دوں۔

(ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ)

☆......فقیر کا ہاتھ غنی کے ہاتھ سے اونچا رہتا ہے، کیوں کہ فقیر کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا نائب ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

الصدقة تقع فی کف الرحمٰن قبل ان تقع فی کف الفقیر.

”صدقہ فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے ہی رحمٰن کے ہاتھ میں جاتا ہے“۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے“۔

(حضرت خواجہ عزیزاں علی رامتینی رحمۃ اللہ علیہ)

☆......حضرت خواجگان رحمہم اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کو خدمت کی تکلیف نہیں دیا کرتے بلکہ خود خدمت کرتے ہیں۔ اور خدمت کرنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخدوم کے دل میں خادم کے لیے یک گونہ میلان اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ دل کے اس میلان کو یہ بزرگ ایک تعلق اور رابطہ سمجھتے ہیں۔ ماموں بزرگوار مولانا فخر الدین جب وضو کرنا چاہتے میں دوڑتا کہ آپ کو پانی کا لوٹا بھر دوں، آپ مجھے ایسا نہ کرنے دیتے تھے اور فرماتے ”اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کا طریقہ خدمت کرنا ہے نہ کہ مخدوم بننا۔“ (مولانا میر کا سلوانی)

حضرت مجدد الف ثانی:

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے اکبری الحاد کا خاتمہ ہوا۔ آپ نے ہند میں سرمایہ ءملت کی نگہبانی کی، شریعت کی ترویج کے لیے سعی جمیل فرمائی، بدعت کی بیخ کنی کی اور سنت کو رواج دیا۔ آپ نے بھی اپنے مکتوبات میں خدمت خلق کے مختلف پہلوؤں پر زور دیا۔ ایسے

مکتوبات جن میں آپ نے کسی ضرورت مند کی مدد کی نصیحت کی یا خدمت خلق کی اہمیت بیان کی درج ذیل ہیں:

دفتر اول:

مکتوب نمبر	مکتوب الیہم
۲۰	حضرت خواجہ باقی باللہ
۲۵	خواجہ جہاں
۴۱،۴۲	شیخ درویش
۴۳	شیخ فرید بخاری
۴۷	شیخ فرید بخاری
۵۲	شیخ عبدالوہاب بخاری
۵۷	شیخ محمد یوسف
۶۳	شیخ فرید
۶۷	خان خاناں
۶۹	خانخاناں
۷۲	خواجہ جہاں
۷۶	قلیج خان
۷۸،۷۹	جباری خاں
۸۱	میر فتح اللہ حکیم
۸۴	سید احمد قادری
۸۶	ضلع جرک کا ایک حاکم
۹۲	محمد شریف
۹۷	شیخ درویش

میاں سید احمد بجواری	۱۰۸
شیخ حمید سنبھلی	۱۱۱
مرزا مظفر	۱۷۹
منصور عرب	۱۸۵
صدر جہاں	۱۹۵
خان خاناں	۲۳۲،۲۷۴
مرزا داراب	۲۴۹
ملا طاہر لاہوری	۲۵۵

دفتر دوم:

خان خاناں	۸
مولانا حسن برکی	۷۷
داراب خاں	۷۸
مرزا عرب خاں	۹۰

دفتر سوم:

خان جہاں	۵۴
خواجہ شرف الدین	۵۹

ان مکاتیب میں آپ نے مخلوق سے محبت اور ان کے دکھ درد دور کرنے کے لیے جس سوز و درد کا مظاہرہ کیا، وہ صوفیہ ہی کا خاصہ ہے۔ مکاتیب سے ایسی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

ایک محتاج کی سفارش کے لیے خان خاناں کو لکھتے ہیں:

> ”دو ضروری اور اہم کام بے اختیار آپ کو تکلیف دینے کا باعث بنے ہیں، ایک رنج و آزار کا گمان رفع کرنے کا اظہار بلکہ آپ سے دوستی اور اخلاص کا ہونا، اور دوسرا ایک محتاج آدمی کی طرف اشارہ جو فضیلت اور نیکی سے آراستہ ہے، اور معرفت و شہود سے مزین ہے جو نسب کے لحاظ سے کریم اور حسب کے اعتبار شریف ہے۔[۷]

جباری خاں کو لکھتے ہیں:

> ''دوسری التماس یہ ہے کہ اس رقعہ دعا کا حامل شیخ مصطفیٰ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہے۔ ہندوستان میں ان کے بزرگ بزرگوں کی حیثیت میں تشریف لائے۔ ان کے بزرگوں کے ذرائع معاش اور بہت سے وظائف مقرر تھے۔ شیخ مصطفیٰ مذکور بے معاشی کے سبب فوج کی ملازمت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، اور اپنی اسناد اور متعلقہ احکام اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ انہیں امید ہے کہ آپ کے توسل سے ان کو دل جمعی اور سکون نصیب ہوگا۔ شیخ مذکور کے لیے بڑے آفیسروں کی خدمت میں اس طرح سفارش فرمائیں کہ مؤثر ثابت ہو، اور معاشی پریشانیوں کے ستائے ہوئے افراد کے لیے سکون قلب کا سبب ہو''۔[۸]

ضلع جرک کے ایک حاکم کو لکھتے ہیں:

> ''آپ نے ملاقات کے وقت از روئے کرم نوازی فرمایا تھا کہ اگر کسی مہم اور کام میں رجوع کی ضرورت پڑے تو ہمیں لکھنا اس بنا پر بندہ ایک تکلیف دیتا ہے کہ شیخ عبداللہ صوفی نیک لوگوں میں سے ہے۔ بعض حاجات کی بنا پر قرضہ دار ہو چکا ہے امید ہے کہ قرض سے نجات دلانے میں مدد فرمائیں گے''۔[۹]

ایصال ثواب کے حوالے سے ایک نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا حسن برکی کو لکھتے ہیں:

> ''اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ کلام اللہ کا ختم کرنا اور نفل نماز پڑھنا اور تسبیح وتہلیل کرنا، اور اس کا ثواب والدین کو یا استاد یا بھائیوں کو بخش دینا بہتر ہے۔ یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔ جان لینا چاہیے کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے کہ اس میں دوسروں کا بھی نفع ہے، اور اپنا بھی فائدہ ہے۔ اور نہ بخشنے میں صرف اپنا ہی فائدہ ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ شاید دوسروں کے طفیل اس کے عمل کو قبول کر لیں''۔[۱۰]

مرزا عرب خان کو مخلوق خدا سے حسن سلوک کی طرف متوجہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہیں، اور مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو وہ پیارا ہے جو اس کی عیال سے اچھا سلوک کرے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ مخلوق کے رزق کا کفیل ہے۔ پس مخلوق اس کے عیال کی طرح ہے۔ جو آدمی کسی کے عیال سے غم خواری کرے، اور اس کے بوجھ کو برداشت کرے تو یہ شخص اس عیال والے کا محبوب ہو جائے گا کہ اس نے اس کا بوجھ ہلکا کر دیا، اور اس مشقت کو اپنے اوپر ڈال لیا۔ اس بنا پر تکلیف دینے کی جرأت کرتا ہوں کہ حافظ احمد نیک آدمی اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ہیں، بال بچہ کی کثرت نے ان کو پریشان کر رکھا ہے وہ ان کی ذمے داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ آپ کے کرم سے درخواست ہے کہ ان کی امداد و اعانت کریں۔ سخی لوگوں کو سخاوت کے لیے بہانہ کافی ہے''۔[۱۱]

حضرت امام جعفر صادق: (۸۰ھ تا ۱۴۸ھ/۶۹۹ء تا ۷۶۵ء)

ایک شخص کی اشرفیوں کی تھیلی گم ہو گئی۔ وہ حضرت امام سے واقفیت نہیں رکھتا تھا اس نے آپ پر شک کرتے ہوئے کہا میری تھیلی تم نے لی ہے، حضرت امام نے اس سے بحث نہ کی اور فرمایا کس قدر دینار تھے۔ اس نے کہا کہ ایک ہزار تھے۔ آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور ہزار دینار دے دیے۔ جب وہ شخص گھر واپس گیا تو وہاں اسے دینار مل گئے، وہ شخص واپس حضرت امام کے پاس گیا اور عرض کی ''مجھ سے خطا ہوئی ہے مجھے اپنے دینار واپس مل گئے، آپ اپنے دینار واپس لے لیجیے''۔

آپ نے فرمایا: ''تم لے جاؤ، ہم جو کچھ دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے''۔ اس شخص نے دریافت کیا کہ: ''کون ہیں''۔ اسے بتایا گیا یہ حضرت امام جعفر صادق ہیں، وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت بایزید بسطامی: (م ۲۶۱ھ/۸۷۴ء)

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ قبرستان سے آ رہے تھے کہ بسطام کے رئیسوں میں سے ایک نوجوان گاتا بجاتا چلا آ رہا تھا۔ حضرت بایزید نے اسے دیکھ کر فرمایا: **لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم.**

اس رئیس نے غصہ میں اپنا باجا آپ کے سر پر اس زور سے مارا کہ باجا ٹوٹ گیا۔ اس کے دوسرے دن بایزید نے صبح کے وقت باجے کی قیمت اور کچھ حلوا اپنے مرید کے ہاتھ اس نوجوان کے پاس بھیجا، اور کہا کہ اسے کہنا بایزید نے معذرت کی ہے، اور یہ قیمت بھیجی ہے کہ اس سے اور باجہ خرید لو، اور یہ حلوہ بھیجا ہے اسے کھاؤ تا کہ رات کا غم وغصہ جاتا رہے۔ اس نوجوان نے یہ دیکھا تو اس پر ایسا اثر ہوا کہ آکر حضرت بایزید کے قدموں پر گر پڑا، بہت رویا اور آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے ہمراہی بھی آپ کے مرید ہوگئے۔ یہ حضرت خواجہ کی خوش خلقی کا ثمر تھا۔

ایک بار لوگوں نے آکر آپ سے قحط سالی کی شکایت کی اور عرض کی کہ: ”دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ بارش بھیجے“۔ یہ سن کر آپ نے سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کر فرمایا: ”جاؤ اپنے نالوں کو درست کر لو بارش آ رہی ہے“۔ اس وقت مینہ برسنا شروع ہوا اور دن رات برستا رہا۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری: (۷۱۸ھ تا ۷۹۱ھ/ ۱۳۱۸ء تا ۱۳۸۹ء)

زندگی کے آخری حصہ میں قصر عارفاں (بخارا) میں ہی مقیم رہے۔ آپ کے روزمرہ کے معمولات میں نمایاں پہلو خدمت خلق تھا۔ یہاں تک کہ جانوروں کی بھی خدمت اور دیکھ بھال کرتے تھے۔ سڑکوں کی مرمت اور دیکھ بھال آپ کے مشاغل کا خصوصی حصہ تھا۔ آپ کا پیشہ زراعت تھا ہر سال جو اور ماش کی کاشت کرتے، بیج، زمین اور بیلوں کے استعمال میں خاصی احتیاط کی جاتی۔ اسی پیداوار سے گھر اور لنگر کا کام چلتا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں بغیر چھنے جو کا آٹا پکتا تھا۔ فرمایا کہ ”چند دن ہمارے ہاں بھی بغیر چھنے جو کا آٹا پکایا گیا۔ اس سے سب بیمار پڑ گئے“۔ معلوم ہوا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضور ﷺ کی مماثلت اور برابری کی صورت پیدا ہوگئی، اور یہ بے ادبی تھی۔ آنحضور ﷺ کی متابعت کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ مگر اپنے آپ کو ہر معاملہ میں فروتر خیال کرنا چاہیے۔ اس کے بعد دوبارہ چھنا ہوا آٹا پکنے لگا۔

حضرت سید نور محمد بدایونی: (م۔ ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۴ء)

آپ کے پڑوس میں بھنگ فروش کی دکان تھی۔ ایک دن فرمایا کہ بھنگ کی ظلمت سے نسبت باطنی مکدر ہو جاتی ہے یہ سن کر کسی مخلص نے دکان کو جبری طور وہاں سے ہٹا دیا آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا اب پہلے سے زیادہ مکدر ہوگئی ہے کیوں کہ دکاندار کا احتساب خلاف شرع انداز میں ہوا ہے۔ پہلے اسے نرمی

سے تلقین کر کے توبہ کرانی چاہیے تھی۔ اس کے بعد سختی روا تھی۔ غرض یہ کہ اسے تلاش کر کے پاس بلوایا اور اپنے مریدوں کی طرف سے معذرت کی۔ پھر اسے کچھ رقم عطا فرمائی اور کہا کہ خلاف شرع پیشہ اچھا نہیں ہوتا کوئی اور جائز پیشہ اختیار کرو۔ دکاندار کے دل پر آپ کی باتوں کا اثر ہوا اور وہ تائب ہو گیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ: (۹۷۱ تا ۱۰۱۲ھ/۱۵۶۴ تا ۱۶۰۳ء)

اس صفت کی بے شمار مثالیں تذکروں میں ملتی ہیں۔ جن دنوں آپ کا قیام لاہور میں تھا تو وہاں قحط پڑ گیا، لوگ بھوکے مرنے لگے۔ آپ نے اپنی خوراک کم کر دی اور اکثر روزے سے رہنے لگے، اور جو کھانا آپ کے ہاں پکتا غریبوں میں تقسیم فرما دیتے۔

شفقت کا یہ انداز جانوروں کے لیے بھی ویسا ہی تھا۔ ایک رات تہجد کے لیے اٹھے تو بلی بستر میں سو گئی۔ آپ نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود سردی کی کوفت برداشت کرتے رہے۔

سفر کے دوران اگر کوئی کمزور پیادہ نظر آتا تو اسے سوار کر لیتے اور خود پا پیادہ ہو جاتے۔ منزل پر پہنچنے سے کچھ پہلے خود سوار ہو جاتے تاکہ کسی کو اس نیکی کا علم نہ ہو۔

ایک شخص آپ کے پڑوس میں رہتا تھا اور طرح طرح کی شرارتیں کیا کرتا تھا مگر آپ سب برداشت کرتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی بااثر مرید نے اسے کوتوالی میں گرفتار کروا دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو مرید پر ناراض ہو گئے۔ اس نے کہا کہ حضرت وہ بڑا فاسق و شریر ہے۔ آپ نے آہ سرد بھری اور فرمایا: ”ہاں تم اپنے آپ کو صالح خیال کرتے ہو اور دوسرے فاسق نظر آتے ہیں۔ ہم کیا کریں ہمیں تو وہ اپنے آپ سے کسی طرح برا معلوم نہیں ہوتا“ یہ سن کر مرید نے اسے اسی وقت قید سے رہا کروا دیا۔

اگر کوئی حاجت مند آپ کے پاس آتا تو اس کی سفارش فرما دیتے، لیکن اپنی ذات یا اپنے خاص درویشوں کے لیے کوئی دنیاوی تدبیر نہ کرتے۔ فرماتے کہ:

”جس کسی کو ہم سے مالی امداد ملے وہ سمجھ لے کہ اس کے ساتھ ہماری دینی محبت کم ہے“۔

جب کوئی امیر آدمی خانقاہ کے درویشوں کی امداد کی اجازت طلب کرتا تو آپ ان سالکین کے لیے جن کے ساتھ آپ کی نسبت قائم ہو چکی ہوتی، اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ: ”میرے خاص خادموں کی زندگی میری طرح فقر، زہد، توکل اور قناعت سے بسر ہونی چاہیے“۔ ہاں عام لوگوں کے لیے اجازت دے دیتے۔

حضرت شاہ عبداللہ عرف شاہ غلام علی دہلوی: (۱۱۵۸ تا ۱۲۴۰ھ/ ۱۷۴۶ تا ۱۸۲۵ء)

طبیعت میں شفقت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اکثر راتوں کو مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ایک حکیم آپ کا ہمسایہ تھا جو ہمیشہ آپ کی غیبت میں مصروف رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ قید ہوگیا آپ نے اس کی رہائی کے لیے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

مجلس میں کسی کو غیبت کی اجازت نہ تھی اور فرماتے کہ: ''غیبت کے لائق تو میں ہی ہوں''۔ ایک مرتبہ کسی نے بادشاہ وقت کی غیبت کی فرمایا کہ: ''افسوس روزہ جاتا رہا''۔ کسی نے عرض کیا کہ: ''آپ نے غیبت نہیں کی''۔ فرمایا: ''سنی تو ہے: غیبت کرنے والے اور سننے والے دونوں برابر ہیں''۔

حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو سے کم فقیر نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمے تھا۔ اور باوجود یہ کہ کہیں سے کوئی حبہ مقرر نہ تھا، اللہ تعالیٰ غیب سے کام چلاتا تھا۔ اس پر فیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کسی سائل کو محروم نہ پھیرا، جو اس نے مانگا وہی دیا۔ جو چیز عمدہ و تحفہ آپ کے پاس آتی اس کو بیچ کر فقراء پر صرف کرتے۔ اور جیسا گزی گاڑھا موٹا تمام فقیروں کو میسر ہوتا، ویسا ہی آپ بھی پہنتے، اور جو کھانا سب کو میسر ہوتا وہی کھاتے۔ اگر کبھی کچھ اسباب اور سامان دنیا کا ذکر آتا تو فرماتے:

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
ہر چہ ماداریم زاں ہم اکثرے درکارنیست

حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری: (۱۲۰۲ تا ۱۲۷۰ھ/ ۱۷۸۹ تا ۱۸۵۵ء):

اخلاق حمیدہ، تہذیب الاخلاق اور سخاوت کا مجسمہ تھے۔ مہمان نوازی اور خدمت خلق آپ کا شیوہ تھا۔ موسم سرما میں کوئی مہمان آجاتا اور مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے لحاف نہ ہوتا تو اپنا لحاف اسے دیتے، اور خود تمام رات بیٹھ کر گزار دیتے۔ امراء کے تعلق سے اجتناب فرماتے۔ کوئی امیر بیعت ہونا چاہتا تو ٹالنے کی کوشش کرتے جب کہ غربا پر انتہائی شفقت فرماتے۔ کوئی سائل خالی نہ جاتا۔ بعض اوقات جو کچھ بھی پاس ہوتا اسے دیدیتے۔

ایک سکھ نے بڑی عاجزی سے رو کر عرض کیا کہ: ''مفلس ہوں اور میری جوان لڑکیاں کنواری بیٹھی ہیں کیونکہ میرے پاس جہیز کے لیے کچھ نہیں''۔ آپ نے تعویذ لکھا اور فرمایا کہ ''صبح اسے پگڑی میں

باندھ کر مشرق کی جانب روانہ ہونا''۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دور اسے دو شخص ملے جن کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں تھیں، اسے ڈرا کر کہا کہ ''اس مردہ جانور کے ڈھانچے کو بورے میں باندھ کر گھر لے جاؤ'' اور گھر سے پہلے اسے مت کھولنا، ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے''۔ سکھ ڈر کے مارے اسے گھر لایا اور جب بوری کو کھولا تو وہ ڈھانچہ سونے میں بدل چکا تھا۔ جب سکھ کی فارغ البالی کا قصہ عام ہوا تو فرمایا کہ:

''مُردار کو مُردار دے دیا ہے، کیوں کہ دنیا مثل مُردار کے ہے اور اس کا طالب مثل کتے کے''۔

حضرت خواجہ سیف اللہ:

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے ''رسالہ احوال بزرگان'' میں خود فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ سیف الدین چودہ سو طلبہ کو وظیفہ (مدد معاش) دیتے تھے۔ [۱۲]

عبدالغفور پشاوری مجددی: (۱۱۱۴ھ)

روزانہ تقریباً ۵۰۰ آدمی آپ کے دسترخوان سے کھانا کھاتے۔ آپ کا دیگ دان کبھی ٹھنڈا نہ پڑتا۔ خدام عالی مقام صبح سے شام تک کھانا پکاتے اور تقسیم کرنے میں مشغول رہتے۔ شیخ کھانے کے ساتھ ساتھ حاجت مندوں کو نقدی اور لباس بھی مرحمت فرماتے۔ [۱۳]

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری:

آپ کی عادت تھی کہ گرمی کے موسم میں دو کڑے دونوں ہاتھوں میں پہنا کرتے تھے۔ راستے میں جاتے ہوئے کوئی سوالی نظر آجاتا تو ایک کڑا اتار کر دے دیتے، آگے چلتے اور کوئی سوالی دکھائی دیتا تو دوسرا کڑا اسے اتار کر دے دیتے۔

ہر قصبہ میں اور شہروں میں غریب لوگ خوانچہ لگائے چھوٹی موٹی چیزیں لیے سڑک یا گلی یا بازار کے کنارے پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ جب آپ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرتے تو بلاضرورت بھی ان سے چیزیں خرید لیتے اور اس کے ٹوکرے میں گندے اور خراب چھانٹ لیتے اور پورے پیسے ان کے حوالے کرتے۔ لوگ پوچھتے حضرت یہ کیا؟ تو آپ فرماتے:

> ''دراصل یہ لوگ سوالی ہوتے ہیں اس لیے ان کی مدد کرنا معاشرے کا فرض ہے۔ غیرت کے مارے سوال نہیں کرتے اس طرح چھوٹی

موٹی چیزیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ کوئی خدا کا بندہ رحم کر کے ان سے چیزیں خرید لے، اوران کی ضرورت پوری ہو جائے“

☆......☆.....☆

حواشی:

۱...... مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱۱، ص :۲۹۰
۲..... سورۃ النساء آیت:۳۶
۳..... ضیاء القرآن جلد اول، ص :۳۴۴
۴...... احیاء العلوم (اردو) جلد ۳، ص :۲۳۷_۲۳۸
۵..... مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف
۶..... مسلم، کتاب الزکوٰۃ
۷...... دفتر اول مکتوبات، مکتوب:۶۷
۸...... دفتر اول مکتوب:۸۰
۹...... دفتر اول مکتوب، ۸۶
۱۰...... دفتر دوم، مکتوب، ۷۷
۱۱...... دفتر دوم مکتوب، ۹۰
۱۲...... مقامات مظہری ص، ۳۶۲
۱۳......خزینۃ الاصفیاء ص/ ۲۲۴

☆...☆...☆

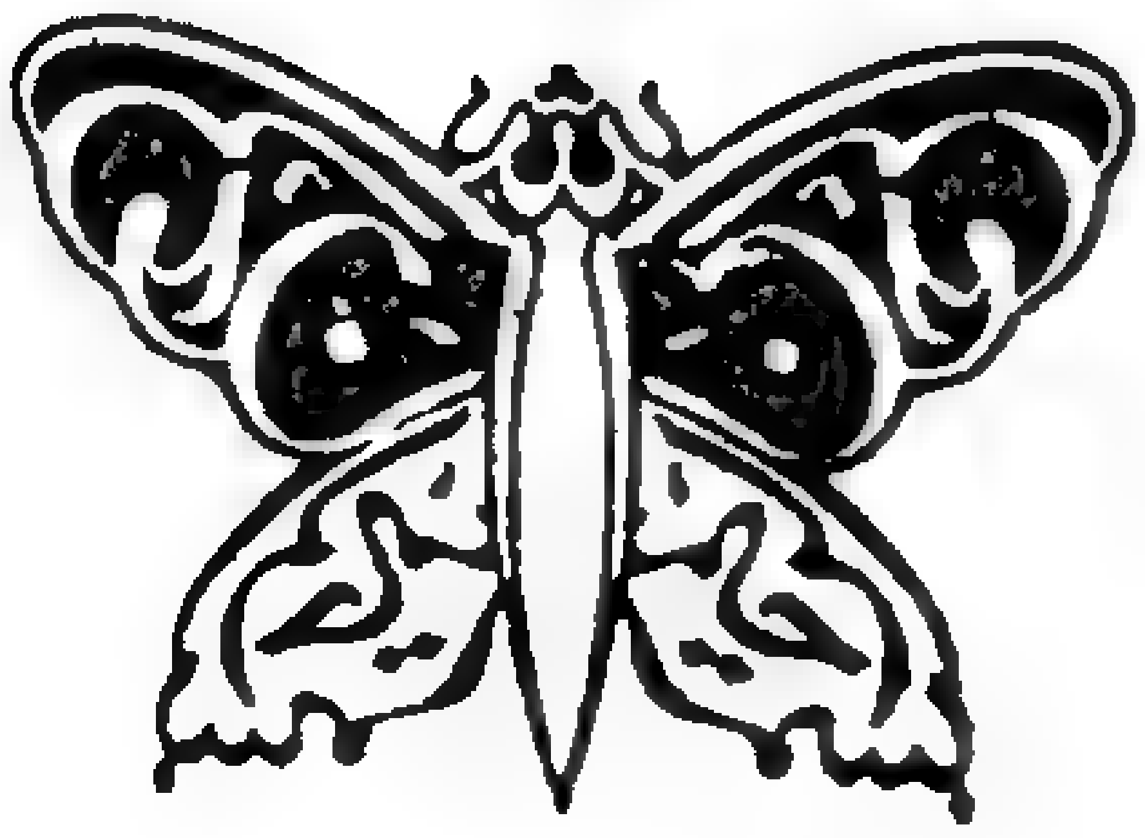

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشورِ چہارم

اہل حق ہیں مانتے اس الف ثانی میں تو ہی
ناجیوں کے قافلے کا قافلہ سالار ہے

([illegible] شاہجہاں پوری)

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور اُن کے ناقدین

شاہ ابوالحسن زید فاروقی

☆☆

آہ مُجدّدِ اَلفِ ثانی اور محقّقین

۶ ۷ ۴ ۳ ۱

آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔ کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور خطاب امامِ ربّانی مجددِ الفِ ثانی۔

آپ کی ولادت سرہند میں شبِ جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو ہوئی۔ لفظ ”خاشع“ سے سالِ ولادت ظاہر ہے۔ گریگوری شمسی عیسوی حساب سے ۵ جون ۱۵۶۴ء تاریخ تھی۔

آپ کی وفات روزِ سہ شنبہ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند شریف میں ہوئی۔ بعض نے چاند کی ستائیس اور بعض نے انتیس بھی لکھی ہے اور یہ اختلاف مطالع کی بنا پر ہے۔ دن سہ شنبہ ہی ہے۔ گریگوری حساب سے شمسی تاریخ ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء تھی۔[1]

عمر شریف قمری حساب سے باسٹھ سال چار ماہ چودہ دن اور شمسی حساب سے ساٹھ سال چھ ماہ پانچ دن کی ہوئی۔

اپنے مسکن اور مسجد شریف کے قریب اپنے محبوب فرزند حضرت محمد صادق کے گنبد میں اُن کے پہلو میں بجہتِ غرب مدفون ہوئے۔ سَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (ترجمہ: سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر۔

سلام از ما رسد ہر دم بجانش الٰہی از تو رحمت بر روانش

آپ کا سلسلۂ نسب امام الاتقیاء یعنی امیر المؤمنین حضرت عمر الفاروق تک اکتیس وسائط سے پہنچتا ہے[2]

---

[1] واضح رہے کہ مقامات خیر اور مقالاتِ احمدیہ میں تاریخ وفات شمسی حساب سے ۲۶ نومبر ۱۶۲۴ء اور عمر شریف ۵ ماہ ۲۱ دن سہواً لکھی گئی ہے، اس کی تصحیح کر لی جائے۔

[2] اس سلسلہ میں اگر تحقیق مطلوب ہو تو مقامات خیر کے صفحہ ۳۳ - اور مقالاتِ اخیار کے صفحہ ۴۴ کو دیکھا جائے۔

آپ کے چھٹے دادا امام رفیع الدین ہیں۔ اُن کا مزار پُرانوار مضافات سرہند میں ہے۔ اُن کے نویں دادا شہاب الدین علی معروف بہ فرخ شاہ کابلی تھے۔ اُن کا مزار کابل سے شمال کی طرف تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر دَرّہ کوہ میں واقع ہے۔ انہی کی نسبت کی وجہ سے حضرت مجدد کے نام کے ساتھ لفظ کابلی لکھا جاتا تھا۔ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر کا سلسلۂ نسب بھی حضرت فرخ شاہ کابلی سے ملتا ہے۔ وہ حضرت گنج شکر کے چھٹے دادا ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم العلیۃ۔

آپ کے والد بزرگوار کا نام عبدالاحد اور شہرت مخدوم سے تھی۔ اسی مناسبت سے آپ کی اولاد کو مخدومی کہا جاتا ہے۔ آپ کے سات صاحبزادے تھے۔ وسطِ قِلادَہ حضرت مجدد کی ذاتِ بابرکات تھی۔ خوردسالی ہی سے آپ کے اوضاع واطوار عام بچوں سے جُدا تھے۔ آپ کی جبینِ مبین سے سیمائے ہوشمندی اور ستارۂ بلندی کی چمک دمک ظاہر تھی۔ اصحابِ بصیرت وارباب خِرَد آپ کو دیکھ کر محسوس کرتے تھے کہ آپ اپنے وقت کے مایۂ ناز فرد ہوں گے۔ خواجہ محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ خوردسالی میں آپ علیل ہوگئے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ آپ کو حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری کے پاس لے گئیں اور التماسِ دعا کی۔ شاہ کمال نے فرمایا۔ پریشان خاطر نہ ہو، یہ بچہ عمر پائے گا اور خلقِ خدا اس سے فیضیاب ہوگی۔ [لہ]

حضرت مخدوم جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ زبدۃ المقامات میں آپ کی دو تالیفات کا ذکر کیا ہے جن کا نام کنوزالحقائق اور اَسرارِ تشہد ہے۔ اسرار تشہد کا کچھ حصہ خواجہ ہاشم نے نقل بھی کیا ہے جو عربی میں ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صاحبِ تحقیق وتدقیق تھے۔ علوم اسرار و معارف میں آپ کا پایہ بلند تھا۔ آپ کی نہاد میں خداطلبی کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ ابھی آپ علم ظاہر کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ کششِ باطن آپ کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں لے گئی اور آپ حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کریں لیکن حضرت شیخ نے آپ سے فرمایا پہلے علم ظاہر حاصل کرلو پھر علم باطن حاصل کرنا۔ آپ نے عرض کی۔ آپ کی ضعیفی ہے شاید پھر ملاقات نہ ہوسکے۔ حضرت شیخ نے کہا۔ میرے فرزند رکن الدین سے معارف حاصل کرلینا۔ چنانچہ یہی صورت واقع ہوئی اور آپ نے بعد میں شیخ رکن الدین سے استفادہ کیا اور خلافت پائی۔ شیخ رکن الدین نے جو خلافت نامہ عربی میں لکھ کر عنایت کیا، وہ فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ خلافت نامہ تین اوراق میں ہے۔ میں ابتدا کی چند سطریں نقل کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بُشْرٰی لَقَدْ اَنْجَزَ الْاِقْبَالُ مَا وَعَدَا   وَکَوْکَبُ الْمَجْدِ فِی الْاُفُقِ الْعَلٰی صَعِدَا

[لہ] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۹۶

بشریٰ ترا کہ دولتِ اقبال رُو نمود　　انجاز وعدہ کرد و نقاب از رُخ کشود
در آسمانِ رفعت شمسے برآمدہ　　نورے ازاں بتافتہ اندر جہاں نمود

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ وَکَرَّمَہٗ بِخِلَافَتِہٖ وَاَجْرٰی سُنَّتَہٗ بَیْنَ اَنْبِیَائِہٖ وَاَوْلِیَائِہٖ وَکَمَّلَ اِحْسَانَہٗ عَلٰی مِلَّتِہٖ وَاَکْثَرَ شُکْرَہٗ عَلٰی نِعْمَتِہٖ وَھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاہِرُ وَالْبَاطِنُ، لَا مُؤَخِّرَ لِمَا قَدَّمَ، وَلَا مُقَدِّمَ لِمَا اَخَّرَ وَلَا مُعْلِیَ لِمَا اَبْطَنَ وَلَا مُخْفِیَ لِمَا اَظْھَرَ۔ الخ [1]

آپ نے یہ خلافت نامہ ۱۰۰۸ھ میں لکھ کر دیا۔ حضرت مخدوم کو اگرچہ خلافت مل گئی لیکن آپ کے جذبۂ خدا طلبی کو تسکین نہیں ہوئی، لہٰذا آپ نے دور دراز مقامات کا سفر کیا۔ لاہور، رہتاس، جونپور، بنگال وغیرہ گئے اور مشائخ سے فوائد حاصل کئے۔

آپ کو فصوص الحکم اور عوارف المعارف سے خاص لگاؤ تھا اور ان دونوں کتابوں کو تحقیق و تدقیق سے پڑھایا کرتے تھے۔ بیعت کسی کو نہیں کیا۔ البتہ حضرت مجدد آپ سے بیعت ہوئے اور منازلِ سلوک طے کئے۔ "مبدأ و معاد" میں تحریر فرماتے ہیں: "اس درویش کو فردیت کی نسبت جس سے عروجِ اخیر وابستہ ہے حضرت والد سے حاصل ہوئی ہے۔"

حضرت مجدد نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم و فنون کی زیادہ تر کتابیں اور تصوف کی ساری کتابیں حضرت مخدوم سے پڑھیں اور پھر فضلائے روزگار سے جا کر تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں سے کمال الدین کشمیری، قاضی بہلول بدخشانی، شیخ یعقوب صرفی قابلِ ذکر ہیں۔ خواجہ ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ آپ سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔

اس زمانہ میں آگرہ دار السلطنت اور مرکزِ اہلِ فضل و کمال تھا۔ اصحابِ استعداد کو اہلِ فضل و کمال کی ملاقات کا شوق ہوا کرتا ہے اور خاص کر اوائل عمر میں یہ شوق غالب رہتا ہے چنانچہ حضرت مجدد کو بھی یہ شوق ہوا اور آپ نے آگرہ کا قصد کیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ آپ اوائل عقدِ سوم میں آگرہ تشریف لے گئے یعنی بائیس تئیس سال کی عمر میں۔

خواجہ ہاشم نے قیامِ آگرہ کا ایک واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

"حضرت مجدد احیاناً ابو الفضل کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ابو الفضل فلاسفہ کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔ حضرت مجدد نے ان سے کہا۔ امام غزالی نے رسالۂ اَلْمُنْقِذُ مِنَ الضَّلَال میں لکھا ہے کہ وہ علوم جو کارآمد ہیں جیسے علمِ نجوم، ہیئت، طب، تو ان علوم کو

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۳۹۔ اور مطبوعہ محمود پریس لکھنؤ کے صفحہ ۹۲، ۹۳۔

فلاسفہ نے انبیائے ماسبق کی کتابوں سے لیا ہے اور جن علوم کا بیان خود فلاسفہ نے کیا ہے جیسے ریاضی، تو وہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ یہ سن کر ابوالفضل متغیر ہوئے اور انھوں نے کہا۔ غزالی نامعقول گفتہ است: غزالی نے سمجھ میں نہ آنے والی بات کہی ہے۔ اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے اس کلام میں چنداں قباحت نہیں لیکن بہ اعتبار استعمال کے متضمن قباحت ہے۔ حضرت مجدد کو اس کی تاب نہ ہوئی اور یہ فرما کر چلے آئے۔ اگر ذوق صحبت ما اہل علم داری ازیں حرفہائے دور از ادب زبان باز دار: اگر ہم جیسے اہل علم سے تم کو ملنے کا شوق ہے تو ایسے دور از ادب الفاظ سے اپنی زبان کو روکو۔[1] ابوالفضل کی بات کا جو اثر حضرت مجدد پر ہوا اور جو کچھ آپ نے ابوالفضل کے احوال ملاحظہ کیں ان کے نتیجے میں آپ نے عربی میں رسالہ "اثبات نبوت" تحریر کیا، لیکن یہ رسالہ ناتمام رہ گیا۔ آخری حصہ "اَلْمَقَالَةُ الثَّانِيَةُ فِي ذَمِّ الْفَلْسَفَةِ" کی سرخی آپ نے لکھی ہے اور مضمون تشنۂ تحریر ہے۔ انہی ایام میں آپ نے رسالۂ ردِّ شیعہ بھی لکھا ہے جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

ان دو رسالوں کے مطالعہ سے آپ کے جذبۂ ایمانی اور غیرتِ اسلامی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کی نکتہ سنجی اور دقتِ نظر کس پایہ کی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ شیخ عبداللہ نے تفسیر "تبصیر الرحمن" از شیخ علی مہائمی آپ کے پاس ارسال کی۔ آپ نے بعض مواضع سے اس کو دیکھا اور ایک مکتوب کے ساتھ وہ تفسیر واپس کر دی۔ آپ کے مکتوب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"مؤلف کا رجحان فلسفہ اور فلاسفہ کی طرف بہت ہے۔ سورۂ ہود کی سولھویں آیت ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ۔ اس کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (بِاتِّفَاقِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْحُكَمَاءِ) اِلَّا النَّارُ (الْمَحْسُوْسَةُ اَوِ الْمَعْقُوْلَةُ) یعنی: جن کو کچھ نہیں پچھلے گھر میں (باتفاق انبیا و حکما) سوائے آگ (آگ حسی ہو یا عقلی ہو)۔" مؤلف نے انبیا کے ساتھ فلاسفہ کا ذکر کیا اور پھر انبیا کے مسلک کے ساتھ کہ وہ آگ حسی ہے فلاسفہ کا مسلک بیان کر دیا کہ چاہے وہ آگ عقلی ہو۔ اس طرح کے بیان سے فلاسفہ کی ہمسری انبیا کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ ایسی کتاب کا مطالعہ نقصان سے خالی نہیں۔[2]

جس حقیقت اور مفسدہ کی طرف حضرت مجدد کا ذہن وقّاد گیا ہے عوام تو در کنار خواص تک اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔ یہ ہے "اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" کی ایک مثال۔ بے شک یہ کام ہمت کے ہیں:

---

[1] زبدۃ المقامات کے صفحہ ۲۰۳ سے ۲۰۵ تک ملاحظہ فرمائیں۔ [2] مکتوب ۱۰۱ دفتر سوم کو مطالعہ کریں۔

آپ کا قیام آگرہ میں کچھ زیادہ ہو گیا، حضرت مخدوم تابِ ہجراں نہ لا سکے اور باوجود پیرانہ سالی کے عازمِ آگرہ ہوئے۔ آگرہ میں بعض فضلا نے آپ سے دریافت کیا۔ یہ زحمت کیوں برداشت کی۔ آپ نے فرمایا "شوقِ ملاقات فرزندِ دلبند شیخ احمد سلمہٗ مجھ کو کھینچ لایا۔ ع "یوسف نہ رود کنعاں یعقوب بروں آید" آپ حضرت مخدوم کے ساتھ سرہند شریف آئے۔ سلسلۂ ازدواج میں منسلک ہوئے اور جب تک حضرت مخدوم باحیات رہے اُن کی خدمت میں رہے اور استفادہ کرتے رہے۔ آپ کو جو بھی نعمت ملی وہ حضرت مخدوم کی دعاؤں کا ثمرہ تھا۔

وصول بہ کعبۃ الآمال

سالہاسال سے آپ حج و زیارت کے متمنی تھے لیکن حضرت مخدوم کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت مخدوم دنیا سے سفر کر گئے تو آپ کو موقع ملا کہ اپنی خواہش پوری کریں۔ چنانچہ ۱۰۰۸ھ میں حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا یہ شعر آپ کے حسبِ حال واقع ہوا۔

می گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں
عالم آشوب نگاہے سرِ راہم بگرفت

آپ دہلی پہنچے مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کے شناسا اور حضرت خواجہ کے مُرید تھے۔ انھوں نے حضرت خواجہ کے کمال کا ذکر کیا کہ طریقہ نقشبندیہ کے صاحبِ کمال ہیں۔ چونکہ آپ نے حضرت مخدوم سے بارہا سُنا تھا "مرکزِ ایں دائرہ و شاہ راہِ ایں بادیہ بدست طائفہ نقشبندیہ افتادہ است" اور حضرت مخدوم کہا کرتے تھے۔ "یا تو اللہ مجھ کو حضراتِ خواجگان کے دیار میں پہنچا دے یا اُن میں سے کسی صاحبِ کمال کو یہاں لے آئے تاکہ ان کی نسبت سے استفادہ کروں" اب جب آپ نے مولانا حسن سے حضرت خواجہ کا ذکر سُنا تو ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ کی خواہش پر دو ہفتہ کی مہمانی قبول کی۔ ابھی دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ کی کیفیت بدلی اور حضرت خواجہ کی کشش غالب آئی اور آپ بزبانِ حال

كَمُلَتْ مَسَافَةُ كَعْبَةِ الْآمَالِ
حَمْدًا لِمَنْ قَدْ مَنَّ بِالْإِكْمَالِ

کہتے ہوئے حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے یعنی کعبۂ مرادات تک پہنچنے کی مسافت پوری ہوئی، شکر ہے اُس پاک ذات کا جس نے دولتِ اکمال سے مالا مال کر دیا۔

آپ نے سالہاسال ریاضتیں کی تھیں، مختلف سلاسل سے فیضیاب ہوئے تھے، ساحتِ سینہ پاک صاف اور مجلّٰی مزکّٰی تھا۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ کی کیفیت ظاہر تھی۔ یعنی ایسا لگتا ہے کہ اس کا تیل سلگ اُٹھے اور ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ" صرف تیل دکھانے کی کسر تھی اور وہ حضرت خواجہ کی صحبت تھی۔ آپ نے مہمانی چھوڑی اور ڈھائی مہینے حضرت خواجہ کی دربانی کر کے دولتِ اکمال و تکمیل اور مُبَشِّراتِ خلافتِ الٰہیہ حاصل کر کے سرہند مراجعت فرمائی،

پھر اپنے گھر کے قریب "مسجدِ مردانِ خدا، سنہ ۱۰۰۸ھ" تعمیر کی۔ یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کا ہر ذرّہ فلکِ ہدایت پر مہرِ درخشاں بن کر چمکا، یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے ہزاروں بندگانِ خدا اپنے سر پر تاجِ رضا رکھ کر مملکتِ قناعت و تسلیم کے بادشاہ بنے۔ یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے طریقۂ مبارکۂ نقشبندیہ عَلیٰ صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ کی ترویج اطرافِ عالم میں ہوئی، یہی وہ مبارک مسجد ہے، جہاں سے سلسلۂ نقشبندیہ کی نہریں بدخشاں اور ماوراء النہر پہنچیں اور یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کی خاک پر بیٹھ کر ایک مردِ خدا آگاہ نے اکبری طاغوتی طاقتوں کو شکست دی اور "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ" کا ظہور ہوا۔ (ترجمہ) اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

حضرت خواجہ نے اُنہی دنوں میں ایک مخلص کو تحریر فرمایا ہے۔

"شیخ احمد نام مردے است در سرہند کثیر العلم و قوی العمل روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کرد، عجائب بسیار از روزگار و اوقات او مشاہدہ کردہ، بہ آں می ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا ازو روشن گردند، بحمد اللہ تعالیٰ احوال کاملۂ او مرا بہ یقین پیوستہ این شیخ مشار الیہ برادران و اقربا دارد، ہمہ مردم صالح و از طبقۂ علماء، چندے را دعا گو ملازمت کردہ از جواہرِ عالیہ دانستہ استعدادہائے عجیب دارند، فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال و اسرارِ الٰہی اند بالجملہ شجرہ طیبہ اند، أَنْبَتَهُ اللّٰهُ نَبَاتًا حَسَنًا۔ الغرض بہ جہتِ کثرتِ عیال و علو فقر و بے معاشی آں فرقہ در اوقات آں جماعت ہست، اگر از وجہ چہل یک ہر سال قدرے معین بہ آں خانوادہ برسد، چنانچہ کاتب قسمتی در میان ایشان قرار دہد بہ غایت مستحسن است موردِ خیرِ بسیار، ہر چند کہ اندکے باشد رکن عظیم از خیرات خواہد بود، فقرائے باب اللہ اند دلہائے عجب دارند، زیادہ جرأت است"[1]

(ترجمہ) "سرہند میں بہت علم اور قوی عمل والے ایک شخص رہتے ہیں، ان کا نام شیخ احمد ہے۔ کچھ دن فقیر ان کے ساتھ رہا، اُن کے اوضاع و اطوار سے بہت کچھ عجائبات ظاہر ہو رہے ہیں میں گمان کرتا ہوں کہ وہ ایسا روشن چراغ ہوں گے جس سے دنیا روشن ہو جائیگی۔ ان کے کمالات کو دیکھ کر اللہ کے فضل سے مجھ کو اس کا یقین ہے۔ آپ کے برادران اور اقربا بھی نیک اور علما کی جماعت میں سے ہیں۔ ان میں سے بعض افراد سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ میری نظر میں وہ سب جواہر عالیہ ہیں، عمدہ صلاحیت کے مالک ہیں۔ شیخ مذکور کی اولاد جو ابھی کم عمر بچے ہیں اسرارِ الٰہی ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ مثل شجرۂ طیبہ کے ہیں اللہ ان کی اچھی پرورش فرمائے۔ عیال کی کثرت اور فقر و بے معاشی کی وجہ سے اس جماعت کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] رقعات خواجہ باقی رقعہ ۶۵۔

اگر چالیس میں سے ایک کی کوئی مقدار اس گھرانے کے واسطے مقرر کر دیں کہ ہر سال پہنچ جایا کرے اور یہ کاتب اس کی تقسیم مقرر کر دے تو بہتر اور موجبِ خیر کثیر ہے۔ یہ مقدار چاہے کتنی ہی کم ہو، خیرات میں رکنِ عظیم رہے گی۔ یہ لوگ اللہ کے دروازے کے فقراء ہیں، عجیب و غریب دل رکھتے ہیں۔ زیادہ گستاخی ہے

مولانا بدرالدین سرہندی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کا یہ بیان لکھا ہے۔

"چوں حضرت مخدوم مولانا خواجگی امکنگی مارا امر کردند کہ بہ ہندوستان بروید تا ایں سلسلۂ شریفہ را از شما رواجے پیدا شود و ما خود را شایان ایں معنی نہ دیدہ تواضع نمودیم ایشاں امر بہ استخارہ فرمودند استخارہ نمودیم، ودراں استخارہ دیدیم کہ گویا طوطی بر سر شاخے نشستہ است و ما در دل خود نیت کردیم کہ اگر ایں طوطی ازاں شاخ پریدہ بر دست ما نشیند پس مارا دریں سفر کشایشہا خواہد بود، بہ مجرد خطور ایں خاطر آں طوطی پرواز نمودہ بر دست ما نشست و ما منقارِ ویرا در دہانِ خود گرفتیم از لعاب خود بروے چشانیدیم گویا گردید بار دگر منقارش در دہان خود گرفتیم و در دہان ما شکر ریخت، تعبیر ایں واقعہ چنین کردیم کہ طوطی چوں از طیور ہندوستان است عزیزے از ہند بہ ما متوسل شود کہ بہ معارف وحقائق واسرار گویا گردد و مارا نیز از وے فائدہ رسد، ایں واقعہ را با تعبیرِ آں در خدمت مولانا گزرانیدیم، مولانا فرمود تعبیر ایں واقعہ را چنیں است کہ بہ خاطر شما راہ یافتہ، دیرگاہ است کہ بزرگان منتظر قدوم آں عزیز اند شتابید وآں عزیز را دریابید، معلوم شد کہ آں عزیز از دامن شما پرواز خواہد کرد۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ بعد تمام ایں کلام خطاب بہ آں قطب الاقطاب کردہ فرمودند کہ ما ایں واقعہ را اشارت و بشارت نسبت بہ حال شما می دانیم، آخر کار موافقِ تعبیر حضرت خواجہ بہ وقوع آمد ۱؎

(ترجمہ) "جب مجھ کو مولانا خواجگی امکنگی نے حکم دیا کہ ہندوستان جاؤ، تاکہ وہاں یہ سلسلہ تم سے رائج ہو، میں نے اپنے کو اس کام کے لائق نہ پاکر عذر کیا۔ آپ نے استخارے کا حکم دیا، چنانچہ میں نے استخارہ کیا اور دیکھا کہ ایک طوطا ٹہنی کے سرے پر بیٹھا ہے۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ اگر یہ طوطا ٹہنی پر سے اڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو میرے واسطے یہ سفر اچھا رہے گا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ طوطا میرے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ میں نے اپنے منہ میں اس کی چونچ لے کر اپنا لعاب اس کے منہ میں ڈالا وہ چہچہایا۔ جب دوسری مرتبہ اس کی چونچ اپنے منہ میں لی تو اس نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ میں نے اس واقعہ کی تعبیر اس طرح کی کہ طوطا ہندکا پرندہ ہے، مجھ سے ہند میں کوئی عزیز وابستہ ہوگا اور معارف وحقائق و اسرار پر گویا ہوگا اور مجھ کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ میں نے یہ واقعہ اور تعبیر مولانا سے بیان کی" ۔ نے فرمایا۔ یہی حقیقت ہے جو تم نے بیان کی۔ ایک

۱؎ حضرات القدس حصہ دوم۔ در بیع ہفتم ص [illegible]

مدت سے اس عزیز کے انتظار میں بزرگ ہیں، جلد جاؤ اور اس کو پاؤ۔ وہ عزیز تمہارے دامنِ تربیت سے نکلے گا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت خواجہ نے حضرت مجدد سے کہا میں اس اشارت و بشارت کو تمہارے حسبِ حال پاتا ہوں۔ اور جو حضرت خواجہ کا خیال تھا وہی ظاہر ہوا۔"

حضرت خواجہ نے اس واقعہ کے بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے مریدوں کو بھی آپ کے حوالہ کر دیا ہے۔ خواجہ ہاشم نے اپنے مرشد میر محمد نعمان کا بیان لکھا ہے کہ۔

"به ایں فقیر محمد نعمان نیز فرمودند کہ خدمت ایشان را سعادت خود دانستہ ملازم باش — بہ مقتضائے ہم پیرگی در نفوس چوں رعونتہا متمکن بود معروض داشتم کہ قبلہ، توجہ من در گاہ شمااست ہر چند ایشان بزرگ باشند حضرت خواجہ از روئے غضب فرمودند کہ میاں شیخ احمد آفتابے ست کہ مثل ما ہزاراں ستارگاں در ضمن ایشان گم است و از کمل اولیائے متقدمین خال خالے مثل ایشان گزشتہ باشند"۔ لہ

(ترجمہ) حضرت خواجہ نے مجھ فقیر محمد نعمان سے فرمایا کہ میاں شیخ احمد کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھو اور ان سے وابستہ ہو جاؤ چونکہ وہ میرے پیر بھائی تھے اس لئے میرے نفس میں خودداری تھی۔ میں نے عرض کی کہ میری توجہ تو آپ کا سنگ در ہے وہ چاہے جتنے بڑے بزرگ ہوں۔ آپ نے از روے غضب مجھ سے فرمایا۔ میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اُن کے ضمن میں گم ہیں اور کاملین اولیائے متقدمین میں اُن جیسا خال خال ہوا ہو گا۔ یعنی بہت کم"۔

شیخ بدرالدین نے حضرت القدس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نے پہلی مرتبہ حضرت مجدد کو دولت کمال و تکمیل کی بشارت دی اور دوسری مرتبہ اپنے مریدوں کو آپ کے حوالے کیا اور تیسری مرتبہ الطاف و عنایات کی حد کر دی۔ حضرت خواجہ کا مسکن قلعہ فیروزی میں تھا۔ آپ کو جب تیسری مرتبہ حضرت مجدد کی تشریف آوری کا علم ہوا تو پا پیادہ دروازہ کابلی تک برائے استقبال تشریف لے گئے

"دریں مرتبہ حضرت خواجہ ایشان را اکرام و احترام فوق الحدمی نمودند چناں کہ ہر گاہ از مجلس برمی خواستند و یا بہ راہے می رفتند رجوع القہقری می کردند مبادا کہ پشت بہ جانب ایشان شود و در راہ رفتن نیز ایں رعایت می نمودند و بہ کلاب و حضار می فرمودند کہ زنہار در حضور ایشان تعظیم من نہ کنید و جمہور اصحاب خود را بہ ایشان حوالہ نمودند و بالکل معاملۂ مشیخت و ارشاد را بہ ایشان سپردند بلکہ فرزندان گرامی خود را کہ اطفال رضیع بودند طلبیدہ از آنحضرت طلبِ توجہ در بابِ ایشان کردند"

ص۲۱۔ اس مرتبہ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کے اکرام و احترام میں حد کر دی۔ جب آپ کی مجلس سے اُٹھتے تھے یا کسی راہ پر چلتے تھے تو اُلٹے پاؤں مراجعت کرتے تھے اور طالبانِ حق اور حاضرینِ مجلس

لہ زبدۃ المقامات در احوال میر محمد نعمان ص۶۲

سے فرماتے خبردار آپ کے سامنے میری تعظیم نہ کرو اور اپنے جمہور اصحاب کو آپ کے حوالے کرکے مشیخت وارشاد کا معاملہ بالکلیہ آپ کے سپرد کردیا بلکہ اپنے دونوں شیرخوار بچوں کو طلب فرماکر آپ سے ان کے واسطے توجہ طلب کی۔" خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کے ص ۲۶۲ میں لکھا ہے کہ دونوں صاحبزادے اناؤں کی گود میں تھے اور آپ نے ان کو توجہ دی اور پھر حضرت خواجہ نے ان کی والدات کے واسطے غائبانہ توجہ کرنے کو فرمایا اور آپ نے امتثال امر کیا۔"

حضرت خواجہ کے مبارک احوال ورسائل اور ملفوظات ورقعات کو آپ کے کسی صادق مرید نے جمع کیا ہے وہ حضرت مجدد کو استادی لکھتا ہے۔ اس نے حضرت خواجہ کا مرثیہ سات بند کا نہایت درد انگیز لکھا ہے۔ ہر بند کے آٹھ شعر ہیں۔ بجز تیسرے بند کے کہ اس میں سات شعر ہیں ہوسکتا ہے کہ ناسخ سے نقل کرتے وقت ایک شعر رہ گیا ہو، پانچویں بند میں اپنا تخلص رشدی لکھا ہے' میں تبرکاً آخری بند نقل کرتا ہوں۔

از حق ہزار مکرمت و آفریں برد — شد ختم سرفرازی دنیا و دیں برد
چوں مادرِ زمانہ نہ دارد چو او پسر — زاں است گریہائے زمانِ زمیں برد
بربام خود کشید پئے فخر چوں مسیح — دل بستہ بود چوں فلکِ چارمیں برد
دانستم آں کہ بود چو من عاشقِ رخش — کز بام ریخت زہرہ گلِ یاسمیں برد
بلبل نہفت در غزلش خنجر و سناں — گل چاک کرد پیرہنِ نازنیں برد
دلہا بہ خاک او چو مگس بر شکر گرد — صد حسرت است در جگرِ انگبیں برد۔
بر قدرِ دردِ او نہ توانیم گریہ کرد — گریند تا بہ حشر شہور و سنیں برد
آہ ایں چہ ماتم است کہ خونِ جگر بسوخت
ہر لحظہ ام بہ درد و غم تازہ تر بسوخت

آخر کے چار رقعات حضرت مجدد کے نام ہیں۔ ہر رقعہ کے ساتھ جامع نے کچھ حال بھی لکھا ہے بنابریں میں اس حصہ کو نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

رقعہ (ص ۸۳) حق سبحانہ وتعالی بہ اعلیٰ مراتبِ کمال واکمال برساند، وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِیْبٌ۔ تکلفے نیست آنچہ حقیقتِ حال است نوشتہ می شود، پیرِ انصار قدس سرہٗ می فرمودند کہ من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود باوجود پیریش مریدی من می کرد، ہر گاہ صفت آں بے صفتاں ایں باشد گرفتارانِ آثارِ صفات چرا جاں فدائے لوازم طلب گاری نکنند و از ہر جا بوئے بہ مشامِ ایشاں برسد در پے آں نہ روند، اکنوں توقف واہمالِ ما نہ از استغنائے بے نیازی است موقوفِ اشارت است ؂

چوں طمع خواہد ز من سلطانِ دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

بارے نسوءِ حال و ارادۂ ما اینست، خدا بر آنچہ می باید فہستہ گرداند و از عجب و پندار مخلص بخشد بقیۃ المقصود جناب سیادت مآب امیر صالح سلمہ اللہ اظہار طلب نمودند چوں وقت فقیر مقتضی کی نہ بود تضییع اوقات ایشان دادن از مسلمانی نہ نمود، لاجرم بہ صحبت شما فرستادہ شد، ان شاء اللہ بہ قدرِ استعداد بہرہ مند گردند و توجہ لطفِ کامل بیابند۔ والدعاء۔

بعد ازاں کہ جناب مخدومی استادی میاں شیخ احمد سرہندی بہ درجۂ کمال و تکمیل بلوغ نمودند و از بس دید عظمت و بے نہایت حضرت مقصود عزّ قدرہ و مزید طلب کہ آخر نفسِ حضرتِ ارشاد پناہی خود را مبتدی می دیدند و نظر در حاصل خود نمی انداختند، مکاتبات بہ روشِ مذکورہ بہ مخدومی مذکور شرفِ صدور می یافت و در خلا و ملا بر وفق ایں مضمون ناطق بودند و کمالات جناب مشار الیہ را زیادہ از آنچہ سلیقۂ کاتب در قلم آرد از حضرتِ ایشاں شنودہ در چنیں اوقات بہ ایں عنایت نامہ نوازش فرمودند۔

رقعہ (۸۴) حق سبحانہ و تعالیٰ بہ کمال صفا برساند، ہمے از دوستاں کہ گرفتارِ بارِ وجود ما بودند، چوں ما در مضیق: "وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ" در بند مصلحت فکر و عقل ما اقتضائے آں کرد کہ دریں برشگال از مقابلۂ ایں بوقلمون دور افتادہ در تحتِ اشعۂ آفتابِ شہود زندگانی نمایند، ان شاء اللہ العزیز بہ نیکی و پاکی آخر رسد، فوائدِ جماعت و صحبت محقق است و روشن، چہ حاجتِ اظہار۔

اگر فتاریم بر ما ناوکِ بے داد ریز
سنبل و گل بر کنارِ مردمِ آزاد ریز

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ جَمِيعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ، دیگر دیرے است کہ از احوالِ شریفِ خود چیزے رقمے نہ فرمودہ اند، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ خیر مالع باشد، بعد از برشگال اگر راہ استخارہ باشد خواہد آمد وَإِلَّا فَلَا، لیکن آنچہ در استخارہ ظاہر شود بہ ما بنویسند، اگر تعبیر خود نیز نویسند نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔ والدعاء۔

بعد از ترکِ مشیخت و شروع در مزید انزوی سوائے چند نفر مخصوص ہمہ حاضراں را در اول فرمودہ بودند کہ بہ خدمت استادی میاں شیخ احمد سلمہ اللہ بروند، چوں گسیختنِ ایں چنیں مخلصان بہ یکبارگی ازیں درگاہ بغایت امر دشوار بود، ملول شدند، آخر جمع را بہ الطاف و ترغیبات راضی کردہ فرستادند و آنہا کہ بے رضا بہ محض امر عالی می رفتند منع کردند، در آں وقت ایں عنایت نامہ نوشتہ شدہ بود۔

رقعہ (۸۵) اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین درماندہ را از برکات برگزیدگان بہ درمانی برساند، مدتے است کہ نیازے بہ درگاہ والایت عرض نہ کردہ ایم، آرے ایں پاک کلمہ را قاصدانِ صادق حاصل می تواند شد، بحمد اللہ ایں قسم خود صورت می بندد، دیگر چہ نویسم، سخن درویشاں بہ حضرت شما نوشتن بہ غایت بے شرمی است و حکایاتِ اوضاع صوریہ بسیار بے مزہ، الغرض ما ملاحظہ خود می باید داشت

وازفضول احتراز می باید کرد۔

رقعہ (۱۴۳) معروض مخادیم می گرداند کہ روزے چند مصلحت خود دراں می بیند کہ بہ مقتضائے کلمۂ قدسیہ حضرت عبدالخالق غجدوانی کہ درِ دشمنی را بربند و درِ یاری را برکشائے، نمودہ آید۔ اکنوں التماس آن است کہ ہمچناں کہ کرم نمودہ مشایعت ترک نمودہ اند، تواضع و تعظیم را در مسجد نیز ترک نمایند و نشست و برخاست و آمد و رفتِ مسجد ہماں معاملہ کہ بہ مرزا حسام الدین و خدمتِ مولانا یوسف وامثال ایشان می نمایند بہ فقیر نیز نمایند، خورد و بزرگ از وے تا میاں شیخ الہداد بریں عمل نمایند ان شاء اللہ شاب خوند۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

یعنی حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے رقعہ ۱۴۲ میں شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہراتی معروف بہ پیرِ انصار و پیرِ ہرات کا قول نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ اب توقف اور اہمال کا وقت نہیں ہے کام آپ کے سپرد ہے اور جامعِ مکاتیب اپنا چشم دید بیان لکھ رہے ہیں کہ حضرت مجدد کی بلند پروازیوں کو دیکھ کر حضرت خواجہ خلا و ملا میں آپ کی تعریف ایسے الفاظ سے فرماتے تھے کہ کاتب کا سلیقہ (اس کی ہمت) آپ کے بیان کو قلمبند کرنے سے قاصر ہے۔ اور حضرت خواجہ نے رقعہ ۱۴۳ میں خواجۂ خواجگاں حضرت عبدالخالق غجدوانی کا قول نقل فرما کر اشارہ کر دیا کہ جب طالبِ راہِ مولیٰ درجاتِ عالیہ پر فائز ہو جاتا ہے تو اس سے مرشد کو ایسی اُنسیت ہو جاتی ہے جیسی ایک صادق المحبت دوست سے ہوا کرتی ہے۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کو اپنا صدیق و یار بنا کر اسرارِ صدیقیت سے پوری طرح نواز دیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہو نہیں سکتا۔

خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے: حضرت خواجہ آپ سے اپنے اُن مُریدوں کا حال دریافت فرماتے تھے جو آپ کے پاس رہتے تھے اور حضرت مجدد ان کے متعلق اپنے کشف کی رُو سے جواب تحریر فرماتے تھے۔ ایک مخلص مُرید نے حضرت خواجہ سے نظرِ خاص کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا جب وہ (حضرت مجدد) سرہند سے آئیں گے اُن سے کہوں گا تاکہ وہ توجہ خاص کر کے تھوڑی مدت میں مقاماتِ عالیہ تک تم کو پہنچا دیں۔ اور حضرت خواجہ اربابِ معرفت و تحقیق کے درجات مقامات اور دقائقِ علوم آپ سے استفسار فرمایا کرتے تھے اور آپ کے جوابات سے خورسند ہوتے تھے۔

حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ سے درج ذیل مکتوب حضرت مجدد کو لکھا تھا۔ میں نے وہ مکتوب شریف دیکھا ہے اور اسی سے نقل کر رہا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

مسند ارشاد اَوْسَع و اَقْعَد باد، مسودۂ رسالہ کہ در طریقۂ خواجگان تمام شدہ خواجۂ برہان کُحْلُ الْبَصَرِ مشتاقان گردانید، الحمد للہ سبحانہٗ وَالْمِنَّۃُ، بہ نہایت عالی است ولطیف، لیکن بہ خاطر می رسد کہ التماس نمودہ آید کہ قدرے در احوالِ حضرت خواجۂ احرار قدس سرہٗ تفتیش فرمایند، شاید کہ امور دیگر ہم ظاہر شود،

ہماں روز کہ بہ مطالعۂ آں لطیفۂ غیبیہ مشرف شد در اثنائے نعاس خاطرے آمد کہ دست چپ یعنی عالم ارواح بہ ایشاں تعلق دارد چوں حاضر شد بہ جہتِ ضعف حافظہ متردد گشت کہ مشار الیہ کہ بود لیکن ظنِ غالب آں بود کہ اشارہ بہ حضرت خواجہ بود، یکے در طبقۂ ائمہ دیدہ شود، ممکن کہ چیزے ظاہر گردد، دیگر از سخنان ایشاں معنی عصمتی مفہوم می شود و ایں نیز از بعض خوابہا دریافتہ شدہ کہ ایشاں بہ حسبِ خلقت نہایت در بدایت مخلوق شدہ اند، چہ عجب اگر فوقِ نقطۂ علم در زیرِ مقامِ وحدتِ علیا کہ قابلیتِ مطلقہ است مخلوق باشند، یکے کرم نمودہ آں جائے دیدہ شود، ایضاً در مقامِ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نظر بیندازند کہ داخلِ آں مقام شدہ بہ نزول آمدہ اند یا از راہِ دیگر یکبار آمدہ اند، شاید کہ مخلوقیتِ فوقِ نقطہ سببِ عدمِ تقرر دراں مقام شدہ باشد، بارے البتہ عنایت نمایند و نیک تفتیش فرمایند کہ خیلے خاطر نگران است۔ التماس دیگر آں کہ در بابِ فنائے بشریت نیز توجہے فرمایند کہ از غیر مقام فنائے فی اللہ نیز مقامے دارد، یا منحصر است در داخل شدن بہ ہمیں مقام، از جملۂ جماعتے کہ در فوق ایں مقام مخلوق شدہ اند ظاہر ایں است کہ ہمچناں محفوظ باشند و حاجت بہ کسب در ظہور فنائے بشریت محفوظ باشند و ایضاً جماعتے کہ در زیر ہماں مقامِ وحدت محو شدہ باشند و اگرچہ از راہ جذبۂ قیومیت یا غیر آں رفتہ باشند نیز از عود بہ وجودِ بشریت محفوظ باشند ایضاً یک نظرے در خانۂ جبروت کہ مقامِ انبیاء است صلوٰت الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہم نیز بکنند کہ در آنجا نیز مقامے خواہد بود کہ از عود مذکور ایمن گرداند۔ ایضاً در مقامِ فنائے فی اللہ نیز نظرے فرمایند کہ شاید غیر ازیں راہِ ظاہر بہ تفصیل راہِ دیگرے ہم داشتہ باشد و بعضے ازیں عزیزاں ازاں راہ داخل شدہ باشند، باقی احوالِ آں متوقف ایشاں را بہتر معلوم است چہ نویسم۔ چنداں اسامی و علاماتِ مقامات مارا معلوم نیست تغیرات را چہ نوع تواں نوشت۔ ان شاء اللہ آنچہ مرضی است ہماں شود، محمد صادق و جمیع برادران داعیۂ نیازمندی قبول فرمایند۔" انتہی لہ

(ترجمہ) آپ کا ارشاد وسیع اور انور رہے، طریقۂ خواجگاں کے رسالہ کا مسودہ اِتمام کو پہنچا اور خواجہ برہان نے اس کو مشتاقین کے واسطے کحل البصر بنایا۔ حمد و شکر اللہ کے لیے ہے کہ رسالہ نہایت بلند پایہ اور لطیف ہے لیکن خیال آتا ہے کہ حضرت خواجۂ احرار کے اقوال کی تفتیش کے متعلق آپ سے التماس کی جائے۔ شاید کچھ اور بھی ظاہر ہو۔ اس لطیفۂ غیبیہ کے مطالعہ سے جس دن سرفرازی ہوئی اثنائے وارفتگی میں یہ خیال آیا کہ بائیں جانب کا یعنی عالمِ ارواح کا تعلق اُن سے ہے۔ جب ہوشیار ہوا تو حافظہ کی کمزوری کی بنا پر متردد ہوا کہ اشارہ کس کی طرف تھا۔ البتہ ظنِ غالب یہی ہے کہ اشارہ خواجہ احرار ہی کی طرف تھا۔ اب ائمہ کے طبقہ میں دیکھا جائے شاید کوئی بات ظاہر ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے کلام سے عصمت کے معنی کا پتہ چلتا ہے اور احوال وارفتگی ہی میں یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ آپ بہ حسبِ خلقت نہایت دربدایت مخلوق ہوئے ہیں۔ کیا عجب کہ ان کی پیدائش نقطۂ علم سے اوپر اور مقامِ وحدتِ علیا کے نیچے ہوئی ہو جو کہ قابلیتِ مطلقہ کا مقام ہے۔ مہربانی فرما کر اس مقام کو دیکھیں۔

اور اسی طرح حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مقام کو بھی دیکھیں کہ اسی مقام میں داخل ہوکر نزول کیا ہے یا کسی دوسری راہ سے یکبارگی آمد ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نقطۂ علم سے بالاتر مقام میں تخلیق کی وجہ سے اس مقام میں عدم تقرر ہوا ہو۔ عنایت فرما کر آپ خوب تفتیش کریں کیونکہ مجھ کو بہت خیال لگا ہوا ہے۔

اور دوسری التماس یہ ہے کہ آپ فنائے بشریت کے سلسلہ میں تحقیق کریں کہ کیا فنا فی اللہ کے مقام کے علاوہ بھی اس کا کوئی مقام ہے یا اس کا انحصار اسی مقام کے داخلہ پر ہے۔ اُس جماعت کے متعلق جس کی تخلیق اس مقام سے بالاتر مقام میں ہوئی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی طرح محفوظ رہیگی اور فنائے بشریت کے ظہور کے لئے محتاجِ کسب نہیں ہے۔ اور اسی طرح وہ جماعت جو اس مقام کے نیچے مقامِ وحدت میں محو ہوگئی ہے۔ چاہے اس کا جانا ازراہِ جذبۂ محبوبیت ہوا ہو چاہے کسی اور راہ سے۔ وہ بھی وجودِ بشریت کے عود سے محفوظ ہے۔

اور آپ خانۂ جبروت پر بھی ایک نظر ڈالیں جو کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ وہاں بھی ایک ایسا مقام ہونا چاہیئے جو بازگشت مذکور سے آئمن ہو۔ اور فنا فی اللہ کے مقام میں بھی خیال کریں۔ وہاں بھی بیان شدہ راہ کے علاوہ کوئی ایسی راہ ہوگی جس سے بعض مشائخ وہاں داخل ہوئے ہونگے۔

متوقف کے احوال آپ کو بہتر معلوم ہیں لہٰذا اس سلسلہ میں آپ کو کیا تحریر کیا جائے۔ کتنے ہی مقامات ہیں کہ ان کے نام اور احوال کا علم نہیں ہے لہٰذا ان کے تغیرات کا کیا بیان کیا جاسکتا ہے البتہ اللہ سے امید ہے کہ بہتر صورت ہمارے پیش آئے۔

محمد صادق اور تمام برادران و اعزہ نیازمندی قبول فرمائیں"

اس مکتوب بدیع الاسلوب کو ملاحظہ کیا جائے کہ حضرت خواجہ نے آپ سے کیسے اَدق سوالات کئے ہیں اور کیسے اعلیٰ مقامات میں تفتیش کرنے کو کہا ہے۔ شیخ بدرالدین نے جہاں حضرت مجدد کی تیسری حاضری اور حضرت خواجہ کے استقبال کرنے کا حال لکھا ہے وہاں تحریر کیا ہے کہ حضرت خواجہ بہ انواعِ اعزاز و اکرام آپ کو لے گئے اور جب مجلس منعقد ہوئی حضرت خواجہ نے آپ سے دریافت کیا کہ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی) نے فرمایا ہے۔

"لَوْ طُلِبْنَا بِمَا عَلَیْہِ الْخَرَّازُ لَھَلَکْنَا" یعنی اگر مطالبہ کنند مارا بہ آنچہ خرّاز بران بودہ ہر آئینہ

ہلاک خویم۔ گفتہ اند کہ آں آگاہی و عدم غفلت بود بین الخرزتین، چوں آخر وقت از خراز پرسیدند کہ چہ آرزو داری گفت حسرت دارم بر غفلت، تطبیق چہ گونہ باشد، حضرت ایشان در جواب گفتہ اند کہ آرزوئے خراز حضور بالکلیہ بود بہ ظاہر و باطن کہ ورائے آں را غفلت می دانست دوام حصول آں متعسر بود بر آں تحسر داشت و آں کہ گفتہ اند کہ بین الخرزتین او را غفلت نہ بود، مراد حضور باطنی است فقط۔[1]

اگر خراز کی کیفیت کا مطالبہ ہم سے کیا جائے تو ہم ہلاک ہو جائینگے۔ کہا گیا ہے کہ خراز دائمی حضور و آگاہی کے قائل تھے، ایسا دائمی حضور کہ اس میں غفلت اتنی دیر کے لئے بھی طاری نہ ہو جتنی دیر ایک ٹانکے سے دوسرے ٹانکے میں لگتی ہے۔ اور پھر جب حضرت خراز کا آخر وقت تھا اُن سے دریافت کیا گیا، کیا کوئی تمنا رہ گئی ہے فرمایا کاش غفلت نہ ہوتی۔ حضرت خواجہ نے یہ بات فرما کر ارشاد کیا کہ حضرت خراز کے دونوں اقوال میں تطابق کی کیا صورت ہے۔ حضرت مجدد نے یہ جواب عرض کی کہ خراز کی تمنا اس حضور و آگاہی کی تھی جو ظاہراً اور باطناً حاصل ہو اور اس کے سوا کو وہ غفلت سمجھتے تھے۔ اور وفات سے قبل جو بات انھوں نے فرمائی ہے اس سے مراد حضور باطنی ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کو حضرت مجدد کے کشف و حقائق سنجی پر کامل اعتماد ہو گیا تھا اور آپ حضرت مجدد سے اَدَق مسائل حل کراتے تھے اور آپ اُن معارف و دقائق کا بیان کرتے تھے اور یارانِ طریقت کی کیفیت "از تحسر دست بر روی زند مسکیں مگس" کے مصداق تھی اور جناب شیخ عبدالحق اپنے مکتوب طولانی لایعنی میں لکھ رہے ہیں۔

"در خدمتِ خواجہ محمد باقی افتادند و از صحبت شریف ایشان استفادۂ ایں نسبت کردند، در وے ترقی نہادند، در حیات و بعد از وفات ایشان از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حصر و قیاس چناں کہ و چنداں کہ مردم حیراں شدند۔" الخ[2]

جو سوالات حضرت خواجہ نے حضرت مجدد سے کئے ہیں کیا اُن کا جواب اور کیا اُن مقاماتِ عالیہ پر اطلاع اور پھر اُن کا بیان کوئی کر سکتا ہے؟ یقیناً حضرت خواجہ کے سوالات اور حضرت مجدد کے جوابات نے لوگوں کو متحیر کیا ہو گا۔

خواجہ ہاشم نے اس مکتوب کو نقل کر کے لکھا ہے "جس طرح روایت عالی از سافل حضرات محدثین میں رائج ہے اسی طرح حضرت خواجۂ بزرگوار اپنے نائب عالی مقدار سے اخذ فوائد کرنے لگے تھے" یعنی جس طرح استاد اپنے شاگرد سے کوئی ایسی حدیث سُنے جو اس نے نہیں سُنی ہے اور پھر وہ اس حدیث کی روایت اپنے شاگرد سے کرے۔

---

[1] حضرات القدس صفحہ ۲۰ [2] حیات عبدالحق صفحہ ۳۱۳

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت خواجہ نہایت باکمال و مشفق مربّی و ہادی تھے اور استعداد کو پرکھنے اور پھر کام پر لگانے کی قابلیت سے بدرجۂ اتم متصف تھے، آپ کے اس مکتوب گرامی سے اگر کوئی صورتِ استفادہ سمجھا ہے تو یہی صورتِ افادہ سمجھتا ہوں۔ آپ نے ایک مشفق و مہربان اُستاد و مربّی کی طرح مقاماتِ عالیہ کی طرف حضرت مجدد کو متوجہ کیا ہے، بے شک اس مبارک مکتوب سے حضرت مجدد کی استعدادِ اتم اور فوق التصور بلند پروازی کا بھی پوری طرح اثبات ہو رہا ہے اور حضرت خواجہ کے اس ارشاد "اور کامل اولیائے متقدمین میں اُن جیسا خال خال (کوئی کوئی) ہوا ہوگا" کی حقیقت واضح ہو رہی ہے۔ حضرت خواجہ نے آپ پر اسرارِ قیومیت روشن کئے اور آپ کو اَلفِ ثانی کا آفتابِ معارِف بنایا۔ حضرت خواجہ نے اجازتِ ارشاد اور دعوت الی اللہ افرادِ کثیرہ کو دی ہے لیکن خلعتِ خلافتِ عظمیٰ آپ ہی کو عنایت کی ہے۔ اس عنایت اور نوازش نے آپ کو محسودِ اقران بنایا جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

اگر حضرت خواجہ نے آپ کو ایسے مکاتیب ارسال کئے ہیں اور پیرِ انصار کا قول تحریر کیا ہے یا خواجۂ خواجگان کا ارشاد نقل کیا ہے اور اپنے مریدوں کو آپ کے حوالے کیا ہے تو آپ بھی حضرت خواجہ کی محبت میں فانی تھے اور اسی فنائیت نے آپ کو فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ کے مراتب پر پہنچایا۔ میں مختصر طور پر آپ کی محبت اور آپ کے ادب و احترام کے طریقہ کو بیان کرتا ہوں تاکہ اہلِ فضل وکمال کے فضل وکمال کا مزید اظہار ہو۔

حضرت خواجہ سے محبت اور ان کا ادب

عربی کا مشہور قول ہے: اِنَّمَا یَعْرِفُ الْفَضْلَ ذَوُوْہٗ۔ یعنی فضل وکمال کی قدر و قیمت اصحابِ فضل ہی جانتے ہیں۔ اگر حضرت مجدد ایک دُرِّ یتیم تھے تو حضرت خواجہ بھی ایک بے مثال خزینت[1] تھے اور حضرت مجدد حضرت خواجہ کے دل و جان سے عاشق تھے۔ خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے۔

"مجھ سے خواجہ حسام الدین احمد نے جو حضرت خواجہ کے مقبول ترین افراد میں سے تھے بیان کیا کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ تمہارے پیر و مُرشد (حضرت مجدد) کا نہایت احترام کرتے تھے، یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ نے مجھ کو تمہارے مُرشد کے بُلانے کو بھیجا۔ جب میں نے آپ سے حضرت خواجہ کے یاد کرنے کا ذکر کیا تو آپ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ خوف کے آثار ظاہر ہو گئے۔ انتہائے خشیت کی وجہ سے بدن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی گویا کہ آپ پر رعشہ طاری ہو گیا ہے ان کی اس حالت کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا۔ اب تک سنتا آیا تھا "نزدیکاں رابیش بود حیرانی" لیکن آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔"[2]

---

[1] خزینت بمعنی دلیل حاذق آگاہ بر مضائق خفیہ۔ [2] زبدۃ المقامات فصل سوم صفحہ ۲۳۱۔

مولانا حسن کشمیری آپ کو حضرت خواجہ کی خدمت میں لے گئے تھے اس کے سالہا سال بعد جب کہ خلعتِ قطب الاقطابی آپ کے تن پر آراستہ ہو چکا تھا اور اقطار و اکناف عالم سے اہل اللہ آپ کی خدمت میں پہنچ رہے تھے۔ آپ نے مولانا حسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔

"تعریف اللہ کے واسطے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔ آپ کا مبارک صحیفہ جو کہ اس فقیر کے نام تھا مولانا مہدی علی نے پہنچایا۔ بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ آپ نے شیخ اکبر کی اس عبارت کے متعلق دریافت کیا ہے "سَبَبُ خِلَافَتِہِم مُدَّۃُ اَعْمَارِہِمْ" (حضرات خلفائے اربعہ کی خلافت کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے) مخدوما، مدت ہوئی فتوحات میں یہ عبارت دیکھی تھی۔ اب باوجود تلاش کے نہ ملی۔ اگر یہ عبارت پھر نظر سے گزری ان شاء اللہ فقیر آپ کو مطلع کرے گا۔

ثانیاً، فقیر آپ کی رہنمائی کا شکر ادا کرنے سے اور آپ کے احسان کی مکافات سے عاجز اور قاصر ہے فقیر کو اعتراف ہے کہ یہ سارا معاملہ اُسی نعمت پر مترتب ہے اور یہ سب داد و دید اُسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حُسنِ توسّل کی بدولت وہ کچھ فقیر کو ملا ہے کہ کم کسی نے دیکھا ہوگا اور جو کچھ کہ فقیر کو عطا کیا گیا ہے اس قدر کم کوئی لطف اندوز ہوا ہوگا۔ مخصوص عنایات کی وہ کثرت ہے کہ اکثر افراد کو اُس مقدار میں عام عنایات میسر نہیں۔ احوال و مقامات و اذواق و مواجید و علوم و معارف و تجلیات و ظہورات کو راہِ عروج کی سیڑھی بنا کر مدارجِ قرب اور منازلِ وصول تک فقیر کو لے جایا گیا۔ قرب اور وصول کے الفاظ کا استعمال بھی تنگیِ دامانِ عبارت کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول نہ عبارت نہ اشارت نہ شہود نہ حُلول نہ اتحاد نہ کَیف نہ اَین نہ زمان نہ مکان نہ احاطہ نہ سَریان نہ علم نہ معرفت نہ جہل نہ حیرت۔

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ — کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیشِ مردم — ز مرغِ من بود آں نام ہم گم

(ترجمہ) میں اس مُرغ کے بارے میں تم سے کیا کہوں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہے۔ عنقا کا نام تو لوگوں کے سامنے ہے لیکن میرے مرغ کا وہ نام تک غائب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جو بے حساب عنایتیں اس عالمِ اسباب میں مجھ پر ہوئی ہیں اُن کا سبب آپ ہی کی نوازش ہوئی ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں آپ کی شکر گزاری کا مفہوم شامل ہے پھر بھی یہ چند کلمات آپ کو لکھے گئے تاکہ آپ کی نوازش کا شکر کسی قدر ادا ہو سکے۔ آپ پر اور اُن سب افراد پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی سلام ہو۔"[1]

---

[1] مکتوب ۲۰۹ دفتر اول۔

حضرت مجدد کے دونوں مرشد زادوں کی ولادت سنہ ۱۰۱۰ھ میں ہوئی ہے خواجہ کلاں عبیداللہ کی اول ماہ ربیع الاول کو اور خواجہ خورد محمد عبداللہ کی چھ ماہ رجب کو۔ باغ ولایت کے یہ دونوں پھول جب اپنی بہار دکھانے لگے تو آپ نے ان کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کیا۔

حمد و صلاۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والدِ بزرگوار کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔ فقیر نے اس طریقہ کی الف بے کا سبق انہی سے لیا ہے اور اس کے حروف تہجی کو انہی سے سیکھا ہے "اندراجِ نہایت در بدایت" کی دولت ان کی بابرکت صحبت سے حاصل کی ہے "سفر در وطن" کی سعادت بطفیل ان کی خدمت کے ملی ہے۔ ان کی توجہ شریف نے اس ناقابل کو ڈھائی مہینے کے عرصہ میں نقشبندیہ نسبت سے روشناس اور ان اکابر کے حضورِ خاص سے سرفراز کر دیا۔ آپ کے طفیل سے اس راہ میں جو تجلیات و ظہورات اور انوار و الوان و بے رنگی و بے کیفیتیں[1] ظاہر ہوئیں ان کی تشریح و تفصیل کیسے بیان کی جائے، توحید کے معارف اور اتحاد و قرب و معیت و احاطہ و سریان کے دقائق میں سے شاید ہی کوئی معرفت یا دقیقہ رہ گیا ہو جو ان کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے اس فقیر پر ظاہر نہ ہوا ہو اور اس کی حقیقت واضح نہ ہوئی ہو، وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے۔ اختصار کے ساتھ عرض یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت اور ان حضرات کا حضورِ خاص جس مرتبہ اور مقام پر ہے اس کے پیشِ نظر ان معارف کا نام زبان پر لانا اور شہود و مشاہدہ کا نشان بیان کرنا کوتاہ نظری کی بنا پر ہے۔ ان بزرگوں کا کارخانہ نہایت بلند ہے۔ اس کو زراقی اور رقاصی سے[2] کیا مناسبت حضرت خواجہ سے ایسی اعلیٰ دولت جو اس فقیر کو ملی ہے اس کے عوض اگر وہ ساری عمر اپنے سر کو اپنے صاحبان کے عتبۂ عالیہ کے خدام سے پامال کراتا رہے تب بھی ہیچ ہے۔ یہ فقیر اپنی کوتاہیوں کا کیا بیان کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے۔ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انہوں نے ہم کوتاہی کرنے والوں کا بوجھ اٹھا لیا ہے اور عتبۂ عالیہ کی خدمت کے واسطے کمرِ ہمت باندھ رکھی ہے۔

گر برتنِ من زباں شود ہر موئے　　　یک شکر دے از ہزار نتوانم کرد

(ترجمہ) اگر میرے تن کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی ہزار میں سے ایک شکر ان کا ادا نہ کر سکوں۔

حضرت خواجہ کی آستان بوسی سے یہ فقیر تین مرتبہ مشرف ہوا ہے۔ آخری مرتبہ حضرت نے

---

[1] اللہ تعالیٰ بے مثال ہے وہ مشتبہ بھی ہے منزہ بھی ہے، تشبیہی اوصاف میں رنگا رنگی کی کیفیات ہیں اور تنزیہی میں بے کیفی اور بے رنگی۔

زباں گنگ ہے وصف میں مدعا کے
ذرا اڑا اڑتا ہے ذرا اڑا اڑتا ہے

[2] یعنی کیفیات اور احوال ظاہری سے برتر ہے۔

فرمایا مجھ پر ضعف غالب ہو گیا ہے حیات کی اُمید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے باخبر رہنا۔ پھر آپ دونوں کو طلب کیا۔ آپ اپنی اناؤں کی گود میں تھے اور فقیر کو حکم دیا کہ دونوں کو توجہ دے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ان کی والدات کو غائبانہ توجہ دو۔ چنانچہ فقیر نے امتثالِ امر کیا۔ اللہ سے اُمید ہے کہ حضرت خواجہ کی برکت سے وہ توجہات مثمر برکات ہوئی ہوں گی۔" الخ [1]

آپ نے جمال الدین حسین فرزند مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا ہے۔

میرے پیران اور مجھ کو اللہ کی راہ بتلانے والوں نے (جن کے توسّل سے میں نے اس راہ میں آنکھ کھولی ہے اور جن کے توسط سے میں نے اس علم میں لب کشائی کی ہے، جن سے میں نے طریقت کی الف با پڑھی ہے، جن کی توجہات سے میں نے مولویت کا ملکہ پیدا کیا ہے، اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کا طفیل ہے اگر معرفت ہے تو انہی کے التفات کی بہ دولت ہے، میں نے انہی بزرگواروں سے "اندراج نہایت در بدایت" کی راہ و رسم سیکھی ہے اور انہی سے انجذاب بہ قیومیت حاصل کی ہے۔ ان کی ایک نظر سے وہ کچھ پایا کہ لوگوں کو چلوں میں نہ ملے اور ان کی ایک بات سے وہ کچھ حاصل ہوا جو دوسروں کو سالوں میں حاصل نہ ہو) عُلوِ استعداد اور بلند ہمتی کی بنا پر سیرِ انفسی سے ابتدائے کارِ طریقت کی ہے۔" الخ [2]

آپ نے خواجہ ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا ہے۔

وہ طریقہ جو اَسبَق، اَوفَق، اَوثَق، اَسلَم، اَحکَم، اَصدَق، اَولیٰ، اَعلیٰ، اَجَل، اَرفَع اور اَکمَل ہے، طریقۂ نقشبندیہ ہے، اللہ اس کے اَہالی کی ارواح کو اور مَوالی کے اسرار کو مقدس کرے، یہ ساری بزرگی جو اس طریقہ کو حاصل ہے اور یہ سب عُلوِ شان جو ان بزرگوں کو ملی ہے بہ وجہ تمسک اور اتباعِ سنّتِ مبارکہ کے ہے عَلیٰ صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ اور بدعتِ نامرضیہ سے بچنے کی بنا پر۔ یہ وہ مبارک جماعت ہے کہ حضرات صحابہ کی طرح کام کی بدایت میں ان کی نہایت مندرج ہے۔ ان کا حضور و آگاہی بہ وجہ اپنے کمال و دوام کے اوروں کے حضور و آگاہی سے برتر ہے۔

اے بھائی! اللہ تم کو سیدھی راہ پر چلائے۔ جب اس راہ کی ہوس اس درویش کو ہوئی تو اللہ کی ہدایت نے دستگیری کر کے ولایت پناہ حقیقت آگاہ ہادیِ طریقِ اندراج نہایت در بدایت و مرشدِ راہِ موصل بہ درجاتِ ولایت، دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولیٰ و امام شیخ رضی الدین محمد الباقی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا جو کہ خانوادۂ نقشبندیہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔" الخ [3]

ان تحریروں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو حضرت خواجہ سے کیسی محبت اور کتنی عقیدت تھی جبکہ آپ سلطانِ مسندِ ارشاد تھے اور آپ کی عمر کا کارواں منازلِ آخریں قطع کر رہا تھا۔

---

[1] مکتوب ۲۶۶ دفتر اول [2] مکتوب ۳۲ دفتر دوم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸ [3] مکتوب ۲۹۰ دفتر اول۔

آپ نے اپنے مخدوم زادوں کو لکھا ہے کہ اگر ساری عمر اپنے سر کو آپ حضرات کی چوکھٹ کے خدام سے پامال کراتا رہوں تب بھی ہیچ ہے۔ جو شخص اپنے مربّی و محسن کے احسان کو نہ بھولے اور ہمیشہ اس کے واسطے دعا کرے اس نے محبت کا حق ادا کیا ہے۔

آپ نے خواجہ ہاشم کو طریقہ نقشبندیہ کے فضائل تحریر فرمائے ہیں، چوں کہ آپ شروع میں دیگر سلاسل سے مستفید و مستفیض ہوئے اور پھر آپ اس مبارک طریقہ سے وابستہ ہوئے، آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ یہ سلسلۂ مبارکہ آدابِ نبویہ سے پوری طرح محلّی ہے جس کی طرف مولانا جامیؒ نے اشارہ کیا ہے۔

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند   نوبتِ آخر بہ بخارا زدند
از خطِ آں سکہ نہ شد بہرہ مند   جز دلِ بے نقش شہِ نقشبند
آں گہرِ پاک بہ ہر جا بود   معدنِ او خاکِ بخارا بود
اوّلِ او آخرِ ہر منتہی   آخرِ او جیبِ تمنا تہی

اس مبارک سلسلہ کا انتساب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور آپ کو جو تعلق سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کا اثر اس مبارک سلسلہ میں بہ درجہ اتم موجود ہے۔ اس کی اساس اتباعِ سنت، اجتناب از بدعت اور آدابِ صحبت پر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند   کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را
از دلِ سالکِ رہ، جاذبۂ صحبتِ شاں   می برد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلہ را
ناقصے گر کند ایں سلسلہ را طعن قصور   حاش للہ کہ برآرم بہ زباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند   روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اکابر میں سے کسی نے کہا ہے اور حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "سلسلۂ نقشبندیہ اہلِ علم اور اصحابِ عزیمت کا سلسلہ ہے"۔ یہ سلسلہ بلخ و بدخشان اور بخارا میں تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کے واسطے سے حضرت مجددؒ کو اس سلسلے سے بہرہ مند کیا اور آپ نے اس سلسلۂ عالیہ کی بہ دولت مسلمانانِ عالم کو اللہ تعالیٰ کے رنگ سے رنگ دیا اور ان میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔ ہر ایک کی زبان پر تھا۔

گر تو صد پارہ ام کنی زیں رنگ   بر نہ گردم کہ صبغۃ اللہ ام

اتباعِ سُنَن وعزائمِ امور

آپ کے مبارک رسائل اور مکتوبات کے پڑھنے سے عشق و سوز اور محبتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ جب بھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں اور پھر ہدیۂ صلوٰۃ وسلام بہ وجہِ اتم واکمل واحسن پیش کرتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد رہا کرتا تھا جس کو ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔

"إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَىٰ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ لَعَلَّ ذٰلِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ" (جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اچھے طریقے اور الفاظ سے بھیجو۔ تم نہیں جانتے کہ شاید وہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہو) علمی اور مہتم بالشان مکاتیب کا اختتام ذکرِ نبوی پر کرتے ہیں۔ کہیں تحریر فرماتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا۔ اور کہیں دعا کر کے لکھا ہے۔ بِحُرْمَةِ حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَيْهِ الصَّلَوٰةُ وَالسَّلَامُ وَآلِهِ الْكِرَامِ۔ اور کہیں یہ بھی لکھا ہے۔ ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلَىٰ إِطَاعَةِ الرَّسُولِ الَّتِي هِيَ عَيْنُ إِطَاعَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ اپنے عشق و محبت کا اظہار طرح طرح سے کرتے ہیں اور دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ خوش نصیب افراد جو آپ کے مکاتیب شریف کا مطالعہ کیا کرتے ہیں آپ کی مبارک روش کی پیروی کر کے اسبابِ سعادت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے۔[1]

اس کمترین نے بارہا آپ سے سُنا ہے کہ کیا ہم اور کیا ہمارا عمل۔ جو کچھ بھی ہم کو ملا ہے وہ صرف اللہ کا کرم ہے۔ اور اگر کوئی چیز اس کے کرم کے واسطے بہانہ بنی ہے تو وہ سید الاولین والآخرین کی متابعت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمارے کام کا مدار اسی پر ہے جزوی یا کلی طور پر جو بھی ملا ہے اتباعِ سنت ہی کی بدولت ملا ہے اور جو کچھ نہیں ملا ہے اس وجہ سے نہیں ملا ہے کہ بشریت کی وجہ سے ہم سے اتباعِ سنت میں کوتاہی ہوئی ہے۔

ایک دن آپ اسرار و معارف تحریر فرما رہے تھے۔ ناگاہ ضرورتِ بشری کی وجہ سے بیت الخلا تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ باہر تشریف لائے اور آپ نے پانی طلب فرما کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا اور آپ نے فرمایا ناخن پر سیاہی کا دھبا تھا اور سیاہی حروفِ قرآنی کے اسبابِ کتابت میں سے ہے۔ بنابریں لائقِ ادب نہ سمجھا کہ اس دھبہ کے ہوتے ہوئے طہارت کروں۔ اور پھر آپ برائے طہارت تشریف لے گئے۔

ایک دن آپ نے کالی مرچ کے چند دانے طلب کئے۔ مولانا صالح ختلانی تھیلی میں سے چھ دانے نکال کر لائے۔ آپ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا: ذرا ہمارے صوفی کو دیکھو کہ انھوں نے آج تک "اَللّٰهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ" نہیں سُنا ہے (اللہ طاق ہے اس کو طاق پسند ہے) وِتر کی رعایت کرنی مستحب ہے یعنی پسند کیا ہوا۔ خبر نہیں لوگ مستحب کو کیا سمجھتے ہیں۔ مستحب وہ کام ہے جو حضرت مولیٰ جل شانہ کو پسند ہے۔ اگر کسی ایسے کام کے لئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے دنیا اور آخرت

---

[1] زبدۃ المقامات کی فصل ششم کو مطالعہ کیا جائے میں نے اس سے بعض فوائد اخذ کئے ہیں۔

دے دی جائے تب بھی کچھ نہیں دیا یعنی

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ایک دن آپ چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ناگاہ گھبرا کر اُٹھے۔ اور ایک کاغذ کو جس پر کچھ تحریر تھا اُٹھایا اور فرمایا۔ بے ادبی ہے کہ کوئی تحریر ہم سے نیچے رہے۔

آپ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے۔ فقہ کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا کرو تاکہ تم کو معلوم ہو کہ کونسا فعل مسنون ہے اور کونسا مردود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے یہ زمانہ بہت دور ہو گیا ہے۔ بدعات اور فجور کی تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا ہے۔ اس تاریکی اور اندھیرے میں چراغِ سنّت نبوی ہی کی روشنی سے راستہ نظر آسکتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے عمدہ کوئی فضیلت نہیں ہے آنحضرت سے تشبہ نہایت سعادت ہے۔ چاہے وہ ظاہری تشبہ ہو، ایک مبارک سنّت کی ناتمام پیروی اس ہزار شب بیداری سے بڑھ کر ہے جو اپنے طور پر کی جائے۔

آپ نے فرمایا بڑے شرم کا مقام ہے کہ کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور وہ رکوع اور سجدے میں تین مرتبہ تسبیح کہنے پر اکتفا کرے (یعنی پانچ یا سات مرتبہ نہ کہے)۔

آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو ریاضت اور مجاہدے کا شوق ہے۔ حالانکہ نماز کے آداب کو صحیح طور پر بجالانے سے بڑھ کر کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں ہے۔ نماز کے واجبات اور سنن کی پوری طرح رعایت کرنی بڑا مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ "اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی پر جن کے دل پگھلے ہیں"

یعنی اصحابِ خشوع کے لیے جن کے دل پگھل گئے ہیں نماز راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال سے جب فرماتے تھے۔ اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ۔ اے بلال مجھ کو راحت پہنچا، تو وہ عاشقِ صادق اذان دیتے اور آپ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے۔

آپ نے فرمایا۔ اولیاء کے احوال شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت ان کے احوال کے تابع نہیں۔ شریعت قطعی ہے۔ اس کا ثبوت وحی سے ہوا ہے اور احوال ظنی ہیں اُن کا ثبوت کشف و الہام سے ہے کشف و الہام میں خطا کی گنجائش ہے بخلافِ وحی کے کہ وہ حق ہے اس میں خطا کا شائبہ تک نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ بعض خام و ناتمام درویش اپنے کشف پر بھروسہ کر کے شریعت کی مخالفت کر جاتے ہیں۔ حالاں کہ اگر اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے جو کہ خود صاحبِ شریعت پیغمبر تھے۔ اسی شریعتِ محمدی کی پیروی کرتے۔ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ۔ اور اپنی شریعت کی پیروی نہ کرتے۔

حضرت مجدد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے،

جس کی روایت امام احمد اور بیہقی نے حضرت جابر سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم یہود سے ایسی باتیں سُنتے ہیں جو ہم کو اچھی لگتی ہیں کیا ہم اُن سُنی ہوئی باتوں میں سے کچھ لکھ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم بھی حیرت و شک میں پڑ گئے ہو جیسا کہ یہود اور نصاریٰ پڑ گئے ہیں۔ میں تمہارے پاس ایسی پاک ملت لایا ہوں کہ اگر موسیٰ باحیات ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لئے کوئی دوسری سبیل نہیں تھی۔ [1]

شیخ بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس میں لکھا ہے۔

یہ عاجز مرید ہونے سے پہلے کبھی جمعہ کے دن آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا اور آپ کے نماز پڑھنے کو دیکھا کرتا تھا اور بے اختیار ہو کر آپ کی طرف سرکتا رہتا تھا۔ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ کو ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا دیکھتے ہیں اور اسی طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں۔ شیخ بدرالدین نے آپ کے نماز پڑھنے کی کیفیت از تکبیر افتتاح تا سلام دادن۔ تفصیل سے بیان کر کے لکھا ہے۔ اس حقیر نے علماء و مشائخ کو دیکھا ہے لیکن ہر وقت اور ہمیشہ ایک ہی طرح بجز آپ کے کسی کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ آپ کی نماز خوارق میں سے ایک خرقِ عادت ہے۔ بغیر کسی کلال و ملال کے نہایت توقیر و تعظیم اور خشوع و عاجزی سے نماز ادا کرنی، اتباعِ سنّت کے کمالِ رسوخ پر دال ہے۔ [2]

اور حضرات القدس ہی میں ہے۔ ایک دن برائے قضائے حاجت بیت الخلا گئے۔ وہاں مٹی کا ناتمام ایک پیالہ تھا جس پر لفظ مبارک اَللّٰہ نقش تھا اور مہتر اس سے قاذورات اُٹھاتا تھا۔ آپ کی نظر اس پیالہ پر اور اللہ کے مبارک نام پر پڑی۔ آپ نے اس کو اُٹھایا، باہر تشریف لائے اور پانی منگوا کر اپنے ہاتھ سے اس ناتمام پیالہ کو پاک کیا اور پھر اس کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر ادب سے طاق میں رکھ دیا۔ جب پانی پیتے تو اس پیالے میں پیتے اور اس سلسلہ میں آپ کو الہام ہوا تم نے ہمارے نام کا احترام کیا ہم تمہارے نام کو رفعت دیں گے۔ [3]

آپ کو جو الہام ہوا روزِ روشن کی طرح اس کا ظہور تمام عالم میں ہُوا۔ بدطینت اور معاند کچھ بھی کریں دنیا آپ کو امامِ ربانی مُجدِّدِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے نام سے یاد کرتی ہے اور آپ کے واسطے دعا کرتی ہے۔ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ الْاَقْدَس۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کے فصل نہم میں آپ کی علالت اور وفات کا حال لکھا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ ایک تہائی رات باقی تھی۔ آپ اُٹھے اور وضو کیا اور کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر فرمایا۔ تہجد کی یہ آخری نماز ہے۔ وفات سے کچھ پہلے آپ پر بےخودی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مخدوم زادہ

---

[1] مشکات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [2] حضرت خامسہ میں [3] حضرت سابعہ میں۔

خواجہ محمد سعید نے عرض کی۔ یہ بیخودی اور فرورفتگی کمزوری کی وجہ سے ہے یا استغراق کی۔ آپ نے فرمایا بعض عظیم معاملات درپیش ہیں اور میں ان کی طرف متوجہ ہوں تاکہ وہ مکشوف اور ظاہر ہو جائیں۔ آپ کو اس حال سے جب بھی کچھ افاقہ ہوتا تھا اتباعِ سنّتِ مبارکہ، اجتناب از بدعت اور ذکر و مراقبہ کی تاکید فرماتے تھے۔ اتباعِ سنّت کے سلسلہ میں آپ کے الفاظ یہ ہوتے تھے "سنّت را بہ دندانِ خواہید گرفت" یعنی سنّتِ نبوی پر پختگی اور مضبوطی کے ساتھ عمل کرنا ہوگا۔

خواجہ ہاشم نے اس کے بعد لکھا ہے۔ آپ کی اس وصیت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا جذبہ کارفرما ہے۔ ترمذی اور ابوداؤد نے عرباض بن ساریہؓ سے جو روایت کی ہے اس کا آخری حصہ اس طرح پر ہے: "جو بھی تم میں سے زندہ رہے گا وہ اختلافاتِ کثیرہ دیکھے گا لہٰذا تم میری سنّت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنّت کو اپنے دانتوں سے پکڑو اور اپنے کو نئی باتوں سے بچاؤ کیونکہ ہر نئی بات گمراہی ہے۔"

خواجہ ہاشم نے یہ بھی لکھا ہے کہ اشراق کے وقت آپ نے پیشاب کے لئے برتن طلب فرمایا۔ جب برتن آیا تو اس میں ریت نہ تھی۔ فرمایا چھینٹ اُڑنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا برتن لے جاؤ اور مجھ کو بٹھا دو۔ جب آپ کو بٹھایا گیا تو مسنون طریقہ پر داہنے ہاتھ پر رُخسار کو رکھا اور ذکر شریف میں مصروف ہو گئے۔ خواجہ محمد سعید نے سرعتِ نفس دیکھ کر عرض کی۔ حالِ اشرف کیسا ہے۔ ارشاد کیا۔ بہتر ہے اور پھر فرمایا نماز کی وہ دو رکعت جو میں نے پڑھی ہیں کافی ہیں" خواجہ ہاشم نے لکھا ہے کہ آپ کا آخری کلام یہی تھا اس کے بعد آپ کی روح جسدِ خاکی اور دارِ فانی کو چھوڑ کر رفیقِ اعلیٰ کی طرف روانہ ہو گئی۔

مشکات کی کتاب الجہاد میں مسروق سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۶۹ کے متعلق دریافت کیا (آیت) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو تو مردہ نہ سمجھ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اُن کی ارواح سبز پرندوں کے اندر ہیں، ان کے واسطے عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں جنت میں سیر کرتے ہیں اور پھر قنادیل کی طرف لوٹ آتے ہیں۔" الخ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم و رضا کو مقتولانِ تیغِ اعداء سے کم نہ سمجھنا چاہیئے یہ پاک نہاد مدت العمر جہادِ اکبر میں مصروف رہے ہیں۔

در سفالیں کاسۂ رنداں بہ خواری منگرید　　کیں عزیزاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند
قدسیاں بے بہرہ اند از جرعۂ کاس الکرام　　ایں تطاول بیں کہ با عشاقِ مسکیں کردہ اند

خواجہ ہاشم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا شوق آپ پر غالب آگیا تھا آنکھوں سے آنسو

اور زبان پر مسنون دُعا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الاَعْلیٰ جاری تھی اور فرماتے تھے اگر طبیب مجھ کو بشارت دے کہ مرض لاعلاج ہے میں خیرات و صدقات کروں چنانچہ آپ نے بہ کثرت صدقات و خیرات کیں [illegible]۔ یہ سب از وجہِ شوقِ وصال ہے، پھر آپ نے محبت کے آنسو بہاتے ہوئے ہندی کا یہ مصرع پڑھا۔

آج ملا دا کنت سوں سکھی، سب جگ دیئوں وار

(ترجمہ) اے محرمِ راز آج دوست کے وصال کا دن ہے میں تمام عالم و اہلِ دولت و نعمت کے نثار کرتا ہوں۔

آپ جس طرح خالی ہاتھ اس دنیا میں تشریف لائے تھے اسی طرح متاعِ دنیا سے خالی ہاتھ تشریف لے گئے، البتہ بہ وقتِ قدوم حضرت مخدوم نے اذان و اقامت کی صدا آپ کے مبارک کانوں میں پہنچا کر میثاقِ اَلَست کی یاد دہانی کر دی تھی، آپ اسی دولت لازوال کو نہاں خانۂ دل میں ساتھ لئے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں پہنچے ؎

یارب چہ عہد بود کہ عہدِ وصال بود　　در گلشنِ اُمید نسیمِ شمال بود
آسودہ بود دل ز فراق و ز سوزِ جاں　　ہر دم ز دوست تازہ نویدِ جمال بود
گیتی چناں ربود ز ما عہدِ آں وصال　　گفتی مگر در آئینہ جانِ خیال بود

ایک شبہ:۔ بعض افراد نے کہا ہے کہ حضرت مجدد حجِ بیت اللہ کی نیت سے اپنے وطن سرہند سے روانہ ہوئے تھے، راستہ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت ہو گئے اور پھر وطن واپس آ گئے، اس کے بعد پھر حج کو نہیں گئے اور آپ نے فرض ادا نہ کیا۔

بظاہر یہ شبہ وجیہ ہے لیکن حقیقتِ حال کچھ اور ہے، [illegible]ھ میں آپ کا قصدِ حج کرنا غلبۂ شوق کی بنا پر تھا اور آپ نے ازراہِ توکل و رخصت ارادہ کیا تھا، حضرت خواجہ کے فیضانِ صحبت نے آپ پر ابوابِ عزائم کھول دیئے لہٰذا آپ نے رخصت کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷) اور خرچ راہ لیا کرو کہ خرچ راہ میں بہتر ہے گناہ سے بچنا اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو۔ حضرت شاہ عبدالقادر نے یہ ترجمہ لکھ کر موضحِ قرآن میں لکھا ہے "کفر کی غلطی ایک یہ تھی کہ بغیر خرچ حج کو جانا ثواب گنتے تھے اور توکل، مقدور رہتے ہوئے خرچ نہ لیتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مقدور ہو تو خرچ لے کر جاؤ۔ بڑا فائدہ یہ کہ سوال نہ کرو" یعنی زادِ راہ لے لیا کرو تاکہ سوال نہ کرنا پڑے۔ زادِ راہ بہتر پرہیزگاری ہے۔

حضرت مجدد کی مالی کمزوری اور عُلوِ فقر کا بیان حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے رقعہ میں کیا ہے اور وہ گزر چکا ہے۔ حضرت مجدد نے پہلے راہِ توکل، فرطِ شوق و محبت میں اختیار کی تھی اور بعد میں راہِ عزیمت، تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے۔

دردم از یار است و درماں نیز ہم　　دل فدائے اُو شد و جاں نیز ہم

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب سارے جہاں کا، کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں)

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

آپ کی تالیفات

حضرت مجدد کی تالیفات کی ابتدا رسائل سے ہوئی ہے اور انتہا مکتوبات پر ہوئی۔ شیخ صفر احمد معصومی نے آپ کے سات رسائل اور تین دفتر مکتوبات کا ذکر کیا ہے۔[1]

۱۔ رسالۂ تہلیلیہ، اس کو رسالۂ تحقیق در کلمۂ طیبہ بھی کہتے ہیں۔
۲۔ رسالۂ اثباتِ نبوت، اس کو رسالۂ تحقیقِ نبوت بھی کہتے ہیں۔
۳۔ رسالۂ ردِ شیعہ، اس کو رسالۂ ردِ روافض بھی کہتے ہیں۔ منشی نول کشور نے ۱۲۹۴ھ میں اس رسالہ کو مکتوبات شریف کے آخر میں طبع کیا ہے۔

میرے پاس رسائل سبعۂ مبارکہ کا مجموعہ ۱۲۶۷ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس میں اور مطبوعہ نسخہ میں فرق ہے۔ قلمی نسخہ کے دیباچہ میں ہندوستان میں اسلام کی آمد اور وحدت کلمۂ مسلمین کا ذکر ہے۔ پھر تحریر فرمایا ہے: "حضرت خواجہ خسرو علیہ الرحمۃ والرضوان در تعریف ملک ہندوستان می فرماید" اور پھر آپ نے ان کے چودہ اشعار لکھے ہیں۔

۴۔ رسالۂ معارف لدنیہ۔
۵۔ رسالۂ شرح الشرح بعض رباعیات حضرت خواجہ۔
۶۔ رسالۂ مبدا و معاد۔
۷۔ رسالۂ مکاشفاتِ غیبیہ۔

اول الذکر دو رسالے عربی میں اور باقی پانچ (از نمبر ۳ تا ۷) فارسی میں ہیں۔

شیخ صفر احمد نے لکھا ہے کہ رسالۂ مکاشفات غیبیہ کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے اور رسالۂ مبدا و معاد کو خواجہ محمد صدیق بدخشی نے جمع کر کے ابتدا میں خطبہ کا اضافہ کیا ہے باقی تمام مضامین حضرت مجدد کے تحریر کردہ ہیں۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں رسالہ اثباتِ نبوت کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالۂ جذبہ و سلوک کا ذکر کیا ہے۔

شیخ بدرالدین نے حضرات القدس میں رسالۂ تہلیلیہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالۂ آداب المریدین کا نام۔

---

[1] برکات معصومی مفتاح اول صفحہ ۴

لکھا ہے۔ آخر میں وَغَیرُ ذٰلِکَ لکھا ہے یعنی ان کے سوا اور بھی ہیں۔

خواجہ ہاشم اور شیخ بدرالدین نے تعلیقاتِ عوارف کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شہاب الدین کے ادب کے پیشِ نظر آپ نے لکھنا بند کر دیا۔ خواجہ ہاشم نے آپ کی تالیفات کے بیان کرنے سے چار ورق پہلے لکھا ہے کہ بعض فضلا کی التماس پر آپ نے عوارف کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی[1]

رسالہ تہلیلیہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد نے یہ رسالہ اس وقت لکھا ہے جبکہ آپ حضرت مخدوم سے عوارف و فتوحات اور فصوص کے حقائق و دقائق کو حل کر رہے تھے۔ علوم ظاہری کی مروجہ کتابوں کی انتہا اور علوم باطنی کی ابتدا کا دور تھا اور یہ بارہ صفحے کا رسالہ آپ کی پہلی تالیف ہے آپ نے اس رسالہ کی ابتدا "فَاِنْ قُلْتَ لَابُدَّ مِنْ تَقْدِیْرِ خَبَرٍ لَا" سے کی ہے۔ یہ عبارت غمازی کر رہی ہے کہ ہنوز تحصیلِ علم کا سلسلہ جاری تھا بعض افراد کا خیال ہے کہ یہ رسالہ آپ نے اپنے حضرت والد کی وفات کے بعد لکھا ہے کیونکہ آپ نے صفحہ ۶ پر لکھا ہے: "قَالَ شَیْخِیْ وَوَالِدِیْ قُدِّسَ سِرُّہٗ فِیْ رِسَالَتِہٖ" آپ نے اپنے والد کا ذکر قدس سرہٗ سے کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رحلت فرما چکے تھے۔ اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ یہ دعائیہ جملہ مبیضہ کرتے وقت اضافہ کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح صفحہ گیارہ پر "وَقَدْ اِسْتَقْصَنَاہُ فِیْ رِسَالَتِنَا الْمُحَرَّرَۃِ لِاِثْبَاتِ النُّبُوَّۃِ" کا اضافہ ہوا ہے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد آپ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ کے فیوضات سے سرشار ہوئے۔ حضرت خواجہ سے وابستگی کے بعد آپ کی ہر تحریر میں نسبتِ نقشبندیہ موجیں مار رہی ہے لیکن رسالہ تہلیلیہ اس سے معرّیٰ ہے۔ یہی کیفیت رسالہ اثباتِ نبوت اور رسالہ ردِّ شیعہ کی ہے۔ یہ تینوں رسالے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے پہلے تالیف ہوئے ہیں۔

آپ کے رسالہ ردِّ شیعہ پر اس دور کے آزاد خیال افراد کو اعتراض ہے۔ ان لوگوں کی نظر میں یہ رسالہ اخوتِ اسلامی کے منافی ہے۔ یہ لوگ اُن اَسباب و عِلَل سے چشم پوشی کر رہے ہیں جن کی بنا پر حضرت مجدد اس رسالہ کے لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے رسالہ کے دیباچہ میں واضح طور سے اس کا ذکر کیا ہے میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

"ماوراء النہر کے علماء نے ایک رسالہ ردِّ روافض میں لکھا تھا۔ اس رسالہ کے جواب میں شیعوں نے بھی ایک رسالہ لکھا۔ اس میں خلفائے ثلاثہ (یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کی تکفیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تشنیع اور ذم ہے اور شیعوں کے بعض طلبہ جو اس ملک (ہندوستان) میں آگئے ہیں وہ اس رسالہ کی تحریرات پر افتخار و مباہات کرنے لگے اور بادشاہ و امراء کی محفلوں میں اُن

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۳۰۶

مغالطات کی تشہیر کرنے لگے جس مجلس میں یہ فقیر ہوتا تھا اُن کی غلط بیانیوں کا رد مقدماتِ معقولہ سے کرتا تھا۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ اس سلسلہ میں رسالہ لکھا جائے چنانچہ میں یہ رسالہ لکھ رہا ہوں۔"

حضرت مجدد نے اس رسالہ میں شیعیّت کی ابتدائی تاریخ لکھی ہے اور پھر شیعوں کے طوائف کا بیان بہ صورتِ اختصار کیا ہے۔ وہ طوائف یہ ہیں:- ۱۔ طائفۂ سبائیہ ۲۔ طائفۂ کاملیہ ۳۔ طائفۂ بیانیہ ۴۔ طائفۂ مغیریّہ ۵۔ طائفۂ جناحیہ ۶۔ طائفۂ منصوریہ ۷۔ طائفۂ خطابیہ ۸۔ طائفۂ غرابیہ ۹۔ طائفۂ ذمّیہ ۱۰۔ طائفۂ یونسیہ ۱۱۔ طائفۂ مفوضہ ۱۲۔ طائفۂ اسماعیلیہ باطنیہ ۱۳۔ طائفۂ زیدیہ ۱۴۔ طائفۂ امامیہ۔

آپ نے ان طوائف کے عقائد بیان کر کے ان کی ذہنی کیفیت عیاں کر دی ہے اور پھر آپ نے علماء ماوراءالنہر کے رسالہ کی عبارت نقل کی ہے۔ یہ عبارت آٹھ سطر کی ہے۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے:-

"جبکہ شیعہ حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) اور ذوالنورین (عثمان) اور بعض ازواجِ طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعن کرتے ہیں اور یہ کفر ہے" الخ

آپ نے اس کے بعد قرآن و حدیث اور ائمۂ دین کے اقوال سے علماء ماوراءالنہر کے فتوے کو صحیح بتایا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہبِ اہلِ سنّت و جماعت کی رُو سے حضرت مجدد کی یہ تحریر درست ہے یا غلط۔ اگر معترضین کا خیال یہ ہے کہ غلط ہے تو وہ اس کو ثابت کریں۔ اہلِ سنت و جماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے۔ حضرت عائشہ کی برأت قرآن سے ثابت ہے۔ اب اگر کوئی آپ کی برأت کو تسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

جو لوگ حضرت مجدد پر اعتراض کر رہے ہیں اور آپ کی تحریر کو اخوت و محبت کے خلاف قرار دے رہے ہیں، کیا کبھی ان کو اس بات کی توفیق ہوئی ہے کہ انھوں نے از روئے اخوت شیعوں سے کہا ہو کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ اور اُن تمام صحابہ کو جن سے پروردگار جل شانہٗ نے اپنی رضامندی کا اظہار قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے، گالیاں نہ دو، ان پر لعنت نہ بھیجو، مسلمانوں کے دلوں کو زخمی نہ کرو۔ دیکھو، عکرمہ فرزندِ ابوجہل جب اسلام لانے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے والے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا "یَأْتِیْکُمْ عِکْرِمَۃُ مُؤْمِنًا مُّهَاجِرًا فَلَا تَسُبُّوْا اَبَاہُ فَاِنَّ سَبَّ الْمَیِّتِ یُؤْذِی الْحَیَّ وَلَا یَلْحَقُ الْمَیِّتَ" وفی روایۃ "لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْاَحْیَاءَ"[1]۔

ترجمہ: "تمھارے پاس عکرمہ مومن اور مہاجر ہو کر آ رہا ہے۔ پس تم اس کے باپ کو گالی نہ دو کیونکہ مُردے کو گالی دینے سے زندوں کو تکلیف پہنچتی ہے مُردے کو نہیں لگتی" اور ایک روایت میں ہے: "مُردوں کو گالی دے کر زندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ"

---

[1] انسان العیون معروف بہ سیرت حلبی۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ اللہ اور رسول کی بات کریں، ائمہ کے اقوال نقل کریں تو مجرم اور شیعہ ہمارے آقا، سردارِ دوجہاں کے جاں نثاروں اور آپؐ کی زوجات مطہرات کو گالیاں دیں، اُن پر جھوٹے الزام لگائیں تو یہ کوئی بات نہیں، کیا اس سے اخوتِ اسلامی کو تقویت پہنچتی ہے۔

لِمِثْلِ هٰذَا یَذُوْبُ الْقَلْبُ مِنْ کَمَدٍ اِنْ کَانَ فِی الْقَلْبِ اِسْلَامٌ وَّاِیْمَانٌ

حضرت مجدد کا رسالہ کل چالیس صفحے کا ہے، نوخاستہ محققین حضرت شاہ عبدالعزیز کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" اٹھا کر دیکھیں جو سات سو چھہتر صفحات کی بے مثل کتاب ہے۔ اس کا ہر صفحہ حضرت مجدد کے رسالہ کے دو صفحے سے زائد ہے اس میں غلاتِ[1] شیعہ کے چوبیس، فرقۂ زیدیہ کے نو، اور فرقۂ امامیہ کے انتالیس فرقوں کا اور ان کے ایک سو نات مکائد اور سینتیس عقائد کا تفصیل سے ذکر ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۷۱ھ میں دلی کے مطبع حسنی میں چھپی ہے، اس کا اُردو ترجمہ عبدالمجید خاں صاحب پیلی بھیتی نے کیا ہے جو کہ تحفۂ مجیدیہ کے نام سے سنہ ۱۳۱۰ھ میں بہ اہتمام عبدالواحد خاں مطبع مصطفائی میں چھپا۔ اس کتاب کی جامعیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ حضرت مصنف قدس سرہٗ کی حیات میں علامہ غلام محمد بن محی الدین بن عمر اسلمی نے سنہ ۱۲۲۷ھ میں اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اور پھر سید محمود شکری آلوسی بغدادی نے اس کو مختصر کر کے سنہ ۱۳۰۱ھ میں بہ نام "مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ" طبع کیا، اور اب سنہ ۱۳۹۶ھ میں حسین حلمی ایشیق بن سعید استانبولی نے ترکیہ میں اس کو پھر چھپوایا ہے جو کہ تین سو چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ جو بھی اہلِ علم ہوگا وہ اس کتاب کا دلدادہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے علم و فضل و وسعتِ معلومات کا دل سے معترف ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے شاہ بخارا کے دریافت کردہ دس مسائل کا جواب لکھا ہے اس میں بعض سوالات کا تعلق روافض سے ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ عزیزی کے اواخر میں چھپا ہے، شایانِ دید ہے۔

حضرت مجدد کے رسالہ ردِّ شیعہ کی تعریب حضرت شاہ ولی اللہ نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ محمد اکرم نے لکھا ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد کے رسالہ ردِّ روافض کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے شروع میں عہدِ اکبری کے مذہبی رجحانات پر تبصرہ ہے اور حضرت مجدد کے تمام احسانات و کارنامے ایک ایک کر کے تفصیل سے گنائے گئے ہیں۔[2]

حضرت قاضی ثناء اللہ نے بھی فارسی میں ایک رسالہ ردِّ روافض لکھا ہے جو کہ میرے پاس محفوظ ہے روافض نے جو فتنہ حضرت مجدد کے زمانہ میں برپا کیا تھا وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے دور میں شدت سے برپا ہوا لہٰذا ان حضرات نے یہ کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو روافض کے فتنہ سے محفوظ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر عنایت کرے۔

---

[1] غلات جمع غالی کی بمعنی حد سے تجاوز کرنے والے۔ [2] رودِ کوثر صفحہ ۲۶۹۔

حضرت مجدد کے مکتوبات

آپ کے مکتوبات کا آغاز اُن عرائض سے ہوا ہے جو آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں ۱۰۰۸ھ سے ارسال کرنے شروع کیے۔ آپ کے مکتوبات کے تین دفتر یعنی حصے ہیں۔ پہلے حصہ کو خواجہ یار محمد الجدید بدخشی طالقانی نے جمع کیا ہے۔ جب ۱۰۲۵ھ میں مکتوبات کی تعداد تین سو تیرہ کو پہنچی جو کہ انبیائے مرسل اور اصحابِ بدر کی تعداد ہے تو حضرت مجدد کے اشارے پر اس دفتر کو بند کیا گیا۔ اس کا تاریخی نام "درالمعرفت" ہے۔ دوسرے دفتر کو خواجہ عبدالحی حصاری نے جمع کیا ہے۔ اس دفتر کو ننانوے ۹۹ مکتوبات پر حضرت مجدد نے ۱۰۲۸ھ میں بند کرا دیا۔ آپ نے فرمایا اسمائے حسنیٰ بھی ننانوے ہیں۔ اس دفتر کا تاریخی نام "نور الخلائق" ہے۔ تیسرے دفتر کو جمع کرنے کی ابتدا میر نعمان نے کی تھی۔ انھوں نے تیس مکاتیب جمع کیے تھے کہ یہ خدمت اُن کے مُرید سرمستِ جامِ احمدی خواجہ ہاشم کشمی کے سپرد ہوئی۔ جب مکاتیب کی تعداد ایک سو چودہ کو پہنچی حضرت مجدد نے فرمایا قرآن مجید کی سورتیں ایک سو چودہ ہیں لہٰذا اس عدد پر اس دفتر کو بند کر دو۔ خواجہ ہاشم نے اس کا نام "بحر المعارف" رکھا ہے۔ یہ واقعہ ۱۰۳۳ھ کا ہے۔ اس کے بعد چند ماہ حضرت مجدد بہ حیات رہے۔ اس عرصہ میں دس مکتوبات تحریر فرمائے اور آپ کی وفات کے بعد ان کو اسی دفتر میں شامل کر لیا گیا۔ اس طرح یہ دفتر ایک سو چوبیس مکتوبات پر حاوی ہوا اور آپ کے کل مکتوبات کی تعداد پانچ سو چھتیس ہے۔ ان میں بیس عرائض ہیں جو آپ نے اپنے پیر و مرشد کو ارسال کیے ہیں۔ اگر آپ کے رسائل سبعہ کو بھی ان میں ملا لیا جائے تو تعداد پانچ سو تینتالیس ہوئی۔ یہ ہے آپ کا مبارک اثاثہ جو اہلِ اسلام کے لیے سرمایۂ سعادت و نورِ ہدایت بنا ہوا ہے۔ اور ہزارہا بندگانِ خدا اس کی بدولت مراتبِ عالیہ کو پہنچ چکے ہیں۔ حضراتِ عالی قدر آپ کے مکتوباتِ قدسی آیات کا ہر روز درس دیا کرتے تھے۔

صدہا مشائخِ عظام اور علمائے اعلام کے مکاتیب کو اُن کے مخلصوں اور شاگردوں نے جمع کیا ہے۔ خود آپ کے فرزندانِ گرامی قدر اور اُن کے صاحبزادگانِ عالی گہر کے مکتوبات کو بھی جمع کیا گیا ہے لیکن جو قبولیت آپ کے مکاتیبِ مبارکہ کو حاصل ہوئی ہے کسی کے مکاتیب کو نصیب نہ ہوئی۔ محبوبانِ پروردگار کے متعلق صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ ؕ پھر اہلِ زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ یعنی وہ نیک بندہ مقبولِ خلائق ہوتا ہے۔ اِس مبارک حدیث کی روشنی میں آپ کے مکتوبات کی قبولیت دیکھ کر آپ کی محبوبیت عنداللہ کا اندازہ کیجئے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کے مکتوبات کا ہر لفظ نسبتِ نقشبندیہ سے بھرا ہوا جامِ معرفت ہے جو پڑھنے والے کو اعلیٰ درجۂ احسان (أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ۔ اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو) پر پہنچاتا ہے۔ ہزارہا اہلِ غفلت اس ساغرِ معرفت کو پی کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر گرویدہ

ذاتِ بحث ہوئے ہیں، اُن کے تن کا ذرہ ذرہ صدا لگا رہا ہے۔

خواہم کہ مدام در ہوائے توزیم   خاکے شوم و بہ زیر پائے تو زیم
مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی   از بہرِ تومی زیم، برائے تو زیم

مصر میں جامعِ ازہر کے ایک سن رسیدہ جلیل القدر عالم کے ہاتھ اتفاق سے مُعَرَّب مکتوبات کا نسخہ آگیا میں ان کے پاس بیٹھا تھا، کم و بیش ایک گھنٹہ تک وہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ پھر انھوں نے کہا "سبحان اللہ کیا گنجینۂ اسرار و معارف ہے"۔

آپ کے مکتوبات کا ترجمہ اردو میں بھی ہوا ہے۔ اگرچہ وہ ترجمہ اصلاح طلب ہے تاہم از مغتنمات ہے۔ مولانا ہدایت علی نقشبندی ساکن جے پور نے دفترِ اوّل کے تمام مکتوبات کا خلاصہ اُردو میں "دُرِ لاثانی" کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں طبع کیا ہے۔ مکتوب نمبر ۲۸ کا ترجمہ بطور نمونہ لکھتا ہوں۔

"خواجہ عمک، آپ نے یاد فرمایا، خوشی ہوئی، لیکن فقیر نے جب اپنے آپ کو اس لائق نہ پایا تو ناچار گوشۂ تنہائی میں پوشیدہ ہوا اور قرب سے بھاگ کر بعد میں آرام لیا اور اتصال سے انفصال کے ساتھ قرار پکڑا اور جب آزادی میں گرفتاری دیکھی تو ناچار گرفتاری کو اختیار کیا"۔

دفترِ دوم اور سوم کا خلاصہ کیا ہے یا نہیں اور چھپا ہے یا نہیں اس کا علم مجھ کو نہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے بھی مکتوبات شریف کی تلخیص بنام "تجلیاتِ ربانی" کی ہے لیکن آپ نے تمام مکاتیب کا خلاصہ نہیں کیا ہے بعض کو چھوڑ دیا ہے۔ پہلے حصہ کی تلخیص بک: فرقان لکھنؤ سے حال میں چھپی ہے۔ بطور نمونہ ایک مکتوب لکھتا ہوں جو کہ مکتوب نمبر ۱۴۱ ہے۔

"حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ترقیات نصیب کرے، بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ احوالِ قلبی کے متعلق کبھی نہ لکھا کہ کیا صورت ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ لکھتے رہا کرو کیونکہ یہ امر موجبِ توجہ غائبانہ ہوتا ہے۔ محبت و اخلاص راہِ سلوک میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ اگر اس وقت ترقی مفہوم و محسوس نہیں ہوتی تو کچھ غم نہیں ہے۔ جب اخلاص پر استقامت ہے تو امید ہے کہ برسوں کا کام گھنٹوں میں حاصل ہو جائے گا۔ والسلام

غرضیکہ حضرت کے مکتوباتِ قدسی آیات سراسر اکسیرِ ہدایت ہیں۔ پروفیسر محمد فرمان نے بہت ٹھیک لکھا ہے۔

"آپ کی ذو کرامتیں دنیا کے لئے بڑے فیوض کا باعث ہوئی ہیں۔ ایک آپ کی نیک و صالح اولاد ہے جن میں سے ہر ایک یگانۂ روزگار تھا۔ آپ کے صاجزادے محمد صادق، محمد سعید، محمد معصوم ظاہری اور باطنی علوم میں اعلیٰ پائے کے بزرگ ہوئے ہیں اور انھوں نے ترویجِ شریعت میں اپنے والد ماجد کے ہر ارشاد کی تعمیل کی ہے اور اُن کے بعد اُن کی مشعلِ ہدایت کے نور کو دُور دُور تک

پھیلایا ہے۔ دوسری کرامت جناب کے یہ مکتوبات ہیں، جن کے مطالعہ سے آپ کی علمیت، معرفت، خلوص اور شریع کی پابندی کا ایک ایسا حسین، دلکش اور مستحکم منظر آنکھوں کے آگے آجاتا ہے جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور اور سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج و افعال میں نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔[1]

حضرت محمد عبداللہ جان مجددی معروف بہ شاہ آغا، ساکن ٹنڈہ سائیندا ضلع حیدرآباد سندھ متوفی ۱۲۹۳ھ نے مکتوبات شریف کا انتخاب باعتبارِ مضامین کیا ہے۔ انھوں نے چار ابواب قائم کئے ہیں۔ پہلا اصول و عقائد اہلِ سنت وجماعت کا، دوسرا مسائل و احکام کا، تیسرا حقائق و معارف و انوار و اذواق و مواجید کا، چوتھا مواعظ و نصائح کا۔ اور اس کا نام فیض البرکات من عین المکتوبات رکھا ہے۔ کتابی تقطیع پر ۴۹۲ صفحات کی کتاب ہے۔ چونکہ انتخاب فارسی میں ہے اس لئے حضرت مجدد ہی کی عبارت ہے۔ اگر حضرت محمد عبداللہ جان رحمۃ اللہ علیہ تمام مکتوبات کو بالاستیعاب باعتبار ابواب لکھتے اور کچھ ابواب کا اضافہ کرتے نہایت اعلیٰ کام ہوتا۔

صاحبِ فضل و نسبت حسین حلمی الشیق بن سعید استانبولی نے مکتوبات کے پہلے دفتر کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا ہے جو کہ سولہ فروری ۱۹۶۲ء کو چھپ گیا ہے۔ پانچسو پچاسی صفحات میں مکتوبات کا ترجمہ ہے اور تینتالیس صفحات میں فہرست (کل صفحات ۶۲۸ ہیں) اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ باقی دونوں دفتروں کو بھی ترجمہ کر کے طبع کردیں۔

میں نے سنا ہے کہ ہندوستان میں ایک پروفیسر مکتوبات کا ترجمہ انگریزی میں کر رہے ہیں وہ اس کام میں دو تین سال سے مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کرے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اٹلی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں دینِ برحق "اسلام" مقبول ہو رہا ہے۔ ایک جماعت اسلام میں داخل ہوگئی ہے۔ چند افراد یہاں آکر سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ حضرت مجدد کا نظریۂ توحید شہودی ان کو کھینچ کر یہاں لایا ہے۔ یورپ کے ایک نومسلم شیخ عبدالواحد یحییٰ نے تصوف پر کتابیں لکھی ہیں۔ وہ کتابیں اس جماعت کے لئے مشعلِ راہ بنی ہیں۔ حضرت مجدد کے بعض مکتوبات کا اٹلی والوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے طبع کردیا ہے۔ دفتر سوم کا مکتوب ۶۷ میر منصور کے نام ہے اس کا ترجمہ کیا ہے اور مجھ کو سنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذوق و شوق میں اضافہ کرے اور حضرت مجدد کی تعلیمات سے اپنے برادرانِ وطن کو روشناس کرائیں۔

حضرت مجدد کے مکتوبات کا جس زبان میں بھی ترجمہ ہوگا اسلام کو تقویت ملے گی، جو بھی آپ کے مکتوبات کو پڑھے گا اس کے سامنے اسلام کا اور اسلامی تصوف کا صحیح نقشہ آجائیگا۔

غلامِ آں کلماتم کہ آتش افروزد نہ آب سرد زند در سخن بر آتش تیز

---

[1] بینات [illegible] صفحہ ۲۶۲۔

فقیر و خستہ بہ درگاہت آمدم رحمے
کہ جز ولائے توام نیست ہیچ دستاویز

احیاء سنت کی تحریک

حضرت مجدد نے احیاء سنت کی تحریک شروع کی کیونکہ آپ کے نزدیک تمام مفاسد کا علاج اتباع سنت ہی میں مضمر ہے۔ آپ نے شیخ حسن برکی کو لکھا ہے۔

"اللہ آپ کو استقامت دے اور مقاصد عالیہ کی نہایت تک پہنچائے۔ آپ نے رفع بدعت کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے جو بدعات کے اس تاریک دور میں کسی خوش نصیب ہی کو ملتی ہے کہ وہ کسی بدعت کو مٹائے اور کسی سنت کو رائج کرے۔ صحاح کی حدیث ہے کہ جو شخص کسی ایسی سنت کا احیاء کرے کہ اس پر عمل نہ کیا جاتا ہو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اس مبارک ارشاد سے اس کام کی عظمت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ البتہ اس بات کا خیال رہے کہ اس کی وجہ سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ اور کہیں ایک بھلائی بہت سی برائیوں کا سبب نہ بنے کیونکہ یہ آخر زمانہ اور اسلام کی کمزوری کا دور ہے۔"[1]

آپ کی تحریک احیاء سنت کو دیکھ کر بعض افراد نے کہا ہے کہ اس تحریک نے ہندوستان میں وہابیت کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔

جو شخص حضرت مجدد کی تحریرات و ملفوظات کا پوری طرح مطالعہ نہیں کرے گا وہ یہ خیال قائم کر سکتا ہے۔ بلکہ ناتمام اور معمولی سمجھ والے مولوی بھی یہ بات کہیں گے۔ اور ہندوستان کے وہابی جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اس قسم کی باتیں بہت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ان پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تم لوگ ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کے قول کو لیتے ہو اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو لیتے ہیں۔ حالاں کہ ائمہ دین میں سے ہر ایک نے صدق دل سے یہ بات کہی ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے قرآن و حدیث سے لیا ہے اور اگر قرآن مجید میں یا احادیث صحیحہ میں کوئی حکم نہیں ملا ہے تو ہم قیاس کرتے ہیں۔ اگر ہمارا قول کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو اور اس صحیح حدیث پر عمل کرو۔ ان ائمہ کے بعد صدہا سال سے جلیل القدر علماء ان کے اقوال کو پرکھ رہے ہیں اور سر تسلیم خم کر رہے ہیں آج تک ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا ایک قول بھی اہل علم کے نزدیک صحیح حدیث کے خلاف ثابت نہیں ہو سکا ہے۔

جو لوگ حدیث کے نام پر ائمہ دین کا استخفاف کرتے ہیں سورج گہن کی نماز کے متعلق حدیثوں کو دیکھیں۔ ان کو یہ روایت بھی ملے گی کہ دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہوا۔ اور ان کو دو رکوع کی بھی روایت ملے گی۔ تین کی بھی اور چار کی بھی بلکہ پانچ

---

[1] مکتوب ۱۰۵ دفتر سوم۔

کی بھی۔ حالانکہ سورج گہن کی صرف ایک نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ اگر آپ نے مختلف اوقات میں چند مرتبہ یہ نماز پڑھائی ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ کسی نماز میں آپ نے ہر رکعت میں ایک رکوع کیا ہے اور کسی میں دو اور کسی میں اور زیادہ۔ لیکن یہاں ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے اور نہ اہلِ سنت وجماعت میں سے کوئی شخص کسی صحابی کو جھوٹا کہہ سکتا ہے۔ ائمۂ دین نے جس خوبی سے اس اشکال کا حل نکالا ہے یہ اُن ہی حضرات کا کام تھا۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ۔

ہندوستان میں وہابیت کا بیج مولوی اسماعیل نے بویا۔ مولوی اسمٰعیل نے رفع یدین کے متعلق مختلف روایتیں دیکھیں اور اس کے قائل ہو گئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر اُن کے چچا اور اُستاد نے ان کے پاس مولوی یعقوب کی معرفت کہلا بھیجا کہ یہ مسئلہ نہ چھیڑو اور فتنہ برپا نہ کرو۔ مولوی اسمٰعیل نے یہ جواب مولوی یعقوب کو دیا کہ حدیث "مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهٗ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ" کے کیا معنی ہیں۔ (ارشادِ نبوی یہ ہے کہ جو کوئی پکڑے گا میری سنت کو میری امت کے بگڑنے کے وقت اس کو سو شہید کا ثواب ہے) مولوی یعقوب نے یہ جواب شاہ عبدالقادر کو پہنچایا۔ شاہ صاحب نے مولوی یعقوب سے فرمایا "بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا ہے مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے جب سنّت کا مقابل غیرِ سنّت ہو اور ہماری بات اس سنّت میں ہو رہی ہے جس کا مقابل خلافِ سنّت نہیں ہے بلکہ دوسری سنّت ہے۔ اگر رفع یدین سنّت ہے تو ارسال بھی سنّت ہے۔"[1]

جو بات حضرت شاہ عبدالقادر نے فرمائی اکثر مدعیانِ حدیث سے پوشیدہ ہے۔ یہ لوگ کثرتِ رُوات اور قلتِ رُوات کو دیکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب میراث کی بات نکلی تو حضرت ابوبکر نے یہ حدیث سب کو سُنائی۔ "لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ ہماری میراث نہیں دی جاتی۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے" صحابۂ کرام نے آپ کی روایت کو تسلیم کیا۔ ایک جلیل القدر اور ذی علم صحابی کی روایت نہایت وقیع اور وزن والی ہے کیونکہ روایت بالمعنی کی صورت میں اس کا شائبہ جاتا رہتا ہے کہ سمجھنے میں فرق آگیا ہوگا۔

مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کے پاس مولوی ابراہیم گئے اور انھوں نے اِس بات کا اظہار کیا کہ وہ اہلِ حدیث میں سے ہیں۔ مولانا نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت کون سی دُعا پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ "اس وقت یاد نہیں" مولانا نے دریافت کیا۔ گھر سے نکلتے وقت کیا پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب نے وہی پہلا جواب دیا۔ مولانا نے مختلف اوقات ومقامات کے متعلق دریافت کیا۔ مولوی صاحب کا وہی ایک جواب رہا۔ مولانا

---

[1] ارواح ثلاثہ کے صفحہ ۹۴ و ۹۵ کو ملاحظہ کریں۔

نے فرمایا "کیوں مولانا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے یاد کرنے کی ضرورت کو عمل بالحدیث کے لئے آپ نے ضروری خیال نہ کیا۔ کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے۔" [لہ]

حضرت مجدد نے صاحبزادگانِ گرامی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو آٹھ صفحے کا تحقیق سے بھرا مکتوب ارسال فرمایا ہے، بہ صورت خلاصہ کچھ لکھتا ہوں۔ لکھا ہے۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پچھلی سُنت پہلی سُنت کے لئے ناسخ ہے اور نزول فرمانے کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی پیروی کرینگے کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ علمائے ظواہر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مجتہدات کو بہ وجہ ان کے غموضِ ماخذ اور کمالِ دِقّت کے انکار کریں اور آپ کے مجتہدات کو کتاب و سنّت کے خلاف سمجھیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معاملہ امامِ اعظم کے معاملہ کی طرح ہے کیونکہ ورع و تقویٰ کی برکت اور متابعتِ سنّت کی بہ دولت امامِ اعظم نے اجتہاد اور استنباط میں جو کمال پایا ہے اس کے سمجھنے سے دوسرے افراد عاجز اور قاصر ہیں۔ اور آپ کے اجتہادات کو ان کی دقّتِ معانی کی وجہ سے کتاب و سنّت کے مخالف جانتے ہیں۔ اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اصحابِ رائے سمجھتے ہیں۔ مخالفین نے یہ جو کچھ کیا ہے اس بنا پر کیا ہے کہ وہ امامِ اعظم کے علم و درایت کی بے پایانی کو نہیں پا سکے ہیں۔ امام شافعیؒ کی فراست و دانشمندی کا اظہار ان کے اس قول سے ہو رہا ہے "اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ" : تمام فقہا ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔ وائے از جرأتہائے قاصر نظراں کہ قصورِ خود را بہ دیگرے نسبت نمایند۔

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعنِ قصور　　　حاش للہ کہ برآرم بہ زباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند　　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اور آپ نے لکھا ہے "یقیناً بلا تکلّف و تعصب کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت نظرِ کشفی میں عظیم دریا کی طرح ہے اور باقی تمام مذاہب حوض اور نالیوں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی اس مذہب کے پیرو دیگر مذاہب کے پیروان سے زائد ہیں اور یہ مذہب اپنے اصول و فروع اور طریقۂ استنباط میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ تقلیدِ سنّت میں امام ابوحنیفہ سب سے پیش قدم ہیں وہ مرسل احادیث کو مسند احادیث کی طرح شایانِ متابعت اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی طرح صحابی کے قول کو بہ وجہ شرفِ صحبت اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں حالانکہ دوسرے ائمہ کا مسلک یہ نہیں ہے' باوجود اس کے امامِ اعظم کے مخالف ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ان کے متعلق بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ سردارِ دین اور

[لہ] تدوینِ حدیث از سید مناظر احسن گیلانی صفحہ ۳۳۹ سے بہ اختصار۔

رئیسِ اہلِ اسلام کو بُرا نہ کہیں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ۔ وہ لوگ جو آپ کو اور آپ کے اتباع کو اصحاب رائے کہتے ہیں اگر ان کا یہ خیال ہے کہ احناف اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور یہ لوگ کتاب و سنّت پر عامل نہیں ہیں تو ان کے اس غلط اور فاسد خیال کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم ضَال و مُبتَدِع ہے بلکہ ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہے۔ ایسا خیال وہی شخص کرے گا جو جاہل ہو اور اس کو اپنے جہل کی خبر نہ ہو یا زندیق ہو کہ اس کا مقصد شطرِ دین کا اِبطَال ہو۔ چند ناقصوں نے کچھ احادیث یاد کرلی ہیں اور شریعت کے احکام کو اُن احادیث میں منحصر سمجھ لیا ہے اور جن احادیث کا ان کو علم نہیں ہے یا اُن کے نزدیک ان احادیث کا اثبات نہیں ہوا ہے اُن کا انتفا کرتے ہیں۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است   زمین و آسمانِ او ہمان است

یعنی اس کیڑے کی طرح جو پتھر کے اندر چھپا ہوا ہے اس کے لئے اس کی زمین بھی وہی پتھر ہے اور آسمان بھی وہی۔"[1]

حضرت مجدد نے "چند ناقصوں نے کچھ احادیث یاد کرلی ہیں" لکھ کر نام نہاد اہلِ حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جن سے مولانا فضل رحمان نے کہا ہے "آپ نے اختلافی حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور اتفاقی حدیثوں کو یاد کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی" اور جن کے سرگروہ کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر نے فرمایا ہے: "یہ حکم تو اس وقت ہے جب سنّت کا مقابلہ غیر سنّت سے ہو۔"

اسلام کی جو خدمت ائمۂ دین نے کی ہے اَظْہَرُ مِنَ الشَّمس ہے۔ ان حضرات نے اُمّتِ مرحومہ کے واسطے اَبْوَابِ یُسر کھولے ہیں۔ ان کا وجود مسلمانوں کے واسطے سراسر رحمت ہے۔ حضرت امام شافعی کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَایُعَذِّبُ عَلٰی قَوْلِ اُخْتُلِفَ فِیْہِ الْعُلَمَاءُ یعنی ائمۂ مجتہدین میں سے ہر ایک کا قول عذابِ الٰہی سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ "سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔" ائمۂ مجتہدین اہلِ ذکر صاحبِ علم اور فقہائے اُمّت ہیں۔ ان کا قول ہم لاعلموں کے لئے حجّت و برہان اور رحمت ہے۔

چو ایشاں طبیبانِ ایں ملّت اند   ز ما ہر نمط لائقِ مدحت اند

حضرت مجدد کے نزدیک اتباعِ سنّت کی یہ صورت ہے کہ احکام اور مسائل میں ائمۂ مجتہدین کا اتباع کیا جائے اور معمولات و آداب میں احادیثِ مبارکہ پر عمل کیا جائے۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہر وقت ہر جا سامنے رہے اور آپ کی مبارک دعائیں وردِ زبان ہوں تاکہ آپ کی محبّت دل میں پیدا ہو اور ربّ العزت کی محبوبیت نصیب ہو۔ اس کا ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ

---

[1] مکتوب ۵۵ دفتر دوم۔

تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" شاہ عبدالقادر نے موضح قرآن میں لکھا ہے "یعنی کوئی کسی کی محبت کا دعویٰ کرے تو اس طرح محبت کرے جس طرح محبوب چاہے، نہ جس طرح اپنا جی چاہے اور اسی طرح چاہے تو محبوب اس کو چاہے اور اللہ بندوں کو چاہے تو یہی کہ ان پر مہربان ہو اور گناہ بخشے، پکڑے اور خیالات عبث ہیں۔" یہ ہے حضرت مجدد کے نزدیک اتباعِ سنت کا مفہوم قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهُ الْاَقْدَس۔

رابطہ حضرت مجدد کا ارشاد ہے کہ طریقہ نقشبندیہ اتباعِ سنت اور اجتناب از بدعت کی وجہ سے تمام طرق میں ممتاز ہے۔

بعض افراد نے اعتراض کیا ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کا مدار تین امور پر ہے، رابطہ، ذکر، مراقبہ اور رابطہ جس کو تصورِ شیخ بھی کہتے ہیں شرکِ خفی ہے۔

اہلِ حدیث نے جس طرح امام ابوحنیفہ کو اہلِ رائے کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ناسمجھ اور کم فہم لوگوں نے طریقہ نقشبندیہ کو جو طریقہ خواجگان ہے مطعون کرنے کی سعی کی ہے خواجگانِ نقشبندیہ کے حالات کو کتاب "طبقات الصوفیہ" امالی پیر ہرات شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری اور کتاب "فصل الخطاب" از حضرت خواجہ محمد پارسا اور کتاب "نفحات الانس" از عارف نامی مولٰنا عبدالرحمٰن جامی اور کتاب "رشحات عین الحیات" از ملا علی بن حسین کاشفی میں مطالعہ کریں۔ ان بزرگوں نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک طریقہ کو مشعل راہ بنایا ہے۔ اور فرمایا ہے سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان اصول ہشتگانہ کی پابندی کرے۔

۱۔ ہُوش دَر دَم ۲۔ نَظَر بَر قَدَم ۳۔ سَفَر دَر وَطَن ۴۔ خلوت در انجمن ۵۔ یاد کرد ۶۔ باز گشت ۷۔ نگاہ داشت ۸۔ یاد داشت۔

ان کلماتِ مبارکہ کی تفصیل مکتوبات شریف اور سلوکِ نقشبندیہ کے بیان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں دیکھا جائے۔ ان حضرات کا چلہ انہی اصول کی پابندی ہے جن کے نزدیک کسی امرِ مستحب کا چھوڑنا ایک بڑی فروگزاشت ہو کیا وہ شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟

رابطہ کی سُنیّت اور اَولَویّت روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ میں مختصر طور پر کچھ لکھتا ہوں۔

۱۔ سورۂ یوسف کی آیت چوبیس میں ہے۔ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔" اس آیت کی تفسیر میں عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب کی صورت دیکھی۔ حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، مجاہد،

مجاہد، ابن جبیر، ابن سیرین، حسن، قتادہ، ابو صالح، ضحاک، ابن اسحاق وغیرہم سے روایت کی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب کو دیکھا کہ انگلی دانت سے پکڑے ہوئے ہیں۔" اور یہی رابطہ ہے۔

۲۔ سورۂ توبہ کی آیت ایک سو بیس میں ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ہو ساتھ سچوں کے" اس آیت شریفہ سے صادقین کی معیت مطلوب ہے۔ اُن کے حضور میں معیتِ ظاہری ہے اور غیبت میں ان کا خیال معیتِ باطنی اور معنوی ہے۔ جس کو حضرات خواجگان رابطہ کہتے ہیں۔

۳۔ ترمذی نے اس مبارک دُعا کی روایت کی ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِیْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ الخ۔ اے میرے اللہ مجھ کو اپنی محبت اور اس کی محبت کہ جس کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع بخش ہو عنایت کر۔"

محبت، دل کے تعلق اور لگاؤ کو کہتے ہیں اس مبارک دعا میں اللہ سے دل کا لگاؤ اور ہر اس شخص سے دل کا لگاؤ جس کی محبت موصل الی اللہ ہو مطلوب ہے۔ محبت جتنی زیادہ ہوگی — "كَاَنَّكَ تَرَاهُ" گویا کہ تم اللہ کو دیکھتے ہو" کی کیفیت بیشتر حاصل ہوگی جو درجۂ احسان کا اعلیٰ تر مقام ہے۔

۴۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں عرض کی کہ کسی کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ اُن جیسا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ اُسی کے ساتھ ہے" یعنی جس کا خیال دل میں رہے گا اسی کے ساتھ اس کا حشر و نشر ہوگا۔ یہی تصور ہے اور یہی رابطہ۔

۵۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ خورد سال تھے۔ حُلیۂ نبویہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِیَّةُ پوری طرح حافظۂ خیال میں ثبت نہ تھا۔ بڑے ہو کر انھوں نے اپنی حضرت والدہ رضی اللہ عنہا کے ماموں سے کہا جو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُلیہ مبارک بیان کرنے میں یکتا تھے۔ اَنَا اَشْتَهِیْ اَنْ یَّصِفَ لِیْ مِنْهَا شَیْئًا اَتَعَلَّقُ بِهٖ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے سراپا کا کچھ بیان کریں تاکہ اس سے میرا تعلق ہو یعنی آپ کا حلیہ مبارک میرے خانۂ قلب کو مُجلّٰی و مُطہّر و منوّر کرتا رہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بہ چہ تسکیں بدہم دیدۂ و دل را کہ مدام　　دل تُرا می طلبد دیدہ تُرا می خواہد

ابن ماجہ اور طبرانی نے نیک بندوں کی یہ نشانی روایت کی ہے: اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ۔ وہ جب

دیکھے جائیں تو اللہ یاد آئے" اور بغوی کی روایت حدیث قدسی کی ہے "اَوْلِیَائِی مِنْ عِبَادِی الَّذِیْنَ یُذْکَرُوْنَ بِذِکْرِیْ وَاُذْکَرُ بِذِکْرِھِمْ" میرے بندوں میں سے میرے اولیاء وہ ہیں کہ میری یاد کے وقت اُن کی یاد اور اُن کی یاد کے وقت میری یاد آتی ہو" یعنی وہ مبارک ہستی جس کی فنا اور بقا اللہ ہی سے ہے وہ اللہ کی یاد کا ذریعہ ہے جس کو ایسا ذریعہ ملے وہ خوش نصیب ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسی سعادت کو حاصل کرنا چاہا۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دولتِ عظمیٰ اور سعادتِ علیا سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ تھے۔ وہ جس وقت اپنے محبوبِ اعظم سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرتے تھے بے ساختہ ان کی زبان پر کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ آتا تھا۔ یعنی گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ اُن عاشقانِ پاک باطن کی آنکھوں کے سامنے وہی خیال مبارک تھا جو ان کے نگارخانۂ دل میں ہمہ وقت محفوظ رہتا تھا۔

ابھی دو سال کا واقعہ ہے کہ دہلی میں ایک جگہ نجد، کُوَیت اور شام کے چار فضلا کے ساتھ ہندوستان کے چار علماء کا اجتماع تھا۔ اس مختصر لیکن مؤقر اجتماع میں میری شرکت بھی ہوئی۔ ہندوستان کے علماء میں سے دو صاحبان کا تعلق طریقۂ طیبۂ چشتیہ سے تھا۔ مجھ کو بعد میں معلوم ہوا کہ کُوَیت کے فاضل کا تعلق حضرات مشائخ کے کسی سلسلہ سے تھا۔ اس پاکیزہ اور باوقار محفل میں سَلَاسِلِ مُبارکہ کا ذکر آیا اور فاضلِ کویت نے "رابطہ" کے متعلق کچھ کہا۔ فاضلِ نجد نے رابطہ کے متعلق دریافت کیا اور جب ان کو معلوم ہوا کہ رابطہ تصورِ شیخ کو کہتے ہیں تو انھوں نے کہا: "ھٰذَا حَرَامٌ" یہ تو حرام ہے۔ میں نے ان سے کہا (بہ عربی) "جنابِ من۔ رابطہ تو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول رہا ہے۔ وہ سالہا سال بعد سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر شریف کرتے وقت کس شوق و محبت سے کہا کرتے تھے: کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ جس وقت وہ یہ الفاظ فرماتے تھے وہ اس مبارک خیال کو دیکھا کرتے تھے جو اُن کے نہاں خانۂ دل میں محفوظ تھا۔ یہی وہ رابطہ ہے جو مُوصِل الی اللہ ہے اور حضرات نقشبندیہ اس پر عامل ہیں" میری بات سُن کر فاضلِ نجد خاموش بیٹھ گئے اُن کے بُشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُن کی خاموشی جامۂ تفکر پہنے ہوئے ہے اور فاضلِ کُوَیت کے چہرے پر آثارِ مسرت ظاہر تھے۔ حُسنِ اتفاق سے دوسرے دن ایک بڑے اجتماع میں یہ دونوں صاحبان بہت مسرت سے ملے اور کچھ علمی گفتگو ہوئی۔

تصور ہے وہ نسخۂ کیمیا   کہ جس نے مِسِ دل کو کُندن کیا
تصور میں ہے بوئے سوز و گداز   ہے مہر و محبت ہی راہِ نیاز
تصور ہے معمولِ مَردانِ دیں   جو سمجھے تھے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْں
تصور ہے شمعِ فروزانِ راہ   زہے قولِ عاشق کَاَنِّیْ اَرَاہ

تصور نے ان کے کیا یہ اثر   کُھلا "لِیْ مَعَ اللّٰہ" کا وہ بستہ دَر
تصور ہے بے شک وہ راہِ وُصُول   پہنچتی ہے جو بارگاہِ رَسُول
ہوا جو گرفتارِ عشقِ نبیؐ   وہ دوزخ سے یکسر ہوا ہے بَرِی
جو نارِ محبت کا ہو سُوختہ   نہ ہوگا وہ دوزخ کا اَندُوختہ
قتیلِ وَفا پر ہو رحمت مدام   بہشتِ بریں ہوگا اس کا مقام
نہ اس میں خفا ہے نہ تنکیر ہے   "مَعَ مَنْ اَحَبَّ" کی یہ تفسیر ہے

صدہا جلیل القدر علما امثال حضرت مجدد و شاہ ولی اللہ راہِ خطا پر بلکہ العیاذ باللہ راہِ شرک پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ ان حضرات کی نظر نہایت درجہ دقیق ہے۔ ان پر اَسرارِ مَسْجُودٌ لَہٗ اور مَسْجُود اِلَیْہِ ظاہر تھے۔ یہ حضرات اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ کے مصداق تھے (وہ لوگ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے سو تو چل ان کی راہ)

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفٰی

کمالات کا اظہار

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کمالات عنایت کر دیئے ہیں اور تمام اشیاء کا اظہار آپ پر ہو گیا ہے۔ پروردگار فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (یعنی) اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیورا[1] ہر چیز کا۔ یعنی قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل اور بعید ہے۔ اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اشیاء کا ذکر بھی کیا ہے۔ جیسا کہ بخاری، مسلم اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ الْاِسْلَامَ بِرِجَالٍ مَا هُمْ مِنْ اَهْلِهٖ[2] اللہ تعالیٰ اسلام کی تائید ایسے افراد سے کرائے گا جو کہ اس کے اہل میں سے نہ ہونگے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے چاہے صَرَاحَۃً ہو یا تَشْبِيْهًا یا تَمْثِيْلًا یا اِشَارَۃً یا تَلْوِیْحًا۔ اس کا ظہور یقیناً ہوگا اور اپنے وقت پر ہوگا۔ میں دو تین اُمور کا ذکر کرتا ہوں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

ا۔ سورۂ یونس کی آیت بانوے ہے۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (ترجمہ) سو آج بچا دیں گے تجھ کو تیرے بدن سے تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی اور البتہ بہت لوگ ہماری قدرتوں پر دھیان نہیں کرتے۔ اس آیت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ فرعون کی لاش بعد میں آنے والوں کے لئے برائے عبرت باقی رہیگی۔ تیرھویں صدی کے اوائل تک ہمارے علمائے کرام یہی سمجھتے رہے کہ بعد میں آنے والوں سے مراد فرعون کی

---

[1] بیورا۔ بعید، نشان، پتا۔ فرہنگ آصفیہ [2] الجامع الصغیر جلد اول صفحہ ۶۳۔

قوم ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس آیتِ مبارکہ کو بیان کرتے رہے اور وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ کا اظہار ہوتا رہا۔ جب مصر پر نپولین کا قبضہ ہوا، یورپ کے پادریوں نے وہاں کہنا شروع کیا کہ تمہارے قرآن میں یہ آیت ہے۔ لہٰذا ہم کو وہ نشانی دکھاؤ۔ اس وقت ارشادِ نبوی اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ الۡاِسۡلَامَ بِرِجَالٍ مَا ھُمۡ مِنۡ اَھۡلِہٖ کا ظہور ہوا اور یورپ کے نصاریٰ نے کھوج لگا کر فرعون کی وہ لاش نکال لی جس کو اب ہر شخص دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

۲۔ سورہ ابراہیم کی آیت بتیس، تینتیس اور چونتیس ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ وَسَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡھٰرَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّھَارَ وَاٰتٰکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ۔ ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہارے میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہاری رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو۔ بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔

قرآن مجید میں لفظ سَخَّرَ کا استعمال ہوا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے اس کا بیان "کام میں لگایا" سے کیا۔ شمس و قمر اور دیگر کواکب کے متعلق چند سال پہلے تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ اُن کی گردش سے اہلِ جہاں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اب چند سال سے تسخیر نے دوسری صورت بھی دکھائی ہے اور قمر پر انسان کے قدم پہنچ گئے ہیں۔ جب سے اس کیفیت کا ظہور ہوا ہے، نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر یاد آتا رہتا ہے۔

بَلَغۡنَا السَّمَآءَ مَجۡدُنَا وَجُدُوۡدُنَا   وَاِنَّا لَنَرۡجُوۡ فَوۡقَ ذٰلِکَ مَظۡھَرًا

ترجمہ: ہماری عظمت اور مساعی آسمان تک پہنچ چکی ہیں اور ہم اس سے بالاتر مظاہر کی اُمید رکھتے ہیں۔

اور اس طرح وَاٰتٰکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ کا اظہار ہوا۔ "دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی۔" اور ساتھ ہی اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ کا بھی ظہور ہوا۔ "بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔" اللہ تعالیٰ اس کی خواہشیں پوری کر رہا ہے اور وہ لادینیت اور دہریت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے بہت خوب فرمایا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند   تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار   شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

۳۔ سورۂ یاسین کی آیت ۴۱ و ۴۲ ہے۔ وَاٰیَۃٌ لَّھُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّیَّتَھُمۡ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ (ترجمہ) اور ایک نشانی ہے اُن کو کہ ہم نے اُٹھالی ان کی نسل اس بھری کشتی میں اور بنادی ہم نے ان کو اس طرح کی چیز جس پر چڑھتے ہیں۔ یعنی اس بھری کشتی کی طرح اور چیزیں بھی مہیا کردی ہیں، جن پر سوار ہوتے ہیں۔ اس کشتی کے پیشِ نظر کہ اس میں کتنے مسافر اور سامان آتا ہے۔ لاریوں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کو دیکھا جائے، کیا یہ امثال فلک مشحون (بھری کشتی) نہیں ہیں، پھر مشکات کے "باب العلامات بین یدی الساعۃ" میں صحیح مسلم کی اس طویل حدیث کو دیکھا جائے، جس میں دجّال کا بیان ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "وَمَا اِسْرَاعُهٗ فِي الْاَرْضِ" زمین پر اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی، آپ نے فرمایا: "كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيْحُ" اس ابر کی طرح جس کو ہوا لے اُڑی ہو۔ اب موٹروں، لاریوں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری دیکھ لی جائے اور حدیث شریف "زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا" کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ "زمین کو میرے واسطے [illegible] کر دیا گیا ہے اور میں نے اُس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا" پھر صحیحین کی اس روایت کو دیکھا جائے: "زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا" میرے واسطے ساری زمین یک جا کردی گئی، میں نے اُس کے مشارق اور مغارب یعنی جوانب دیکھ لئے اور میری امت کا ملک اس زمین تک پہنچے گا جو میرے واسطے یک جا کردی گئی ہے، یعنی جو کچھ مجھ کو دکھایا گیا ہے میری امت کو دیا جائیگا۔ کیا اب اس دور میں اس کا ظہور نہیں ہو رہا ہے۔

"اَفَسِحْرٌ هٰذَا اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ۔ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا" [1]

یہ سب ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہیں جو آپ کو عطا ہوئے تھے اور آپ نے عالمِ مثال میں ان سب کو دیکھ لیا تھا اور اب آپ کی اُمّت عالمِ شہادۃ میں اس کو دیکھ رہی ہے اور اس سے فائدے اُٹھا رہی ہے اور خیال نہیں کرتی کہ ربُّ العزت جَلَّ شَانُہٗ وَعَزَّ بُرْہَانُہٗ فرما رہا ہے۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (ترجمہ) اور جب سُنا دیا تمھارے رب نے کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو اور اگر ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے۔" اللہ سب کو اپنے عذاب سے بچائے۔

یہی کیفیت علوم اوّلین و آخرین کی ہے۔ چاہے وہ علومِ ظاہریّہ ہوں چاہے باطنیہ۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ اُوْتِيْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ۔ اوّلین اور آخرین کا علم مجھ کو عطا کر دیا گیا ہے۔ علومِ ظاہری کو علماءِ اعلام اس کے زوایا اور خبایا سے نکال کر پھیلا رہے ہیں۔ علم کلام کو ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی وغیرہما نے اور فقہ و استنباطِ احکام کو ابو حنیفہ، مالک، شافعی، ابن حنبل وغیرہم نے اسی طرح باقی علوم کو علمائے اعلام نے ظاہر کیا اور علمِ باطن کو حضرات مشائخ نے بیان کیا۔ اسرار و

---

[1] مطابقۃ الاختراعات العصریۃ لما اخبر بہ سید البریۃ، سے استفادہ کیا ہے۔

حقائق کا بیان شیخ اکبر اور حضرت مجددنے کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔[1]

اگر کسی عالم کی طرف کسی علم کی یا کسی ولی کی طرف اسرار و معارف کی نسبت کی جاتی ہے۔ یا وہ اظہارِ شکر و نعمت کی وجہ سے اپنی طرف اس علم یا اس معرفت کی نسبت کرتا ہے تو وہ صرف اس علم یا معرفت کے اظہار کی نسبت ہے ورنہ حقیقتِ معاملہ وہ ہے جس کا اظہار حضرت مجدد اپنے مکاتیب میں کرتے رہتے ہیں۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

یہی کیفیت خلافتِ الٰہیہ کی ہے کہ از روزِ اوّل یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رہا ہے اور تا روزِ آخرت اس کا تعلق آپ ہی سے رہیگا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ مجھ کو نبوت مِل چکی تھی اور آدم ابھی آب و گِل میں تھے یعنی ابھی ان کی تخلیق نہ ہوئی تھی۔

ازل سے اَبدتک وہ سب کے نبی   تمام انبیا اُن کے ہیں اُمّتی
پڑھو آیتِ تُؤمِنُنَّ بِہٖ   ہے میثاق سب کا خدا سے یہی
سبھی شانِ عالی کے ہیں مُعترف   ہر اک اُن کی رحمت سے ہے مُغترف
نہیں خلق میں اُن سا کوئی دِگر   ہے احمد میں ظاہر اَحَد کا اثر
خدا کی خدائی میں یکتا وہ گُل   خدا نے کیا اُن کو سردارِ کُل۔
وہ سرتاجِ کُل اَنبیا لَا کَلَام   بلاشک رسولوں کے برحق اِمَام۔

آپ کی تشریف آوری سے پہلے خلافتِ الٰہیہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو ملتی رہی اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ خلافت اولیائے کاملین کو بہ نیابت ملی۔ جب تک یہ منصب رہے گا قیامت برپا نہ ہوگی۔ اولیائے پروردگار کی شان کیا ہے اس کے متعلق مختصر طور پر لکھتا ہوں۔

اولیائے حق

امام بخاری اور دوسرے ائمہ حدیث نے یہ حدیثِ قدسی روایت کی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَاِنْ سَأَلَنِیْ اَعْطَیْتُہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَتَہٗ وَلَابُدَّ لَہٗ مِنْہُ۔[2]

(ترجمہ) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز کے رسالہ در دفع اعتراضات سے استفادہ کیا ہے۔ [2] مشکات باب ذکر اللہ والتقرب الیہ۔

میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کو لڑائی سے خبردار کر دیتا ہوں اور میرا بندہ کسی شے سے بھی جو مجھ کو بہت محبوب ہے میرا قرب نہیں پاسکتا جو کہ وہ میرے عائد کردہ فرض سے پاتا ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کی وہ سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اور وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے طلب کرے البتہ میں اس کو دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے البتہ میں اس کو پناہ دوں گا۔ اور مجھ کو اپنے کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا جو تردد مجھ کو مومن کی جان لینے میں ہوتا ہے (کیونکہ) وہ موت سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کی ناخوشی مجھ کو ناپسند ہے۔ اور اس کو موت سے مفر نہیں "

اس حدیثِ قدسی سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ جو تقرب فرائض کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے وہ کسی عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ سے عداوت کرنے والا بڑے پُرخطر مقام پر ہے۔ وہ اپنے کو ربّ العزت تعالیٰ شانہٗ کا حریف بنا رہا ہے۔

علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے " علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار سے بر سرِ پیکار نہیں بجز منکرِ اولیاء، اور آکلِ ربٰا (سود خور سے محاربت کا ذکر قرآن مجید میں ہے) یہ دونوں نہایت معرضِ خطر میں ہیں کہ ان کا خاتمہ خرابی پر نہ ہو جائے کیونکہ اللہ سے لڑائی کا فر ہی کی رہتی ہے۔ [1]

اور اس مبارک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف نسبت تشریف و تکریم و تعظیم کے لئے ہے۔ اور اس میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ اولیائے حق کی اپنی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی وہ ہر حال میں اپنے مولیٰ سے راضی رہتے ہیں۔ ان کو مقامِ رضا مل چکا ہے۔

حضرت سیدی الوالد قدس سرہٗ نے مخلصین سے فرمایا " بچوں کی علالت پر دل میں خیال آتا ہے کہ دعا کروں اس پر ہم کو اپنے مالک تعالیٰ سے شرمندگی ہوتی ہے " [2]

حدیث مبارک میں ہے۔ اگر وہ مجھ سے طلب کرے البتہ میں اس کو دوں گا " اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی طلب صرف رضائے حق تعالیٰ ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند　　فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيْلَ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ فَيُحِبُّهٗ جِبْرِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ اِنَّ

---

[1] رسالہ سل الحسام الہندی جو مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ہے مجموعہ کی جلد دوم کے صفحہ ۳۱۰ کو ملاحظہ کریں۔ [2] مقامات خیر صفحہ ۲۰۰

اللہ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ"[1]

(ترجمہ) اللہ تبارک وتعالیٰ کو جب اپنے کسی بندہ سے محبت ہوتی ہے وہ جبریل کو بلا کر کہتا ہے مجھ کو اُس بندہ سے محبت ہے تم اس سے محبت کرو چنانچہ جبریل اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر وہ اہل آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ کو اس بندہ سے محبت ہے تم سب اس سے محبت کرو چنانچہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اہلِ زمین میں اس کی قبولیت عام ہو جاتی ہے"

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طرف بندگانِ خدا کے دل خود بخود مائل ہوتے رہتے ہیں اور وہ انسانِ کامل جو بقائے عالم کا سبب بنتا ہے اسی جماعتِ اولیاء میں سے ہوتا ہے۔ ملک العلماء بحر العلوم علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی نے حضرت شیخ اکبر کے مسلک کو رسالہ "وَحْدَۃُ الْوُجُوْدِ وَشُھُوْدُ الْحَقِّ فِیْ کُلِّ مَوْجُوْدٍ" میں نہایت اچھے پیرایہ سے بیان کیا ہے۔ آپ کا رسالہ فارسی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ندوۃ المصنفین دہلی نے "وحدۃ الوجود" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں انسانِ کامل کے متعلق لکھا ہے۔

"انسانِ کامل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ اللہ نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائناتِ عالم کو باقی رکھے اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے۔ اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسانِ کامل ہے۔ ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ ہی ہے، انسانِ کامل صرف وسیلہ بنا ہے۔

تمام خلائق میں انسانِ اکمل اور اللہ کے خلیفۂ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دنیا میں آپ کی آمد سے پہلے انبیاء اور رسل آپ کے نائب اور اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الاقطاب آپ کا نائب اور اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی قہر ہے"[2]

انسانِ کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا ہے حضرت مجدد نے بھی وہی کہا ہے اس سلسلہ میں آپ کے دفترِ دوم کا مکتوب گیارہ اور دفتر سوم کا مکتوب اسّی ملاحظہ کیا جائے۔ فرق صرف نام کا ہے شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجدد اسی کو قیّوم کہتے ہیں۔ اس بات پر دونوں حضرات کا اتفاق ہے کہ وہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ چونکہ قیّوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور وہ فردِ اکمل اس صفت کا بھی مظہر ہے لہٰذا یہی صفت اس کے منصب کا نام ہونا چاہیے۔ "اَلْقَیُّوْمُ مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکُلُّ شَیْءٍ قَائِمٌ بِاَمْرِہٖ" قیّوم آسمانوں اور زمین کا مدبر ہے اور ہر شے کا قیام اس کے امر سے ہے"

حضرت مجدد کے تجویز کردہ نام پر بعض لوگ لاحول واستغفار پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ تسمیہ سوء ادب کو متضمن ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ سننے والے کو سمیع، دیکھنے والے کو بصیر، علم والے کو علیم، حکمت

---

[1] مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ [2] انصار وحدۃ الوجود صفحہ ۱۱۵ سے ۱۱۷ تک۔

والے کو حکیم کہتے ہو تو بے ادبی کا احساس کیوں نہیں ہوتا اور قیوم میں یہ احساس کیوں ہوا کیا شریعت میں اس نام کی تخصیص آئی ہے۔

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا اسماعیل نے اپنی کتاب عبقات میں لکھا ہے۔

اِتَّفَقَ اَھْلُ الْکَشْفِ وَالْوِجْدَانِ وَاَرْبَابُ الشُّھُوْدِ وَالعِرْفَانِ مُؤَیِّدِیْنَ بِالْبَرَاھِیْنِ الْعَقْلِیَۃِ وَالْاَشَارَاتِ النَّقْلِیَۃِ عَلٰی اَنَّ الْقَیُّوْمَ لِلْکَثْرَاتِ الْکَوْنِیَّۃِ وَاحِدٌ شَخْصِیٌّ ؕ[1]

(ترجمہ) اصحابِ کشف و وجدان اور خداوندانِ شہود و عرفان جو کہ عقلی دلائل اور نقلی اشارات سے مؤید ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کی کثرت کا قیوم (قائم اور باقی رکھنے کا ذریعہ) ایک شخص ہے؛

جو بات شیخ اکبر اور حضرت مجدد نے کہی ہے تمام مشائخ نے کہی ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف نام میں ہے۔ کسی نے غوث کا نام رکھا، کسی نے قطب الاقطاب کا، کسی نے قطب مدار کا، کوئی مشکل کشا کہتا ہے، کوئی کرتا دھرتا، کوئی قیوم۔ حضرت سیدنا عبدالقادر غوث کہلائے، حضرت شاہ نقشبند مشکل کشا، حضرت مجدد قیوم۔ منصب ایک ہے نام مختلف۔

انسانِ کامل میں بھی تفاوتِ درجات ہے جیسا کہ حضرات انبیاء میں ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ (ترجمہ) یہ سب رسول، بڑائی دی ہم نے ان میں سے ایک کو ایک سے؛

یہ منصبِ جلیل قیومیت کے نام سے سب سے پہلے حضرت مجدد کو ملا۔ اب قیامت تک جو بھی قیوم ہوگا آپ کے ظل سے خارج نہ ہوگا جس طرح پر ہر فقیہ عیالِ ابو حنیفہ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

---

[1] عبقات صفحہ ۲۹

حضرت شیخ اکبر

آپ کا اسم گرامی محمد، کنیت ابوبکر، لقب محی الدین اور شہرت ابن عربی کے نام سے ہے۔ علامہ نبہانی نے لکھا ہے کہ غوث زمان اَبُومَدْیَن نے آپ کو شیخ اکبر کا خطاب دیا۔[1] اس خطاب کی اتنی شہرت ہوئی کہ آپ کے نام کو لوگ بھول گئے۔ آپ علی بن محمد حاتمی طائی کے فرزند ہیں۔

آپ کی ولادت شب دوشنبہ سترہ رمضان سنہ ۵۶۰ھ (چار اگست سنہ ۱۱۶۵ء) میں اندلس کے شہر مُرسیہ میں ہوئی اور وفات شب جمعہ بائیس ربیع الآخر سنہ ۶۳۸ھ (سترہ نومبر سنہ ۱۲۴۰ء) میں دمشق (واقع ملک شام) میں ہوئی اور وہاں جبلِ قاسیون میں مدفون ہوئے۔ اب وہ جگہ صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

آپ نے علم ظاہر اکابر علماء سے پڑھا اور علم باطن شیخ جمال الدین یونس سے حاصل کیا جو کہ سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مذہب ظاہری تھا یعنی امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے۔

آپ کی مبارک ذات آیاتِ الٰہیہ میں سے ایک آیت باہرہ تھی۔ آپ کی تالیفات کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ علامہ نبہانی نے آپ کا تحریر کردہ اجازت نامہ جو آپ نے ملک مظفر کو لکھ کر دیا ہے، نقل کیا ہے۔[2] اس میں آپ نے اپنے اساتذہ اور اپنی تالیفات کا بیان کیا ہے۔ میں نے ان کا شمار کیا تہتر نام اساتذہ کے اور دو سو اڑتیس نام تالیفات کے ہیں۔ ممکن ہے شمار کرنے میں ایک دو نام کا فرق آگیا ہو۔ علامہ نبہانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے مستقل ایک کتاب آپ کی تالیفات کے سلسلے میں دیکھی ہے اس میں بہت سی ایسی تالیفات کا ذکر ہے جو اس اجازت نامہ میں نہیں ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے[3] ان کی تالیفات زائد از شمار ہیں۔ اگر ایک تالیف آٹھ ورق کی ہے تو دوسری تالیف ایک سو جلدوں میں ہے۔ وہ اَلتَّفْصِیْل فِی اَسْرَارِ مَعَانِی التَّنْزِیْلِ لکھ رہے تھے۔ سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے تھے جو نسٹھ جلدیں ہو چکی تھیں۔ اس تفسیر کا زیادہ تر حصہ لوگوں نے چُرا لیا ہے۔

---

[1] جامع کرامات الاولیا جلد اول صفحہ ۱۱۹ [2] صفحہ ۱۲۱ سے ۱۲۵ تک

[3] لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۳۱۱ سے ۳۱۵ تک

مولانا جامی نے لکھا ہے [1] بغداد کے ایک شیخ نے آپ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں آپ کی تالیفات کو پانچسوے زائد بتایا ہے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا (خلیفۂ اعظم حضرت شاہ نقشبند) فرمایا کرتے تھے کہ جناب شیخ اکبر کی کتاب فُصُوصُ الحِکَم جان ہے اور فُتُوحاتِ مکّیہ دل۔ مولانا جامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ اکبر پر اعتراض اور طعن کی بڑی وجہ فصوص الحکم ہے اور اس میں کلام نہیں کہ اعتراض وطعن کی وجہ یا تو تقلید و تعصب ہے یا شیخ کی اصطلاحات سے ناواقفی اور معانی و حقائق کا غموض جناب شیخ نے فصوص و فتوحات میں جس کثرت سے اسرار و حقائق کا بیان کیا ہے حضرات صوفیہ میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔"

امام یافعی، [2] مولانا جامی اور ابن عمادؔ حنبلی [3] نے لکھا ہے کہ اتفاقی طور پر ایک دن شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اکبر کا برسرِ راہ آمنا سامنا ہو گیا۔ ایک نے دوسرے کو بغور دیکھا اور خاموشی سے ہر ایک اپنی راہ ہو لیا۔ بعد میں کسی شخص نے دونوں حضرات کے پاس جا کر ایک دوسرے کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ اکبر نے شیخ سہروردی کے متعلق فرمایا۔ "مَمْلُوْءٌ سُنَّةً مِنْ قَرْنِهٖ اِلٰی قَدَمِهٖ وہ ازسر تا پا سنّتِ مبارکہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور شیخ سہروردی نے شیخ اکبر کے متعلق فرمایا۔ ھُوَ بَحْرُ الْحَقَائِقِ۔ وہ حقائق کا سمندر ہیں۔ قَدَّسَ اللّٰهُ اَسْرَارَھُمَا۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ بعض اکابر علماء نے شیخ اکبر کو بُرے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ کسی نے کافر، کسی نے زندیق اور ابن تیمیہ نے "اس اُمّت کا شیطان" کہا ہے۔ علامہ ابن حجر اور ابن عماد نے بعض علماء کے سخت الفاظ نقل کئے ہیں اور اس میں بھی کلام نہیں ہے کہ زیادہ تر علماء نے بعض علماء کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ اُن میں سے بعض نے شیخ اکبر کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے جیسے علامہ ابو طاہر مجدالدین محمد فیروز آبادی صاحب قاموس اور علامہ کمال بن الزملکانیؒ اور بعض نے اگر شیخ اکبر کے فضل کا بیان نہیں کیا ہے تو اُن کو بُرا کہنے سے روکا ہے۔ شیخ نووی نے کہا ہے: "کوئی ان کو کافر اور کوئی قطب کہتا ہے۔ جو مجاہدے اس جماعت نے کئے ہیں اور جو چاشنی انھوں نے پائی ہے اس کے متعلق وہ شخص کیا کہہ سکتا ہے جس نے نہ ویسے مجاہدے کئے ہوں اور نہ وہ حلاوت پائی ہو۔" امام نووی سے جب کسی نے شیخ اکبر کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو آپ نے یہ آیتِ مبارکہ لکھ دی: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (ترجمہ) وہ ایک جماعت تھی گزر گئی اُن کا ہے جو کما گئے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کام کی۔" امام نووی کے جواب کا اثر یہ ہوا کہ وہ علماء جو جناب شیخ کی بعض عبارتوں سے بیزار تھے کہنے لگے کہ نہ جناب شیخ کو بُرا کہو اور نہ

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۶۹۳ سے ۵۰۰ تک۔ [2] مرآۃ الجنان جلد ۴ صفحہ ۱۰
[3] شذرات الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳۔

ان کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔

اور اس میں بھی کلام نہیں کہ عام طور پر اجلّہ مشائخ شیخ اکبر کے گرویدہ اور ان کی ولایت و بزرگی کے دل سے قائل ہیں۔ البتہ جناب ابوالمکارم رکن الدین علاء الدولہ سمنانی نے شیخ اکبر کی مخالفت کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے۔

"خلاف شیخ علاء الدولہ در مسئلہ وحدت وجود بہ طور علما مفہوم می شود بہ قُبحِ آں ناظر است ہر چند براہِ کشف در آمدہ است چہ صاحب کشف آں را قبیح نہ داند" [1]

(ترجمہ) مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاء الدولہ کا خلاف علما کے طریقہ پر مفہوم ہوتا ہے کیونکہ ان کی نگاہ اس کے قبح کی طرف ہے حالانکہ راہِ کشف میں یہ مسئلہ ان کو پیش آچکا ہے اور صاحب کشف اس کو قبیح نہیں سمجھتا۔

شیخ اکبر کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر میں یکتائے روزگار اور علم باطن میں گنجینۂ اسرار بنایا تھا ان کے متعلق صحیح رائے وہی شخص قائم کر سکتا ہے جو کہ دونوں سمندروں کا ماہر شناور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام حضرت مجدد سے لیا۔ آپ نے حقیقت امر بیان کر کے افراط و تفریط سے طرفین کو بچایا ہے۔

وِعائین کا بیان

سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کمالات جو اولیائے پروردگار کے سینوں میں مخفی چلے آرہے تھے اور جن کے اظہار کی توفیق کوئی نہ پا سکا تھا، شیخ اکبر نے اُن کا بیان کیا ہے۔ شیخ اکبر نے کتنا عظیم اور پُرخطر کام کیا ہے، اس کا اندازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کیا جا سکتا ہے جس کی روایت ائمہ حدیث نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

"حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِيْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ يَعْنِيْ مَجْرَى الطَّعَامِ" [2]

(ترجمہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کا علم حاصل کیا ہے، اُن میں سے ایک کو میں نے پھیلا دیا (یعنی اس کا بیان کر دیا ہے)، اور اگر دوسرے کا بیان کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔"

حضرت ابوہریرہ کے اس ارشاد سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

۱۔ علوم دو قسم کے ہیں، ایک سطور میں اور دوسرا صدور میں۔ پہلے کا بیان کرنا واجب ہے اور دوسرے کا نہیں۔

۲۔ دونوں علموں کا مستند ذاتِ نبوی ہے عَلٰی صَاحِبِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ۔

۳۔ علم باطن کا بیان کرنا نہایت مشکل کام ہے، ذرا سی لغزش جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔

۴۔ علم ظاہر کے اصحاب کو حق ہے کہ علم باطن کے بیان کرنے والوں پر گرفت کریں۔

---

[1] مکتوبات ۴۳ دفتر دوم [2] مشکوٰۃ از بخاری، کتاب العلم فصل سوم۔

۵۔ نہ گرفت کرنے والوں سے مؤاخذہ۔ کیوں کہ انھوں نے اپنی خدمت انجام دی ہے اور نہ گرفتار شدہ پر ملامت کیونکہ اس کے پاس اُن اسرار کی تعبیر کے شایان الفاظ نہیں۔ "کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلاً۔" (ترجمہ۔ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر، سو تیرا رب بہتر جانتا ہے کون خوب سُوجھا ہے۔")

وہ علم جو چھ سو سال سے خدمت و صحبت کی برکت سے ایک سینے سے دوسرے سینے میں منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔ اس کو جناب شیخ اکبر نے ظاہر کیا۔ آپ نے اس کام کے لئے بکثرت اصطلاحات مقرر کی ہیں، کسی شیخ نے "فتوحات مکیہ" کی اہم اصطلاحات کو ایک مختصر رسالہ کی شکل میں جمع کیا ہے، اس رسالہ کا نام "اِصْطِلَاحَاتُ الصُّوْفِیَۃِ الْوَارِدَۃُ فِی الْفُتُوْحَاتِ الْمَکِیَّۃِ" ہے۔ اس میں ایک سو نوّے اصطلاحات کا ذکر ہے۔

ابن عماد نے لکھا ہے "اس جماعت کی خاص اصطلاحات ہیں۔ ان کے استعمال کردہ الفاظ کے وہ معانی نہیں ہوتے جو متعارف ہیں، اگر اُن کے استعمال کردہ الفاظ کو متعارف معانی پر حمل کیا گیا تو بسا اوقات کفر کی صورت پیدا ہو جائے گی جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے کہا ہے"۔[1]

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے شیخ اکبر کے متعلق جو بات فرمائی ہے کہ "حقائق کا سمندر ہیں"۔ اس سے شیخ اکبر کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آپ نے بے حساب اسرار کو بے نقاب کیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ آپ پر ہر وقت انکشافات ہوتے رہتے تھے، غیبی طاقت ان کو قوت تحریر دیتی تھی اور وہ ان کو صفحاتِ اوراق پر ثبت کرتے جاتے تھے۔ نہ اُن کی کسی کی تحسین پر نظر تھی نہ کسی کی تکفیر سے ڈر۔ خسرو کا یہ شعر اُن کے حسب حال واقع ہوا ہے۔

خلق می گوید کہ خسرو بُت پرستی می کند   آرے آرے می کند با خلق و ما را کار نیست

علماء میں سے بعض نے آپ کو کافر، بعض نے زندیق و ملحد قرار دیا۔ علامہ ابن تیمیہ نے آپ کو اس امت کا شیطان قرار دیا اور میرا یہ خیال ہے کہ آپ کے نظریات کی سُرعتِ انتشار کو دیکھتے ہوئے ابن تیمیہ نے یہ حکم مناسب سمجھا۔

شیخ اکبر کے زمانے تک علماء اور مشائخ کے اختلاف کی شکل شخصی اور انفرادی تھی۔ جو شخص توحید آمیز کلمات زبان پر لاتا تھا اُسی پر علماء رد و نکیر کیا کرتے تھے۔ لیکن شیخ اکبر کے وقت سے اختلاف کی شکل جماعتی ہو گئی۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کیلئے ایسے فردِ اکمل کی ضرورت تھی جو ظاہری اور باطنی علوم سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ ہو، تاکہ وہ طرفین کو اُن کے تجاوزات سے آگاہ کر سکے، صباحت و ملاحت میں امتزاج ہو، شریعت و طریقت باہم مل کر عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا الْمُقَرَّبُوْنَ کی صورت اختیار کریں وہ چشمہ

---

[1] شذرات الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۹۳۔

جس سے مقربین سیراب ہوتے ہیں) وہ فردِ اکمل حضرت مجدد کی ذات تھی۔ آپ نے شیخ اکبر کے نظریات کو صحیح طور پر بیان کیا اور پھر ان حقائق کا اظہار کیا جن کا انکشاف آپ پر ہوا۔ اس سلسلہ میں آپ نے بکثرت مکاتیب لکھے ہیں۔ میں آپ کے بعض مکاتیب کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ اگر کسی کو تفصیل مطلوب ہو تو وہ اس مکتوب کی طرف مراجعت کرے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

مردِ میدان

حضرت مجدد نے اپنے تیسرے فرزند خواجہ محمد معصوم کو ایک طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس کے آخر میں لکھا ہے۔

"اس میدان میں مقابلہ پر شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ ہیں۔ کبھی ان کے ساتھ مقابلہ ہے اور کبھی صلح۔ بہرحال انھی کی ذات ہے جس نے معرفت اور عرفان کے کلام کی بنیاد رکھی ہے اور پھر اسکو خوب شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ اور انھی کی ذات ہے جس نے توحید و اتحاد کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور تعدد و تکثر کی منشا ظاہر کی ہے۔ وہی ہیں جنھوں نے وجود کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے واسطے ثابت کیا ہے اور عالم کے وجود کو موہوم اور خیالی وجود قرار دیا ہے وہی ہیں جنھوں نے حضرتِ وجود کے واسطے تنزلات کا اثبات کیا ہے اور ہر مرتبہ کے احکام کو الگ کیا ہے۔ وہی ہیں جنھوں نے عالم کو عینِ حق سمجھا ہے اور "ہمہ اوست" کہا ہے، یعنی سب کچھ وہی ہے۔ باوجود اس کے انھوں نے اللہ کے مرتبۂ تنزیہ کو سب سے بلند تر پایا ہے۔ اور سب کی دید و دانش سے اس کو منزہ و مبرا قرار دیا ہے۔ جناب شیخ سے پہلے جو مشائخ گزرے ہیں اس سلسلہ میں ان حضرات نے اگر کچھ کہا ہے بہ طریق رمز و اشارہ کہا ہے کھل کر بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ اور جناب شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں اُن میں سے اکثر نے جناب شیخ کی پیروی کی ہے اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے۔ ہم پس ماندگان انھی بزرگوار کی برکات و فیوضات سے مستفید ہوئے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت کرے۔

اس سلسلہ میں کام کی بات یہ ہے کہ بشریت کی وجہ سے درست اور نادرست یعنی صحیح اور غلط کے مواقع اور محلات آپس میں ملے ہوئے ہیں، انسان حکم میں کبھی مُصیب اور کبھی مُخطی ہوتا ہے لہٰذا اہلِ حق کے سوادِ اعظم سے موافقت کو مصداقِ صواب اور مخالفت کو دلیلِ خطا سمجھنا چاہیئے۔ بات کا کہنے والا چاہے کوئی بھی ہو اور بات چاہے جیسی بھی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ سوادِ اعظم کے ساتھ دینے کو اپنے اوپر لازم کرو۔"

اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ کسی صناعت کی تکمیل، اختلافِ نظریات اور تلاحُقِ افکار کے بعد ہی ہوا کرتی ہے۔ سیبویہ کے متعلق جتنا بھی کہا جائے کہ وہ علمِ نحو کے بانی تھے لیکن بعد والوں کے افکار و نظریات کے بعد جو صورت نحو کی ظاہر ہوئی ہے اور جو زیب و زینت اس میں آئی ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔

تسلعدب دے ہم کو اپنے پاس سے مہر اور بنا ہمارے کام کا بناؤ: تا السلام[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ: اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے اِدراک سے اپنی عاجزی اور نارسائی کا جان لینا ہی ادراک ہے۔ حضرت صدیق اکبر کے ارشادِ گرامی کے مضمون کو سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب نظم کیا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم　　وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام شد و بہ پایاں رسید عمر　　ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

شیخ اکبر نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی کے سلسلہ میں لکھ دیا ہے: فَمِنَّا مَنْ عَلِمَ وَمِنَّا مَنْ جَهِلَ فَقَالَ الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ، یعنی ہم میں سے کسی کو علم ہوا اور کوئی جاہل رہا اور اس نے کہہ دیا "اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ"۔ اس کے بعد شیخ اکبر نے ان علوم کا ذکر کیا ہے جو بعض کو حاصل ہوئے ہیں اور پھر لکھ گئے ہیں کہ ان علوم کا تعلق خاتم الاولیا سے ہے اور ان علوم کو خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الاولیا سے اخذ کرتے ہیں۔ اور شیخ اکبر خاتم ولایت محمدیہ اپنے کو قرار دیتے ہیں۔

حضرت مجدد نے یہ تفصیل لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔ اس قول کی وجہ سے جناب شیخ پر اعتراضات کئے گئے ہیں اور آپ مطعونِ خلائق بنے اور فصوص الحکم کے شارحین نے اعتراضات اور مطاعن کے ہٹانے کی کوششیں کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے لکھا ہے۔

"فقیر کہتا ہے، وہ علوم جو جناب شیخ نے بیان کئے ہیں اس عجز سے جس کا بیان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے بہت زیادہ فروتر ہیں بلکہ ان علوم کی اس عجز سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان علوم کا تعلق ظلال سے ہے اور اس موطن و مقام میں عجز ہی اصل ہے۔ اس قول کے کہنے والے اور اس عجز کے ظہور کا مصدر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو سردارِ عارفان و رئیسِ صدیقان ہیں۔ بھلا وہ کونسا علم ہے جو اس عجز سے سبقت لے جائے اور وہ کونسا بہادر ہے جو اس عجز والے سے پیش قدم ہو جائے۔ جبکہ جناب شیخ، آقائے صدیق صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کچھ کہہ دیں تو پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اگر ایسی بات کہیں تو کیا کیا جائے۔

عجب معاملہ ہے کہ باوجود اس کلام کے اور ایسی شطح (تنکر آمیز بات) خلاف جواز کے جناب شیخ مقبولانِ بارگاہِ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جماعت میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے ؎ با کریماں کارہا دشوار نیست۔ ہاں کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ ذمار رنجیدگی کا سبب بنتی ہے اور کبھی بدتمیزی موجبِ خوشنودی، شیخ کا رد کرنے والا خطرہ میں ہے اور ان کے اقوال کے ساتھ ان کا قبول

---

[1] مکتوب ۹، دفتر سوم۔

کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ جناب شیخ کو قبول کیا جائے اور ان کے خلافی کلام کو قبول نہ کیا جائے۔ یہ راہِ وسط ہے جو شیخ کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کے متعلق فقیر کا مختار مسلک ہے۔[1]

جناب شیخ کی بزرگی اور جلالتِ قدر کے سلسلہ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

"عجب کاروبار ہے کہ متقدمین صوفیہ میں سے بہت سے اکابر نے اس قسم کے توحید آمیز اقوال سے حلول اور اتحاد کے معانی سمجھ کر ان اقوال کے کہنے والوں کی تضلیل و تکفیر کی ہے۔ اور بعض اکابر نے ان اقوال کی ایسی تاویل کی ہے جو قائلین کے مذاق سے مناسبت نہیں رکھتی۔ شیخ الشیوخ نے عوارف المعارف میں منصور کے قول "أنا الحق" اور بایزید کے قول "سُبحانی" کے متعلق کہا ہے کہ یہ اقوال بر سبیلِ حکایت ان کی زبان پر جاری ہوئے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے قول کو نقل کیا ہے اور اگر ان کے کہنے میں حکایتِ قول نہ ہو اور حلول و اتحاد کا شائبہ تک پیدا ہو جائے تو ہم نصاریٰ کی طرح جو کہ حلول کے قائل ہیں، ان کا بھی رد کریں گے۔

جو تحقیق پہلے بیان کر چکا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ أنا الحق اور سُبحانی جیسے اقوال میں جو شطح نما ہیں، نہ حلول ہے نہ اتحاد۔ اگر حمل ہے تو بہ اعتبارِ ظہور کے ہے نہ بہ اعتبارِ وجود کے جیسا کہ سمجھا گیا ہے اور ان اقوال کو حلول و اتحاد کا لباس پہنایا گیا ہے۔"[2]

توحید کا مسئلہ

"یہ مسئلہ متقدمین کے زمانہ میں واضح طور پر سامنے نہیں آیا تھا اور نہ پوری طرح اس کا بیان ہوا تھا۔ جو شخص مغلوب الاحوال ہوتا تھا اس کی زبان پر اتحاد نما اقوال آجاتے تھے اور وہ غلبۂ سُکر و مدہوشی کی بنا پر حقیقتِ حال کو بیان نہیں کر سکتا تھا تا آنکہ شیخ بزرگوار محی الدین ابن العربی قدس سرہ کی باری آئی۔ انھوں نے کمالِ معرفت کی وجہ سے اس دقیق مسئلہ کو خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ انھوں نے اس طرح ابواب و فصول مقرر کیے جس طرح علمِ نحو و صرف میں ہیں۔ باوجود اس وضاحت اور تحقیق کے صوفیہ کی ایک جماعت (مثل شیخ علاء الدولہ) ان کے مطلب و مدعا کو نہ سمجھی اور ان کو برخطا قرار دے کر مطعون و ملام کیا۔ حالانکہ اس مسئلہ میں جناب شیخ اکبر اپنی اکثر تحقیقات میں حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے راہِ صواب سے دور ہیں۔ جناب شیخ نے جس طرح اس دقیق مسئلہ کو حل کیا ہے اس سے آپ کی بزرگی اور علم کی بے پایانی کا اندازہ لگانا چاہیے نہ یہ کہ ان کو بُرا کہا جائے۔"[3]

آپ نے خواجہ ہاشم کشمی کو ایک طویل مکتوب سولہ صفحات کا ارسال کیا ہے۔ اس میں آپ نے حضرت خواجہ سے بیعت ہونے، سلوک طے کرنے اور مقاماتِ توحید کے اذواق کا بیان کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے۔

---

[1] مکتوب ۷۷ دفترِ سوم
[2] مکتوب ۸۹ دفترِ سوم۔
[3] مکتوب ۸۹ دفترِ سوم۔

اے عزیز۔ اگر تفصیلِ احوال و تبیینِ معارف کو قلمبند کروں بات طویل ہو جائے گی اور خاص کر توحید وجودی کے احوال اور ظلیتِ اشیاء کے معارف بیان کیے جائیں تو وہ لوگ جنھوں نے توحید وجودی میں عمریں صرف کی ہیں، سمجھ لیں گے کہ انھوں نے دریائے بے نہایت میں سے پورا ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے، تعجب اس بات پر ہے کہ وہی لوگ اس درویش کو اصحابِ توحید وجود سے شمار نہیں کرتے بلکہ اس کو توحید وجودی کے مخالف علماء میں سے سمجھتے ہیں۔ اور اپنی کوتہ نظری کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ معارف توحید وجودی پر اصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے ترقی کرنی نقص ہے۔

بیخبر ے چند زخود بے خبر   عیب پسندند بہ زعمِ ہنر

(ترجمہ) چند بے وقوف جن کو اپنی خبر نہیں ہے، ہنر کے نام پر عیب کو پسند کرتے ہیں۔

اس معاملہ میں ان لوگوں کی دلیل گزرے ہوئے مشائخ کے وہ اقوال ہیں جو توحیدِ وجودی سے متعلق ہیں (جیسے سبحانی) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف کی توفیق دے بھلا ان لوگوں کو کہاں سے معلوم ہو گیا کہ ان مشائخ کی اس مقام سے ترقی نہیں ہوئی ہے اور وہ اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ معارفِ توحید کے حصول میں تو ہمارا اختلاف ہی نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک امر متحقق اور ثابت ہے۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا مشائخ ماتقدم کی ترقی اس مقام سے ہوئی ہے یا نہیں۔ اب اگر یہ لوگ اس شخص کو جو ترقی کا قائل ہے منکرِ توحید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے واسطے یہ نام تجویز کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کی خاص اصطلاح ہوئی اور اس میں کیا مناقشہ۔[1]

حضرت مجددؒ نے "کیا مناقشہ" تحریر فرما کر مشہور قول "لَامُشَاحَۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ" کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی اصطلاح کے مقرر کرنے میں کوئی بات نہیں۔

توحیدِ وجودی اور شہودی

آپ نے مولانا عبدالحی کو توحیدِ وجودی اور شہودی کے مراتب تحریر فرمائے ہیں کہ بعض افراد کے لئے توحیدِ وجودی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ توحید کے مراقبوں کی مشق کرتے ہیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ سمجھتے ہیں اور اس معنی کی کثرتِ مزاولت سے ان کے خیال میں توحیدِ وجودی کا غلبہ ہو جاتا ہے چونکہ اس توحید میں سلطانِ خیال کا دخل ہے لہٰذا یہ معلول ہے اور ایسی توحید والے کو ہم صاحبِ حال نہیں کہہ سکتے۔

اور بعض افراد کیلئے توحید وجودی کا منشا انجذاب اور قلبی محبت ہوتی ہے یہ لوگ اپنے کام کی ابتدا ذکرِ الٰہی اور مراقبات سے کرتے ہیں اور ان کے مراقبے توحیدی معنی کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں

---

[1] مکتوب ۲۹۰ دفتر اول۔

یہ لوگ اپنے کام میں منہمک رہتے ہیں تاآں کہ عنایتِ ازلی ان کو مقامِ قلب تک پہنچاتی ہے۔ اب اگر ان پر توحیدِ وجودی کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہے جس نے محبوب کے ماسوا کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے۔ جب کہ وہ محبوب کے سوا کچھ نہیں دیکھتے تو کسی کو موجود بھی نہیں سمجھتے: ایسی توحید والے اصحابِ احوال ہیں۔ ان کی توحید علتِ تخیل اور شائبۂ توہم سے پاک و صاف ہے ایسی توحید والے اربابِ قلوب اگر اسی مقام سے عالم کو مراجعت کریں گے تو عالم کے ہر ذرّہ میں اپنے محبوب کو دیکھیں گے اور ان کی نظر میں عالم کا ہر ذرّہ جمالِ محبوب کا آئینہ ہے۔ جب تک وہ مقامِ قلب میں رہیں گے ان کی یہی حالت رہیگی اور جب اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام سے بالاتر لے جاتا ہے تو یہ احوال اور کیفیات رو بہ زوال ہو جاتی ہیں۔ جتنا بڑھتا جائے گا ان احوال سے مناسبت کمتر ہوتی جائے گی۔ بلکہ بعض افراد کی عدمِ مناسبت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ ان احوال و کیفیات پر طعن و انکار کرنے لگتے ہیں جیسے کہ رکن الدین ابو المکارم شیخ علاء الدولہ سمنانی اور بعض افراد نہ انکار کرتے ہیں اور نہ اثبات۔

یہ کاتبِ سطور اس جماعت کے انکار اور ان پر طعن سے اپنے کو بہت بچاتا ہے۔ انکار اور طعن کیلئے تو اس وقت گنجائش نکل سکتی ہے جب اس حال کے ظاہر کرنے میں ان کا اپنا دخل ہو اور جب ان کے ارادے اور دخل کا اس سے کوئی تعلق نہیں، تو وہ مغلوب الاحوال اور معذور ہیں۔ اور معذور و مجبور پر ردّ و طعن کی گنجائش نہیں۔ البتہ کاتب اتنی بات جانتا ہے کہ اس معرفت سے بالاتر دوسری معرفت ہے اور اس حال کے بعد دوسرا حال۔ اور جو افراد اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں وہ بے شمار کمالات سے محروم ہو گئے ہیں۔

اس حقیر کو مراقباتِ توحید کی مشق سے نہیں بلکہ ذکر و مراقبات کے ضمن میں بغیر کسی جد و جہد کے صرف اللہ کے فضل سے اور حضرت خواجہ کی صحبت کے طفیل یہ مقام نصیب ہوا ہے۔ حقیر کو ابتدا میں مقامِ قلب عطا ہوا اور دروازۂ معرفت کھلا، اس مقام کے علوم و معارف سے نوازا گیا۔ ایک مدت کے بعد اس مقام سے از راہِ بندہ نوازی رہائی نصیب ہوئی اور وہاں کے معارف رفتہ رفتہ رو بہ زوال ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ وہ نیست و نابود ہو گئے۔

حقیر نے اپنے احوال کا اظہار اس وجہ سے کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ حقیر نے لکھا ہے از روئے کشف و ذوق لکھا ہے۔ تقلید و خیال کی بنا پر کچھ نہیں لکھا ہے۔

مشائخ سے جو توحید آمیز کلمات (جیسے سبحانی) صادر ہوئے ہیں، اس وقت میں ہوئے ہیں جبکہ وہ مقامِ قلب میں سائر تھے اور وہاں کے معارف سے سرشار ہو رہے تھے۔ چنانچہ اس حقیر نے بھی دورانِ قیامِ قلب میں بعض رسائل لکھے ہیں اور بوجہ انتشار کے ان کا جمع کرنا دشوار تھا لہٰذا ان کا سی

حال میں چھوڑ دیا گیا۔ نقص تو اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اس مقام میں کوئی بند ہو کر رہ جائے اور اس کو ترقی نصیب نہ ہو۔[1]

حضرت مجدد نے حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک عریضہ اس وقت ارسال کیا ہے جب کہ آپ مقام قلب میں سائر تھے۔ اس عریضہ میں آپ نے یہ رباعی لکھی تھی۔

اے دریغا کیں شریعت ملّتِ اعمائی است ملّتِ ما کافری و ملّتِ ترسائی است
کفر و ایماں زلف و روے آں پری زیبائی است کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

اللہ کا فضل آپ کے شاملِ حال ہوا اور مرشدِ کامل حضرت خواجہ نے آپ کو تحریر کیا۔ "ماشا کہ قائلِ آں مقبول باشد زنہار ادب نگاہ دارید کہ کارخانۂ الٰہی محل استغنا و غیرت است"۔

(ترجمہ، ماشا کہ اس رباعی کا کہنے والا مقبول ہو۔ آگاہ رہیں اور ادب کو محفوظ رکھیں، بارگاہِ خداوندی جائے بے نیازی و غیرت ہے۔[2]

روحی سیر کا بیان

آپ نے خواجہ مرزا جمال الدین حسین کو چھ اوراق کا پُر از حقائق و معارف مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ اس میں سیرِ آفاقی، سیرِ انفسی، سیرِ یزدانی کا ذکر کیا ہے ابتدائی حصہ کا ترجمہ و خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

فرزندِ عزیز، خیال سے سنو۔ جب سالک ذکر شریف میں پورے اخلاص و انہماک سے مشغول ہوتا ہے اور وہ مجاہدات و ریاضات سے تزکیۂ نفس حاصل کرتا ہے تو اس کے اوصافِ رذیلہ بتدریج اخلاقِ حسنہ میں بدلنے لگتے ہیں، وہ توبہ و انابت کی توفیق حاصل کر لیتا ہے اور دنیا کی محبت سے فارغ ہو جاتا ہے اس وقت وہ عالمِ مثال میں اپنے کو کدورتِ بشریہ اور اوصافِ رذیلہ سے پاک صاف دیکھتا ہے، سمجھو کہ اس نے سیرِ آفاقی تمام کر لی ہے مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں مزید احتیاط کی ہے اور فرمایا کہ جب سالک اپنے ساتوں لطائف (لطیفۂ قلب، لطیفۂ روح، لطیفۂ سر، لطیفۂ خفی، لطیفۂ اخفیٰ، لطیفۂ نفس، لطیفۂ قالبیہ) کا تصفیہ کر لیتا ہے اور عالمِ مثال میں ان کے انوار کو دیکھ لیتا ہے جو مختلف الوان کے ہیں۔ (زرد، سرخ، سفید وغیرہ) تو اس کی سیرِ آفاقی اتمام کو پہنچی۔ سالک اس دوران میں عالمِ مثال میں اپنے کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے (زرد سے پھر سرخ پھر سفید وغیرہ) چوں کہ عالمِ مثال آفاق میں داخل ہے اس واسطے اس سیر کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ سیر بھی سیرِ نفسِ سالک ہے اور اوصاف و اخلاق میں ایک قسم کی کیفی حرکت ہے، چونکہ دور سے دیکھتے وقت اس کا مطمحِ نظر آفاق ہوتا ہے نہ انفس۔ اس واسطے اس سیر کی نسبت آفاق کی طرف کر دی گئی ہے۔

مشائخ نے اس سیر کو سیر الی اللہ قرار دیا ہے اور فنا کو اس سے مربوط کیا ہے اور سلوک کی تعبیر اس

---

[1] مکتوب ۲۹۱ دفتر اول [2] رقم۔

سیر ے کی ہے۔

اس سیرِ آفاقی کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اس کو سیرِ انفُسی کہتے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ قرار دیتے ہیں اور بقا باللہ کا تعلق اس موطن و مقام سے وابستہ کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ سلوک کے بعد کا جذبہ اس مقام میں حاصل ہوتا ہے کیوں کہ پہلی سیر میں سالک کے لطائف کا تزکیہ ہو چکا ہے وہ کدورتِ بشریت سے پاک ہو گئے ہیں۔ ان میں قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ ظلال و عکوس اُس اسمِ جامع کے جو کہ اس کا ربّ ہے ان میں ظاہر ہوں اور لطائف موردِ تجلیات اور اسمِ جامع کی جزئیات کے مظاہر بنیں۔ اس سیر کو سیرِ انفسی اس بنا پر کہتے ہیں کہ اسماء و صفات کے ظلال و عکوس کے واسطے اَنفُس آئینے بن گئے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ سالک کی سیر انفس میں ہے جس طرح پر کہ سیرِ آفاقی کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ بہ اعتبارِ مرآتیت (آئینہ بن جانے کے اعتبار سے) اس سیر کو سیرِ آفاقی کہا گیا ہے۔ یہ سیر فی الحقیقت انفس کے آئینوں میں ظلالِ اسمائی سیر ہے۔ بنا بریں اس سیر کو "سیر معشوق در عاشق" بھی کہتے ہیں (یعنی معشوق اپنے عاشق کے لطائف کے آئینوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے)۔

آئینہ صورت از سفر دور است　　　　کاں پذیرائے صورت از نور است

(آئینہ نے جو صورت قبول کی ہے اور اس میں جو شکل نظر آئی ہے اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ سفر کر رہا ہے کیونکہ وہ سفر سے دُور ہے کہاں وہ اور کہاں سفر۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو نورانیت اور صفائی آ گئی ہے وہ ظلال و عکوس کو قبول کر کے ظاہر کر رہی ہے)

اس سیر کو جو سیر فی اللہ قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سیر کے دَوران میں سالک "متخلق باخلاق اللہ" ہو جاتا ہے وہ صفاتِ الٰہیہ کی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف میں سے حصّہ ملا کرتا ہے چاہے وہ نہایت جزوی حصّہ ہو۔ اس لحاظ سے گویا اسماءِ الٰہیہ میں سیر متحقق ہوئی۔

یہ ہے اس مقام اور اس کلام کی تحقیق (یعنی سیر آفاقی سیر انفسی و سیر الی اللہ و سیر فی اللہ اور جذبہ و بقا باللہ کا بیان) رہی یہ بات کہ صاحبِ مقام کا حال کیا ہے اور اس بات کے قائل کی مُراد کیا ہے تو ہر شخص اپنی عقل و دانش کے مطابق کچھ کہتا ہے۔ اس بات کا کہنے والا کچھ مطلب نکالتا ہے اور سننے والا کچھ اور ہی سمجھتا ہے۔ یہ لوگ بلا تکلف سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور بلا کسی تردد کے اس کا نام بقا باللہ رکھتے ہیں اور اس کو مقام وصل و اتصال سمجھتے ہیں۔ فقیر پر اس قسم کی باتیں نہایت شاق گزرتی ہیں اور ان کی تصحیح اور توجیہ کے لئے مشقت اور محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں اب جو کچھ لکھتا ہوں اس میں سے کچھ تو مشائخ کے کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ ازراہِ افاضہ و انہام ہے۔

سیر آفاقی اور سیر انفسی کے متعلق جو بیان گزرا ہے اس کے پیشِ نظر یہ سمجھنا چاہیئے کہ سیر آفاقی میں

اوصافِ رذیلہ سے تخلیہ حاصل ہوا ہے اور سیرِ انفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے تجلیہ ہوا۔ چونکہ تخلیہ کو مقامِ فنا سے مناسبت ہے اس لئے تجلیہ کو بقا سے مناسبت ہے ہی۔ ان کے نزدیک سیرِ انفسی کی نہایت نہیں ہے۔ اگر ابدی عمر ہو تب بھی کوئی اس کے اختتام کو نہیں پا سکتا، کیونکہ حضرت مجیب جل شانہٗ کے شمائل اور اوصاف کی کوئی حد نہیں ہے لہٰذا سالک کے آئینہ میں اس کے کمالات اور اوصاف میں سے کسی نہ کسی کمال اور وصف کا ظہور ہوتا رہے گا اور سالک اس سے متخلق اور متجلی ہوتا رہے گا۔

ذرّہ گر بس نیک ور بس بد بُوَد
گرچہ عمرے تگ زند در خود بُوَد

(ترجمہ) ذرہ چاہے اچھا ہو چاہے بُرا، اگرچہ عمر بھر چلتا رہے اپنے ہی میں رہے گا۔

مشائخ اس فنا و بقا کو جو کہ سیرِ آفاقی و انفسی سے حاصل ہوئی ہے ولایت کا نام دیتے ہیں اور کمال کی نہایت اس مقام کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو ان کے نزدیک وہ سیرِ رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں اور اسی طرح چوتھی سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں اور اس کا تعلق بھی نزول سے ہے۔ ان دو سیروں کو برائے تکمیل وارث تجویز کرتے ہیں جیسا کہ پہلی دو سیروں کو حصولِ ولایت و کمال کیلئے کیا ہے۔ اور مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر میں وارد ہے: اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں (نور جمال اور ظلمت، جلال) اور سیرِ آفاقی میں ان تمام پردوں کا چاک کرنا شامل ہے، سات لطائف ہیں اور ہر لطیفہ کے دس ہزار پردے ہیں جب سیرِ آفاقی پوری ہوتی ہے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں سالک کو سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے اور وصل کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اربابِ ولایت کے سیر و سلوک کا خلاصہ یہ ہے جو لکھا گیا اور اُن کے نزدیک نسخۂ جامعہ (انسانیہ) کے کمال و تکمیل کی یہ کیفیت ہے۔[1]

نعمتوں کا اظہار

آپ نے خواجہ مرزا جمال الدین حسین ؒ کے سابق الذکر مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔ (اب یہ فقیر اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار اور اس کی عطیات کا شکر کرتے ہوئے ان حقائق و منازل کا بیان کرتا ہے جن کو حضرت مولیٰ نے صرف اپنے لطف و کرم سے فقیر پر ظاہر کیا ہے اور جس راہ پر اس کو چلایا ہے۔

اے اصحابِ بینش سنجیدگی سے کام لو اور توجہ سے سنو، اللہ تم کو فہم اور راہِ مستوی پر چلنے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل و بے کیف ہے، جس طرح وہ آفاق سے برتر ہے اسی طرح انفس سے بالاتر ہے لہٰذا سیرِ آفاقی کو سیرِ الی اللہ اور سیرِ انفسی کو سیر فی اللہ کہنا کب درست ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں سیرِ الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو بہت ہی زیادہ آفاق و انفس سے بعید ہے اور آفاق و انفس سے آگے اور بہت آگے ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ یہ لوگ سیرِ انفسی کو سیر فی اللہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ اس سیر کی کوئی انتہا نہیں، اگر

---

[1] دفتر دوم کا مکتوب ۴۳۔

کوئی عمرِ ابدی پالے جب بھی اس کو طے نہ کر سکے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ حالانکہ اَنفس بھی آفاق کی طرح دائرۂ امکان میں داخل ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دائرۂ امکان کا طے کرنا ممکن نہیں۔ اندریں صورت حرمانِ دائمی اور خسرانِ ابدی کے سوا اور کیا نتیجہ نکلے گا نہ فنا کا تحقق ہوگا اور نہ بقا کا تصور۔ تو پھر وصل و اتصال اور قرب دکہاں کیسے حاصل ہوگا۔

سبحان اللہ، جب کہ مشائخ بزرگ پانی کے عوض سراب (دھوکا ہی دھوکا، پرچھائیں) پر اکتفا کر بیٹھیں اور الی اللہ کو فی اللہ سمجھ لیں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور مثل کو بے مثل قرار دیں تو پھر چھوٹوں اور پست ہمتوں سے کیا گلہ کیا جائے اور کیسی شکایت۔

چہ بلا شد (کیا آفت پڑی) آخر کس اعتبار سے اَنفس کو حق جل و علا سمجھ لیا ہے کہ اس کی سیر کو جب کہ اس کی حد و نہایت ہے، بے حد و بے انتہا کہہ گئے ہیں۔ سیر انفسی کے دوران آئینۂ سالک میں جو کچھ نظر آیا ہے اس کو یہ لوگ عینِ اسما و صفاتِ پروردگار کا ظہور قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ اسما و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے۔ اس کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں اگر اللہ نے چاہا بیان کرونگا۔

میں کیا کروں اور باوجود علم اور واقفیت کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ادب کو کس طرح برداشت کروں اور اس کی بادشاہت میں کس طرح کسی کو شریک کر دوں۔ بے شک ان اکابر قدس اللہ اسرارہم کے مجھ پر حقوق ہیں کہ ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں اور اس کی تربیت اوروں کی تربیت سے بہتر۔ اُسی کی حسنِ تربیت کی بدولت اس ورطے میں نے نجات پائی ہے اور اس کی بادشاہت میں غیر کو اس کا شریک نہیں بنایا ہے۔ حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے اور ہر وہ شے جس پر مثلیت اور کیفیت کا دھبہ ہو اس سے مسلوب ہے اس صورت میں آفاق و انفس کے آئینوں میں اس کے لئے کیا گنجائش۔ کیونکہ ان آئینوں میں جو بھی ظاہر ہو وہ مثل و کیف کے مظاہر کی طرح ہے لہٰذا آفاق و انفس کے ورا اس کو تلاش کرنا چاہیے۔ اس دائرۂ امکان میں جس میں آفاق و انفس شامل ہیں جس طرح اللہ کی ذات کے لئے گنجائش نہیں ہے اسی طرح اس کے اسما و صفات کے لئے گنجائش نہیں ہے جو کچھ دائرۂ امکان میں ظاہر ہو رہا ہے وہ اسما و صفات کے ظلال و عکوس ہیں بلکہ ظلال و عکوس بھی اس سے بالاتر ہیں۔ یہاں تو صرف ان کا سراغ (تعبیہ) ہے اور قدرت کی کاریگری اور انتعاش، بھلا ظہور کس کا اور تجلی کہاں کی۔ کیوں کہ اللہ کی ذات کی طرح اس کے اسما و صفات بھی بے مثل اور بے کیف ہیں۔ جب تک آفاق و انفس سے نہ نکلو گے اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کی ظلیت کو نہ پاسکو گے۔ جب کہ آفاق و انفس میں ظلیت کو نہیں پاسکتے تو اسما و صفات تک وصول کیسا۔

عجب معاملہ ہے۔ اگر میں اپنے کشوفات اور یقینی معلومات کی کوئی ایسی بات بیان کروں جو مشائخ کے

مذاق اور ان کے مکشوفات کے مطابق نہ ہو تو کون اس کا یقین کرے گا اور کون اس کو قبول کرے گا اور اگر میں وہ بات نہ کہوں اور اس کو چھپاؤں تو میں نے حق کو باطل کے ساتھ ملا کر تجویز کر لیا اور جو بات اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ کہنے کی ہے اس کے کہنے کو جائز قرار دے دیا۔ لہٰذا میں مجبور ہوں کہ جو حق ہے اور جو حق تعالیٰ کے لائق ہے اس کا اظہار کروں اور جو اس کے شایان نہیں ہے اس کو سلب کروں۔ مجھ کو اوروں کے خلاف کا ڈر ہے نہ غم۔ خوف و حذر تو اس وقت مجھ کو ہوتا جب کہ اپنے معاملہ میں مجھ کو تذبذب یا اپنے کشف میں شک ہوتا، جب کہ صبح کی سفیدی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح اصل معاملہ واضح کر دیا گیا ہو اور ظلال و شبح اور شال سے بالاتر مجھ کو لیجایا گیا ہو تو پھر اشتباہ و تذبذب کے کیا معنی۔ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "احوال کی صحت کی نشانی یقین کامل کا حاصل ہو جاتا ہے" اور تذبذب و اشتباہ کیلئے سبیل ہی کیسے نکلے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے حضرات مشائخ کے مقرر کردہ احوال پر تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا ہے اور توحید و اتحاد اور احاطہ و سریان کے معارف اور ان بزرگواروں کے مکشوفات اور شہودات کی حقیقت اور ان کے علوم و معارف کے دقائق پوری طرح واضح کر دیئے ہیں بلکہ ایک مدت تک ان کے مقام میں رکھ کر وہاں کی ہر شے اِلّا ماشاء اللہ ظاہر کر دی ہے اور پھر اللہ کے فضل سے انکشاف ہوا کہ؛ تمام کھیل ظلال کا ہے اور یہ سب شبح و شال میں گرفتاری کے اسباب ہیں۔ مطلب تو ان سب کے ورا ہے اور مقصود ان کے سوا، لہٰذا سب سے منہ موڑ کر رب العزت کی طرف فقیر متوجہ ہوا ہے اور کہتا ہے: "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ "میں نے ایک طرف کا ہو کر اپنا منہ اسی کی طرف کیا جس نے بنائے آسمان و زمین اور میں نہیں شریک کرنے والوں میں سے" اگر مولیٰ جل شانہٗ کی تقدیس اور تنزیہ کا معاملہ نہ ہوتا میں اکابر کے مکشوفات کے سامنے کب زبان ہلاتا۔ میں ان کی نعمتوں کے خرمنوں کا ایک ادنیٰ خوشہ چین اور ان کے خوانہائے کرم کا ایک ناچیز زلّہ بردار (پس خوردہ اٹھانے والا) ہوں۔ انھوں نے گوناگوں نوازشوں سے میری تربیت اور طرح طرح کے احسانات سے میری پرورش کی ہے۔

مسئلہ توحید وغیرہ میں مشائخ سے علماء کا اختلاف از راہِ نظر و استدلال ہے اور فقیر کا اختلاف از راہِ کشف و شہود ہے۔ علماء ان امور کے قبح کے قائل ہیں اور فقیر بہ شرطِ مجبوران کے حسن کا قائل ہے۔ شیخ علاء الدولہ کا خلاف علماء کے طریق کا مفہوم ہوتا ہے وہ ان امور کے قبح پر نظر کئے ہوئے ہیں اگرچہ ان کے کشف میں آ چکا ہے، اور جس کے کشف میں آ جاتا ہے وہ قبح کا قائل نہیں رہتا (لہٰذا ان کا خلاف علماء کے طریقہ پر ہوا) الخ[1]

شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے نظریات

اس سلسلہ میں آپ کے اس مکتوب کا خلاصہ لکھتا ہوں جو آپ نے شیخ عبد العزیز جونپوری کو ارسال فرمایا ہے

---

[1] مکتوب ۴۴ دفتر دوم۔

آپ نے پہلے حضرت شیخ اکبر کا مسلک اور پھر اپنا مسلک بیان کیا ہے۔ اس مکتوب شریف سے حقیقت اختلاف کی صحیح صورت سامنے آجاتی ہے۔ آپ نے اس مبارک مکتوب کو حمد و صلاۃ اور دیباچہ سے جو کہ عربی میں ہے مُصَدَّر کیا ہے سبحان اللہ کیا ہی تحریر ہے اس کا لفظ آپ کی وارفتگی اور جوش باطنی کا مظہر ہے اس کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

"مخدوما! جناب کو معلوم ہو کہ ہر خیر و کمال کا مبداء وجود ہے اور ہر شر و نقص و زوال کا منشا عدم ہے۔ لہٰذا وجود اللہ ہی کے لئے ہے اور عدم ممکن کے لئے تاکہ کمالات اللہ کی طرف اور نقائص ممکنات کی طرف راجع ہوں۔ اگر ممکن کے لئے وجود کو ثابت کیا جائے یا خیر و کمال کی نسبت اس کی طرف کی جائے تو اس کو خدا کی خدائی میں شریک بنایا جا رہا ہے۔ اور اگر ممکن کو عینِ واجب قرار دیا جائے اور اس کے افعال و صفات کو اللہ ہی کے افعال و صفات کہا جائے تو اس صورت میں بے ادبی اور اِلحاد ہے۔ نقائص اور رذائل سے بھرے ہوئے خسیس ملازم کی کیا مجال ہے جو اپنے کو کمالات اور خوبیوں والا عظیم بادشاہ تصور کرے اور اپنی بُری صفات کو بادشاہ کی اچھی صفات کا عین سمجھے۔

علمائے ظاہر نے ممکن کے لئے بھی وجود کا اثبات کیا ہے ان کے لئے اللہ کا وجود اور ممکن کا وجود مُطلَقِ وُجُود کے افراد ہیں۔ زیادہ سے زیادہ قَضِیَۂ تَشکِیک[1] کی بنا پر حضرتِ واجب تعالیٰ کے لئے وجود کو اَولیٰ و اَقدم قرار دیا ہے اور اس طرح کے قول سے ممکن کو فضائل اور کمالات میں واجب تعالیٰ کا شریک بناتا ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اللہ اس سے بہت ہی بالا و برتر ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ فرماتا ہے "کبریائی میری رِدا اور عظمت میری ازار ہے" اگر علمائے ظاہر اس نکتہ کو سمجھے ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود ثابت نہ کرتے اور اس خیر و کمال میں جو کہ مخصوص بہ واجب ہے ممکن کو شریک نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

اور اکثر صوفیہ نے اور خاص کر ان کے متاخرین نے ممکن کو عین واجب سمجھ لیا ہے اور ممکن کی صفات اور افعال کو واجب تعالیٰ کی ہی صفات و افعال کہہ دیا ہے اور یہ رباعی کہتے ہیں (قائل حضرت جامی ہیں)

ہمسایہ و ہمنشیں و ہمرہ ہمہ اوست در دَلقِ گدا و اَطلسِ شہ ہمہ اوست
دَر انجمنِ فَرق و نہاں خانۂ جَمع باللہ ہمہ اوست ثُمَّ باللہ ہمہ اوست

یعنی پڑوسی وہی، ساتھ کا بیٹھنے والا وہی، راہ کا رفیق وہی، گدا کی گدڑی میں وہی، بادشاہ کے اطلس میں وہی، انجمنِ فرق میں وہی (مرتبۂ تنزلات میں) اور نہاں خانۂ جمع میں وہی (مرتبۂ غیب الغیب میں)

---

[1] کسی کلی کا حکم اس کے افراد پر یقینی طور پر نہ کیا جائے بلکہ شک کے طریقہ پر کیا جائے جیسا کہ وجود ہے کہ اس کے افراد میں واجب بھی ہے اور ممکن بھی۔ اور اس کا ثبوت سب کے واسطے بہ طریقِ شک ہے فرق اتنا ہے کہ واجب کے لئے وجود کا ثبوت اتم و اقویٰ ہے بہ نسبت ممکن کے۔ سید شریف جرجانی نے رسالہ التعریفات میں لکھا ہے "کالوجود فانہ فی الواجب اتم و اثبت و اقویٰ منہ فی الممکن"۔

قسم بہ خداسب وہی اور پھر قسم بہ خداسب وہی۔

ان بزرگواروں نے اگرچہ غیر کو وجود میں شریک کرنے سے اپنے کو بچایا ہے اور دوئی سے اجتناب کیا ہے لیکن غیرِ وجود کو وجود اور نقائص کو کمالات سمجھ بیٹھے ہیں، وہ کہتے ہیں کسی چیز میں اپنی ذات سے بُرائی اور نقصان نہیں ہے، جو کچھ ہے نسبتی اور اضافی ہے انسان کے لئے اگر زہرِ ہلاہل میں برائی ہے کہ اس سے حیات ختم ہو جاتی ہے تو اُس حیوان کے لئے جس میں وہ زہر پیدا ہوا ہے آبِ حیات اور اکسیر ہے ـــــ ان بزرگواروں کا اس معاملہ میں کشف اور شہود پر مدار ہے۔ جتنا ان پر ظاہر کیا گیا اتنا ہی وہ سمجھے۔ اے اللہ تو ہم پر اشیاء کی حقیقتیں پوری طرح ظاہر فرما دے۔ اس معاملہ میں جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے تفصیل کے ساتھ اس کا بیان کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن العربی کا مسلک بیان کیا جاتا ہے جو کہ متاخرینِ صوفیہ کے امام اور مقتدا ہیں اور پھر اس کا بیان کیا جائے گا جو اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے تاکہ دونوں مسلکوں کا فرق پوری طرح ظاہر ہو جائے اور مسائل کی باریکیاں ایک کی دوسرے میں نہ ملیں۔

شیخ محی الدین اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اس کی عینِ ذات ہیں اور اسماء و صفات آپس میں بھی ایک دوسری کی عین ہیں مثلاً علم اور قدرت۔ جس طرح یہ دونوں صفتیں اللہ کی عین ذات ہیں اسی طرح یہ دونوں صفتیں آپس میں بھی ایک دوسری کی عین ہیں مقام غیب الغیب میں کسی نام اور کسی طریقہ سے تعدد، تکثر، تمایز، تباین نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے تمایز و تباین پیدا کیا۔ اگر تمایز و تباین بہ صورتِ اجمال ہے تو اس کو تعینِ اول (تنزلِ اول) اور اگر بہ صورتِ تفصیل ہے تو اس کو تعینِ دوم (تنزلِ دوم) کہتے ہیں۔ تعینِ اول کا نام وحدت رکھا ہے اور اس کو حقیقتِ محمدی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کہتے ہیں اور تعینِ دوم کا نام وَاحِدِیَّت رکھا ہے جس کو حقائقِ ممکنات سمجھتے ہیں اور حقائقِ ممکنات کو اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں، پھر ان دونوں علمی تعینات کے لئے مرتبۂ وجوب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ کو (جو حقائقِ اشیا ہیں)، خارج کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ خارج میں اَحَدِیَّتِ مُجَرَّدَہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور جو کچھ خارج میں نظر آ رہا ہے وہ اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے اور اس عکس کا ظہور آئینۂ ظاہر میں ہوا ہے اور اس عکس نے ایک خیالی وجود حاصل کر لیا ہے جیسا کہ آئینہ میں کسی کا عکس ظاہر ہوتا ہے اور وہ عکس تخیلی ہوتا ہے آئینہ میں نہ کسی شے کا حلول ہوا ہے نہ اُس پر کچھ منقش ہوا ہے۔ اگر نقش ہے تو صرف تخیل میں ہے جو آئینہ پر ظاہر ہوا ہے۔

اَعْیَانِ ثابتہ کا جو نقش آئینۂ ظاہر میں نظر آ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت ہے اور اس میں اِتقانِ کامل ہے۔ ایسا کامل اِتقان کہ وہم اور تخیل کے مٹ جانے پر بھی زائل نہیں ہوتا اور اس پر ابدی عذاب و ثواب کا ترتب ہوتا ہے۔

خارج میں جو کثرت نظر آرہی ہے وہ تین قسم کی ہے۔ پہلی قسم تعینِ رُوحی، دوسری قسم تعینِ مِثالی، اور تیسری قسم تعینِ جَسَدی۔ تعینِ جسدی کا تعلق عالمِ شَہادہ سے ہے۔ ان تینوں تعینات کو تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں اور اس کا اثبات مرتبۂ امکان میں کرتے ہیں۔

یہ ہے تفصیل پانچ تعینات کی جن کو تنزلاتِ خمسہ اور حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔

چوں کہ ان افراد کے نزدیک علم میں اور خارج میں صرف اللہ ہی کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کا وجود ہے اور چوں کہ ان کے نزدیک اسماء و صفات، عین ذاتِ واجب ہیں لہٰذا انھوں نے علمی صورتوں اور شکلوں کو صاحبِ علم کی عینِ صورت سمجھ لیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی صورت) نہ اس کی پرچھائیں یا مثال۔ اور پھر انھوں نے اعیانِ ثابتہ کے نُمُود اور ظہور کو جو کہ آئینۂ ظاہر میں ہوا ہے عَینِ اعیان تصور کر لیا ہے نہ اُن کی تصویر یا مثال۔ بنابریں اتحاد کا حکم کر دیا اور ہمہ اوست کے قائل ہو گئے۔

مسئلہ وحدت وجود میں مختصر طور پر شیخ اکبر کا مسلک بیان کر دیا گیا۔ ان علوم کو اور ان کے امثالِ علوم کو شیخ اکبر خاتمِ ولایت سے مخصوص سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان علوم کو خاتمِ نبوت، خاتمِ ولایت سے لیتے ہیں اور فصوص الحکم کے شارحین اس قول کی توجیہ کے سلسلہ میں تکلفات سے کام لیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جناب شیخ اکبر سے پہلے حضراتِ مشائخ میں سے کسی ایک نے بھی ان علوم اور اسرار میں اس طریقہ پر زبان نہ کھولی تھی اگرچہ غلباتِ سُکر میں ان کی زبان پر توحید اور اتحاد کے کلمات آجاتے تھے جیسے انا الحق، اور سبحانی لیکن انھوں نے اتحاد کی وجہ ظاہر نہیں کی ہے اور نہ توحید کی منشا پا سکے ہیں۔ لہٰذا جناب شیخ اس جماعت کے متقدمین کے لئے بُرہان اور متاخّرین کے لئے حُجّت ہیں (اگرچہ جنابِ شیخ نے اس مسئلہ میں خوب تحقیق کی ہے) پھر بھی بہت سے دقائق چھپے رہ گئے ہیں اور بہت سے بھید منظرِ عام پر نہیں آسکے ہیں اور فقیر پر ان کا اظہار ہوا ہے اور ان کے بیان کرنے کی بشارت اس کو ملی ہے۔ اور اللہ ثابت کرتا ہے سچ کو اور وہی سجھاتا ہے راہ۔

مخدوما۔ اہلِ حق کے نزدیک اللہ کی آٹھ صفات خارج میں موجود ہیں[1] لہٰذا یہ صفات خارج میں حضرتِ ذات سے بہ تمیزِ بے مثل و بے کَیف متمیز ہیں بلکہ بے مثل اور بے کیف طریقہ پر یہ صفات بھی آپس میں ایک دوسری سے متمیز ہیں اور یہ تمیزِ بے مثل و بے کیف حضرتِ ذات میں بھی ہے، وہ جَلَّ وعَلَا نہایت ہی بے مثل و بے کیف ہے جو تمیز ہمارے عقل و فکر میں سمائے وہ اس سے مَسلُوب اور منفی ہے کیونکہ اس جنابِ قُدس میں نہ تَبَعُّض ہے نہ تجزّی، نہ تحلیل نہ ترکیب، اور نہ حالیّت اور نہ محلیّت ہے۔ جو اعراض و صفات ممکن میں پائے جاتے ہیں وہ اس کی جنابِ قُدس سے مسلوب ہیں۔ نہیں ہے اس جیسی کوئی شے : ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں۔ اور باوجود اس بے مثلی اور بے کیفی کے خانۂ علم واجبی میں

---

[1] حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔ اشاعرہ کے نزدیک صفت تکوین نہیں ہے۔ باقی سات صفات موجود ہیں۔

اس کے اسما وصفات میں تفصیل وتمایز ہوئی ہے اور ان کا عکس ظاہر ہوا ہے۔

مرتبۂ عدم میں ہر اسم وصفتِ مُتمیّزہ کا نقیض ومقابل ہے۔ مثلاً صفتِ علم کا نقیض عدمِ علم ہے جس کو جہل کہتے ہیں اور صفتِ قدرت کا نقیض عدمِ قدرت ہے جس کو عجز کہتے ہیں۔ یہی کیفیت تمام اسما وصفات کی ہے کہ ہر ایک کا نقیض مرتبۂ عدم میں موجود ہے۔ ان عدماتِ متقابلہ نے بھی علمِ واجبی (علمِ الٰہی) میں تفصیل وتمیز پیدا کیا ہے اور وہ اپنے متقابل اسما وصفات کے لئے آئینے بنے ہیں اور اسما وصفات کا ان پر عکس پڑا ہے۔ فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمی آئینے مع ان عُکُوس کے ہیں جو اسما وصفات کے ان پر پڑے ہیں۔ عَدمات بہ منزلۂ اصل ومَوادّ ہیں اور عُکُوس بہ منزلۂ صُوَرِ حالّہ۔

جنابِ شیخ کے نزدیک علمِ الٰہی میں جو تفصیل اور تمیز اسما وصفات نے پیدا کی ہے وہی حقائقِ ممکنات ہیں۔ فقیر کے نزدیک وہ عدمات جو اسما وصفات کی نقائض ہیں مع اُن عکوس کے جو اسما وصفات کی اُن پر پڑی ہیں حقائقِ ممکنات ہیں۔ قادرِ مختار جب چاہتا ہے کہ موجودِ خارجی کا ظہور ہو تو وہ اس عدمی ماہیت سے جو اسما وصفات کے ظل سے مُمتزج ہے اس کو مَبدأ بناتا ہے۔ جو ظلِ اسما وصفات کا اس میں ہے وہ حضرت وجود تعالیٰ وتقدس کا پرتو ہے لہٰذا ممکن کا وجود، کیا خانۂ علم میں اور کیا خارج میں، حضرت وجود کا پرتو ہوا۔ ممکن کے صفات اللہ کے کمالات کے پرتو ہیں۔ مثلاً ممکن کا علم پرتو ہے اللہ کے علم کا جو عدمی آئینہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح ممکن کے تمام صفات اور اس کا وجود، صفاتِ الٰہیہ اور حضرتِ واجب الوجود کا پرتو ہیں جو عدمی آئینوں پر ظاہر ہوئے ہیں۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز ومن چیزِ تست

(ترجمہ) میں اپنے گھر سے لے کر کچھ نہیں آیا ہوں تو نے ہی سب کچھ دیا ہے اور میری ذات بھی تیری ہی چیز ہے۔

فقیر کے نزدیک کسی چیز کا سایہ اس کا عین نہیں ہے بلکہ اس کا شَبَح اور مثال ہے لہٰذا ایک کا دوسرے پر حمل مُمتنع ہے۔ بنا بریں فقیر کے نزدیک ممکن عَینِ واجب نہیں ہے اور ممکن وواجب میں ایک کا حمل دوسرے پر ثابت نہیں کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور اسما وصفات کا عکس اس میں ظاہر ہوا ہے اس لئے وہ اسما وصفات کی مثال وشَبَح ہے نہ عَینِ اسما وصفات۔ لہٰذا "سب وہی" کہنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ "سب اُسی کا" کہنا چاہیئے۔ عَدَم، ممکن کا ذاتی ہے اور وہ شرارت ونقص وخرابی کا مصدر ومنشا ہے اور جو کمالات اس میں ہیں جیسا کہ وجود اور اس کے توابع وہ سب حضرت واجب جل سلطانہ سے مستفاد ہیں۔ وہی جل شانہٗ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے سوا سب ظلمت۔ عالم میں جو خُبث وخرابی ہے اس کی ذاتی ہے اور جو خیر وکمال ہے اسما وصفات کے ظِلال کا اثر ہے اور وہ سب راجع اللہ ہی کی طرف ہے۔ آیت مبارکہ "مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ" سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی "جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے اور

"جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے"۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِم۔ الہام کرنیوالا اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے۔[1]

حضرت مجدد کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ ہی نور ہے ہر خیر وکمال کا مصدر وہی ہے اور وہی واجب الوجود ہے۔ اس کے سوا عدم ہے اور وہ ظلمت ہی ظلمت اور ہر شر وفساد کی جگہ ہے۔ کائنات میں سے ہر کائن کی اصل عدمی جزو ہے۔ اللہ کی صفات نے اُن اجزائے عَدَمِیَہ پر عکس ڈالا حضرت وجود کے عکس سے عدم کو وجود ملا۔ اور اس کے اسماء وصفات کے پرتو سے اجزائے عَدَمِیَہ میں کمالات کا ظہور ہوا۔ جتنے مبارک اسماء و صفات کا پرتو پڑا ہے اسی قدر اوصاف سے وہ عدمی جزو محلّی ہوا ہے۔ اور جن اسماء وصفات کی تجلیات سے وہ عدمی جزو محروم رہا ہے وہ اُن سے بے بہرہ ہے۔ حضرت مجدد نے آیت مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ الآیۃ۔ سے اپنے مسلک کی تائید کی ہے۔

حضرت مجدد نے جو کچھ ارشاد کیا ہے از روئے کشف والہام کیا ہے۔ مجھ کو جامعِ امام ترمذی میں ایک مبارک حدیث ملی ہے اور اس سے حضرت مجدد کے مسلک کی پوری تائید ہوتی ہے۔ میں وہ حدیث شریف اور اس کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى خَلَقَ خَلْقَهٗ فِيْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِّنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ ذٰلِكَ النُّوْرُ اهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔[2]

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظلمت میں اپنی مخلوق کی خِلقت کی۔ پھر اُن پر اپنا نور ڈالا جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی ———— اور جس پر وہ نور نہیں پڑا وہ گمراہ ہوا۔ بنابریں میں کہتا ہوں قلم خشک ہو چکا ہے (یعنی مقدرات لکھے جا چکے ہیں لاتبدیل لکلمات اللہ۔ اب کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے) یہ حدیث حسن ہے"۔

دونوں نظریات میں فرق

شاہ محمد اسماعیل نے لکھا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بیان سے یہ بات ظاہر ہے کہ اِنَّ مَابِهِ التَّعَيُّنُ لِلْحَقَائِقِ الْاِمْكَانِيَّةِ هُوَ الْعَدَمُ فَيَنْقَلِعُ اَسَاسُ الْقَوْلِ بِالْاِتِّحَادِ رَاْسًا فَلَيْسَ مَعْقُوْلُ اَمْثَالِنَا الْفَاقِدِيْنَ لِلْكَشْفِ وَالشُّهُوْدِ اِلٰى دَرْكِهٖ سَبِيْلٌ كَيْفَ وَلَا يُمْكِنُ مِنَّا اَنْ نَّتَصَوَّرَ اَنْ يَّكُوْنَ الشَّيْءُ الْمَعْدُوْمُ فَضْلًا عَنِ الْعَدَمِ قَيُّوْمًا لِّشَيْءٍ مَّوْجُوْدٍ اَصْلِيًّا كَانَ اَوْ ظِلِّيًّا۔ الخ[3]

(ترجمہ) "حقائق امکانیہ کا تعین عدم ہے، آپ کے اس قول سے اتحاد کی اساس جڑ سے نکل جاتی ہے

---

[1] مکتوب اول دفتر دوم۔ [2] جامع ترمذی میں باب افتراق ھذہ الامۃ کے آخر میں اور ابواب العلم سے پہلے باب میں یہ حدیث شریف ہے۔
[3] عبقات کے مقدمہ کے اکیسویں عبقہ میں۔

لیکن ہم جیسے فاقدین کشف وشہود کی سمجھ سے یہ بات بالا وبرتر ہے اور اس کی تہ تک پہنچنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں اور ہم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے کہ ایک شے جو نہ صرف عدم بلکہ معدوم ہو، کس طرح اُس شے کا قیوم ہوسکتا ہے (یعنی قائم رکھنے والا) جو موجود ہوچکا ہے اس کا موجود ہونا بالاصالت ہوچکا ہے بالظلیت۔"

میرے نزدیک جناب مولانا کا ایراد اس صورت سے تعلق رکھتا ہے کہ حضرت مجدد صرف اجزائے عدمیہ کو حقائق ممکنات قرار دیتے۔ لیکن حضرت مجدد اُن اجزا کے ساتھ اللہ کے اسماءِ صفات کے ظِلال کو لازمی قرار دے رہے ہیں چنانچہ مکتوب اول الذکر میں تحریر فرمایا ہے: "آن عدمات باآن عکوس بہ وجودِ ظلی موجود شدہ" کہ اجزائے عدمیہ مع اُن عکوس کے جو اُن میں ہیں بہ وجودِ ظلی موجود ہوئے ہیں۔ ان اجزائے عدمیہ کو قائم رکھنے والا مولیٰ جل شانہ کے اسماء وصفات کا ظِل ہے۔ اَلْبَاقِی کے ظِل نے اس کو بقا دی، اَلْوَارِثُ کے ظِل نے اس کو اوصافِ عالیہ کا وارث کیا، اَلْقَیُّوْمُ کے ظل نے اس کو قیامِ عالم کا سبب بنایا اور اس عظیم بوجھ کے اُٹھانے کی صلاحیت دی اور اس طرح "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" کا ظہور ہوا۔ بلاشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت مجدد نے مولانا حسن دہلوی کو ایک طویل مکتوب لکھا ہے اس کے اَوَاسط میں تحریر فرماتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک نہ کوئی تعین ہے اور نہ کوئی متعین۔ وہ کونسا تعین ہوسکتا ہے جو لاتعین کو متعین کرکے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ اکبر محی الدین اور ان کے تابعان کے موافق مذاق ہیں قَدَّسَ اللّٰہُ تعالیٰ اَسْرَارَہُمْ۔ اگر فقیر کی عبارت میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو صَنعتِ مُشَاکَلَہ کے طریقہ پر ہوا ہے (یعنی کسی لفظ کا استعمال کسی دوسرے کی مناسبت سے) اور پھر میں کہتا ہوں کہ وہ تعینِ حُبّی جو کہ تعینِ اول اور حقیقتِ محمدی ہے، تعینِ اِمکانی اور مخلوق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً میرا نور پیدا کیا۔ دوسری احادیث مبارکہ میں اس نور کی پیدائش کے وقت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری روایتیں بھی موجود ہیں۔ جس چیز کا وجود نہ ہو اور پھر اس کی تخلیق ہوئی ہو وہ حادِث اور ممکن ہوئی۔ جب کہ حقیقۃ الحقائق جو کہ تمام حقائق سے پہلے ہے مخلوق اور ممکن ہے تو پھر دیگر حقائق بطریقِ اَولیٰ مخلوق ہوئیں اور وہ سب ممکن وحادث قرار پائی ہیں۔

تعجب ہے کہ جناب شیخ قدس سرہ حقیقتِ محمدی کو اور تمام ممکنات کی حقائق کو جن کو وہ اَعیانِ ثابتہ کہتے ہیں قدیم سمجھتے ہیں اور ان کو واجب قرار دیتے ہیں۔ وہ کس بنا پر وجوب کا حکم تجویز کرکے ارشاداتِ نبویہ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ کے خلاف جاتے ہیں۔ ممکن تو اپنے اجزائے، اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن ہے۔ اس کی حقیقت کے واسطے تعینِ وُجوبی کس بنا پر۔ ممکن، ممکن ہی رہیگا اس کا واجب سے کوئی اشتراک نہیں۔ صرف یہ نسبت ہے کہ وہ مخلوق ہے اور واجب تعالیٰ وتقدس اس

کا خالق۔

جب کہ جناب شیخ واجب اور ممکن میں تمیز نہیں کر سکے ہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ لِعَدَمِ التَّمیِیزِ بینھما (دونوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے) تو وہ اگر واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہہ دیں تو کوئی بات نہیں۔ وہ معذور ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا۔[1]

اور آپ نے اس مکتوب شریف میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے :۔

ایسے علوم جن میں واجب تعالیٰ شانہ اور ممکن کے مابین ایسی نسبت کا بیان کیا جائے جس کا ذکر شریعت میں نہیں آیا ہے وہ سب معارفِ سُکریہ ہیں اور معاملہ کی تہ تک نہ پہنچنے کا سبب اور باعث ہیں۔ بھلا ممکن کیا شے ہے جو واجب تعالیٰ کا ظل یعنی سایہ بنے۔ واجب تعالیٰ کا ظل ہو ہی کب سکتا ہے کیونکہ ظل سے مثل کے ظاہر ہونے کا واہمہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے کمالِ لطافت نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، جب کہ کمالِ لطافت کی وجہ سے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل نہ تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کا ظل کیسے ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنے خلیفہ اجل میر محمد نعمان بدخشی کو تین اوراق کا پُر از حقائق مکتوب شریف ارسال فرمایا ہے۔ اس میں آپ نے لکھا ہے۔

”جان لینا چاہیئے کہ کسی شخص کی حقیقت سے مراد اُس کا وہ تعینِ وجُوبی ہے کہ جس کا ظل اس شخص کا تعینِ امکانی ہوا ہے۔ اور تعینِ وجُوبی سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسمائے مکرمہ میں سے کوئی اسم مکرم ہے جو کہ اس شخص کا رَب ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے۔ اس کے وجود اور توابعِ وجود کا مَبداءِ فیوض بنا ہے۔ جیسے علیم، قدیر، مُرید، متکلم وامثالہا۔ اسم مکرم کو اللہ کی ذاتِ مقدسہ سے چند مراتب ہیں، ایک مرتبہ صفت کا ہے اس مرتبہ میں اس کا وجُود ذاتِ مقدس کے وجود سے زائد ہے اور اس وجود زائد پر اسمِ مکرم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ایک مرتبہ شان کا ہے۔ اس مرتبہ میں اس کی ہستی ذاتِ مقدسہ پر صرف اعتباری ہے اور اس مرتبہ میں بھی یہی اسم اس پر صادق آتا ہے۔ صفت اور شان کا فرق اس مکتوب میں بیان کر دیا گیا ہے جو سلوک اور جذبہ کے بیان میں لکھا گیا ہے۔“[2]

آپ نے یہ مکتوب اپنے بھائی غلام محمد کو لکھا ہے جو دفتر اوّل کا مکتوب دو سو تاسی ہے۔ مکتوب کیا ہے دس اوراق کا گنجینۂ معارف ہے۔ آپ نے صفت وشان کا دقیق فرق جو بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیض دو نوع کا ہے۔ ایک وہ ہے جس کا تعلق اِیجَاد، اِبقَار، تخلیق، ترزِیق، اِحیا، اِماتت اور ان جیسی دوسری صفات سے ہے اور یہ فیض بہ توسطِ صفات ہی پہنچتا ہے۔ اور دوسری وہ ہے جس کا تعلق ایمان ومعرفت اور ولایت ونبوت کے کمالاتِ مراتب سے ہے۔ اس دوسری نوع

---

[1] مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم۔ [2] مکتوب ۲۰۹ دفتر اول۔

کے فیوضات میں سے بعض کا تعلق صفات سے ہے اور بعض کا شیونات سے جو صرف اعتبارات ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ شیون کا مقام صاحبِ شان کا مواجہ ہے اور صفت میں یہ کیفیت نہیں۔ صفات اور شیون میں فرق نہایت دقیق ہے۔

ازالۂ فرق کی کوشش

بعض حضرات نے سعی کی ہے کہ مسئلۂ توحید میں شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے اختلاف کو لفظی اختلاف قرار دیں۔ میرے نزدیک ان حضرات کے مساعی کی تردید حضرت مجدد کے کلام سے صَراحۃً ہوتی ہے۔ مختصر طور پر میں اس کا بیان کرتا ہوں تاکہ حقیقت واضح تر ہو جائے۔

شیخ اکبر کے نزدیک تمام کائنات کی اصل اور حقیقت علمِ الٰہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ انسان، جن، فرشتے، حیوان، زمین، آسمان، کواکب، لوح، قلم، کرسی، عرش، جنت، دوزخ، غرض ہر شے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں سب کچھ موجود ہے اور جس شے کے متعلق جو کچھ علمِ الٰہی میں ہے وہی اس شے کی حقیقت اور اس کی اصل ہے۔ جب تک علمِ الٰہی کا ظہور نہیں ہوا ساری حقیقتیں عالَمِ غیب میں مستور رہیں اور جب علمِ الٰہی کا ظہور ہوا حقیقتیں بھی ظاہر ہو گئیں۔ شیخ اکبر ان ظاہر شدہ حقیقتوں کو اَعیانِ ثابتہ کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اَعیانِ ثابتہ کے ظہور کا وقت آیا تو اُن کا عکس ظاہر ہوا اور وہی عکس ان کا وجود ہے چونکہ یہ عکس بھی اللہ کی صنعت اور کارگیری ہے اس لئے اس کے واسطے پائداری ثابت ہے۔ ایسی پائداری کہ اس پر عذاب و ثواب کا ترتب ہوتا ہے۔ عکس اپنی ذات سے وہمی و خیالی ہوتا ہے لیکن صنعتِ الٰہی نے اس کو پائداری اور خیالی وجود بخشا ہے۔

شیخ اکبر کے نزدیک کائنات کی حقائق اللہ کا علم ہے اور ان کا وجود اللہ کے علم کا عکس ہے، سب کچھ علمِ الٰہی اور اس کا عکس ہے، خارجی شے کچھ بھی نہیں ہے اور حضرت مجدد کے نزدیک کائنات کی حقائق اجزائے عَدَمیہ ہیں جو فانیہ ہیں۔ اُن پر اوصافِ الٰہیہ کا پرتو اور ظل پڑا۔ آپ کے نزدیک ظل عینِ اصل نہیں ہے۔ لہٰذا افتراق ثابت ہوا۔ اور مولانا اسماعیل نے ٹھیک لکھا ہے۔ فَیَنْقَلِعُ اَسَاسُ الْقَوْلِ بِالْاِتِّحَادِ رَأْسًا۔ یعنی حضرت مجدد کے قول سے اتحاد کی جڑ اور اساس سرے سے نکل جاتی ہے اور وحدت وجود کا نظریہ قائم نہیں رہتا۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ سالک جب فنائیت کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو بجز محبوب کے کچھ نہیں نظر آتا حتیٰ کہ وہ اپنا وجود بھی نہیں دیکھتا۔ لہٰذا اس کی زبان سے اتحاد کا قول نکلتا ہے۔ کوئی انا الحق، کوئی سبحانی کہتا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں اگر وہی مقام اور کیفیت کی حالت میں سالک کی عالَم میں مراجعت ہوتی ہے تو عالم کے ہر [illegible] کو جمالِ محبوب نظر آتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

دیدہ بکشا و جمالِ یار بیں
ہر طرف ہر جا رُخِ دِلدار بیں

آپ فرماتے ہیں یہ مقامِ ولایت ہے اور اس سے بالاتر مقامِ ارشاد ہے جس کا تعلق مقامِ نبوت سے ہے۔ ابھی سالک کو اس شاہراہ پر پہنچنا ہے۔ وہاں اس کی زبان پر آتا ہے۔ سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ "میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا"

یہ مقام عبدیت ہے اور بالاصالۃ اس کا تعلق سردارِ کل کائنات سیدنا محمد عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَاَکْمَلُ التَّحِیَّات سے ہے۔

حضرت مجدد کے والد بزرگوار حضرت مخدوم نے اپنے رسالہ "اسرارِ تشہد" میں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے متعلق نہایت لطیف کلام بیان فرمایا ہے اور خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں آپ کے بیان میں کچھ فوائد اس مبارک رسالے سے اخذ کر کے لکھے ہیں میں اِن فوائد کا کچھ خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر کیا ہے۔

معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمہ کی ابتدا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰۃُ وَالطَّیِّبَاتُ سے ہوئی ہے۔ آپ عرض کرتے ہیں کہ تمام انواع کی صفاتِ کمال اللہ ہی کے لئے ہیں۔ چاہے بندہ اس کا اظہار زبان سے ثنا و صفت کر کے کرے، یا بدن سے عبادت میں مشغول ہو کر کرے، یا لطائفِ باطنیہ قلب و روح وغیرہ سے مولیٰ جل شانہٗ کی یاد کرے اور متخلق بہ اخلاق الٰہیہ ہو۔ ان تینوں اعتبارات کو قولی اور فعلی اور حالی کہتے ہیں۔

مومن کی معراج نماز ہے اور نماز کا آخر قَعدہ پر ہے۔ اور قَعدہ میں اس مبارک مکالمہ کو رکھا گیا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں مکالمہ کی ابتدا کی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کی معراج کی نہایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بداءت ہے اور اس کا سر زیرِ اقدامِ آنحضرت۔ اور اس بات کا اشارہ ہے کہ مومن کی معراج کی انتہا وصول بہ حضرت رسول اور رسول اللہ کی معراج کی انتہا بارگاہِ ربّ العُلیٰ ہے۔ لہٰذا نمازی کو بعد از تشہد درود پڑھنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں حضرت فریدالدین عطّار نے کیا خوب کہا ہے رحمہ اللہ۔

درود از حضرتش بر جانِ آں کس　　　کہ نامد مثلِ او اندر جہاں کس
زمین و آسمان و عرش و کرسی　　　بہشت و دوزخ و جنّی و انسی
ز بہر اوست بشنو از دلِ پاک　　　بدیں روشن دلیلے ہست لولاک
مُرَفَّہ انبیا در زیرِ جاہش　　　مُشرّف اولیا از خاکِ راہش
دریں عالم ہر آں کو برتری یافت　　　ز خاکِ درگہِ او سروری یافت
عملہا را بہ حضرت رابطہ اوست　　　اگر مقبول گردد واسطہ اوست
محمد در شریعت نامِ او داں　　　ولیکن در حقیقت احمدش خواں
بیفگن میمِ احمد از طریقت　　　کہ تا نامش بدانی در حقیقت
خدا را در الوہیت احد خواں　　　نبی را در عبودیت یکے داں
چو حق اندر خدائی فرد داناست　　　نبی در بندگی بے مثل و ہمتاست

یقیں داں تاکہ نشناسی خدارا نہ دانی قدر و جاہِ مصطفٰے را
تو او را گر بدانستی تمام است ترا کار دو عالم با نظام است

جس مقام کو شیخ اکبر حقیقتِ محمدی کہتے ہیں اور اس کے واسطے درجۂ وجوب کا اثبات کرتے ہیں۔ حضرت مجددؒ کے نزدیک وہی مقامِ عَبدیّت ہے، ممکن ہے اور وہ اپنے اجزاء اپنی حقیقت سے اپنی صورت سے ممکن ہے اس کو واجب تعالیٰ و تقدس سے کوئی اشتراک نہیں۔ اس کو نسبتِ عَبدیّت ہے وہ عبد ہے اور واجب تعالیٰ معبود جس کی تخلیق ہو اس کیلئے درجۂ وجوب کیسا۔ ارشادِ نبوی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ۔ اے اللہ تو میرا پالنے والا ہے تو نے مجھ کو پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔

آپ کے زمانے کی مذہبی حالت

ہندوستان کی تاریخ میں اکبر بادشاہ کا زمانہ (۹۶۳ھ سے ۱۰۱۴ھ تک) اسلام کیلئے نہایت نازک اور پُرخطر زمانہ تھا۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب مُنتخبُ التواریخ میں چشم دید واقعات لکھے ہیں جن سے اسلام کی زبوں حالی کا پوری طرح پتہ چلتا ہے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنے قیمتی مقالہ میں مُلّا عبدالقادر کی تاریخ سے کچھ واقعات اور حالات لکھے ہیں[۱] گیلانی صاحب نے مُلّا صاحب کے حلف نامہ کو اُن کی کتاب کے صفحہ ۲۶۴ سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے "حلف کے بعد ہمارے لئے عدمِ اعتماد کی پھر مشکل ہی سے گنجائش پیدا ہوسکتی ہے" مولانا مرحوم نے شرعِ مُطہرہ کی رُو سے عدمِ اعتماد کو مشکل قرار دیا ہے اور ان کی بات یقیناً درست ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اس دَور کے محققین کی نظر میں مراتبِ چہارگانہ وضع کرنے والے ابوالفضل کی جو وقعت ہے وہ مُلّا صاحب کی کہاں ہوسکتی ہے تاہم یہ محققین تسلیم کرتے ہیں کہ مُلّا مبارک نے ایک محضر نامہ لکھا جس میں اکبر کو اختیار دیا گیا کہ وہ اجتہاد کر کے حکم نافذ کرے اور یہ کہ اکبر آفتاب کی تعظیم کرتا تھا اور اس کی عبادت کے خاص اوقات تھے۔ طلوعِ آفتاب، نصف النہار، غروبِ آفتاب اور نیم شبی۔ نیم شبی کی وجہ ابوالفضل نے یہ لکھی ہے۔

"آں روشنی افزائے انجمن ہستی رُو بہ فراز نہد و غمزدگانِ تیرہ شب را نوید خوشدلی رساند"۔[۲] انجمن ہستی کو روشنی دینے والے کا رُخ بلندی کی طرف ہو چلا اور اندھیری رات کے غمزدوں کو خوش دلی

---

[۱] تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کے صفحہ ۱۵ سے ۱۳۶ تک۔ [۲] رودِ کوثر پانچواں ایڈیشن صفحہ ۱۲۵۔

کی نوید پہنچی" اور اس شنیع فعل کے استحسان کے لئے سورۂ والشمس سے استدلال کیا گیا ہے۔ اِلی اللہِ المُفزَعُ وَ اِلَیہِ المُشتکیٰ۔

اکبر کی غلط روی دائرۂ کفر تک پہنچ گئی تھی یا نہیں، اس بحث کا تعلق زیرِ نظر کتاب سے نہیں ہے اس سلسلہ میں صرف اِتنا کہتا ہوں کہ ایک ناواقف اور ناخواندہ شخص کے ہاتھ میں دین کے مسائل کی زمام دیدینا یقیناً تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر

مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"اکبر نے تمام عالمینِ مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب ہی کو خیرباد کہہ دینا چاہا۔ خود ابوالفضل وفیضی کو بھی انہی لوگوں نے اپنی ہوا پرستیوں اور ظلم وعدوان کے نمونے دکھلا کر اس طریقہ میں آنے کی دعوت دی تھی، جس کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر وہ خود بھی متاسف ہوتے ہوں گے کہ مقصود کیا تھا اور کیا سے کیا ہوگیا۔ انھوں نے علماءِ سوء کے غرور وپندار کا بت توڑنے کے لئے ایک دوسرا بت تیار کیا جس کا نام اکبر تھا لیکن آگے چل کر خود اُسی بت کی پرستش شروع ہوگئی"۔ [1]

اکبر کی غلط روی کا کیا اثر ہوا تھا اور اس وقت کی مذہبی حالت کیا تھی اس کے متعلق حضرت خواجہ عبیداللہ معروف بہ خواجۂ کلاں، (فرزند حضرت خواجۂ باقی باللہ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد کی بعض تحریرات نقل کرتا ہوں۔

خواجۂ کلاں کی تحریر

خواجۂ کلاں اور خواجۂ خورد کی عمریں تقریباً دو سال کی تھیں کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی وفات ہوئی۔ ان دونوں گرامی قدر صاحبزادوں کی خدمت اور تربیت خواجہ حسام الدین احمد نے کی ہے۔ حضرت مجدد نے جو مکتوب اپنے مرشدزادوں کو ارسال کیا ہے اور میں اس کو نقل کرچکا ہوں اس میں اظہارِ حقیقت کرتے ہوئے لکھا ہے "معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے خیر دے کہ انھوں نے ہم کوتاہی کرنے والوں کا بوجھ اٹھالیا ہے اور عتبۂ عالیہ کی خدمت کے واسطے کمرِ ہمت باندھ رکھی ہے۔ [2]

خواجہ حسام الدین احمد کی اہلیہ مُلّا مبارک کی دوسری بیٹی تھیں۔ [3] لہٰذا خواجۂ کلاں کا بیان مُلّا مبارک اور ابوالفضل کے متعلق مستند اور وقیع ہے۔ خواجۂ کلاں نے مُلّا یدہ کے بیان میں محمود بسخوان، امیر شریف آملی اور ابوالفضل کا حال تفصیل سے لکھا ہے میں آپ کے کلام کا ترجمہ اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

امیر شریف آملی "بسخوانی مذہب" کے رئیسوں میں سے تھا۔ اکبر کے زمانہ میں وہ ہندوستان آیا اور ابوالفضل کا دست وبازو بن گیا۔ فطری شقاوت کی بنا پر آملی کو کسی مذہب میں سکون نہ ملتا تھا۔ اور آخرکار وہ الحاد کے دائرہ میں داخل اور بسخوانی کے مسلک کا گرویدہ ہوا۔ اتفاق سے وہ اکبر کے پاس پہنچ گیا اور اس نے اکبر کو اپنی باتوں

---

[1] تذکرہ صفحہ ۳۰ [2] مکتوب ۲۶۶ دفتر اول [3] تاریخ ہندوستان جلد ۵ صفحہ ۹۲۷

سے خوش کر کے منصب ہزاری حاصل کیا وہ درگاہ کا خلیفہ بن کر یعنی اکبری مذہب کا مبلغ بن کر بنگال گیا اور وہاں مراتب چہارگانہ کی ترویج میں مصروف ہوا۔ یہ مراتب چہارگانہ ابوالفضل کے اجتہاد کا ثمرہ ہے۔

ابوالفضل شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا ہے اس نے علوم وفنون اپنے والد سے پڑھے اور قلبی پراگندگی اور حیرت زدگی وراثۃً اپنے باپ سے پائی۔ سن حداثت سے ہی اس کا دل کسی مذہب پر نہیں جمتا تھا وہ چاہتا تھا کہ ہندوستان سے باہر جا کر مجوس، نخشبیہ، ثعلبیہ، یہود، نصاریٰ وغیرہ کے مذاہب کا مطالعہ کرے لیکن اپنے والد کی وجہ سے نہ جا سکا جب اس کی رسائی اکبر تک ہوئی تو اس نے اکبر کو بھی اپنی طرح حیرت وتردد واشتباہ میں گھرا پایا۔ لہٰذا وہ اکبر کی مصاحبت کو غیبی امداد سمجھ کر اپنے ارادے کی تکمیل میں مشغول ہو گیا۔ اس نے شاہی فرامین کے ذریعہ دوسرے ملکوں سے متفرق مذاہب کی کتابیں منگوائیں اور ان کے مطالعہ میں مصروف ہوا اور جوگیوں، پنڈتوں وغیرہ کو بلا کر ان سے معلومات حاصل کیں۔ آخر میں شریف آملی اس کو ملا اور اس کی ملاقات سے "چشم وے روشن ترگشت" اس کے آنکھ کی بینائی بڑھی۔ اور الحاد واباحت کی وادی میں داخل ہو گیا۔[1]

مولانا ذکاء اللہ کی تحریر

مولانا نے اپنی کتاب تاریخ ہندوستان میں ابوالفضل کی کتاب آئین اکبری اور اکبر نامہ سے اکبر کے مذہبی خیالات اور مراتب چہارگانہ کے متعلق لکھا ہے۔

”بادشاہ کے نزدیک دورائی عامہ کی کچھ قدر نہیں۔ وہ ہر مذہب میں جو پسندیدہ بات ہے اس کی تحسین کرتا ہے اور بارہا اس نے فرمایا ہے کہ آدمی وہ ہے کہ انصاف کو اپنی راہ کا پیش رو بنائے اور ہر گروہ کی جو بات پسندیدۂ خرد ہو اس کو اختیار کرے شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے۔ اس تقریب میں ہندی نژادوں کی حقیقت گزینی کی ستائش اس نے اس فصاحت سے بیان کی کہ وہ وفاداری کے لئے ان چار چیزوں 'مال وجان وناموس ودین'، کو دے دیتے ہیں اور ان چار چیزوں کے سوا دنیا میں کچھ اور نہیں ہے۔“[2]

ابوالفضل کے اس بیان سے جو مولانا ذکاء اللہ نے نقل کیا ہے حضرت خواجہ کلاں کے کلام کی پوری تائید ہو رہی ہے۔ آپ نے لکھا ہے: ”اکبر کو بھی اپنی طرح حیرت وتردد واشتباہ میں گھرا پایا“ اور مولانا نے یہ عبارت نقل کی ہے: ”شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے“ اپنے دین ومذہب میں جب کسی کو اس درجہ حیرت وتردد واشتباہ پیدا ہو جائے تو وہ دین ومذہب ہی کیا رہا۔ اور پھر مراتب چہارگانہ کی جو تفسیر 'مال' 'جان' 'ناموس' 'دین' سے کی گئی ہے۔ جب یہ چاروں چیزیں بادشاہ کو سونپ دی جائیں تو پھر باقی کیا رہا۔

---

[1] مبلغ الرجال قلمی کے صفحہ ۱۴۰ سے ۱۵۲ تک۔ [2] تاریخ ہندوستان جلد ۵ صفحہ ۹۳۴۔

جناب شیخ عبدالحق کی تحریر

جناب شیخ نے فیضی کے متعلق لکھا ہے :-

"فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا بھی درست نہیں۔"[1]

جناب شیخ کی اس مختصر عبارت سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ آپ نے فیضی کا ذکر لفظ "بود" سے کیا ہے جس کا ترجمہ اردو میں "تھا" ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ عبارت فیضی کے مرنے کے بعد لکھی ہے۔

۲۔ آپ نے فیضی کو فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار مانا ہے۔ اس سے آپ نے فیضی کی تفسیر غیر منقوطہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ عربی میں ہے اور اس کا نام سواطع الالہام ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ حروفِ غیر منقوطہ سے قرآن مجید کی تفسیر لکھنی از عجائباتِ روزگار ہے۔ باوجود التزامِ حروفِ مہملہ یعنی غیر منقوطہ، سلاست، روانی، فصاحت، بلاغت میں بلند مرتبہ ہے۔ فیضی نے ۱۰۰۲ھ میں یہ تفسیر لکھی ہے۔ ۱۲۶۳ھ میں شیخ محمود آفندی مفتی دمشق نے اسی صنعت میں تفسیر "دُرّ الاسرار" لکھی ہے۔ عین ممکن ہے کہ شیخ محمود نے فیضی کی تفسیر دیکھی ہو اور اس سے استفادہ بھی کیا ہو۔ پھر بھی فیضی کی تفسیر کی جامعیت کچھ اور ہے۔ فیضی نے دیباچہ کے بعد ایک سو تیس سواطع لکھے ہیں اور یہ سب سواطع بمنزلہ مقدمہ کے ہیں اور آخیر میں ننانوے تاریخیں لکھی ہیں۔ پھر عربی کے تیس شعر کہے ہیں اور یہ سب حروف غیر منقوطہ میں ہیں۔

شیخ محمد اکرام نے جناب شیخ کے رویّہ کے متعلق لکھا ہے :-

"شیخ عبدالحق نے فیضی کو فتح پور سیکری کی ان محفلوں میں دیکھا تھا جہاں اس کی بے راہ روی اور رعونت عروج پر تھی۔ اس زمانے میں ان کی اور فیضی کی گاڑھی چھنتی تھی۔ لیکن شیخ نے ان محفلوں میں جو کچھ دیکھا اس نے ان کا دل اس قدر کھٹا کر دیا کہ اب وہ "سواطع الالہام" والے فیضی سے بھی نہیں ملنا چاہتے۔ حالانکہ اس دوران میں فیضی کے اندازِ خیال میں جو تبدیلی ہوئی اس پر مثنوی "نل دمن" کی نعت یا تفسیر سواطع الالہام ہی نہیں، شیخ کے نام فیضی کے خطوط بھی گواہی دیتے ہیں۔ شیخ اپنے فیصلہ پر ثابت قدم رہے بلکہ انھوں نے "تذکرۃ المصنفین دہلی" میں فیضی کی نسبت لکھا ہے۔"[2]

اس کے بعد شیخ اکرام نے وہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ لکھ چکا ہوں۔

شیخ اکرام کا تعجب اپنی جگہ ٹھیک ہے کیونکہ ان کے پیشِ نظر سواطع الالہام کی وہ عبارت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے اور ان کے سامنے "نل دمن" کے اشعار نعتیہ ہیں اور پھر وہ

---

[1] رود کوثر صفحہ ۳۶۰ میں آپ کی فارسی عبارت ہے اردو ترجمہ میں نے کیا ہے۔ [2] رود کوثر صفحہ ۳۶۰

خطوط ہیں جو فیضی نے جناب شیخ کو لکھے ہیں۔ اور جناب شیخ کی تحریر اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کیونکہ ان کی نظر میں ایمان نام ہے زبان کے اقرار اور تصدیقِ قلب کا۔ یعنی دل صداقت کے ساتھ اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانے۔ اگر دل میں کھٹکا باقی ہے تو ایمان نہیں ہے۔ جس جماعت کا یہ خیال ہو "کہ آدمی وہ ہے کہ انصاف کو اپنی راہ کا پیش رو بنائے اور ہر گروہ کی جو بات پسندیدۂ خرد ہو اس کو اختیار کرے شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے" بھلا اس کو ایمان سے کیا لگاؤ۔ بے شک فیضی کی تفسیر ادبی شاہکار ہے۔ کیا اس تفسیر کے لکھنے کی علتِ غائی سردارِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی یا اظہارِ علم و فضل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پوری طرح تقاضا کرتی ہے کہ تصدیقِ قلبی میں بال برابر کمی نہ آئے۔ چاہے بشریت کی بنا پر عمل میں کوتاہی واقع ہو جائے۔ کیا فیضی اس منحوس جماعت سے بیزار ہو گئے تھے۔ کیا قفل کی گم شدہ کنجی (تصدیقِ قلب) ان کے ہاتھ آ گئی تھی؟ شیخ عبدالحق کا یہ لکھنا "اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا درست نہیں" ظاہر کرتا ہے کہ نہ فیضی اس منحوس جماعت سے بیزار ہوئے تھے اور نہ ان کے ہاتھ مفتاحِ سعادت لگی تھی۔ حقیقتِ امر کیا ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مدارِ کار خاتمہ پر ہے۔ اِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔

۳۔ جناب شیخ کے نزدیک وہ جماعت جس سے فیضی کا تعلق تھا مسلمانوں کے لئے ایک بدنما داغ تھی کہ اس کا نام لینا بھی مسلمانوں کے لئے درست نہ تھا۔

۴۔ اور یہ کہ فیضی وغیرہ کفر و ضلالت کے ہاویہ میں، گڑھے میں گر چکے تھے۔ افسوس صد افسوس۔ مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا (ترجمہ) جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی واسطے اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی برے کو۔

حضرت مجددؒ کی تحریرات

حضرت مجددؒ کے رسائل اور مکتوبات سے آپ کا بیان نقل کرتا ہوں۔ حضرت مجددؒ نے رسالہ "اثباتِ نبوت" میں لکھا ہے۔

"اس زمانے میں یہ بات میں نے دیکھی کہ خود نبوت ہی کے متعلق اور پھر کسی فردِ واحد کے لئے نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں لوگوں کے اعتقاد میں فتور آ چلا ہے۔ یہ خرابی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اسلام کے وہ علما جو شریعت کی پیروی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں ثابت قدم تھے قتل کر دیئے گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرم نام کو چھوڑا جا رہا ہے۔ جس کا نام آپ کے مبارک نام پر ہوتا ہے اس کو بدل دیتے ہیں۔ ذبحِ بقر سے روکا جاتا ہے حالانکہ وہ ہندوستان میں اسلام کے بڑے شعائر میں سے ہے۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جا رہا ہے۔ کفار کے معابد اور ان کے رسم و رواج کی تعظیم کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور احکام کو مٹا کر کافروں کے رسوم اور ان کے باطل ادیان کو رائج کیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کا نشان تک مٹ جائے۔

میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطبا (علما) بیمار ہو چلے ہیں (ان میں خرابی پیدا ہو رہی ہے) اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا ہے اور اُن سے اُن کے شبہات دریافت کئے ہیں۔ ان کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے یہ زمانہ دُور جا پڑا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا ہے جنھوں نے فلسفہ کا اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل اور فضیلت کا دعویٰ بھی ہے (ابوالفضل کی طرف اشارہ فرمایا ہے) ان لوگوں نے خلقِ خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحقیقِ اصلِ نبوت اور شخصِ معین کے لئے اس کے ثبوت کے سلسلہ میں خود بھی بھٹکے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے اُن کا کہنا یہ ہے کہ حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور اُن کو لڑائی جھگڑے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے انہماک سے روکنا ہی حاصلِ نبوت ہے۔[1]

یہ تحریر حضرت مجدد کی دسویں صدی کے اواخر کی ہے جب کہ اکبر اس منحوس جماعت کی سرپرستی کر رہا تھا اور اس نے مختلف مذاہب کے اُن افراد کو عبادت خانہ میں جمع کیا تھا جنھوں نے اکبر کو خلیفۃ الزماں، انسانِ کامل اور مظاہرِ حق کا اتم مظہر قرار دے کر معبودیت کے دائرے میں شامل کیا تھا اور اس کے واسطے سجدہ تجویز کیا تھا۔

اب میں آپ کے مکاتیب شریفہ کے کچھ اقتباسات لکھتا ہوں۔ آپ نے شیخ بدیع الدین کو لکھا ہے۔

ا۔ شریعت کا جو حکم مبتدی کے واسطے ہے وہی حکم منتہی کے واسطے بھی ہے۔ چنانچہ عارفوں کے خاص الخاص اور ایک عام مومن اس معاملہ میں یکساں ہیں۔ خام صوفی اور بے سرانجام ملحد اس کوشش میں ہیں کہ وہ اپنے کو شریعت کے احکام سے آزاد کر لیں۔ ان کی نظر میں شریعت کے احکام کا تعلق عوام سے ہے۔ اور خواص کے لئے معرفت کا حاصل کرنا ہے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے امرا و سلاطین کو مکلّف بہ عدل وانصاف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا مقصد معرفت ہے۔ جہاں معرفت حاصل ہوئی شریعت کے احکام ساقط ہو گئے۔ انھوں نے "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" سے استدلال کیا ہے (سورۂ حجر کی آخری آیت ہے) "اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین" (یعنی موت کہ بے شک ہے۔ موضح) انھوں نے یقین سے معرفت مراد لی ہے جیسا کہ سہل تستری نے کہا ہے۔ حالانکہ یقین کا بیان معرفت سے جس نے بھی کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عبادت کی تکلیف کا احساس اُس وقت تک ہوتا ہے جب تک معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ معرفت حاصل ہو جانے پر عبادت میں تکلیف کا احساس نہیں رہتا (بلکہ راحت ملتی ہے)، اور جو مطلب ان لوگوں نے نکالا ہے وہ زندقہ اور

---

[1] قلمی نسخہ سے لیا ہے۔

الحاد ہے۔

یہ لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ پیر اس مقصد سے عبادت نہیں کرتا کہ وہ عبادت کا محتاج ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے اتباع اس کو دیکھ کر عبادت کریں۔ ان لوگوں نے مشائخ کے اس قول سے استدلال کیا ہے: "جب تک پیر ریاکار نہ ہو مُرید اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔" ان لوگوں کو اللہ رسوا کرے کیا ہی جاہل ہیں۔ عبادت کی ضرورت جس قدر عارفوں کو ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو نہیں۔ کیونکہ عارفوں کے عُروجات اور اُن کے مدارجِ تقرب وابستہ بہ عبادت و احکامِ شریعت ہیں۔ اگر عوام کو اَجر ملنے کی توقع قیامت کے دن کی ہے تو عارفوں کو وہ اَجراج ہی نصیب ہے لہٰذا وہ اَحق بہ عبادت و اَخوج بہ اِتیان اَز شرع ہوئے۔[1]

آپ نے شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ معتبر افراد سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے بعض خلفا کو اُن کے مرید سجدہ کرتے ہیں۔ وہ زمین بُوسی پر اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی قباحت اظہر من الشمس ہے۔ آپ ان کو تاکید کے ساتھ اس سے منع کریں۔ ایسے فعل سے ہر ایک کو بچنا لازم ہے اور خاص کر ایسے شخص کو جو خلق کا مقتدا ہو۔

آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ چاہیئے کہ فقہ کی کتب بھی پڑھی جائے فارسی میں فقہ کی کافی کتابیں ہیں۔ جیسے مجموعہ خانی، عُمدۃُ الاسلام اور فارسی کنز۔ اگر تصوف کی کتابیں نہ بھی پڑھی جائیں تو حرج نہیں کیونکہ ان کا تعلق حال سے ہے اور حال قال میں نہیں سماتا۔ فقہ کی کتابوں کا نہ پڑھنا احتمالِ ضرر رکھتا ہے۔

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ) مختصر طور پر دل کا دُکھڑا آپ کے سامنے بیان کیا ہے کیونکہ مجھ کو کھٹکا ہوا کہیں آپ آزردہ نہ ہو جائیں ورنہ کہنے کو بہت کچھ ہے۔[2]

۳۔ آپ نے لالہ بیگ کو تحریر فرمایا ہے۔

اللہ ہم میں اور آپ میں اسلام کی حمیّت زیادہ کرے۔ تقریباً ایک قرن سے اسلام پر ایسی غُربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی علاقوں میں کفر کے احکام جاری کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کوشش میں ہیں کہ اسلامی احکام پوری طرح زائل ہو جائیں، اسلام اور مسلمان کا نام تک باقی نہ رہے۔ اگر کوئی مُسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو اس کو قتل کرا دیا جاتا ہے۔[3]

۴۔ آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آبائے کرام کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔ بادشاہ کی مثال مُلک کیلئے ایسی

---

[1] مکتوب ۲۰۶ دفتر اول [2] مکتوب ۲۹ دفتر اول [3] مکتوب ۱۰ دفتر اول

ہے جیسے کہ دل بدن میں ہے۔ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح ہے اور اگر دل فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ بادشاہ کی دُرستی ملک کی دُرستی اور اس کا فساد ملک کا فساد۔ آپ جانتے ہیں کہ پچھلے دَور میں اسلام پر کیا کچھ گزری ہے۔ اسلام کی کمزوری اور زبوں حالی پہلے اَدوار میں جب کہ اسلام غریبُ الدیار تھا زیادہ آیا تھا اس سے آگے نہ بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور کفار اپنے دین پر۔ لیکن پچھلے دَور میں (اکبری دَور میں) اہلِ کفر برملا دارِ اسلام میں (اسلامی علاقوں میں) کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان، اسلام کے احکام کے اظہار سے عاجز تھے۔ اگر اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔ افسوس صد افسوس اس خرابی، اس مصیبت، اس حسرت، اس غم پر۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ رب العالمین کی تصدیق کرنے والے ذلیل وخوار تھے اور ان کے منکر صاحبِ عزت اور صاحبِ اعتبار۔ مسلمان اپنے زخمی دلوں سے اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور ان کے معاند تمسخر اور استہزا کر کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں چھپ گیا تھا اور حق کا نور باطل کے حجابات سے پوشیدہ ہو گیا تھا۔

آج جبکہ مانع دولتِ[1] اسلام کے زائل ہونے کی نوید اور بادشاہِ اسلام کے جلوس کی بشارت ہر خاص وعام کے کان تک پہنچی ہے، اہلِ اسلام نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے مددگار اور معاون رہیں گے اور ترویجِ شریعت اور تقویتِ ملت میں ان کا ساتھ دیں گے، ان کی مدد کرینگے، چاہے زبان سے ہو چاہے ہاتھ سے۔ سب سے اوّل مسائلِ شرعیہ کی مدد ہے تاکہ کتاب وسنت واجماعِ امت کے موافق عقائدِ کلامیہ کا اظہار ہو۔ کوئی بدعتی اور گمراہ بیچ میں آ کر راستہ نہ کاٹے اور کام کو نہ بگاڑے۔ اس امداد کا تعلق علمائے حق سے ہے جن کو آخرت کی فکر لگی رہتی ہے۔ اور وہ علماء جو دنیا کے طلبگار ہیں ان کی صحبت مثل زہرِ قاتل کے ہے ان کا فساد متعدی ہے۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(ترجمہ) جو عالم دنیاسازی اور تن پروری کرے وہ خود بھٹکا ہوا ہے دوسرے کو کیا راہ دکھائے گا۔

پچھلے دَور میں مسلمانوں پر جو بھی مصیبت آئی وہ اسی جماعت کی نحوست سے آئی ہے بادشاہوں کو انھوں نے ہی بہکایا ہے۔ وہ بہتر فرقے جنھوں نے گمراہی اختیار کی ان کے مقتدا یہی علمائے سوء تھے۔ اگر علمائے سوء کے علاوہ کسی نے راہِ ضلالت اختیار کی ہے تو اس کی ضلالت دوسروں تک بہت کم متعدی ہوئی ہے اور اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل علمائے سوء کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کا فساد بھی متعدی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل قدرت اور بادشاہ کا قرب عنایت کیا ہے اس لئے آپ کی ذاتِ سیادت پناہ سے اُمید ہے کہ ظاہر و باطن میں برابر شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کی ترویج کیلئے کوشش کرینگے اور مسلمانوں کو ذلت اور پستی سے نکالیں گے۔[2]

---

[1] مانع دولتِ اسلام سے اشارہ اکبر کی طرف ہے۔ [2] مکتوب ۴۷ دفترِ اول۔

۵۔ اور آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری ہی کو تحریر فرمایا ہے۔

نقابت و نجابت دستگاہا۔ تمام مواعظ کا خلاصہ اور تمام نصیحتوں کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ اہلِ تدین اور اصحابِ تشرع سے اختلاط اور تعلق رکھا جائے۔ تدین اور تشرع کا تعلق اہلِ سنت و جماعت کے طریقہ سے وابستہ افراد سے ہے کہ اسلام کے تمام فرقوں میں یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ ان بزرگواروں کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے اور اُن کی آراء سے ہٹ کر فلاح نہیں ہے اور یہ بات عقلی، نقلی، کشفی دلائل سے ثابت ہے جس میں تخلف کا احتمال تک نہیں ہے۔ اگر پتہ چل جائے کہ کوئی شخص رائی کے دانہ کی برابر ان کی راہ سے ہٹا ہوا ہے تو اس کی صحبت کو سمِ قاتل اور اس کی مجالست کو زہرِ ہلاہل سمجھنا چاہیئے۔ علم کے طلب کرنیوالے بے باک افراد جس فرقہ کے بھی ہوں دین کے ڈاکو ہیں ان کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے۔ دین میں جو بھی خرابی پیدا ہوئی ہے وہ انہی کی نحوست سے ہوئی ہے کہ انھوں نے ناچیز دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کرلی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ (ترجمہ) وہی ہیں جنھوں نے خریدی راہ (ہدایت) کے بدلے گمراہی سو نفع نہ لائی ان کی سوداگری اور نہ راہ پائی۔ ابلیس لعین کو ایک شخص نے آسودہ اور فارغ البال بیٹھا دیکھا کہ اغواء اور اضلال سے اپنا ہاتھ روک رکھا ہے اس نے ابلیس سے اس کی وجہ پوچھی۔ وہ بولا کہ اس وقت کے علمائے سوء نے میرا کام سنبھال لیا ہے وہ اغوا اور اضلال کے متکفل ہوگئے ہیں۔ [1]

۶۔ آپ نے خان جہاں کو پندرہ صفحات کا طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس میں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد اور ارکانِ خمسۂ اسلام کا بیان ہے۔ اس مکتوب کے اواخر میں تحریر فرمایا ہے۔

وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے آپ صاحبان کو دی ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ بھی اس کو نہ سمجھے ہوں، یہ ہے کہ بادشاہِ وقت کہ سات پشت سے مسلمان اور از جماعت اہلِ سنت و جماعت اور حنفی مذہب ہے۔ اگرچہ کچھ سالوں سے اس زمانہ میں کہ قربِ قیامت اور عہدِ نبوت سے بُعد کا زمانہ ہے بعض ایسے طلبگارانِ علم نے (علمائے) جو کہ بدباطن، اپچی اور امراء و سلاطین کا تقرب چاہنے والے ہیں، دینِ متین میں شکوک و شبہات پیدا کئے اور سادہ لوحوں کو بھٹکایا ہے۔ ایسا بڑا بادشاہ جب کہ آپ کی بات کو سنتا اور قبول کرتا ہے تو آپ اسلام کی حق بات موافقِ اہلِ سنت و جماعت، بادشاہ کے کان تک پہنچائیں کم ہو یا زیادہ، اشارۃً ہو یا صراحۃً۔ [2]

۷۔ آپ نے اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کو تحریر فرمایا ہے۔

بعض مشائخ نے محو اور اضمحلال کے الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ان کا مطلب وہ نظری اور کیفیاتی محو و اضمحلال ہے جو استغراق کی حالت میں سالک کو پیش آتا ہے اور اس وقت اس کو اپنا

---

[1] مکتوب ۲۱۳ دفتر اول [2] مکتوب ۶۷ دفتر دوم۔

تعین نظر نہیں آسکتا ہے (تعین کا بیان وحدت وجود کے سلسلہ میں گزر چکا ہے) مشائخ کا مطلب عینی محویت و اضمحلال نہیں ہے کہ فی الواقع اس کا عین اللہ کی ذات میں محو ہو جائے۔ کیونکہ یہ زندقہ اور الحاد ہے۔ ناقصوں کی ایک جماعت عینی محویت کی قائل ہو گئی ہے۔ لہٰذا انھوں نے آخرت کے ثواب و عذاب سے انکار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح وحدت سے کثرت میں آمد ہوئی اسی طرح کثرت سے وحدت تک پہنچنا ہے اور اور کثرت پھر وحدت میں مضمحل اور محو ہو جائے گی۔ ان زنادقہ میں سے ایک جماعت نے محویت کو قیامت کبریٰ سمجھ لیا ہے اور حشر نشر، حساب، صراط، میزان کے منکر ہو گئے ہیں۔ خود گمراہ ہوئے اور بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔"[1]

۸۔ آپ نے خواجہ محمد تقی کو عالم مثال اور شیخ اکبر کی روایت کردہ حدیث "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ مِائَةَ اَلْف عَالَم" کے متعلق معارف بیان فرما کر لکھا ہے۔

"ایک ایسی جماعت نے جن کے قلوب بیمار ہیں ان باتوں سے تناسخ کا جواز سمجھ لیا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ وہ عالم کو قدیم سمجھ لیں اور قیامتِ کبریٰ کا انکار کر جائیں۔ بعض ملحد جنھوں نے غلط طریقہ پر مسندِ شیخی سنبھال لی ہے (ناحق کے پیر بن بیٹھے ہیں) تناسخ کے جواز کا خیال کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک نفس حدِ کمال کو نہ پہنچ جائے وہ جون بدلتا رہتا ہے اور جون بدلنے سے اس کو چارہ بھی نہیں ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب نفس کمال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر جون بدلنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ بدن سے تعلق سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی تخلیق سے جو کمال مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ ان لوگوں کی یہ بات کفر صریح ہے۔"[2]

۹۔ آپ نے اپنے فرزندِ کلاں حضرت محمد صادق قدس سرہ کو گیارہ اوراق کا حقائق بھرا مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ آٹھویں ورق میں لکھتے ہیں۔

"خام صوفی ذکر و فکر کو اہم سمجھ بیٹھے ہیں۔ فرائض اور سُنَن کی بجا آوری میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اربعینات اور ریاضات کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو چھوڑتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں جو ذکر و فکر آدابِ شرعیہ کے ساتھ کیا جائے وہ بہتر اور شایانِ اہتمام ہے۔ بے سرانجام علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب اور ناقص کرتے ہیں۔ مثلاً عاشوراء کی نماز جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے بہ جمعیت و جماعت پڑھتے ہیں حالانکہ ان کو خبر ہے کہ فقہ کی روایات سے نوافل کا جماعت سے پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔"[3]

۱۰۔ آپ نے اتباعِ سُنّت اور درجاتِ ولایت کے متعلق سید شاہ محمد کو مکتوب لکھا ہے اس میں

---

[1] مکتوب ۲۹۳ دفتر اول [2] مکتوب ۵۸ دفتر دوم [3] مکتوب ۲۶۰ دفتر اول۔

تحریر فرمایا ہے۔

فقیر کے نزدیک سُنّتِ مُبارکہ کی دائمی مُتابعت اور بدعت کے اجتناب کُلّی سے نفس کو اطمینان اور اعمالِ صالحہ کے حقائق حاصل ہوتے ہیں۔ جب تک بدعتِ حسنہ کو بھی بدعتِ سیئہ کی طرح نہ سمجھا جائے اور اس سے اجتناب نہ کیا جائے یہ نعمت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کام اس زمانہ میں بہت مشکل ہے۔ کیونکہ تمام عالم بدعتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ لوگوں کو بدعتوں کی ظلمتوں میں آرام مل رہا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعتوں کے دور کرنے کے سلسلہ میں دم مارے اور احیائے سنّت کا لفظ کون زبان پر لا سکتا ہے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعتوں کو رائج کر کے سنّتوں کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں رائج ہو چکی ہیں اُن کو تعامل کے نام پر مستحسن قرار دے رہے ہیں اور فتویٰ دے کر لوگوں کو بدعت کی راہ دکھا رہے ہیں۔ [1]

۱۱۔ آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا ہے۔

"سُنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام نے اپنے حُسنِ فطرت کی بنا پر آپ سے کہا ہے کہ آپ ایسے چار دیندار علماء کا انتخاب کریں جو مسائلِ شرعیہ کو بیان کریں تاکہ خلافِ شرع کوئی حکم نہ صادر ہو۔ یہ مقامِ حمد و شکر ہے۔ مسلمانوں کے واسطے اس سے اچھی بشارت اور غمزدوں کے لئے اس سے بہتر کیا خبر ہو سکتی ہے۔ یہ عاجز اسی غرض سے آپ کی طرف متوجہ ہوا ہے اور اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں عاجز کہنے اور لکھنے سے اپنے کو الگ نہیں رکھ سکتا امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔ کیوں کہ صاحبِ غرض دیوانہ ہوا کرتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ ایسے دیندار علما کا جن کی غرض شریعت کی ترویج کے سوا کچھ بھی نہ ہو، دستیاب ہونا بہت مشکل ہے کیونکہ ایسے علماء بہت کم ہیں۔ اگر منتخب شدہ علماء میں ذرا بھی حبِّ جاہ ہوئی تو وہ اپنی فضیلت کو ظاہر کرنے کیلئے اختلافی مسائل چھیڑ کر بادشاہ سے قرب حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔ اس صورت میں دین کا کام بگڑے گا۔ دورِ اوّل میں علما ہی کے اختلاف نے عالَم کو آفت میں ڈالا تھا۔ اب پھر وہی صورت سامنے آ رہی ہے۔ اس حال میں دین کی ترویج کیا ہوگی بلکہ تخریب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس حال سے اور علمائے سوء کے شر سے سب کو بچائے۔ لہٰذا صرف ایک دیندار عالم کا انتخاب بہتر رہے گا۔ اگر وہ عالم ایسا ہو کہ اس کو صرف آخرت ہی کی فکر لاحق ہو تو کیا کہنا۔ اس کی صحبت بمنزلہ اکسیر کے ہے اور اگر ایسا کامل فرد نہ ملے تو پھر ایسے عالم کا انتخاب کیا جائے جو سب سے بہتر ہو۔" [2]

۱۲۔ آپ نے خانِ اعظم کو تحریر فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا ہے۔ اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ
اسلام اپنے آغاز میں بے گھر اور رکز در رہا اور عنقریب پھر اسی حال پر ہو جائیگا لہٰذا خوش خبری ہے بے گھر اور

---

[1] مکتوب ۵۴ دفتر دوم [2] مکتوب ۵۳ دفتر اول۔

کمزور افراد کو جو تمسک بہ کتاب و سنت کریں۔ اسلام کی غربت و کمزوری اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں۔ بے تحاشا کوچہ و بازار میں کفر کے احکام کا اجرا اور اہل کفر کی مداحی کرتے ہیں۔ مسلمان اجرائے احکامِ اسلام سے ممنوع اور امر شرعی کے بجالانے پر مطعون و مذموم۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمۂ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

(ترجمہ) پری نے تو اپنا چہرہ چھپایا اور دیو ناز و کرشمہ دکھا رہا ہے۔ عقل حیران ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔

شریعت کی رونق کو بادشاہوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مگر اب قضیہ پلٹ گیا ہے اور معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ ہائے افسوس، ہائے ندامت، ہائے شرمندگی۔ آج کے دن ہم آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں اور شکست خوردگی اور کمزوری کے اس میدان میں مردِ مبارز آپ ہی کو جانتے ہیں۔ اللہ آپ کا تائید کرنے والا اور مددگار رہے۔

آج وہ دن ہے کہ اس میں عملِ قلیل کو بہ اجرِ جزیل پورے اعتنا کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ اصحابِ کہف سے سوائے ہجرت کے کوئی عمل نمایاں نہیں ہوا ہے۔ چوں کہ ان کا یہ عمل برمحل تھا۔ اس کا اتنا اعتبار کیا گیا ہے۔ جس وقت دشمنوں کا غلبہ ہوتا ہے اگر تھوڑی سی جدوجہد سپاہی کرتے ہیں وہ بھی بہت اعتبار رکھتی ہے بہ خلاف زمانۂ امن کے (کہ اس میں اس قلیل جدوجہد کی وقعت نہیں ہوتی) یہ جہادِ قولی جو آج کے دن آپ کو میسر ہے جہادِ اکبر ہے۔ آپ اس کو غنیمت سمجھیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کہہ کر زیادتی کی طلب کریں۔ اس زبانی جہاد کو عملی جہاد سے بڑھ کر سمجھیں۔ ہم جیسے بے دست و پا فقرا اس نعمت سے محروم ہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ جب اس خاندان (نقشبندیہ) کے اکابر کی محبت کی برکت سے جو آپ کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات میں تاثیر رکھی ہے اور آپ کے اقران میں آپ کی مسلمانی کی عزت ہے تو آپ کوشش کریں تاکہ کم از کم یہ صورت نکل آئے کہ کفر کے وہ بڑے احکام جو مسلمانوں میں رائج ہو گئے ہیں ختم ہو جائیں اور منکرات سے مسلمانوں کو نجات ملے۔ اللہ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے اجر دے۔ پہلی حکومت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت اور اس سے دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔ اس حکومت میں بہ ظاہر وہ بات نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو لاعلمی کی بنا پر ہے۔ اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں اس حکومت میں بھی پہلی حکومت کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے اور عرصۂ حیات مسلمانوں پر تنگ ہو جائے۔ ع "جو بید بر سرِ ایمانِ خود ہمی لرزم" اپنے ایمان پر مثلِ بید کانپ رہا ہوں۔[1]

۱۴۔ آپ نے میر صدرِ جہاں کو تحریر فرمایا ہے۔

سننے میں آیا ہے کہ بادشاہِ اسلام اسلامی حسنِ استعداد کی بنا پر علماء کے طلبگار ہوئے ہیں۔ یہ اللہ

---

[1] مکتوب ۶۵ دفتر اول۔

کا کرم ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے دَور میں جو خرابی پیدا ہوئی تھی علمائے سوء کی وجہ سے ہوئی تھی۔ لہٰذا علماء کے انتخاب میں آپ خوب چھان بین کریں۔ علمائے سوء دین کے ڈاکو ہیں ان کا مقصد عزت و منزلت اور ریاست ہے اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔ [۱]

۱۴۔ آپ نے میر صدر جہاں ہی کو تحریر فرمایا ہے۔

اب جبکہ حکومت پلٹ گئی اور اہلِ ملّت کے عناد کا زور ٹوٹ گیا ہے تو تمام مقتدایانِ اسلام پر چاہے وہ وزرائے عظام ہوں یا علمائے کرام لازم ہے کہ اپنی تمام کوشش شریعت کی ترویج پر لگا دیں اور اسلام کے منہدم ارکان کو قائم کریں۔ تغافل میں کچھ فائدہ نہیں ہے مسلمانوں کے دل مضطرب ہیں ان کو پچھلے دَور کی مصیبتیں یاد ہیں کہیں یہ نہ ہو کہ تلافیِ مافات کی صورت ہاتھ سے نکل جائے اور اسلام کی غربت میں مزید اضافہ ہو۔ جب بادشاہوں کو طریقۂ نبویہ کی اشاعت کا خیال نہ ہو اور بادشاہ کے مقربین اپنے کو اس کام سے بچائیں اور چند روزہ حیات کی فکر میں رہیں تو اہلِ اسلام کا معاملہ کیوں کر نہ خراب ہو۔

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا　　صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

(ترجمہ) جو مصیبتیں مجھ پر ڈالی گئی ہیں اگر دنوں پر ڈالی جائیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔ [۲]

۱۵۔ آپ نے حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا ہے۔

علماء کے چہرے پر دنیا کی محبت ایک سیاہ داغ ہے۔ ایسے دنیا پرست علماء سے اگرچہ لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے، چاہے اُن سے شریعت کی تائید اور مذہب کی تقویت ہو جائے لیکن خود اُن کے لئے اُن کا علم مفید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فاجروں سے بھی اس دین کی تائید کراتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید کسی مردِ فاجر سے کرائیگا۔ ایسے علماء سنگِ پارس کی طرح ہیں اگر اس سے تانبا یا لوہا رگڑ کھالے تو سونا بن جائے لیکن وہ خود پتھر کا پتھر ہی رہے گا۔ یہی حال اس آگ کا ہے جو پتھر اور بانس میں چھپی ہوئی ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن خود وہ پتھر اور بانس آتشِ درونی سے غیر مستفید ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایسے علماء کے لئے ان کا علم نقصان دِہ ہے کیونکہ اُن پر یہ علم حجت ہوگا۔ ارشادِ نبوی ہے۔ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ۔ بے شک قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم پر ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو فائدہ نہیں پہنچایا ہے۔

تدریس و افتا اس وقت مفید ہے جبکہ خالص اللہ کی رضامندی کے لئے ہو، حُبِّ جاہ و ریاست اور حصُولِ مال و رفعت سے یکسر خالی ہو۔ [۳]

۱۶۔ آپ نے ایک پاک دامن بی بی کو آٹھ صفحات کا مکتوبِ گرامی ارسال کیا ہے جو دفتر اوّل

---

[۱] مکتوب ۱۹۴ دفتر اول [۲] مکتوب ۱۹۵ دفتر اول [۳] مکتوب ۳۳ دفتر اول

کا اکتالیسواں مکتوب ہے اس میں اُن تمام بدعات اور قبائح کا بیان ہے جن میں عام طور پر مستورات مبتلا ہیں، جیسے مشرکوں کے رسومات کی تعظیم، چیچک اور دوسری بیماریوں کے ازالہ کیلئے غیر اللہ سے استمداد بھوت پریت کا قائل ہونا، کسی دیوی کی منت ماننا، قبروں پر حیوانات کو لے جا کر ذبح کرنا، بعض پیروں کے نام کے اور بعض بی بیوں کے نام کے روزے رکھنا اور نامشروع طریقوں پر افطار کرنا وغیرہ۔

١٧۔ ایک اور عفیفہ صالحہ کو سولہ صفحات کا طویل مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ جو دفتر سوم کا مکتوب سترہ ہے۔ اس میں آپ نے عقائد اور عبادات کا بیان خوب تفصیل سے کیا ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہ کی تحریریں گنجینۂ اَسرار و مَعارِف ہیں اور ان کا ایک ایک لفظ آپ کے سوزِ نہانی اور جذبۂ ایمانی کا اظہار کر رہا ہے۔ آپ دنیوی سیاست سے بالکل الگ تھے آپ کو حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا آپ کا تعلق صرف دین سے تھا آپ کی یہ تمنا تھی کہ دین تر و تازہ ہو، مسلمان حقیقی معنی میں مسلمان بنیں اور آپ آخری وقت تک اسی کوشش میں مصروف رہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے۔ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ "اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام"۔ وہ جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہے بہ درجہ اتم اس کی استعداد عنایت کر دیتا ہے۔ حضرت مجدد سے تجدید و اصلاحِ دین کا کام اس کو لینا تھا لہٰذا اس کی کامل صَلاحِیّت بھی آپ کو دی آپ نے ایک حاذِق حکیم کی طرح اُن اسباب و علل کو معلوم کرنے کی کوشش کی جن کی وجہ سے دین ناتواں و کمزور ہو گیا تھا۔ آپ نے رسالہ "اثباتِ نبوت" میں لکھا ہے: "میں دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطبا بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور ان سے ان کے شبہات دریافت کئے ہیں۔"[1]

قباحتوں کی تفصیل

آپ کے بیان سے درج ذیل قباحتوں کا پتہ چلتا ہے۔

حکومت سے متعلق:

١۔ اکبر کے دورِ حکومت میں اسلام سے دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔
٢۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو چھوڑا جا رہا تھا اور آپ کے مبارک نام پر جس کا نام ہوتا تھا اس کو بدلا جاتا تھا۔
٣۔ اہلِ ملّت اسلام سے برسرِ عناد تھے۔
٤۔ کافروں کے رسوم کو جاری کیا جا رہا تھا۔
٥۔ اسلام کے ارکان منہدم کئے جاتے تھے۔
٦۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جاتا تھا۔

---

[1] اس بحث کے اوائل میں آپ کی پوری عبارت لکھ چکا ہوں۔

۷۔ مُتشرّع علماء کو قتل کیا جاتا تھا۔
۸۔ کوچہ و بازار میں برملا اسلام پر طعن کیا جاتا تھا۔
۹۔ نبوّت کے متعلق ذہنوں میں فتور آگیا تھا۔
۱۰۔ حکمت و مصلحت کو حاصلِ نبوّت سمجھ لیا تھا!

علماء کی حالت :۔

۱۔ علمائے سوء۔
۲۔ دنیا طلب فاجر علماء۔
۳۔ ڈھیل دینے والے بے باک و بے سرانجام علماء۔

صوفیہ کی حالت :۔

۱۔ فرائض سے تغافل اور دُور دراز کا رمجاہدات اور ریاضات سے رغبت۔
۲۔ مشائخ کے اقوال پہ غلط مفہوم نکال کر ملحدوں کا ساتھ دینا۔
۳۔ مسنون طریقوں کو چھوڑ کر بدعات میں مُبتلا ہونا۔
۴۔ مرید اپنے پیر کو سجدہ کرتے تھے۔
۵۔ بعض ملحد مسند نشین۔

عوام مرد و زن کی حالت :۔

۱۔ بدعات میں مُبتلا۔
۲۔ مشرکانہ رسوم کا ارتکاب۔
۳۔ ہندوانی ٹوٹکوں پر عمل۔

اور ان تمام قباحتوں کے ساتھ روافض کا مسلک بھی فتنۂ عظیم تھا جو اہلِ بَیتِ اَطہار کے نام پر سادہ لوحوں کو غلط راہ پر ڈال رہا تھا۔

حضرت مجدد نے ان تمام اسباب وعلل کے ازالہ کی سعی فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب مُفلح بنایا۔ خلقِ خدا نے آپ کو مُجدّد کا خطاب دیا اور اللہ نے آپ کو مقامِ صلہ عنایت کیا۔ فطُوبیٰ لَہٗ وَلَهٗ عِندَ اللهِ لَزُلفیٰ وَحُسنُ مَآب۔

مُجدّد کس کو کہتے ہیں

مجدد اسمِ فاعل کا صیغہ ہے یعنی پُرانے کو نیا کرنے والا۔ حدیث شریف میں مجدد کا بیان اِس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا[1] "اللہ تعالیٰ اِس اُمّت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں کسی کو بھیجے گا تاکہ وہ اُمّت کے واسطے اُن کے دین کی تجدید کرے" مشکات میں اس کی روایت ابوداؤد سے ہے۔

ملا علی قاری نے مشکات کی شرح میں لکھا ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کی روایت صحیح سند سے "اَوْسَط" میں کی ہے۔ حاکم نے بھی اِس حدیث کی روایت ثِقات سے کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری نے اس حدیث شریف کے بیان میں ابنِ عباس کا یہ قول لکھا ہے کہ ایسا کوئی سال نہ گزرے گا جس میں لوگ کسی بدعت کو رائج اور کسی سنت کو ضائع نہ کریں۔ یہاں تک کہ سنتیں ختم اور بدعتیں رائج ہوجائیں گی۔[2]

مشکات میں حدیث فوق الذکر کے بعد یہ حدیث لکھی ہیں: "عَنْ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعُذْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْمِلُ ھٰذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُہٗ یَنْفُوْنَ عَنْہُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاْوِیْلَ الْجَاھِلِیْنَ" رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْمَدْخَلِ مرسلاً

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس علم کو (جو قرآن و حدیث کا علم ہے) عادل (اور ثقہ افراد) اپنے اَسلاف (کے جانشینوں) سے حاصل کرکے غُلو کرنے والوں کی تحریفات، باطل پرستوں کے غلط دَعاوِی اور جاہلوں کی تاویلات کا اِنتفا کرینگے"

اس حدیث شریف میں تین قسم کے افراد کا بیان ہے جن کے مفاسد کا ازالہ حق پرست اور عادل اشخاص کریں گے۔

۱۔ غلو کرنے والوں کی تحریفات کا۔

۲۔ باطلوں کے غلط دَعاوِی کا۔

۳۔ جاہلوں کی تاویلات کا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ "در دفع اعتراضات" کے آخر میں لکھا ہے۔

"پُر ظاہر است کہ از وجود ذاتِ شریف حضرت ایشان شبہاتِ مَلاحِدہ و رَوافض و غالیانِ توحید و مبتدعانِ طرائق و معتقدانِ شرکِ خفی و جلی بالکلیہ برطرف شد و تابعانِ ایشان بفضلِ تعالیٰ در اتباعِ سنت

---

[1] مشکات کتاب العلم فصل دوم [2] مرقات جلد اول صفحہ ۲۴۸

سرگرم و در اجتناب از بدعت پیش قدم"[1]

(ترجمہ) اچھی طرح ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کی ذات شریف کی وجہ سے ملحدوں، رافضیوں، توحید میں غلو کرنے والوں اور سلاسل کے مبتدعین اور شرکِ خفی و جلی کے معتقدین کے شبہات بالکل دُور ہو گئے اور اللہ کے فضل سے آپ کی پیروی کرنے والے سنّتِ مُطہرہ کی پیروی میں خوب ساعی اور بدعت سے اپنے کو بچانے میں پیش قدم ہیں۔

شاہ عبدالعزیز نے بیہقی کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مجدد اس پر عامل تھے۔ میں مختصر طور پر تینوں قسم کے افراد اور حضرت مجدد کے مساعی کا ذکر کرتا ہوں۔

غلو کرنے والوں کی تحریفات۔ یہ شیعانِ علی اور ان کی تحریفات پر صادق آتا ہے۔ حضرت مجدد نے لکھا ہے "عجب دین ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو گالی دینی اس کا بڑا جزو ہے" اور اسی مکتوب میں لکھا ہے "شاید اس جماعت کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و شریعت کا اِبطال ہے اور وہ اہلِ بیت کی محبت کے نام پر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ کاش ان لوگوں نے حضرت علی اور ان کے رفقاء ہی کو بے داغ چھوڑ دیا ہوتا اور ان حضرات کو تقیّہ کرنے والوں میں شمار نہ کرتے جو مکر اور نِفاق کرنے والوں کی علامت ہے" اور چند سطر بعد آپ نے لکھا ہے "یہ سب افراطِ محبت کے پھول ہیں جو دائرۂ اسلام سے نکلنے کے لئے کافی ہیں"[2]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے اس جماعت نے حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا اور پھر حضرات حَسنَین اور اہلِ بیتِ اَطہار کا سہارا لے کر اپنے لئے ہر شے میں امتیاز پیدا کیا اور اسلام کی ہر روش کو بدلا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حج میں فرماتا ہے۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا "تمہارا نام اللہ نے اگلی کتابوں اور اس کتاب میں مسلمین رکھا ہے لیکن اس جماعت نے اس نام کو ٹھکرا دیا اور اپنے کو مومن کے نام سے پکارنے لگے۔ انھوں نے اپنی اذان اپنی مسجد الگ کی اور دعویٰ کر دیا کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سورۂ حجر میں فرما رہا ہے "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" (آیت ۹) بے شک یہ قرآن ہم نے اُتارا اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں" اس جماعت نے حُرمتِ نبوی کے ضائع کرنے کی پوری کوشش کی۔ حضرت عائشہ کی بَراءت سے انکار اور اُن پر اور حضرت حَفصہ، حضرت ابوبکر، حضرت عُمر اور تمام اکابر صحابہ پر لعن طعن اور سبّ و شتم ہی ان کی عبادت ہوئی۔

در مذہب کہ دشنام طاعت باشد
مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم

حضرت مجدد نے خان جہاں کو اہلِ سنّت کے عقائد لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد زندہ رہنے والا بہت اختلافات دیکھے گا۔ تم

---

[1] مجموعہ فتاوی عزیزی صفحہ ۲۴۲ [2] مکتوب ۳۶ دفتر دوم

میری سنّت اور میرے خلفائے راشدین کی سنّت کو مضبوطی سے پکڑو، نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ نئی بات گمراہی ہے، جو بھی نئی بات پیدا ہو وہ رَدّ ہے۔" لہٰذا جو مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے وہ رَدّ ہے۔ آپ اس نعمت کا شکر بجا لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو فرقۂ ناجیہ میں شامل کیا۔ یہ جماعتِ اہلِ سنّت ہے اور ان میں سے نہ کیا جو اللہ کی خاص صفات میں بندہ کو شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور آخرت میں اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں جو دنیوی اور اخروی نعمتوں کا سرمایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کی بھی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو ان دو فرقوں سے بھی الگ رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے برسرِ پیکار اور اکابرِ دین سے بدظن ہیں۔ ان کو آپس میں ایک دوسرے کا دشمن سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں بُغض وعناد تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے: "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کہ وہ آپس میں محبت کرنے والے ہیں۔ یہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھی راہ پر چلائے۔ [1]

دو فرقوں سے مُراد رافضی اور خارجی ہیں۔ اوّل الذکر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اور آخر الذکر حضرت علی کو ہدفِ ملامت و موردِ لعن وطعن بناتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

حضرت مجدّد نے باطلوں کے غلط دعاوی اور جاہلوں کی تاویلات کا جس طرح رَدّ کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مختصر بیان عنقریب کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حدیث کا اَتم مِصداق بنایا اور اس وقت کے اکابر علماء نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدرالدین نے اپنی تالیفات میں تفصیل سے اس کا بیان کیا ہے۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کی فصلِ ششم میں علامۂ روزگار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ "مُجَدِّدُ الْأَلْفِ الثَّانِي" کا خطاب انھوں نے آپ کے واسطے تجویز کیا ہے۔

"اولیائے حق" کے بیان میں صحیح مسلم کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس میں ہے کہ "اہلِ آسمان اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اہلِ زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔" مولانا عبدالحکیم نے جو خطاب آپ کے واسطے تجویز کیا، قبولیت کے زیرِ اثر کیا۔ لہٰذا تمام عالم میں اس کی شہرت ہوئی اور ہر کُ و مہ بلکہ آپ کے معاندتک آپ کو مجدّد کے نام سے یاد کرتے اور لکھتے ہیں۔

ایں آں سعادتیست کہ حسرت بَرَد براں
جویائے تاجِ قیصر و ملکِ سکندری

اس سلسلہ میں آپ نے اپنے فرزندِ کلاں حضرت محمد صادق کو لکھا ہے۔

---

[1] مکتوب ۶۷ دفتر دوم

اے فرزند یہ وہ وقت ہے کہ زمانِ سابق میں ایسے ظلمت بھرے وقت میں انبیا و اولوالعزم کا ظہور ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت لایا کرتے تھے۔ چونکہ یہ اُمت خیر الامم ہے اور اس کے نبی خاتم النبیین ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علما کو بنی اسرائیل کے انبیا کی جگہ دی ہے۔ ہر صدی کے شروع میں کسی عالم کا انتخاب ہوتا ہے تاکہ وہ دین کی تجدید کرے اور شریعت میں جان ڈالے (یعنی اس میں قوت آئے اور اس کے احکام نافذ ہوں) پہلی اُمتوں میں ایک ہزار سال گزرنے کے بعد اُولوالعزم پیغمبر (ہمت والے رسول) کی بعثت ہوا کرتی تھی۔ اس اُمت میں ایک ہزار سال گزرنے پر ایسے عالم کی ضرورت ہے جو معرفت تامہ رکھتا ہو (شریعت کے احکام سے اور طریقت کے اسرار اور حقائق کے رموز سے پوری طرح باخبر ہو)

فیض رُوحُ القُدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آں چہ مسیحا می کرد

(ترجمہ) یعنی اگر مولیٰ جل شانہٗ کا لطف و کرم ساتھ دے تو جو کچھ مسیحا نے کیا ہے اور بھی کر دکھائیں[1]

توجہ سے اے زیدِ خیرِ جہاں کی
ہوئے زندہ دل مُردہ جاں کیسے کیسے

حدیثِ صِلَہ

سرشار بادۂ احمدی حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمہ اللہ نے حدیث صِلَہ کے متعلق جو واقعہ لکھا ہے اسی کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مجدد کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ملی کہ تمہاری شفاعت سے قیامت کے دن کتنے ہزار افراد بخشے جائیں گے۔ اس بشارت ملنے پر آپ نے کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا اور تَحْدِیْثًا بِنِعْمَۃِ اللّٰہِ اس بشارت کا بیان کیا۔ میں اس وقت حاضر تھا، میں نے آپ سے عرض کی۔ آپ نے دوسرے دفتر کے چھٹے مکتوب میں لکھا ہے۔

"آنچہ مقصود از آفرینش خود می دانستم معلوم شد بہ حصول پیوست و مسئولِ ہزار سالہ بہ اجابت قرین گشت۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَۃً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ"

(ترجمہ) میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھا ہوں وہ پورا ہو گیا ہے اور ایک ہزار سال کی طلب مقرونِ اجابت ہوئی۔ حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اس نے مجھ کو دو سمندروں کو جوڑنے والا اور دو جماعتوں میں اصلاح کرنے والا بنایا"

آپ کی اس تحریر کے متعلق ایک فاضل عزیز سے میری بات ہوئی اور ہم دونوں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کی اوراق گردانی کی اور ہم کو یہ حدیث دستیاب ہوئی۔

یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ صِلَۃٌ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِشَفَاعَتِہٖ کَذَا وَکَذَا۔

(ترجمہ) میری اُمت میں ایک شخص ہوگا اور اس کو صِلَہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے اتنے اتنے جنت میں داخل ہوں گے۔

---

[1] دفتر اول کا مکتوب ۲۳۴

میں نے اس فاضل عزیز سے کہا۔ کیا اس حدیث شریف سے آپ کی طرف اشارہ نہیں ہو رہا ہے۔
اس نے کہا اشارہ کا احتمال ہے[1]

اس حدیث شریف کو محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے۔ اس کی روایت اس طرح ہے۔
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ جَابِرٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ صِلَةٌ يَدْخُلُ بِشَفَاعَتِهِ الْجَنَّةَ كَذَا وَكَذَا[2]
فرق صرف بِشَفَاعَتِهٖ اور اَلْجَنَّةَ کی تقدیم و تاخیر کا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ "در دفعِ اعتراضات" کے آخیر میں ایک علمی مضمون لکھا ہے میں بصورتِ اختصار اس کو لکھتا ہوں کیونکہ اس مبحث سے اس کا تعلق ہے۔ فرماتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اکتسابِ کمالات کے انتساب کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کی اُمت کا ولی کسی عرض کو عوارض میں سے یا کسی صفتِ اضافی کو صفاتِ اضافیہ میں سے آپ کی اُمت تک پہنچانے کا واسطہ بنا ہے، وہ اوروں کو اپنی باطنی تہذیب سے فائدہ پہنچا رہا ہے اور باطنی تہذیب نام ہے تزکیۂ لطائف و حصولِ ملکۂ یادداشت و حضورِ دائمی و نسبتِ بیرنگی کا۔

یہ بات مثلِ آفتاب کے روشن ہے کہ یہ کام حضرت مجدد نے خوب کیا ہے۔ بُخارا، سمرقند، بلخ، بدخشان، قندھار، کابل، غزنی، تاشکند، یارکند، شہرسبز، حصارِ شادمان، اہلِ اسلام کے گڑھ ہیں، وہاں نہ ہنود ہیں نہ نصاریٰ نہ روافض، ان مقامات میں صرف آپ ہی کا طریقہ رائج ہے شاید ہی کسی دوسرے طریقے سے کوئی وابستہ ہو۔

اور یہ بات بھی خوب ظاہر ہے کہ ملحدوں، رافضیوں، غالی توحیدیوں، اہلِ طرق کے بدعتیوں اور شرکِ خفی و جلی کے معتقدوں کے تمام شبہات آپ کی مبارک ذات کی برکت سے بالکل دُور ہو گئے اور آپ کے متبعین اللہ کے فضل سے اتباعِ سنت میں سرگرم اور اجتناب از بدعت میں پیش قدم ہیں۔
آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھ کو اُس حکیم نے نائب بنا کر بھیجا ہے۔ اور وہ لوگوں کا علاج کرے اور لوگوں کو فائدہ ہو۔ اب اگر حضرت مجدد کے متعلق حکیمِ مطلق جل شانہٗ کی سند درکار ہے تو وہ بھی موجود ہے۔ جمع الجوامع میں سیوطی نے یہ حدیث لکھی ہے۔ (شاہ عبدالعزیز نے فوق الذکر حدیث نقل کی ہے) اور حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ اور آپ کو بشارت ملی کہ قیامت کے دن تمہاری شفاعت

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵ [2] طبقاتِ کبریٰ، جلد سات صفحہ ۱۴۳۔ اور اس حدیث کو حلیۃ الاولیا سے علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ کی تیسری جلد صفحہ ۵۲۵ میں اور علامہ علی المتقی نے کنز العمال کی جلد سات صفحہ ۱۳۱ میں نقل کیا ہے۔ حضرت مجدد پر جو کشف ہوا اس کی تائید حدیث شریف سے ہوئی ہے اب چاہے وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو از اعظم سعادات ہے۔
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔

سے ہزاروں افراد بخشے جائیں گے۔ آپ کی اِس تحریر پر اور آپ کے مُبَشَّر ہونے پر حدیثِ صِلَہ پوری طرح صادق آرہی ہے۔ ہزار سال کے دَوْرے میں صِلَہ کا لقب کسی دوسرے شخص کو نہیں ملا ہے اور آپ کے اِن استنباط کی تائید نقلیات اور کشفیات سے بھی ہو رہی ہے۔ حضرت مجدد نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔ بے شک شکر کا قبول کرنے والا وہی ہے وہ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو) اور وعدۂ الٰہی کے بموجب آپ کی دعا جو شکرِ الٰہی ہے مقبول ہے۔ از قبولِ کسان دیگر کارے نیست۔

اِذَا رَضِیَتْ عَنِّیْ کِرَامُ عَشِیْرَتِیْ   فَلَا زَالَ غَضْبَانًا عَلَیَّ لِئَامُھَا

(ترجمہ) اگر مجھ سے کرم والے بزرگ لوگ راضی ہو گئے (میرا کام بن گیا اب چاہے) مجھ سے لِئام (یعنی ذلیل لوگ) ہمیشہ ناراض ہی رہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ کو اسی شعر پر تمام کیا ہے۔ آپ نے یہ شعر لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہلِ فضل اور اصحابِ کمال حضرت مجدد کے مدّاح ہیں۔ جاہل اور گم کردہ راہ جو چاہیں سو کہیں۔ رَحْمَۃُ اللہِ وَرَضِیَ عَنْہُ۔

شواہدِ تجدید

ارشادِ نبوی عَلٰی صَاحِبِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہے اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ۔ اپنے اموات کی حسنات بیان کرو۔ لہٰذا میں حضرت مجدد کی ان حسنات کا ذکر کرتا ہوں جن کا تعلق احیائے دین سے ہے۔

۱۔ اکبری الحاد کا استیصال

حضرت مجدد نے امرا اور ارکینِ سلطنت کو مکاتیب لکھے۔ اسلام کی زبوں حالی کا بیان اس انداز سے کیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کا درد پیدا ہوا۔ اُدھر اکبر مرا اور جہانگیر بادشاہ ہوا۔ امرا کو موقع ملا کہ بادشاہ کے کان تک کلمۂ اسلام پہنچائیں۔ اسی دوران میں عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ کا ظہور ہوا (شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو) جہانگیر نے حضرت مجدد کو قید کیا اور پھر تین سال دس مہینے نظر بند رکھا جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔ نظر بندی کے زمانہ میں جہانگیر سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ کے نفسِ گرم کی گرمی نے جہانگیر کے دل کو پگھلایا اور اس طرح دینِ مبین میں پھر سے تر و تازگی کے آثار پیدا ہوئے۔ ملحدوں اور گمراہوں کی جمعیت پریشان ہوئی۔ وہ الحاد جس کی سرپرستی ایک عظیم مملکت کا سربراہ کر رہا تھا ایک بوریہ نشین فقیر کے اخلاص اور جد و جہد کی بدولت ایسا نیست و نابود ہوا کہ اس کا نام لیوا تک باقی نہ رہا۔ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللہِ۔

۲- مُلحدینِ صوفیہ

یہ وہ لوگ ہیں جو مسندِ شیخی پر بیٹھ گئے تھے اور حضراتِ مشائخ کرام کے اقوال کی غلط اور گمراہ کن تشریح کرکے عوام کو گمراہ کر رہے تھے آپ نے ان کے رد میں پُرزور مکاتیب لکھے اور واضح کیا کہ یہ گمراہ حضراتِ مشائخ کے اقوال کو طائفۂ باطنیہ (شیعوں کا ایک فرقہ) اور مُلحد فلاسفہ کے طریقہ پر بیان کر رہے ہیں اور آپ نے اُن کی تشریحات کی قباحت و وقاحت کا بیان کیا۔

۳- بیباک علماء

آپ نے بیباک علماء کو دین کا ڈاکو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں وہ بمنزلہ سنگ پارس ہیں کہ وہ خود پتھر ہی رہتا ہے اور لوہا تانبا اس سے رگڑ کھا کر سونا بن جاتا ہے، ان کے وعظ سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن وہ خود بے بہرہ ہیں بلکہ ان کے واسطے ان کا علم قیامت میں حجت بنے گا۔

۴- جاہل صوفیوں کو تاکید

آپ نے جاہل صوفیوں کو تاکید کی کہ وہ شریعت کی پیروی کریں۔ قیامت میں شریعت کے متعلق پوچھ تاچھ ہوگی نہ طریقت سے۔ شریعت کا ثبوت وحی سے ہوا ہے جو قطعی اور یقینی ہے اور طریقت کا ثبوت اِلہام سے ہے جو ظنی ہے۔ قطعی کے مقابلہ میں ظنی کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ تُرّہاتِ مشائخ پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے۔[1] اور آپ نے تحریر فرمایا ہے: "زنہار بہ توسطِ روحانیاتِ مشائخ و اِمدادات ایشان مغرور نشوید"[2] مشائخ کی روحانیات اور اُن کی اِمدادات پر ہرگز مغرور نہ ہو"۔ آپ فرماتے ہیں۔ تمام مشائخ کے اقوال اور اعمال کو سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال پر جانچو، مطابق یاؤ تو فبہا و نعم، ورنہ ان کی تاویلِ حَسَن کرو کیونکہ اُن بزرگواروں سے یہ اقوال و اعمال اس وقت ظاہر ہوئے ہیں جب وہ مقامِ قلب میں تھے یعنی جبکہ ان کی ولایت اعلیٰ تر مقامات تک نہیں پہنچی تھی اور اُن پر سُکر کا غلبہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ عوام النّاس اولیاء اللہ کے اُن اوصاف و اخلاق کے گرویدہ بنتے ہیں جو اُن کے اوصاف و اخلاق سے الگ ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت شیخ فرید شکر گنج کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کو اپنی کسی اولاد کے مرنے کی خبر دی جاتی تھی تو اُن پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور وہ فرماتے تھے: "سگ بچہ مردہ است بیروں بر تابید" "سگ بچہ مرا ہے باہر پھینک دو" اب خیال کرو کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے کی وفات پر اشک ریز ہوئے اور آپ نے فرمایا: "اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ" "اے ابراہیم تمہارے فراق سے یقیناً ہم محزون ہیں"۔ لیکن عوام کالانعام کے نزدیک حضرت شکر گنج کا معاملہ بہتر ہے کیونکہ اس سے بے تعلقی کا اظہار ہو رہا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ مُعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوْءِ "اللہ اُن کے بُرے معتقدات سے ہم کو بچائے"۔[3]

۵- افراطِ عقیدت

آپ نے لکھا ہے یہ بات متحقق ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہے: میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر ہے اور آپ کے اس قول کا تعلق آپ

---

[1] مکتوب ۲۷۲ دفتر اول [2] مکتوب ۱۴۸ دفتر اول [3] مکتوب ۲۷۲ دفتر اول۔

کے زمانے کے اولیا سے ہے لیکن آپ کے اتباع اور مریدین آپ کے حق میں بہت غلو کرتے ہیں اور اُن کی افراطِ محبت شیعانِ علی کی افراطِ محبت کی طرح ہے وہ حضرت شیخ کے قدم کو تمام اولیا کی گردن پر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ اللہ کے اولیا ہیں اور وہ سب بالیقین حضرت شیخ سے افضل ہیں حضرت مہدی کا ظہور آپ کے بعد ہے۔ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے اور ان کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے اور یہی کیفیت اصحابِ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہے (آپ کے نزول کے بعد جو لوگ آپ کا ساتھ دیں گے)۔

حضرت شیخ کے اتباع کثرتِ خوارق کو افضلیت کی دلیل قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ درست نہیں۔... شیخ الشیوخ نے عوارف میں لکھا ہے بعض کم رُتبہ افراد سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے اور ان سے بلند مراتب والوں سے نہیں ہوتا۔ خوارق کا ظہور برائے تقویتِ یقین ہے۔ جس کو خالص یقین مل چکا ہے اس کو تقویت کی کیا ضرورت ہے۔ مدارِ کار یہ ہے کہ تجوّ ہر ذکر قلب میں ہو جائے یعنی ذکر شریف ملکۂ قلب ہو جائے اور ذکرِ ذاتِ تعالیٰ وتقدس کا غلبہ ہو۔ دیگر ہیچ۔

حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ خوارق دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم کا تعلق اُن علوم ومعارف واسرار سے ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے ہے۔ اس قسم کا تعلق اولیاء اللہ سے ہے اور دوسری قسم کا تعلق کشفِ صُوَر اور اخبارِ مُغیّبات سے ہے، جس کو کرامت کہا جاتا ہے اور عوام میں اس کا اعتبار ہے۔ یہ قسم اولیا اللہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اہلِ استدراج سے بھی اس کا ظہور ہوتا ہے۔[1]

۶۔ کثرت وقلّت خوارق

اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور ہوا ہے لیکن جس کثرت سے حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے کرامات وخوارق کا اظہار ہوا ہے کسی دوسرے ولی سے نہیں ہوا ہے حالانکہ آپ کی ولایت سے بہت عظیم تر ولایت حضراتِ صحابہ، حضرات حسنین اور حضرات ائمہ تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہے۔ اِس معمّہ کا حل حضرت مجدد قدس سرہ نے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولایت کا تعلق تقرب الی اللہ اور عروج سے ہے۔ جتنا عُروج زیادہ ہوگا، اللہ سے تقرب بیشتر ہوگا۔ اور اظہار کرامت اور خوارق کا تعلق نزول سے ہے۔ مقام قلب سے عروج کی ابتدا ہوتی ہے۔ حضرت عبد القادر کا عروج اکثر اولیائے اُمت سے بلند تر واقع ہوا ہے اور آپ کا نزول مقامِ روح تک ہوا ہے جو کہ عالمِ اسباب سے ایک درجہ بالاتر ہے۔ نزول جتنا پائیں تر ہوگا اتنا ہی عالمِ اسباب سے تعلق بیشتر ہوگا۔ شیخ الاسلام پیرِ ہرات نے جو کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کے خلیفہ تھے ایک شخص سے فرمایا کہ اگر اس وقت خرقانی اور محمد قصّاب آملی ہوتے تو میں تم کو آملی کے پاس بھیجتا۔ تمہارے واسطے اُن کی صحبت مفید تر واقع ہوتی۔ حضرت خرقانی اگرچہ منتہی تھے

---

[1] مکتوب ۲۹۳ دفتر اول۔

لیکن ان کا نزول پائیں تر نہ تھا۔ بنا بریں عالمِ اسباب سے ان کا تعلق کم تھا۔ ان کی صحبت مبتدی کے واسطے سودمند نہ تھی۔

حضرت مجدد نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حسن بصری دریا کنارے کشتی کے انتظار میں کھڑے تھے اس دوران میں حضرت حبیب عجمی آئے اور آپ سے توقف کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حضرت حبیب نے فرمایا کشتی کی کیا ضرورت ہے، کیا آپ یقین نہیں رکھتے۔ حضرت حسن نے فرمایا کیا آپ علم نہیں رکھتے۔ حضرت حبیب بغیر کشتی کے دریا پر سے گزر گئے لیکن حضرت حسن کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے کیونکہ آپ کا نزول عالمِ اسباب تک ہوا تھا اور آپ بہ اعانتِ اسباب کام کرتے تھے۔ بہ خلاف حضرت حبیب کے کہ اُن کا نزول عالمِ اسباب سے بالاتر رہا تھا لہٰذا اسباب پر اُن کی نظر نہ تھی۔[1] اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد پر ایسی حقیقت کا انکشاف کیا جس کا اظہار کوئی نہ کر سکا تھا۔ عوام کالانعام اور ناتمام صوفی خوارق و کرامات کو اصل کار سمجھ بیٹھے ہیں، وہ ایسے اَوْراد و وظائف پڑھتے ہیں کہ ان پر کشفِ مُغیبات ہو اور وہ اسباب و وسائل سے بے نیاز ہو جائیں۔ حالانکہ اصلِ کار یہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد نے اپنے مکاتیب میں تحریر فرمایا ہے کہ ساحتِ سینہ تمام مُرادات سے خالی ہونا چاہیئے صرف اللہ تعالیٰ کی طلب رہنی چاہیئے۔ ع در تو یک آرزو ابلیسِ تست: میری نظر میں حضرت مجدد کا یہ کارنامہ آپ کے تجدیدی کارناموں میں نمایاں مقام رکھتا ہے، شوقِ کرامات رہبانیت اور یوگیت کی طرف لوگوں کو لے جا رہا تھا۔ حالانکہ اصلی کار رسوخِ ذکر اللہ ہے بہ نوعے کہ اگر غفلت کو لانے کی بھی کوشش کی جائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ لائی جا سکے۔

۷۔ رہبانیت اور یوگیت

رہبانیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ"۔ (ترجمہ) اور ایک دنیا چھوڑنا انھوں نے نیا نکالا، ہم نے اُن پر نہ لکھا تھا مگر چاہنے کو رضامندی اللہ کی، پھر نہ نباہا اس کو جیسا چاہیئے نباہنا، پھر دیا ہم نے اُن کو جو اُن میں ایمان لائے اُن کا نیگ اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اُس کے رسول پر، دیوے تم کو دو حصّے اپنی مہر سے اور رکھ دے تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔" حضرت شاہ عبدالقادر نے موضح قرآن میں یہ فائدہ لکھا ہے: "یعنی اس رسول کے تابع ہو کر یہ نعمتیں پاؤ۔ اوروں سے دُونا ثواب ہے ہر عمل کا اور روشنی لئے پھرو یعنی اپنا وجود نورانی ہو جائے"

---

[1] دفتر اول کے مکتوب ۲۱۰ کو ملاحظہ کریں میں نے خلاصہ لکھا ہے

سبحان اللہ کیا عظیم نعمت ہے۔

سید محمود آلوسی نے اس آیتِ مبارکہ کے بیان میں ابوداؤد، ابویعلی، اور ضیا کی یہ روایت لکھی ہے۔
عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدَّدُ عَلَیْکُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ فَشُدِّدَ عَلَیْہِمْ فَتِلْكَ بَقَایَاھُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارَاتِ [1]

(ترجمہ) حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سختی نہ کرو اپنے اوپر کہ سختی کی جائے تم پر، کیونکہ ایک گروہ نے اپنے اوپر سختی کی تو اُن پر سختی کی گئی اور اُن کے بقایا وہ ہیں جو کنیسوں اور دیروں میں موجود ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ بَیْنَ السَّارِیَتَیْنِ فَقَالَ مَا ھٰذَا الْحَبْلُ قَالُوْا ھٰذَا حَبْلٌ لِزَیْنَبَ فَاِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا، حُلُّوْہُ، لِیُصَلِّ اَحَدُکُمْ نَشَاطَہٗ فَاِذَا فَتَرَ فَلْیَقْعُدْ [2]

(ترجمہ) حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) داخل ہوئے۔ آپ نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسّی تنی ہوئی دیکھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی ہے۔ صحابہ نے کہا یہ رسّی زینب کی ہے، وہ جب تھک جاتی ہیں تو اس کو پکڑ لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، اس کو کھول دو، تم میں سے جو بھی نماز پڑھے نشاط سے پڑھے اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔"

ابنِ حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام مسلم نے جو روایت اپنی صحیح میں کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تھے اور مسجد کے ستونوں میں سے دو ستونوں میں رسّی تنی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ بیٹھنے سے مراد بیٹھ کر نماز پڑھنی بھی ہو سکتی ہے اور نماز کو ختم کر دینا بھی ہو سکتا ہے۔ [3]

اور بخاری یہ روایت کرتے ہیں۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَتْ عِنْدِیْ امْرَاَۃٌ مِّنْ بَنِیْ اَسَدٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ ھٰذِہٖ، قُلْتُ فُلَانَةُ لَا تَنَامُ اللَّیْلَ تَذْکُرُ مِنْ صَلَاتِھَا فَقَالَ مَہْ، عَلَیْکُمْ مَا تُطِیْقُوْنَ مِنَ الْاَعْمَالِ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا۔ [4]

(ترجمہ) حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میرے پاس قبیلۂ بنی اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اس عورت کے متعلق استفسار کیا کہ یہ کون ہے۔ میں نے کہا کہ یہ وہ عورت ہے جو رات بھر نہیں سوتی اور اس کی نماز کا چرچا کیا جاتا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا نہیں، تم اتنا عمل کرو جس کی قوتِ برداشت تم میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا، تم ہی تھک جاؤ گے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا بے نہایت ہے وہ نہیں تھکتا، تم ہی تھک کر بیٹھ رہو گے۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۳۵۰، [2] [3] باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ [4] جلد ۳ صفحہ ۳

کو وہ عمل پسند ہے جو ذوق و شوق سے پابندی کے ساتھ ہمیشہ کیا جا سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیان فرمایا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔[1]

یعنی دین آسان ہے۔ اس میں سہولت ہے۔ اور جو بھی دین سے مقابلہ کرتا ہے اس پر دین ہی غالب آتا ہے۔ لہٰذا افراط و تفریط سے بچتے ہوئے راہ وسط اختیار کرنی چاہیے۔ یہی بہتر و اکمل طریقہ ہے۔ اور اگر وہ نہ ہو تو اس کے قریب رہو اور بشارت پاؤ۔ بہتر عمل کی یہ صورت ہے کہ طلوع آفتاب سے چاشت کے وقت تک، پھر زوال کے بعد تھوڑی دیر اور رات کے آخری حصہ میں اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کر لیا کرو۔

آیت شریف وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا سے ظاہر ہے کہ رہبانیت کا طریقہ خود راہبوں نے اختیار کیا تھا۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ راہ و رسم پسند نہ تھی اور آپ نے اس سے روکا ہے۔ آپ نے نشاط کے تین اوقات بتائے کہ ان اوقات میں عبادت کر لیا کرو۔ اور بشارت حاصل کرو۔ آپ کی فرماں برداری اور اتباع سنت میں جو اجر و ثواب ہے وہ اپنے اختیار کردہ اعمال میں کہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین لاؤ اس کے رسول پر۔ وہ کرو جو وہ ارشاد کرے۔ اور اس راہ پر چلو جو وہ پسند فرمائے تو اللہ اپنی رحمت سے تم کو دگنا حصہ دے گا اور تم کو نور اتباع نبوی عطا کرے گا جو ہر جگہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اللہ تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کریگا۔ اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

میں "اتباع سنن و عزائم امور" کے بیان میں حضرت مجدد کے بعض ارشادات لکھ چکا ہوں، جیسے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے عمدہ کوئی فضیلت نہیں ہے۔ آپ سے تشبہ نہایت سعادت ہے چاہے وہ ظاہری تشبہ ہو۔ ایک مبارک سنت کی ناتمام پیروی اس ہزار شب بیداری سے بڑھ کر ہے جو اپنے طور پر کی جائے۔" اور جیسے "بدعات اور فجور کی ظلمت و تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا ہے۔ اس اندھیرے میں چراغ سنت نبوی ہی کی روشنی سے دیکھا جا سکتا ہے۔"

تعجب ہے کہ اس حقیقت ثابتہ کے ہوتے ہوئے بعض حضرات مشائخ نے ایسے چلوں اور ریاضتوں کو اختیار کیا ہے جو طریقہ مبارکہ نورانیہ نبویہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِیَّةُ سے برکنار ہیں

---

[1] باب الدین یسر من کتاب الایمان۔

بلکہ جادۂ بدعتِ رُہبان پر دلست آتے ہیں۔

اس سلسلہ میں میرا یہ خیال ہے کہ حضرات مشائخ کرام قدس اللہ اسرارہم تک اجتناب تام از بدعت کی احادیثِ مبارکہ نہ پہنچی ہوں گی۔ کیونکہ ان حضرات کے زمانے میں احادیث کی کتابیں بہت کمیاب تھیں۔ ان حضرات نے جو کچھ کیا ہے اِبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰہِ کے تحت کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے۔

اگر معاملہ صرف رہبانیت تک محدود رہتا مسلاً آہونی ہوتا کیوں کہ رہبانیت کو نہ کسی خاص عقیدے سے تعلق ہے اور نہ کسی فلسفہ سے بلکہ ریاضت و مجاہدے کی ایک صورت اور نوعیت ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طریقہ پسند نہ تھا اور آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بنابریں ہمارے لئے اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ نہ ہم دُگنا ثواب حاصل کرسکتے ہیں اور نہ نورِ سنّتِ نبوی پاسکتے ہیں۔ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔

قاعدہ کی بات یہ ہے کہ بات میں بات اور کام میں کام نکلتا ہے۔ اگر حضرات مشائخ نے رہبانیت کو اپنایا تھا مابعد کے افراد نے یُوگیّت کی طرف قدم بڑھایا۔ چونکہ یُوگیت کے اعمال کا تعلق ایک خاص فلسفہ سے ہے اِس لئے اُس فلسفہ نے اپنا اثر دکھایا۔ اور باطنیوں اور مُلحدوں کے واسطے طریقت کے ابواب کُھل گئے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد نے محمد غوث گوالیاری کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "شاہ محمد غوث گوالیاری" ہے۔ یہ کتاب کراچی میں چھپی ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب ایک شیخِ طریقت کے حال میں لکھی گئی ہے لیکن ساری کتاب میں "قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ" اور "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم" سے بحث نہیں ہے۔ البتہ یہ ملتا ہے کہ آپ نے تیرہ سال سات ماہ کوہستانِ چنار میں ریاضت کی[1] اور شیر شاہ سوری کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے بھانجے باختر جنگ کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر شیخ محمد غوث کا سر قلم کرنے کے واسطے بھیجا۔ آپ کو جب خبر ہوئی، جلال آیا اور فرمایا: "مریخ تو کجائی تا کارِ خود نمائی" آپ کا یہ کہنا تھا کہ بارہ ہزار سر بُریدہ میدانِ جنگ میں پڑے ہوئے تھے[2] اور اس کتاب میں شیخ محمد غوث کی ریاضت کے سلسلہ میں کسی غار کا ذکر آیا ہے۔ غار کیا ہے قِصَّۃُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَهَا کی یاد دلاتا ہے۔ شیخ محمد غوث اور ان کے بھائی شیخ پھول اور شیخ فضل اللہ بنگال کا واقعہ محمد غوث گوالیاری کی زبانی لکھا ہے۔ اس میں یہ حصہ بھی ہے۔

"ہم تینوں آدمیوں نے تلاش کے واسطے اس غار میں قدم رکھا۔ جب ہم دو منزل کے برابر راہ چل لئے تو وہاں پر ہم نے ایک پیر کو مراقب دیکھا۔"[3]

---

[1] صفحہ ۲۲ [2] صفحہ ۵۸ [3] صفحہ ۶۔

اس کتاب میں شیخ محمد غوث کی سات تالیفات کا ذکر ہے۔ ان میں چوتھی کا نام "بحر الحیات" ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے اور اس کتاب کے متعلق محمد غوثی کی کتاب "گلزار ابرار" سے درج ذیل عبارت لکھی ہے۔

"جوگیوں اور سنیاسیوں کی دو جماعتیں ہنود کے ریاضتمندوں، گوشہ نشینوں اور رہبانوں کی سرگرد ہیں اور انھیں اشغال و اذکار کی برکات سے استدراج اور خرق عادات کے درجہ کو پہنچ کر سائلوں کے ضمیروں کی چیستان پر اطلاع حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے (محمد غوث گوالیاری نے) ان تمام معانی کو سنسکرت عبارت سے جو کتب ہنود کی زبان ہے اخذ کر کے فارسی لباس پہنایا ہے۔ اس کتاب کے مفہومات سے زنار توڑ کر بجائے اُس کے توحید اور اسلام کی تسبیح گردن میں ڈال دی ہے۔ نیز حقیقی ایمان کی قوت سے ان مفہومات کو تقلید کی قید سے نکال کر صاحب تحقیق صوفیوں کے اذکار و اشغال سے تطبیق دی ہے۔"[1]

اس عبارت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ویدیت کے جراثیم کس حد تک شامل ہو گئے تھے۔ جوگیوں اور سنیاسیوں کے منتروں میں محمد غوثی کو برکات معلوم ہو رہے ہیں۔ مشکات کے باب الاعتصام بالکتاب وَالسُّنَّۃِ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کہ ہم یہودیوں کی باتیں سنتے ہیں اور وہ ہم کو اچھی لگتی ہیں، کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم ان کی باتیں لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی حیرت زدہ ہو گئے ہو جس طرح پر یہود و نصاریٰ حیرت زدہ ہو گئے ہیں۔ یقیناً میں تمہارے پاس ایسی صاف و روشن شریعت لایا ہوں کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے اسی کی پیروی اور اتباع کرتے۔

اور اسی باب میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر ایک نسخہ توارت کا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ یہ تورات کا نسخہ ہے اور پھر انھوں نے تورات پڑھنی شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوا۔ حضرت ابوبکر موجود تھے۔ انھوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو حضرت عمر سے کہا ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ یعنی یہ کیا غضب ڈھا رہے ہو کیا تم اس تغیر کو نہیں دیکھ رہے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ظاہر ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے آپ کے چہرے کو دیکھا اور کہا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ میں اللہ سے پناہ لیتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے، میں راضی ہوں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نبی ہونے پر۔ اس وقت سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر ظاہر ہو جائیں تمہارے واسطے موسیٰ اور تم اُن کی پیروی

---

[1] صفحہ ۱۲۲

کرو اور تم مجھ کو چھوڑ دو، یقیناً تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر موسیٰ زندہ رہتے اور میری نبوت پالیتے یقیناً میری پیروی کرتے۔"

اصحاب قلوب مطمئنہ کے لئے اسرائیلیات اور یوگیوں کے اعمال میں نہ کوئی خوبی ہے نہ ثواب، متیرین جو چاہے سو کہیں۔ "بحر الحیات" کے متعلق شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے۔

"شیخ محمد غوث گوالیاری نے "بحر الحیات" میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار و اشغال کو فارسی میں منتقل کیا اور اپنی ابتدائی تصنیف "جواہر خمسہ" میں بھی ان کی ایک آدھ جھلک دکھائی، اس سے شطاریہ طریقہ کے اس ارتباط پر روشنی پڑتی ہے جو اس کا ہندو یوگ سے تھا۔[1]

سید صباح الدین عبد الرحمٰن نے دارا شکوہ کے متعلق لکھا ہے۔

"جب دارا شکوہ نے "مجمع البحرین" لکھی تو علماء کے حلقہ میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندوستان کے موحدوں کے اشغال کی یوں تو بہت سی قسمیں ہیں لیکن بہترین شغل اجپا ہے۔"

اور لکھا ہے: "وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اُس کی تسلی قرآن پاک سے بھی نہ ہو سکی کیونکہ اس کی اکثر باتیں رمز کی ہیں، آخر اس کو توحید کی تمام باتیں اپنشد میں مل گئیں جس سے بچاس ابواب کا ترجمہ اس نے فارسی میں کر کے عام کیا۔[2]

اگر محمد غوثی اور ان کے مرشد محمد غوث گوالیاری کو یوگیوں کے اشغال و اذکار میں برکات نظر آ رہی ہیں تو دارا شکوہ کے واسطے اسباب تسلیہ کیوں نہ ہوں۔ اِلَی اللّٰہِ الْمَفْزَعُ وَاِلَیْہِ الْمُشْتَکیٰ۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۷۵ میں واقعہ بدر کے متعلق امام احمد کی روایت کردہ یہ حدیث لکھی ہے۔

"حضرت عمر نے بیان کیا کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب پر نظر ڈالی جو تین سو اور کچھ تھے پھر آپ نے مشرکین کی طرف نظر اٹھائی جو ایک ہزار اور اس سے زیادہ تھے۔ اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازار اور ردا میں تھے۔ آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ فَلَا تُعْبَدُ بَعْدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ اے اللہ، تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے اس کو پورا کر دے۔ اے اللہ اگر یہ جماعت اہل اسلام کی ہلاک کر دی گئی تو پھر تیری عبادت زمین پر کبھی نہ ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مناجات میں مصروف رہے اور آپ کی مبارک ردا گر گئی۔ اس وقت حضرت ابو بکر حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کی ردا کو درست کیا اور از جانب پشت آپ سے چمٹ گئے اور عرض کی۔ کَفَاکَ مُنَاشَدَتُکَ رَبَّکَ فَاِنَّہٗ سَیُنْجِزُ لَکَ مَا وَعَدَکَ۔ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ

---

[1] رود کوثر صفحہ ۳۰ [2] ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸

بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ یعنی کفایت کرتی ہے آپ کو آپ کی فریاد اپنے پروردگار سے۔ جو وعدہ اس نے آپ سے کیا ہے یقیناً وہ اس کو پورا کرے گا۔ اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: "جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے جن کے پیچھے تلے آویں اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تا چین پکڑیں دل تمہارے اور مدد نہیں مگر اللہ سے اللہ زور آور ہے حکمت والا۔"

نہایت ہی نازک موقع پر سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے طلب کی، کسی غیر کی طرف آپ نے التفات نہ کی۔ شیخ گوالیاری جیسا کہ اُن کے تذکرہ نگار لکھ رہے ہیں اپنے اُن موکلوں کو یاد کر رہے ہیں جن کو مطیع کرنے کے واسطے تیرہ سال سات ماہ سنیاسیوں کی شکل و صورت بنائے رہے۔[1] اُن کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں: "حضرت شیخ محمد غوث کو اچانک جلال آیا اور آپ نے فرمایا: مریخ تو کجائی تا کارِ خود نمائی" مریخ تو کہاں ہے تاکہ اپنا کارنامہ دکھائے۔ آپ کے فرماتے ہی ایک تلوار نمودار ہوئی اور مغرب تک چمکتی چلی گئی۔"[2]

پروردگار جل شانہٗ کا ارشاد وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ مدد نہیں مگر اللہ سے اور یہاں مریخ کو دہائی دی جا رہی ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے ان تمام خرافات و کفریات کا خاتمہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں: "اسبابِ نامشروعہ اور غیر مسنون طریقوں سے جو احوال و مواجید ظاہر ہوتے ہیں وہ سب از قسم استدراج ہیں۔ حکمائے یونان و جوگیہ اور ہنود براہمہ اس معنی میں شریک ہیں۔"[3]

۸۔ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود

اس سلسلہ میں شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے کشوفات بیان کئے جا چکے ہیں۔ حضرت مجدد نے ملحدین کے واسطے راستہ بند کر دیا اور فرما دیا۔ جو وحدت اہلِ توحید کو فنائیت میں نظر آتی ہے وہ ایک حال ہے اور اس سے بالاتر صحو و آگاہی کا مقام ہے جہاں پر اسرارِ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ کا اظہار ہوتا ہے۔

کہاں مُشتِ خاکِ وضیع و ذلیل
کہاں بارگاہِ رفیع و جلیل

اور سالک کی زبان پر سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ جاری ہوتا ہے یعنی تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

۹۔ طریقت و حقیقت خادمانِ شریعت

اللہ تعالیٰ حکیمِ مُطلَق ہے اس نے حضرت مجدد کو حکمت و بصیرتِ تامہ عنایت کی۔

---

[1] فقیر منزل، نیز حضرت جی، زیر قلعہ گوالیار میں حضرت جی محمد غنی اور ان کے صاحبزادے محمد رضا کے پاس شیخ محمد غوث گوالیاری کی قدیمی ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر تھی جس میں آن کو ریش بربعت صاف کردہ، لنگوٹی باندھے عبادت کرتے دکھایا ہے۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو میں نے یہ تصویر گوالیار میں دیکھی تھی، اور متحیر رہ گیا تھا۔ ھُمْ فِیْ عِبَادِہٖ شُئُوْنٌ۔ [2] کتاب شاہ محمد غوث گوالیاری صفحہ ۵۸۔

[3] دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ کو ملاحظہ کیا جائے۔

آپ پر پوری طرح انکشاف ہوا کہ اہلِ زیغ اور جن کے دلوں میں مرض ہے طریقت وحقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ حقیقت کے نام پر گمراہی کو اور باطنیوں کے مسلک کو رائج کر رہے ہیں۔ آپ نے ان سب مفاسد کا ایسا سدِ باب کیا کہ کسی کو جائے دم زدن نہ رہی۔ اس سلسلہ میں آپ نے لکھا ہے۔

"مخدوما! منازلِ سلوک طے کرنے اور مقاماتِ جذب قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حاصل اور مقصد تمام سیر وسلوک کا یہ ہے کہ مقامِ اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ تمام آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے۔ شریعت کے تین اجزا ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص، طریقت اور حقیقت اخلاص کے خادم ہیں (یعنی طریقت وحقیقت کے جتنے منازل طے ہونگے اسی قدر اخلاص میں قدم راسخ تر ہوتا جائے گا) میں نے جو بات کہی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن ہر شخص کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے اور وہ خواب وخیال میں گرفتار ہے وہ اخروٹ اور کشمش جیسی معمولی اشیاء پر اکتفا کئے ہوئے ہے نہ وہ شریعت کے کمالات کو سمجھا ہے اور نہ طریقت وحقیقت کی تہ تک پہنچا ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ شریعت چھلکا ہے اور حقیقت گودا اس کو اصل کار کی خبر نہیں ہے۔ وہ صوفیہ کی لایعنی باتوں پر فریفتہ اور احوال ومقامات پر مفتوں ہو گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ سیدھی راہ پر لگائے اور اللہ کا سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر ہو۔"[1]

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

"ضرورت دو باتوں کی ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ رہے اور اُن اعمال کو بروئے کار لایا جائے جن کا تعلق بدن سے ہے اور شریعت نے ان کا حکم دیا ہے۔ جو شخص بغیر اعمالِ بدنیہ کے قلب کی سلامتی کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ غلط ہے جس طرح دنیوی زندگی میں بغیر جسم کے روح نہیں ہوتی بلکہ اس کا خیال تک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح احوالِ قلبیہ کا ظہور بغیر بدنی اعمال کے محال ہے۔ اس زمانہ کے اکثر ملحد اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں اُن کے بُرے عقائد سے بچائے۔"[2]

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت سید البشر کی حرمت سے جو زیغ بصر سے محفوظ تھے، ہم کو ماسویٰ کی طرف التفات کرنے سے بچا کر اور خود اپنے سے چھڑا کر شاہراہِ شریعت پر استقامت عطا فرمائے۔ ع

"از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است۔" جو کچھ ہو رہا ہے محبوب کا ذکر اس سے بہتر ہے۔

مقصد سنو، شریعت اور حقیقت فی الواقع ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ان میں کوئی مغایرت نہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف۔ اجمال وتفصیل، کشف واستدلال، غیبت وشہادت، تعمل اور عدمِ تعمل

---

[1] مکتوب ۴۰ دفتر اول۔ [2] مکتوب ۳۹ دفتر اول۔

کا ہے۔ جو احکام اور جو علوم شریعت سے ظاہری طور پر معلوم ہوئے ہیں وہی احکام و علوم جب حق الیقین کی حقیقت سے متحقق ہو کر تفصیل کے ساتھ منکشف ہوتے اور غیبت سے شہادت میں آتے ہیں، اُس وقت کسب اور عمل کی تکلیف باقی نہیں رہتی۔ حق الیقین کی حقیقت کے مقام تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اس مقام کے علوم و معارف کا پورا انطباق شریعت کے علوم و معارف سے ہو جائے۔ اگر بال برابر بھی فرق باقی رہے تو حقیقت الحقائق یعنی اصل تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے۔ حضرات مشائخ میں سے جس نے بھی علم و عمل میں شریعت سے اختلاف کیا ہے سُکر و مدہوشی کی وجہ سے کیا ہے جو راہِ سلوک میں پیش آتی ہے۔ اور وہ افراد جو انتہا کو پہنچ گئے ہیں وہ ہر وقت ہوش میں رہتے ہیں۔ وقت اُن کا مغلوب ہے اور حال و مقام اُن کے کمال کا پیرو اور مطیع۔

جب معاملہ کی حقیقت یہ ہوئی جو میں نے بیان کی ہے تو اس صورت میں ان افراد کی بے استقامتی ظاہر ہے جنھوں نے شریعت کو چھلکا اور حقیقت کو گودا قرار دیا ہے۔ اب اگر چھلکے اور گودے سے ان کی مُراد تفصیل و اجمال ہے تو پھر بات اور ہے کیونکہ اجمال خلاصہ ہے تفصیل کا اور اس طرح اسکو گودا کہہ دیا گیا۔ مع ہٰذا وہ اکابر جن کے احوال مستقیم ہو چکے ہیں وہ ایسی بات نہیں کہتے جو غلط فہمی میں ڈالے۔ بلکہ وہ شریعت و طریقت کے فرق کو اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند سے کسی نے سیر و سلوک کا مقصد دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ جو معرفت اجمالی اور استدلالی ہے وہ تفصیلی اور کشفی ہو جائے۔ [1]

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

شریعت کے تین اجزا علم و عمل و اخلاص ہیں۔ جب تک ان اجزا کا تحقق نہ ہو شریعت متحقق نہیں۔ شریعت کے متحقق ہونے سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے جو کہ دنیوی اور اُخروی سعادتوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور رضامندی اللہ کی سب سے بڑی ہے۔ تمام سعادتوں کی متکفل چاہے وہ دنیوی ہوں یا اخروی، شریعت ہے۔ لہٰذا ہم کو غرض شریعت ہی سے ہے کسی اور شے سے نہیں۔

صوفیہ کا امتیاز طریقت اور حقیقت سے ہے اور یہ دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ ان کا کام شریعت کے تیسرے جز کی جو اخلاص ہے خدمت کرنی ہے۔ اور طریقت و حقیقت کو حاصل کرنے کا مقصد شریعت کی تکمیل کے سوا اور کچھ نہیں۔ صوفیہ کو اثنائے راہ میں جو احوال و مواجید اور علوم و معارف پیش آتے ہیں وہ مقصود اور مطلوب نہیں ہیں بلکہ وہ اوہام و خیالات ہیں جن سے اطفالِ طریقت کو خوش کیا جاتا ہے اور اس طرح مبتدیوں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ان تمام

---

[1] مکتوب ۸۳ دفتر اول

احوال و مواجید سے گزر کر رضا کے مقام تک پہنچنا ہوتا ہے جو جذبہ و سلوک کے مقامات میں سب سے آخری مقام ہے۔ تینوں تجلیات کے بعد یعنی تجلی فعلی، تجلی صفتی، تجلی ذاتی اور عارفانہ مشاہدات کے بعد ہزاروں میں سے کسی ایک کی دولتِ اخلاص اور مقامِ رضا تک رسائی ہوتی ہے۔ ناسمجھ افراد احوال اور مواجید کو مقاصد اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب سمجھ بیٹھے ہیں اور وہم و خیال میں پھنس کر شریعت کے کمالات سے محروم رہ گئے ہیں۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ بھاری پڑتا ہے شرک کرنے والوں کو جس طرف تو بلاتا ہے ان کو۔ اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لاوے؛ معاملہ یہ ہے کہ اخلاص کے مقام کا حاصل کرنا اور رضا کے مقام تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے اور ان علوم و معارف کے تحقق سے وابستہ ہے اور یہ سب اشیا مقصود تک پہنچنے کے اسباب و وسائل ہیں۔ پورے دس سال کے بعد حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ یہ حقیقت حقیر پر منکشف ہوئی اور شاہدِ شریعت جلوہ گر ہوا۔[1]

حضرت شاہ عبدالقادر نے آیت مندرجہ بالا کا ترجمہ لکھ کر موضح قرآن میں یہ فائدہ لکھا ہے: "اصل دین ہمیشہ ایک ہے۔ اس کو قائم کریں گے۔ طریق ہر وقت جدا ٹھہرا دیے ہیں اللہ نے۔"

عالم چہ کتابیست پُر از دانش و داد　　صحّافِ قضا، جلدِ وے است بدء و معاد
شیرازہ شریعت و مذاہب اوراق　　اُمت ہمہ شاگرد و پیمبر اُستاد

حضرت مجدد کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبتِ غلامی تھی آخر اس نے اپنا اثر دکھایا اور کامل دس سال کے بعد معاملہ کی حقیقت "عین الیقین" ہو کر آپ پر ظاہر ہوئی کہ طریقت و حقیقت جن پر حضراتِ صوفیہ کو ناز ہے خادمانِ شریعت ہیں۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ "سنتا ہے، اللہ کو ہے بندگی نری۔" آپ کے اس اعلان نے تمام گمراہیوں کے راستے مسدود کر دیے۔ دینِ مبین تر و تازہ ہوا اور اللہ نے آپ کو خلعتِ تجدید پہنا کر آپ کے سر پہ تاجِ بلند رکھ دیا۔ هَنِيْئًا لَهٗ ثُمَّ هَنِيْئًا لَهٗ۔

سلام از ما رسد ہر دم بجانش　　الٰہی از تو رحمت بر روانش
لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ

---

[1] مکتوب ۳۹ دفتر اول

آپ کی مخالفت

حَسَدُوا الْفَتیٰ اِذْ لَمْ یَنَالُوْا سَعْیَهٗ   فَالْکُلُّ اَعْدَاءٌ لَهٗ وَخُصُوْمٌ

(ترجمہ) جب اس جوانمرد کی مساعی تک کوئی نہ پہنچ سکا تو سب اس کے اعداء اور دشمن ہو گئے۔

حضرت مجدد نے فِرَقِ باطلہ اور اہلِ زیغ کا رد کیا، علماءِ سُوء کی جاہ پرستی اور دنیا طلبی کا اظہار کیا لہٰذا یہ سب آپ کے مخالف ہو گئے۔ چوں کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے یا جو معارف بیان کئے ہیں وہ زبانِ قلم سے کئے ہیں اور وہ صفحاتِ اَوراق پر ثبت ہیں۔ اس لئے آپ کے مخالفوں کے لئے صرف دو صورتیں تھیں کہ یا تو وہ آپ کی تحریرات کا غلط مفہوم بیان کریں، یا آپ کی تحریرات میں تحریفات کریں، تاکہ پھر آپ پر کفر و زندقہ کا حکم عائد کر کے بدنام کریں اور اس طرح اپنے کو رسوائی سے بچا سکیں۔ چنانچہ انھوں نے ان دونوں صورتوں سے کام لیا ہے۔

غلط مفہوم کے سلسلہ میں مفتی غلام سرور لاہوری اور شیخ بدرالدین سرہندی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

مفتی غلام سرور کا بیان

نورجہاں کی وجہ سے جہانگیر کے دربار میں رَوافِض کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تھا اور چونکہ حضرت مجدد نے رَوافِض کے رَد میں رسائل لکھے تھے (رسالہ ردِّ شیعہ اور مکاتیبِ طویلہ) اس لئے وہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ انھوں نے آپکے مکاتیب کا غلط مفہوم بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق نے بھی اعتراضات کئے ہیں اور کچھ لکھا ہے۔ درباری علماء نے رافضی امراکی وجہ سے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا لیکن جہانگیر نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کیا۔"[1]

شیخ بدرالدین کا بیان

جب حضرت مجدد کو جہانگیر بادشاہ نے آگرہ طلب کیا تو شاہزادہ شاہجہاں نے جو آپ کا مخلص تھا علامہ افضل خاں اور مفتی عبدالرحمٰن کو فقہ کی کتابیں دے کر آپ کے پاس بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ "آپ بادشاہ کو سجدۂ تحیت کر لیں۔ میں اس صورت میں ضامن ہوتا ہوں کہ بادشاہ سے آپ کو تکلیف نہ پہنچے گی" آپ نے علماء سے فرمایا۔ یہ رُخصت ہے یعنی جان بچانے کے لئے جواز کی صورت، عزیمت یعنی اصل کار یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے چنانچہ جب

---

[1] خزینۃ الاصفیا کے صفحہ ۵۷۸ سے ۵۸۰ تک ملاحظہ کریں۔

آپ بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو بادشاہ نے آپ سے کہا "تم نے لکھا ہے کہ میرا مرتبہ صدیق اکبر کے مرتبہ سے افضل ہے۔"

بادشاہ کی اس بات کا تعلق آپ کے اس عریضہ سے ہے جو آپ نے اپنے پیرو مرشد کو لکھا ہے اور دفتر اول کا گیارہواں مکتوب ہے۔

آپ نے فرمایا میں نے تو یہ بات لکھی ہے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی۔ آپ کی بات سن کر جہانگیر کا قہر زائل ہوا۔ مخالفوں نے جب دیکھا کہ ان کی محنت رائگان جا رہی ہے تو انھوں نے بادشاہ سے کہا۔ اس شیخ کے تکبر کو آپ ملاحظہ کریں۔ آپ ظل اللہ ہیں اور آپ کو اس نے نہ سجدہ کیا اور نہ وہ احترام بجا لایا جو عام طور پر رائج ہے (یعنی دونوں ہاتھ سینہ پر رکھکر سر کو کسی قدر جھکانا جو بخارا وغیرہ میں اب تک رائج ہے) یہ سن کر بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے آپ کو قید کرایا[1]

داراشکوہ کا بیان

تحریف وافترا کے سلسلہ میں داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیا" میں لکھا ہے۔

"شیخ احمد کابلی قدس اللہ سرہٗ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا وطن سرہند ہے، سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ کے مرید ہیں اور قادریہ وچشتیہ مشائخ سے بھی اجازتِ ارشاد حاصل ہے۔ وہ صاحبِ ریاضت اور مجاہدہ تھے۔ اواخر احوال میں آپ پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی کہ وہ اپنے مرتبہ کو خلفائے راشدین کے مرتبہ سے زیادہ سمجھتے ہیں لیکن یہ بات خالص افترا ہے کیونکہ سیادت ونقابت پناہ فضائل وکمالات دستگاہ افضل فضلائے عصر علامی فہامی استادی میرک شیخ بن شیخ فصیح الدین سے میں نے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ میرا گزر سرہند میں ہوا اور شیخ احمد سے میری ملاقات ہوئی۔ اثنائے ملاقات میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ میں خداشناسی ہے تو وہ از خود میری ان تین باتوں کا جواب دیں۔ میں سمجھوں گا کہ جو کچھ ان کے متعلق کہا جاتا ہے وہ خالص جھوٹ اور افترا ہے۔ چنانچہ جن تین باتوں کا خیال آخوند کو آیا تھا ان کا صحیح جواب شیخ نے دیا اور حضرت آخوند جناب شیخ کے معتقد ہوگئے اور ان کے ارشاد کے بموجب اس فقیر کو یقین ہوگیا کہ شیخ احمد سرہندی صاحبِ حال تھے آپ کی وفات سنہ ۱۰۳۴ھ میں ہوئی اور قبر سرہند میں ہے۔"[2]

مطبوعہ نسخہ میں تینوں باتوں کی تفصیل ہے لکھا ہے۔

میرے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ میں کرامت ہے تو وہ از خود بیان کریں وہ جو کہ ان کے متعلق لوگ کہتے ہیں۔ اور ان کے پیر خواجہ باقی کے متعلق کہ ان کو اپنے پیر سے اجازت ارشاد نہ تھی اور خواجہ خاوند محمود کے متعلق کہ وہ کیسے ہیں۔ اور میں شیخ کے سامنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ شیخ نے مسند کے ایک گوشے کے نیچے سے ایک جزو نکال کر مجھکو دیا اور کہا۔ آپ اس کو مطالعہ فرمائیں، اور جب

---

[1] حضرات القدس کے ساتویں حضرت کو ملاحظہ کریں۔ [2] سفینۃ الاولیا محررہ سنہ ۱۰۴۹ھ

میں مطالعہ کر چکا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کیا اس تحریر میں کوئی بات قابلِ گرفت ہے۔ میں نے کہا نفسِ تحریر میں کوئی بات نہیں ہے اور یہ بیان درست ہے آپ نے فرمایا "بدانید آنچہ از ما واقع شدہ ہمین است و باقی افترا است" آپ یقین کریں کہ میں نے صرف یہی لکھا ہے اور باقی سب افترا ہے" پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔ خواجہ خاوند محمود آئے تھے اور بیان کرتے تھے کہ خواجہ باقی کو اپنے پیر سے صراحۃً اجازت ارشاد نہیں ملی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن اُن کے پیر خواجگی امکنگی خربزہ کھا رہے تھے اور حاضرین و مریدین کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک پھانک کاٹ کر دے رہے تھے۔ خواجہ باقی کو انھوں نے پھانک نہ دی کسی نے کہا کہ خواجہ باقی بھی حاضر ہیں۔ حضرت خواجگی نے کہا کہ میں اُن کو ایک مُسلّم خربزہ دے چکا ہوں۔ اس بات سے خواجہ باقی یہ سمجھے کہ ان کو اجازتِ ارشاد مل گئی ہے۔ یہ بات سن کر میں نے خواجہ خاوند محمود سے کہا۔ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مجھ سے نہ میرے پیر نے یہ بات کہی ہے نہ کسی دوسرے نے بلکہ خواجہ باقی تو مرید کرنے سے انکار کر رہے تھے اور عرض کر رہے تھے میں اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا اور مولانا خواجگی نے ان سے فرمایا۔ میں نے تم کو اجازت دی ہے اور تم کو یہ کام کرنا چاہئے۔ اور مجھ سے اس عرصہ میں چند کہن سال افراد نے کہا ہے کہ ہم اس مجلس میں موجود تھے جس میں مولانا خواجگی نے مولانا باقی کو اجازت ارشاد دی تھی۔ خواجہ خاوند محمود میری بات سن کر بولے تو پھر میں نے غلط بات سنی ہے۔ اس کے بعد شیخ احمد نے مجھ سے کہا۔ خواجہ خاوند کے مرید جو کچھ ان کے متعلق کہتے ہیں میری نظر میں ویسے نہیں ہیں۔ میرا اعتقاد ان پر نہیں ہے [1]

دارا شکوہ کی تحریر سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کے خلاف دشمنوں کی سرگرمیاں آپ کے آواخر دور میں شروع ہوئیں۔ اور آپ کے جن مکاتیب پر حرف گیری کی گئی ہے ان کا سر دفتر وہ عریضہ ہے جو آپ نے اپنے پیر و مرشد کو لکھا ہے اور جس کو پڑھ کر حضرت خواجہ خوش ہوئے ہیں۔ اگر فی الواقع آپ کے مکتوب میں قباحت تھی تو اٹھارہ سال تک خاموشی کیوں اختیار کی گئی۔ اور حضرت خواجہ نے اس کی تصویب کس طرح فرمائی۔

یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مجدد کے جن مکاتیب میں تحریف و تزویر سے کام لیا گیا ہے وہ تھوڑے ہیں لیکن جا بجا ان کی تشہیر کر دی گئی ہے۔ اور یہ کام حضرت مجدد کی حیات میں ہوا ہے۔ حضرت مجدد نے ان مکاتیب کو جن میں تحریف کی گئی ہے ایک جگہ لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری کی کتاب ہدیۂ مجددیہ سے شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی کی کتاب مناقب العارفین کی عبارت نقل کرتا ہوں جس سے حقیقت کھل کر سامنے آ رہی ہے۔ مولانا وکیل احمد[2] نے لکھا ہے۔

---

[1] سفینۃ الاولیاء مطبوعہ [illegible] صفحہ ۱۹۸ [2] مولانا وکیل احمد طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں شرف محمد حیدرآبادی سے [illegible]

شاہ فتح محمد کا بیان

شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی در مناقب العارفین آوردہ۔ "چوں بر ارقامِ احوالِ شیخ احمد کابلی رسیدم و مکتوباتِ او را مع معارضاتِ شیخ عبدالحق دہلوی بملاحظہ کردم تحیرّم افزود کہ چہ نویسم باوجود صُدُورِ چنین کلماتِ کفر در حق ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم واہانتِ اولیاء را کہ ارض وسما بر عُلُوِّ مرتبۂ آنہا شہادت می دہد ہمچنین اکابر مثلِ شیخ آدم بنوری و دیگر کسانے کہ در سلسلۂ وے داخل اند اکثرے علما و محدثین صاحبِ حال وقال اند چساں اتباع کردند خصوصاً علماءِ بلخ وبخارا وکابل کہ در تدیّن وصلابتِ دین نظیرے نہ دارند اکثرے بہمین سلسلہ متمسک اند پس برائے تفتیش حال وے قصدِ دہلی کردم واز شیخ نورالحق ابن شیخ دہلوی ملاقی شدہ استفسار حال وے نمودم۔ بہ تحقیق پیوست کہ شخصے حسن خان نامی از قوم افغان از مریدانِ شیخ کابلی چیزے از وے آزردگی پیدا کردہ مسودات مکتوبات شیخ را کہ نزد وے بود ازاں تحریف کرد وبست نسخہ نویسانیدہ جابجا منتشر گردانید چون نقل مکتوبات بہ شیخ دہلوی کہ از خلفائے شاہ عبدالباقی بود رسیدہ کمال متوحش شدہ مکتوباتے در ردِّ آن اقوالِ کاذبہ بشیخ کابلی نوشت وبسیار زجر وتوبیخ کرد ازانجا شیخ کابلی مسودات خود را کہ دستخطی بود بجنسہ نزد شیخ دہلوی فرستاد ونوشت کہ معاذ اللہ کہ از من چنین کلمات بہ صدور پیوستہ باشد یکے از مریدان من مَرْدُود بہ طریقت گشتہ این فتنہ برپا ساخت ومُرادفِ برنا وپیر نمود وآخر بہ دُعائے من گرفتار شدہ در بخارا در تہمتِ ارتداد کشتہ شد بعد دریافت آن شیخ دہلوی در توصیفِ آں مقال واعتذار عدم علم بدین حال مکتوبے نوشت چنانچہ آن مکتوب شیخ دہلوی دستخطی شان ملاحظہ کردم۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ واگرچہ نزد وے زمرۂ اہل وجد وسماع از جنس فساق ایم لیکن بہ حکم ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا۔ راہِ انصاف پیمودہ در پے تفتیشِ حالِ وے شدیم۔ انتہیٰ۔ [1]

یعنی جب شیخ احمد کابلی کے حالات لکھنے کا موقع آیا اور میں نے ان کے مکتوبات کو اور پھر شیخ عبدالحق دہلوی کے اعتراضات کو پڑھا حیرت میں پڑ گیا کہ میں ایسے شخص کے متعلق کیا لکھوں کہ ایک طرف تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے کلمات کفر صادر ہوئے ہیں اور ایسے بلند پایہ اولیاء کی اہانت کی ہے کہ جن کی بزرگی وجلالتِ قدر پر آسمان وزمین گواہی دیتے ہیں اور دوسری طرف شیخ (سید) آدم بنوری جیسے اولیا ان کے مرید ہوں اور صاحبِ حال وقال علماء ومحدثین ان کے سلسلہ سے وابستہ

(بقیہ گزشتہ صفحہ سے) بیعت تھے وہ خلیفہ شاہ سعد اللہ کے جن کا مزار حیدرآباد دکن میں ہے، وہ خلیفہ حضرت شاہ ابو سعید اور ان کے مرشد حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے۔ قدس اللہ اسرارہم۔ مولانا وکیل احمد نے سنہ ۱۳۰۹ھ میں کتاب انوارِ احمدیہ اور سنہ ۱۳۱۱ھ میں کتاب ہدیہ مجددیہ اور سنہ ۱۳۱۲ھ میں الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی لکھی ہے۔ پہلی دو کتابیں فارسی میں اور پچھلی عربی فصیح میں ہے یہ تینوں کتابیں مولوی عبدالاحد نے مطبع مجتبائی دہلی میں طبع کی ہیں۔ ان تینوں کتابوں میں اُن اعتراضات اور اتہامات کا رد ہے جو نادانوں نے حضرت مجدد پر کئے ہیں۔ مولانا وکیل احمد نے جس شائستہ علمی انداز سے یہ کتابیں لکھی ہیں قابل صد ستائش ہیں۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

[1] ہدیہ مجددیہ صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵

ہوں اور خاص کر بلخ و بخارا و کابل کے علماء جو تدین اور صلابتِ دین میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ہیں انکے سلسلہ میں داخل ہوں۔ اس صورت حال کے پیش نظر میں حقیقت معلوم کرنے کے لئے دہلی روانہ ہوا۔ اور وہاں شیخ نور الحق سے ملا جو کہ شیخ عبد الحق کے صاحبزادے ہیں۔ ان سے مجھ کو حقیقت کا پتہ چلا اور میں اس کو لکھتا ہوں۔

حسن خان افغان شیخ احمد کا مرید تھا وہ کسی بات پر ان سے آزردہ ہوا۔ اس کے پاس شیخ احمد کے کچھ مکاتیب تھے اس نے ان مکاتیب میں تحریفات کیں اور پھر ان کے بیس نسخے لکھوا کر منتشر کئے جب شیخ عبد الحق کے پاس جو شاہ عبد الباقی کے خلیفہ ہیں وہ خطوط پہنچے۔ تو بہت ناراض ہونے اور ان کے رَدّ میں خطوط لکھ کر شیخ احمد کابلی کو ارسال کئے۔ شیخ کے خطوط زجر و توبیخ بھرے تھے۔ شیخ کابلی نے اصل خطوط کی نقل اپنے ہاتھ سے لکھ کر شیخ عبد الحق کو ارسال کی اور ان کو لکھا۔ ایسی تحریر سے اللہ مجھ کو محفوظ رکھے۔ میرے مریدوں میں سے ایک شخص مجھ سے برگشتہ ہوا اور یہ فتنہ پھیلا کر مجھ کو ہر چھوٹے بڑے کا ہدف ملامت بنایا۔ بالآخر میری بددعا اس کو لگی اور وہ بخارا میں ارتداد کی تہمت میں مارا گیا، جب شیخ دہلوی پر یہ بات کھلی تو انھوں نے ایک مکتوب لکھا جس میں آپ کے بیان کی تعریف اور اپنی لاعلمی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ تحریر میں نے ملاحظہ کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

اگرچہ ان کے نزدیک ہم اہل وجد و سماع فاسق ہیں تاہم "ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا" پر نظر رکھتے ہوئے میں نے راہِ انصاف اختیار کی اور ان کے حال کی تفتیش میں لگا۔" ٤١

شاہ فتح محمد کی تحریر سب کے سامنے ہے۔ ان کا اندازِ تحریر بتا رہا ہے کہ وہ اپنے بیان میں سچے ہیں۔ وہ یقیناً شیخ نور الحق سے ملے ہیں۔ اور انھوں نے جناب شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر بھی دیکھی ہے۔ حضرت میرزا جانِ جاناں مظہر شہید قدس سرہٗ کا بیان "اخلاص نامہ" کے سلسلہ میں آگے آرہا ہے آپ ایک طویل مکتوب کا ذکر کر رہے ہیں جو جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام لکھا ہے آپ کے بیان سے شاہ فتح محمد کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔

اس دَور کے بعض فضلاء غیر مجددی ذرائع کی تلاش میں ہیں تاکہ طرفداری کا شائبہ باقی نہ رہے۔ شاہ فتح محمد کا بیان ایسے افراد کے لئے وقیع ہونا چاہیئے کیونکہ نہ وہ مجددی ہیں نہ حقی۔ نہ ان کا تعلق سلسلۂ نقشبندیہ سے ہے نہ قادریہ سے۔ وہ حضراتِ چشت سے وابستہ ہیں اور انہی کے مسلک کے دلدادہ۔ وہ جویائے حقیقت اور صاف گو ہیں۔ چلتے چلاتے ایک چوٹ کر گئے۔ کہ ہم اہل وجد و سماع اگرچہ ان کی نظر میں فاسق ہیں لیکن ہم نے راہِ انصاف نہیں چھوڑی اور ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا کو بھی نہ بھولے۔

شاہ فتح محمد کے بیان سے جناب شیخ کا دامن الزام تراشی اور تہمت طرازی سے پاک ہو رہا ہے۔ کیونکہ جناب شیخ کا وہ طولانی مکتوب جس کو حضرت مجدد کے معاندین بڑی وقعت دے رہے ہیں

(گویا کہ صحیفۂ آسمانی ہے) سب کے سامنے ہے۔ اور حضرت مجدد کے رسائل اور مکتوبات بھی پیشِ نظر ہیں۔ اٹھا کر دیکھ لیا جائے کہ حضرت مجدد کی جن عبارتوں کو نقل کیا گیا ہے، وہ درست ہیں یا نہیں، اور یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ بالکل من گھڑت کتنے افسانے درج ہیں۔ جناب شیخ کو حضرت مجدد سے ہزار اختلاف کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ ایسا حرام فعل کسی حال میں نہیں کر سکتے کہ کسی کی عبارت کو بدلیں۔ یقیناً جناب شیخ کو بدطینت افراد نے دھوکہ میں ڈالا ہے۔ اور جب ان پر حقیقت ظاہر ہوئی تو انھوں نے اس کو بیان کر دیا۔

میں نہیں کہتا کہ جناب شیخ کو مسائلِ طریقت میں حضرت مجدد سے اختلاف نہیں تھا، جناب شیخ نے "سیرِ مرادی" اور "وُصلِ عُریان" کے سلسلہ میں حضرت مجدد کے بیان کردہ معارف سے اختلاف کیا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ اختلاف زائل نہیں ہوا بلکہ آخر تک رہا۔ اس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔

معاندوں نے نہایت منظم طریقے سے حضرت مجدد کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔ انکے دامِ فریب میں بہت سے سادہ لوح افراد گرفتار ہو گئے تھے۔ انہی میں سے ایک جناب شیخ عبد الحق ہیں۔ جہانگیر بھی ان کی غلط باتوں سے متاثر ہوا تھا کیوں کہ اس نے جو بات آپ سے کہی وہ صحیح نہ تھی اور جو فتویٰ درباری علما نے حضرت مجدد کے قتل کا دیا تھا وہ بھی غلط الزامات کی بنا پر تھا۔ حضرت مجدد کے معاندوں اور درباری علماء کے حسب حال ابنِ خفاجہ اندلسی کے یہ دو شعر ہیں۔

دَرَسُوا الْعُلُوْمَ لِیَمْلِکُوْا بِجِدَالِہِمْ — فِیْہَا صُدُوْرَ مَرَاتِبٍ وَّمَجَالِسٍ
وَتَزَهَّدُوْا حَتّٰی اَصَابُوْا فُرْصَةً — فِیْ اَخْذِ مَالِ مَسَاجِدٍ وَّکَنَائِسٍ

ترجمہ: علوم دین کو اس واسطے پڑھا کر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوں اور امیروں کی محفلوں تک رسائی ہو۔ ان لوگوں نے دینداروں کی سی شکل اس واسطے اختیار کی ہے کہ موقع پا کر مسجدوں اور معبدوں کا مال لوٹیں۔"

وہ فتویٰ بھی اقوال محرفہ کی رو سے لکھا گیا تھا۔ محمد اقبال مجددی نے عبداللہ خویشگی عبدی قصوری کے احوال و آثار پر ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ اس میں معارج الولایت سے ایک استفتا اور فتویٰ نقل کیا ہے۔ سائل جو سوال کرے گا اور جن الفاظ سے کرے گا مفتی اسی کا جواب لکھے گا۔ جو استفتا ہے وہ محرف عبارات سے لکھا گیا ہے لہٰذا جواب لکھنے والوں نے دل کھول کر تکفیر و تضلیل کی ہے۔ کسی نے ملحد لکھا ہے اور کسی نے واجب القتل قرار دیا ہے [1]

زباں پر وہ آئے گا جو مَن میں ہے — رِسیگا وہی جو کہ بَرتن میں ہے

معارج الولایت میں سے کچھ عبارتیں محمد اقبال نے نقل کی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریفات کی تشہیر بہت زیادہ کی گئی، سادہ لوح اور حقیقت سے بےخبر افراد پر کافی اثر ہوا خاص کر اس وجہ سے کہ شیخ عبد الحق

---

[1] احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری کے صفحہ ۲۰۵ سے ۲۱۰ ملاحظہ کریں۔

نے جو آپ کے پیر بھائی تھے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صاحب علم وفضل وتقویٰ، صاحب تالیفات بھی تھے۔ ان تحریفات کو قبول کیا تھا اور ان کے رد میں وقتاً فوقتاً کچھ لکھتے رہے تھے۔ معارج الولایت کی ایک تحریر محمد اقبال کی کتاب سے میں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو اس ظلم وستم کا کچھ اندازہ ہو سکے جو مخالفوں نے آپ کے ساتھ جائز رکھا تھا۔

خویشگی کی تحریر

"بہ دعوت طالبان حق ارشاد کرد۔ پس وے اکثر طالبان را ہدایت نمودے و بجانب حق دلالت فرمودے و براجرائے شرایع تقید فرمودے، و تارک شرائع را توبیخ و زجر کردے و مرتکب شرایع را دوست داشتے و چوں برائے تحریمۂ نماز برخاستے اغلب اوقات نیت را بہ دل کردے و زبان را ساکت گردانیدے و گفتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیت بہ دل کردہ نہ بہ زبان۔ زیرا کہ نیت فعل قلب است نہ فعلِ لسان۔ واز مشائخ متقدمین ہر کہ قائل بہ وحدت وجود شدہ چنانکہ حسین منصور و شیخ محی الدین عربی و امثال آن او را ملحد و زندیق گفتے۔ در مکتوبات خود کہ مجلد بہ سہ مجلد است در اکثر مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر نمودہ و در بعضے محال نسبتِ مذاہب اعتزال بہ وے ثابت نمودہ و با ایں ہمہ او را از جملۂ مقبولان شمردہ۔ و چوں در حدیث نبوی واقع شدہ مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْہِ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی وَقَعَ فِیْہِ۔ چنانکہ بر مشائخِ شطحیات طعن کردے خود نیز اکثر جا قائل شطحیات شدہ و ازیں جہت جہانگیر بادشاہ برگوالیار مدتے محبوس ساخت چنانکہ شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد و چوں بادشاہ بر برأتِ ذمۂ او وقوف یافت در معذرت شتافت۔ فرمود کہ حاجت اعتذار نیست زیرا کہ دریں حبس بہ حفظ کلام الٰہی مستسعد شدم و چون ایں حقیر را بر مشائخ اعتقاد صحیح و عقیدۂ صریح است باوجودے کہ علماء عصر و فضلائے دہر بر بطلانِ کلام او و فسادِ سخنانِ او فتویٰ دادہ۔ بہ حسبِ طاقتِ فہم و قدرتِ ذہنِ خویش شطحیات ایشاں مع ایرادات ایراد می نماید۔"[1]

ذیل میں عبدی خویشگی کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ کیا جائے۔

"(حضرت خواجہ باقی باللہ نے) آپ کو دعوتِ طالبانِ حق کی اجازت دی اور طلبگارانِ حق کو آپ ہدایت کرتے، اللہ کی طرف دلالت فرماتے، احکامِ شرعیہ کی پیروی کی تاکید کرتے، تارکِ شریعت کو زجر و توبیخ کرتے۔ شریعت پر عمل کرنے والے سے خوش ہوتے، جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے اکثر اوقات میں دل سے نیت کرتے، زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے نیت کی ہے، زبان سے نہیں کی ہے کیونکہ نیت دل کا کام ہے نہ زبان کا۔ اور گزرے ہوئے مشائخ میں سے جو بھی وحدت وجود کا قائل ہوا ہے جیسے حسین منصور اور شیخ محی الدین عربی اور ان کے امثال، ان سب کو وہ ملحد و زندیق کہتے، اپنے مکتوبات میں جو تین جلدوں میں ہے۔ اکثر جگہ شیخ محی الدین عربی کی تکفیر کی ہے۔ بعض جگہ ان کو

---

[1] احوال و آثار خویشگی صفحہ ۱۴۹ و ۱۵۰

معتزلی قرار دیا ہے۔ اور ان سب کے ہوتے ہوئے ان کو (ابن عربی کو) مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کی جماعت میں شمار کیا ہے۔ حدیثِ نبوی میں واقع ہے۔ "جو شخص اپنے بھائی کے واسطے گڑھا کھودے تو مرنے سے پہلے وہ خود اس میں گرے۔" چوں کہ آپ اصحابِ شطح مشائخ پر طعن کرتے تھے خود ہی اکثر موقع میں شطحیات کہہ گئے ہیں (شطحیات کلام سُکر ہے جیسے انا الحق اور سبحانی) بنابریں جہانگیر بادشاہ نے گوالیار میں ایک مدت شیخ کو محبوس رکھا۔ آپ نے وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور جب بادشاہ کو آپ کے بری الذمہ ہونے کا علم ہوا تو معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا معذرت خواہی کی حاجت نہیں کیونکہ اس حبس میں حفظ کلام الٰہی کی سعادت میں نے حاصل کی ہے۔

چوں کہ اس حقیر (عبدی) کو مشائخ سے صحیح اعتقاد اور کھلی عقیدت ہے اور باوجود اس کے کہ علمائے عصر اور فضلائے دہر نے ان کے کلام کے اِبطال اور ان کی باتوں کے فساد پر فتویٰ دیا ہے۔ پھر بھی اپنی طاقتِ فہم اور قدرتِ ذہن کے مطابق ان کی شطحیات کو مع ایرادات کے ذکر کرتا ہوں۔"

عبدی کو اعتراض ہے کہ حضرت مجدد نے ابن عربی کو جماعتِ مقبولان میں بھی شمار کیا ہے پھر بھی وہ لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے اور ان کو ملحد و زندیق قرار دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عبدی کا علم جزوی تھا، ان کو یہ تک خبر نہ تھی کہ جو شخص شرعاً فاسق ہوتا ہے وہ ولی نہیں ہو سکتا چہ جائے ملحد و زندیق و کافر۔

عبدی نے لکھا ہے، جب بادشاہ کو آپ کی برأت کا علم ہوا تو معذرت خواہ ہوا۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ آپ پر جو الزامات لگائے گئے تھے اور آپ کی جو گرفتاری تھی سب ناحق تھے، مع ہٰذا عبدی ان الزامات کو دہراتے ہیں۔

میں نے حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارت اور اس کا ترجمہ ابتدا میں لکھا ہے آپ نے کیا خوب کہا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنے انبیا کے ساتھ رکھا اور جو اس کی عادتِ مستمرہ ہے وہی اس نے حضرت مجدد کے ساتھ کیا کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف (خشک) فقہا نے انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں بیشی ہوتی رہے۔"

حضرت شاہ صاحب کا کلام اگرچہ مختصر ہے لیکن بہت وقیع ہے، آپ نے شریعت مطہرہ کے حکم سے آگاہ کر دیا ہے کہ جس شخص کو ایذا پہنچائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے مراتب بڑھاتا ہے اور جس شخص پر غلط الزام لگایا گیا، جب تک وہ الزام دُہرایا جائے گا، اللہ تعالیٰ الزام لگانے اور اس کو دُہرانے والوں کی نیکیاں اس شخص کو دیتا رہے گا اور اگر الزام لگانے یا دُہرانے والوں کی نیکیاں نہیں ہیں تو اس شخص کے گناہوں کو الزام لگانے والوں کے حساب میں جمع کرتا رہے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے جو بات کہی ہے اور جس مضمون کو آپ نے اس طریقہ پر بیان کیا ہے اسی کو

حضرت مجدد نے عجب والہانہ انداز سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے جناب شیخ عبدالحق کو تحریر فرمایا ہے۔

ایک مکتوب

”مخدوما مکرما۔ مصائب کے نازل ہونے میں اگرچہ دکھ درد اٹھانا پڑتا ہے لیکن ان میں بھلائیوں کی توقعات ہیں اس حیات کا عمدہ تحفہ رنج و غم اور اس مائدہ (خوان) کی لذیذ تر نعمت اندوہ والم ہے، یہ مصری کی ڈلیاں ہیں جن کو کڑوی دوا کے غلاف میں لپیٹ کر آزمائش کا دروازہ کھول دیا ہے، خوش نصیب اور سعادت مند وہ افراد ہیں جن کی نظر مصری کی ڈلیوں پر ہوتی ہے اور وہ ان کڑوے غلافوں کو بھی مصری کی طرح کھا لیتے ہیں، ان کا حال صفرائیوں اور علتیوں کے برعکس ہے، کیوں کہ ان کے لئے اس تلخی میں مٹھاس ہے اور مٹھاس کیوں نہ ہو جب کہ وہ حضرت محبوب تعالیٰ شانہٗ کا عطیہ ہے۔ اور محبوب کے تمام عطیات شیریں ہیں، چوں کہ علتی ماسویٰ کا گرفتار ہے لہذا تلخی محسوس کرتا ہے، سعادت مندوں کو محبوب کے ایلام میں جو حلاوت و لذت حاصل ہوتی ہے وہ اس کے انعام میں نہیں ہوتی اگرچہ دونوں محبوب ہی کا عطیہ ہیں کیونکہ ایلام میں مُحب کی خواہش شامل نہیں ہوتی بخلاف انعام کے کہ اس میں نفس کی خواہش شامل ہوتی ہے۔“ [1]

اس مضمون کو وقار جائسی نے کیا خوب ادا کیا ہے۔

دیکھی جب ان کی خوشی غم کی عطا میں ہم ہو گئے دلدادۂ غم اور زیادہ

حضرت مجدد کو مقام رضا مل چکا تھا آپ ہر حال میں اپنے مولیٰ سے راضی تھے، اصحاب رضا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ۔ ”اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے۔“

جناب شیخ عبدالحق کا اختلاف

جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ولادت ماہ محرم ۹۵۸ھ میں اور وفات ماہ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں ہوئی ہے، [2] جناب سید احمد خاں نے ”آثار الصنادید“ میں اس عبارت کو نقل کیا ہے جو آپ کے مزار کے سرہانے دیوار پر چونہ کے حرفوں سے لکھی ہے۔ میں اس کا آخری حصہ لکھتا ہوں۔

”در محرم ۹۵۸ھ این نور اتم پرتو ظہور بہ عالم عنصری دادہ و در ۱۰۵۲ھ بہ تمام آگہی و کشادہ پیشانی بہ عالم قدس خرامید، تاریخ ولادت ”شیخ اولیا“ (۹۵۸) و تاریخ وفات ”فخر العالم“ (۱۰۵۲) است۔“ [3]

آپ فضلائے روزگار اور بندگان اخیار میں سے تھے، مدۃ العمر دین کی خدمت کی اور بکثرت کتابیں تالیف کیں۔ آپ کی چھپن کتابیں میرے شمار میں آچکی ہیں۔ آپ کو سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ آپ نے حضرت کے مناقب میں ”زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار“ لکھی ہے اور حضرت کی کتاب ”فتوح الغیب“ کی شرح بھی لکھی ہے، آپ ابتدا میں مخدوم موسیٰ گیلانی اوچی

---

[1] مکتوب ۲۹ دفتر اول [2] نزہۃ الخواطر جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲ [3] آثار الصنادید باب ۳ صفحہ ۵۵۔

الحسنی القادری سے بیعت ہوئے، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور حضرت خواجہ نے آپ کو اجازتِ طریقت دی، خواجۂ خورد نے اپنی رباعیات کی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے[1] حضرت خواجہ کی وفات کے بعد آپ پھر سلسلۂ قادریہ کی طرف راجع ہوئے اور شاہ ابو المعالی قادری لاہوری سے بیعت ہوئے۔ جو کہ مخدوم موسیٰ گیلانی کے پیر بھائی تھے، جناب شیخ اگرچہ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے، لیکن کششِ دل ان کو اسی راہ پر لے گئی جوان کے حسب حال تھی۔ حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے۔

"ہمارے حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ احوال کی صحت کی نشانی یہ ہے کہ یقین کامل حاصل ہو۔"[2]

حضرت مجدد کے علم ظاہر کے متعلق میں کیا لکھوں، آپ کے رسائل اور مکتوبات ساڑھے تین سو سال سے اہل علم کے سامنے ہیں۔ وہ ان کو دیکھیں اور آپ کے مَبلغِ علم کا اندازہ لگائیں، اس معاملہ میں آپ کے حسب احوال یہ شعر پاتا ہوں۔

تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا   فَانْظُرُوا بَعْدَنَا إِلَى الْآثَارِ

آپ کے علم باطن کے متعلق آپ کے پیرو مرشد برحق حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا یہ ارشاد گرامی میرے سامنے ہے۔ "میاں شیخ احمد آفتابے است کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است واز کُمّلِ اولیائے متقدمین خال خالے مثل ایشاں گزشتہ باشند"[3]

"یعنی میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے ضمن میں گم ہیں اور ان جیسے اولیائے متقدمین میں خال خال ہی ہوئے ہوں گے۔"

مقام ایقان حضرت خواجہ کا اشارہ اس مقام ایقان کی طرف ہے جس کا سرچشمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس ہے۔ حضرت صدیق کے ایقان کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حُدَیبیہ میں اہل مکّہ سے صلح کی اور جو صلح نامہ لکھا گیا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دب کر صلح کی ہے، اس وقت حضرت عُمر حضرت صدیق کے پاس پہنچے، رضی اللہ عنہما، اور ان سے کہا۔ کیا حضور اکرم اللہ کے رسول نہیں ہیں آپ نے فرمایا، ہیں۔ پھر کہا۔ کیا ہم مسلمین نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہیں۔ پھر کہا۔ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں، آپ نے فرمایا ہیں۔ پھر کہا۔ فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا۔ تو ہم اپنے دین میں یہ گراوٹ کیوں منظور کریں، حضرت صدّیق نے فرمایا۔ "یَا عُمَرُ اِلْزَمْ غَرْزَهٗ فَاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ" اے عمران کی رکاب کو مضبوطی سے تھام۔ یعنی جو بھی وہ کریں بلا چون وچرا اس کو قبول کر۔ میں یقین سے گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عمر نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں پہنچے اور بجنسہ وہی سوال کئے، جو حضرت صدیق سے کئے تھے اور بجنسہ وہی جواب پائے جو انھوں

---

[1] باعیات درشرح رباعیات از خواجہ خورد صفحہ ۱۳۰ [2] مکتوب ۴ دفتر دوم [3] زبدۃ المقامات در احوال میر محمد نعمان

نے دیئے تھے البتہ آخری سوال کا حضورِ اکرم نے یہ جواب دیا۔ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ لَنْ اُخَالِفَ اَمْرَہٗ وَلَنْ یُّضَیِّعَنِیْ۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس کے امر کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا اور وہ مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔[1]

اور پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ایقانِ کامل کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ جب آپ نے بوقتِ آخر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی۔

"آپ نے لوگوں پر عمر کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں جو کچھ لوگوں کو ان سے پہنچا۔ اور یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہوا ہے کہ آپ موجود ہیں اور جب وہی مختارِ کل ہوں گے تو کیا کریں گے۔ آپ اپنے مولیٰ کے پاس جا رہے ہیں۔ اور وہ آپ سے آپ کی رعیت کے متعلق دریافت کرے گا۔" راوی کہتا ہے کہ حضرت صدیق اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ کی بات سن کر فرمایا۔ مجھ کو بٹھاؤ۔ چنانچہ آپ کو بٹھایا گیا۔ آپ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا۔ اَبِاللّٰہِ تُفَرِّقُنِیْ اَوْ اَبِاللّٰہِ تُخَوِّفُنِیْ، اِذَا لَقِیْتُ اللّٰہَ رَبِّیْ۔ فَسَاَلَنِیْ قُلْتُ اسْتَخْلَفْتُ عَلٰی اَھْلِكَ خَیْرَ اَھْلِكَ۔ کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو یا خائف کرتے ہو۔ جب میں اللہ سے جو کہ میرا پالنے والا ہے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو میں عرض کروں گا میں نے تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر کو تیرے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے۔[2]

حضرات مشائخِ کرام میں سے جس کو یہ نعمتِ عظمیٰ ملتی ہے وہ معارف میں امام ہے اس کو اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ وہ دوسروں کے کشوفات والہامات کا پابند نہیں ہے۔ اپنے کشوفات اور الہامات کو قرآن وحدیث اور اجماع پر عرض کرے اور جب مخالفت نہ پائے تو انکو بیان کرے اور ان پر عمل کرے۔

حضرت مجدد کو حضرت خواجہ کے طفیل سے اللہ تعالے نے یہ نعمت دی اور آپ کو منصبِ امامت ملا۔ خلقِ خدا آپ کو امامِ ربانی کہتی ہے۔

حضرت شیخ اکبر کے بعد یہ مقام حضرت مجدد کو ملا اور آپ مَامُوْرٌ مِّنَ اللّٰہِ ہوئے کہ اپنے کشوفات کا اظہار کریں لیکن جناب شیخ عبد الحق میدانِ طریقت میں ہمیشہ سہارے کے محتاج رہے۔ ان کا قدم دائرۂ تقلید سے باہر نہیں نکلا تھا، ان کے نزدیک حضرت سیدنا عبد القادر کے ارشاد کا جو مفہوم ان کے متبعین نے بیان کر دیا ہے یا شیخ اکبر نے جن حقائق کا اظہار کر دیا ہے اس سے تجاوز کرنا بے ادبی ہے۔ لہٰذا شیخ عبد الحقؒ نے حضرت مجدد سے اختلاف کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں وہ حضرت مجدد سے خوش نہ تھے۔ انھوں نے جو طولانی مکتوب حضرت مجدد کو لکھا ہے اور جس کو چند سال قبل پروفیسر خلیق احمد نظامی نے طبع کیا ہے۔ اس کے اوائل میں یہ لکھا ہے۔

"بعد ازاں کہ در خدمت خواجہ محمد باقی افتادند واز صحبت شریف ایشان استفادۂ ایں نسبت

---

[1] البدایۃ والنہایہ جز ۴ صفحہ ۱۶۸۔ [2] تاریخ الامم والملوک جز ۲ صفحہ ۶۲۱۔

کردند و رُو بہ ترقی نہادند در حیات و بعد از وفات ایشان از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حدِ حصر و قیاس چناں کہ و چنداں کہ مردم حیران شدند۔"[1]

ترجمہ: جب آپ خواجہ محمد باقی کی خدمت میں پہنچے اور ان کی مبارک صحبت سے اس نسبت کا استفادہ کیا اور رو بہ ترقی ہوئے تو ان کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد اپنے فضائل و کمالات کا اظہار شروع کر دیا اور اتنے بے حد و بے حساب فضائل بیان کئے کہ لوگ حیران ہو گئے۔

خواجگانِ نقشبندیہ کا معمول رہا ہے کہ وہ سالک سے اس کے واقعات و احوال کو دریافت فرماتے ہیں اور توجہات سے منازلِ سلوک طے کراتے ہیں۔ اگر جناب شیخ دفترِ اول کے مکتوب گیارہ کو دیکھ لیتے تو حیران نہ ہوتے۔ اس مکتوب میں حضرت مجدد حضرت خواجہ کو لکھ رہے ہیں۔

"چوں از جانب حضرت ایشاں مامور بود امتثالاً لِلْأَمرِ در بعضے امور جرأت و گستاخی نمودہ آید۔ ع
مَن ہماں احمدِ پارینہ کہ ہستم ہستم۔

ترجمہ: چونکہ حضرت والا کی طرف سے حکم ہوا تھا لہٰذا حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے بعض امور کے بیان کرنے کی گستاخی واقع ہوئی ورنہ میں وہی پرانا احمد ہوں جو ہوں۔

میں "وصول بہ کعبۃ الآمال" کے بیان میں حضرت خواجہ کے اس مبارک مکتوب کو لکھ چکا ہوں جس کو خواجہ ہاشم نے حضرت خواجہ کے ارسال کردہ مکتوب سے جو آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ تھا زبدۃ المقامات میں نقل کیا ہے۔ حضرت خواجہ نے اس مبارک مکتوب میں کن مقاماتِ عالیہ کے متعلق حضرت مجدد کو تحریر فرمایا ہے اور آپ سے کیسے کیسے اَدَق مسائل دریافت کئے ہیں، جتنا صاحبِ استعداد طالبِ علم ہوتا ہے کامل استاد اتنا ہی دقیق سوال اس کے سامنے رکھتا ہے۔ اور سعادتمند طالب اس کو حل کر کے استاد کی خوشنودی اور دعائیں حاصل کرتا ہے۔

جناب شیخ کو حضرت مجدد کے بیانات نے حیران کر دیا ہے۔ اگر ان کو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد صادق قدس سرہٗ کے حالات کا علم ہوتا۔ واللہ اعلم کیا فرماتے اور کیا لکھتے خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات کی فصل دہم میں آپ کا جو حال لکھا ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے از عجائبات عالم ہے۔ لکھا ہے۔

"آپ کی عمر دس سال کی تھی اور حضرت خواجہ باقی باللہ آپ سے اُمورِ کونیّہ غیبیہ کے متعلق استفسار فرماتے تھے اور آپ عَلَی الفَور جواب عرض کرتے تھے۔ حضرت خواجہ آپ کو مقابر لے جا کر بعض اصحاب قبور کا حال دریافت فرماتے تھے اور آپ اپنا کشف و مشاہدہ بیان کرتے تھے۔"

حضرت خواجہ کا مکتوب "وصول بہ کعبۃ الآمال" کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس میں تحریر ہے "شیخ

---

[1] حیاتِ شیخ عبدالحق صفحہ ۳۱۳۔

مذکور کی اولاد جدا ہی کم عمر بچے ہیں، اسرارِ الٰہی ہیں۔"

حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ در خاتمہ رسالہ کہ از سوالات بر کلام حضرت ایشاں نمودہ می نویسد کہ مرا در بارۂ شما ایں آیت شریفہ "وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ يَعِدُكُمْ" اِلقا گردیدہ۔ مخفی نیست کہ ایں کریمہ در رفع اشتباہ حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام است مر فرعون و فرعونیاں را۔ سبحان اللہ حضرت ایشاں موسوی المشرب بودند۔ اگر حضرت شیخ را از فرط غضب رفع شبہات ازایں کریمہ نشدہ اما بعد چندے بہ حقیقت کمالات حضرت ایشان اقرار نمودہ اند" الخ [1]

(ترجمہ) حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طویل مکتوب کے خاتمہ میں حضرت مجدد کو لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے بارے میں یہ آیت شریفہ مجھ کو القا ہوئی۔ (آیت) "اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہوگا تو تم پر پڑے گا کوئی وعدہ جو دیتا ہے" واضح ―――― رہے کہ اس آیت مبارکہ کا تعلق اس اشتباہ کے ازالے کے لئے ہے جو فرعون اور فرعونیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کے متعلق تھا۔ سبحان اللہ (کیا ہی خوب القا ہے) حضرت والا موسوی المشرب تھے۔ (وروو فیض لطیفہ سر پر بیشتر تھا) اگرچہ انتہائے غضب کی وجہ سے اس آیت مبارکہ کے القا کیوقت حضرت شیخ کا اشتباہ رفع نہ ہوا۔ لیکن کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ آپ پر حضرت مجدد کے کمالات کی حقیقت ظاہر ہوئی اور آپ نے خواجہ حسام الدین احمد کو مکتوب تحریر کیا (اخلاص نامہ)"

اور حضرت شاہ غلام علی نے دوسرے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ در شرح فارسی فتوح الغیب تصنیف حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ اند۔ اسرار دقیقہ و علوم غامضہ بر قلوب عرفا وارد می شود عبارت بہ آں کفایت نمی کند پس تعلیم و تفویض آں بہ علم حضرت علیم مطلق سبحانہ باید نمود، زبان انکار نہ باید کشود" [2]

(ترجمہ) حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی کتاب فتوح الغیب کی فارسی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ نے لکھا ہے۔ عارفوں کے دلوں پر ایسے دقیق اسرار اور مخفی علوم وارد ہوتے ہیں کہ ان کے بیان سے دامانِ عبارت قاصر رہتی ہے لہٰذا ان اسرار و علوم کے علم و معرفت کو حضرت دانائے مطلق جل شانہٗ کے حوالے کیا جائے اور انکار نہ کیا جائے"

اُن مشائخ کرام سے جن کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی بزرگی پر اتفاق ہے ایسے اقوال منقول ہیں جو بہ ظاہر نادرست ہیں۔ جیسے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ، لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیٍّ۔ وامثالہا ―― اور جناب شیخ ان اقوال کے لئے تاویل و توجیہ سے کام لیتے ہیں

---

[1] مکتوب ۱۰ صفحہ ۱۴۲۔ [2] مکتوب ۸۰ صفحہ ۱۰۹۔

تو پھر حضرت مجدد کے لئے اس گوشۂ عاطفت کا استعمال کیوں نہیں فرماتے اگر حضرت شیخ حضرت مجدد کے کلام کی تاویل و توجیہ نہیں کرتے تو اتنا تو کریں کہ آپ کے کلام کو صحیح طور پر نقل کریں اور اس کو برائی کی طرف نہ لے جائیں۔ مولانا سید صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی نے اس سلسلہ میں کیا خوب لکھا ہے۔

"كَانَ فَقِيهًا مَاتُرِيدِيًّا حَرِيصًا عَلَى اِتِّبَاعِ السُّنَّةِ مُجْتَهِدًا فِيهِ قَلِيلَ الْخَطَاءِ فِي دَرْكِهِ وَالْمَسَائِلُ الْمَعْدُودَةُ الَّتِي شَدَّدَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ النَّكِيرَ بِهَا عَلَيْهِ فَالصَّوَابُ اَنَّ لَهَا تَاوِيلًا وَقَدْ شَارَكَهُ فِيهَا غَيْرُهُ مِمَّنْ لَا يُحْصٰى كَثْرَةً فَلَيْسَ اِذًا يَخُصُّهُ الْاِنْكَارُ" [۱]

ترجمہ۔ آپ (حضرت مجدد) ماتریدی فقیہ، اتباع سنت پر حریص اور اس میں ساعی اور مجتہد تھے اور اپنے ادراکات میں خطا پر کم تھے، اور وہ چند مسائل جن کی بنا پر بعض اہل علم نے آپ پر سختی سے نکیر کی ہے تو اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ان کی تاویل ہے اور اس قسم کی باتوں میں بے حساب افراد آپ کے شریک ہیں بنا بریں اس انکار کی تخصیص آپ سے نہیں ہے:

مشہور مثل ہے۔ گھر کی مرغی دال برابر۔ حضرت مجدد ہندوستان کے تھے لہٰذا یہاں آپ کو بدنام کرنے کی ہر کوشش کی گئی، آپ کی عبارت کو بدلا گیا، اس کا غلط مفہوم بیان کیا گیا، جہانگیر کے دربار میں آپ کی جو برأت ثابت ہوئی اس کا ذکر تک نہیں کیا جاتا اور وہ جھوٹا الزام آج تک برابر دہرایا جا رہا ہے جس کا بطلان سر دربار ثابت ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ ہندوستان کے محقق کر رہے ہیں ان بے خبروں کو کچھ خبر نہیں کہ حضرت غوث الثقلین، حضرت بسطامی، حضرت خرقانی، حضرت جنید بصری حضرت پیر ہرات انصاری، حضرت شیخ اکبر وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے کیسے کیسے اقوال بہ تواتر ثابت ہوئے ہیں اور علماء اعلام نے بلکہ حضرت مجدد نے ان اقوال کی کیا اچھی تاویلات کی ہیں۔

قطب شام، علامۂ روزگار شیخ عبد الغنی نابلسی قدس سرہٗ نے رسالۂ ایضاح الدلالات میں اس سلسلہ میں نہایت نفیس پُر از حقائق مقالہ لکھا ہے۔ اس میں تحریر فرمایا ہے۔

إِذَا سَاءَ فِعْلُ الْمَرْءِ سَاءَتْ ظُنُونُهُ   وَصَدَّقَ مَا يَعْتَادُهُ مِنْ تَوَهُّمِ

وَالْاِنْسَانُ الْكَامِلُ لَا يَعْرِفُ الْوُجُودَ اِلَّا كَامِلًا وَلَا يَرَى اِلَّا الْكَمَالَ۔ الخ

(ترجمہ) جب کسی شخص کا کردار اچھا نہیں رہتا تو اس کے خیالات بھی فاسد ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ اپنے مزعومات اور تخیلات کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ ورنہ حقیقت امر یہ ہے کہ مرد کامل، وجود کو سراسر کامل سمجھتا ہے اور اس کو بجز کمال کے اور کچھ نظر نہیں آتا"

کہاں آج کل کے محققوں کی دروغ بافیاں اور ان کے فاسد خیالات اور کہاں اہل کمال کا ارشاد اور ان کا مبارک طریقہ۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ لِمَرْضَاتِهِ

---

[۱] ابجد العلوم صفحہ ۹۰۰۔

مکتوب جناب شیخ کے متعلق

جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت مجدد کو آخری ایام میں ایک طویل مکتوب لکھا ہے، جس کو ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "حیات شیخ عبدالحق" میں طبع کیا ہے، جو اس کتاب کے صفحہ ۳۱۲ سے ۳۴۴ تک ہے۔ اگرچہ یہ مکتوب نئے تعلیم یافتہ افراد کے سامنے اس کتاب کے ذریعہ اب آیا ہے، لیکن اہل علم اور اکابر سلسلۂ مجددیہ کے سامنے پہلے دن سے آیا ہوا ہے، اور ان حضرات نے اس ساڑھے تین سو سال کے عرصہ میں اس مکتوب کے جواب میں بہ کثرت رسالے لکھے ہیں، میں بعض اہم رسائل و تحریرات کو بیان کرتا ہوں۔

۱۔ شیخ بدرالدین سرہندی نے "حضرات القدس" کے ساتویں حضرت میں بعض اعتراضات کا جواب لکھا ہے اور وہ مکالمہ بھی تحریر کیا ہے جو آپ کا جہانگیر سے کھلے دربار میں ہوا ہے۔

۲۔ حضرت محمد یحییٰ فرزند اصغر حضرت مجدد نے ایک رسالہ لکھا ہے۔

۳۔ حضرت محمد فرخ معروف بہ فرخ شاہ فرزند سوم حضرت محمد سعید، فرزند دوم حضرت مجدد نے رسالۂ "كَشْفُ الْغِطَاءِ عَنْ أَذْهَانِ الْأَغْبِيَاءِ" لکھا ہے، آپ اپنے وقت کے اجلۂ علماء اسلام میں سے صاحب تالیفاتِ قیمہ تھے۔

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ایک مختصر مگر پُرتحقیق رسالہ لکھا ہے جو آپ کے فتاویٰ کے آخر میں طبع ہوگیا ہے۔

۵۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے دو رسالے لکھے ہیں ایک شیخ عبدالحق کے اعتراضات کے رد میں۔ اس کا نام احقاق الحق ہے۔ دوسرا دیگر افراد کے اعتراضات کے رد میں۔ پہلے رسالے کی تالیف سے سہ شنبہ ۲۵ شوال ۱۱۶۰ھ کو فارغ ہوئے ہیں۔ یہ دونوں رسالے آپ کے ہاتھ کے تحریر کردہ میرے پاس موجود ہیں۔

۶۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جو انگریزوں کے غدر سے پہلے کا لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے۔

۷۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے مستقل ایک کتاب ۳۳۶ صفحات کی جناب شیخ کے مکتوب کے رد میں لکھی ہے جو ۱۳۱۱ھ کو چھپ گئی ہے، اس کا نام ہدیہ مجددیہ ہے۔ اللہ ان کو اجر دے کہ انہوں نے جناب شیخ کے ادب اور احترام کا پورا خیال رکھا ہے اور جناب شیخ کے تمام ایرادات کی حقیقت بیان کردی ہے، اور ان کی دوسری کتاب انوار احمدیہ ہے، اس میں اوروں کے ایرادات کا جواب ہے یہ کتاب ۱۳۰۹ھ میں چھپی ہے یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں اور تیسری کتاب عربی میں الکلام المنجی لکھی ہے یہ ۱۳۱۲ھ میں چھپی ہے۔

مولانا وکیل احمد نے "انوار احمدیہ" کے صفحہ ۸۶ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اہلِ حق نے ستر رسائل سے

زائد ہفوات مخالفین کے رد میں لکھے ہیں۔

یہ تو ان رسائل اور کتابوں کا ذکر ہے جو مستقل طور پر اتہامات کے رد میں لکھی گئی ہیں۔ وہ بیانات اور تحریریں جو ضمناً کسی کتاب میں آگئی ہیں، ان کے علاوہ ہیں اور ایسی تحریریں بھی بکثرت ہیں اور اصحاب علم کی ہیں۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت میرزا جان جاناں مظہر، مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا سید صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی، وغیرہم۔ یہ سب نہایت قیمتی اور مہتم بالشان حق وصداقت سے معمور رسائل و تحریرات ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۰۹۴ھ میں علامہ محمد بیگ نے مکہ مکرمہ میں "عَطِیَّۃُ الْوَھَّابِ الْفَاصِلَۃُ بَیْنَ الْخَطَاءِ وَالصَّوَابِ" لکھی ہے، اس کتاب پر اس وقت کے نو جلیل القدر علماء نے تقریظیں لکھی ہیں۔ ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ الاسلام مفتی مکہ مکرمہ عبداللہ عتاقی زادہ۔
۲۔ علامہ اجل شیخ حسن بن مراد تونسی۔ آپ کی تقریظ کیا ہے تحقیقات سے بھرا مستقل رسالہ ہے۔
۳۔ علامہ اجل شیخ احمد بشیشی مصری ازہری شافعی، آپ کی وفات ۱۰۹۶ھ میں ہوئی ہے۔
۴۔ علامہ اجل عبداللہ عباسی شافعی مکی۔
۵۔ علامہ قاسم سنجقدارگی حنفی۔
۶۔ علامہ سید محمد حسینی مکی۔
۷۔ علامہ سید علی بن محمد معروف بہ کُلاہ زادہ۔ دیار بکری، مکی۔
۸۔ علامہ مرشد الدین بن احمد مرشدی۔
۹۔ شیخ الاسلام مفتی مدینۂ منورہ سید اسعد۔

علامہ محمد مُراد مُنزاوی، قزانی، مکی سید محمد صالح زواوی سے بیعت تھے اور وہ حضرت شاہ محمد مظہر مہاجر مدینہ کے خلیفہ تھے (شاہ محمد مظہر میرے دادا حضرت شاہ محمد عمر کے چھوٹے بھائی تھے) انھوں نے چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مکتوبات قدسی آیات کو عربی میں ترجمہ کیا اور ۱۳۱۷ھ میں مکہ مکرمہ کے مطبع امیریہ میں اس کو طبع کیا۔ انھوں نے پہلے حصے کے حاشیہ پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مختصر احوال لکھ کر مندرجہ بالا نو علماء کی تقریظوں کو طبع کیا ہے اور تیسرے حصے (دفتر) کے حاشیہ پر رسالہ عطیۃ الوہاب ہے۔ محمد مراد نے مکتوبات کو عربی میں ترجمہ کر کے علماء عرب کو حضرت مجدد کے معارف سے مستفید ہونے کا موقع دے دیا ہے۔ جزاہُ اللّٰہُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ خَیْراً۔

جناب شیخ نے یہ طویل مکتوب حضرت مجدد کی وفات سے بہت کم عرصہ پہلے لکھا ہے۔ مکتوبات کا تیسرا دفتر ۱۰۳۳ھ میں بند ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے سات آٹھ مہینے کے عرصہ میں دس مکاتیب تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک مکتوب خواجہ حسام الدین احمد کے نام ہے (مکتوب ۱۲۱)، جناب شیخ نے اپنے طویل

مکتوب میں حضرت مجدد کے اس مکتوب کی بعض عبارات پر ردّ و قدح کی ہے۔ آپ کی اس ردّ و قدح میں جرح کا پہلو نمایاں ہے۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ یہی ناملائم جرح اخلاص نامہ لکھنے کا سبب ہوئی ہے (اخلاص نامہ کا ذکر عنقریب آرہا ہے)

اس میں کوئی محل ریب نہیں کہ اس طویل مکتوب میں حضرت مجدد کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے بہت زیادہ محرّف اور غلط ہیں۔ بنابریں بعض افراد نے کہا ہے کہ یہ مکتوب جناب شیخ نے نہیں لکھا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں کیوں کہ مجددی حضرات پہلے ہی دن سے اس کا ذکر کر رہے ہیں اور ردّ لکھ رہے ہیں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں ہے کہ اس مکتوب کی وجہ سے حضرت مجدد کے معاندین میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ البتہ مطابع کے ظہور کے بعد سے حالات نے پلٹا کھایا۔ کیوں کہ جس نے بھی مکتوبات کا مطالعہ کیا وہ صدق دل سے آپ کی بزرگی اور جلالتِ قدر کا قائل ہوا۔ اس پر ظاہر ہو گیا کہ الزامات باطل ہیں۔

محرم ۱۳۸۴ھ / مئی ۱۹۶۴ء میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے کتاب حیات شیخ عبدالحق میں جناب شیخ کے اس طویل مکتوب کو طبع کیا؛ اور مکتوب سے پہلے یہ عبارت لکھی ہے۔

”یہ مکتوب شیخ مجدد اور شیخ محدث کے تعلقات کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتا ہے۔ شیخ محدث نے مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے۔ اُن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، جس شخص نے مجدد صاحب پر اعتراض کئے ہیں اس کو ان سے جو محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔“ ایں مقدار کہ مرا با شما محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود۔“

کتاب ”حیات عبدالحق“ میں اس مختصر و موثر تعارف کے ساتھ مکتوب طویل کی طباعت نے نئی تعلیم کے دلدادگان میں ہلچل مچادی۔ کسی نے کتاب لکھی، کسی نے بیش لفظ عقیدت کے ساتھ پیش کیا، کسی نے تحسین کی کسی نے صلہ دیا، کسی نے اس سے استفادہ کر کے دوسری کتاب لکھدی، کسی کی کتاب ہندوستان میں چھپی، کسی کی لندن میں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے ہاتھ کوئی راز آگیا ہے۔ حالانکہ نہ وہ راز ہے اور نہ کوئی نئی بات۔ یہ سب کچھ صدہا سال پہلے گزر چکا ہے اور اہل حق نے خوب تفصیل سے الزامات کا بُطلان ثابت کر دیا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد کو چاہئے تھا کہ یا تو اس مکتوب کو نہ چھاپتے اور اگر کسی وجہ سے اس کا چھاپنا ضروری تھا تو پھر منصفانہ طور پر جناب شیخ کی تحریر کا جائزہ لیتے۔ اور دیکھتے کہ آیا انھوں نے حضرت مجدد کی عبارتیں صحیح نقل کی ہیں یا ان میں تحریف ہے۔ حضرت مجدد کے مکاتیب چند مرتبہ چھپ گئے ہیں۔ ہر شخص ان کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد صاحب نے لکھا ہے۔ ”مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے ان پر

سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔" حضرت مجدد کی اولاد اور آپ کے ماننے والوں نے صدہا سال سے اس پر سنجیدگی سے غور کیا ہے اور سب کچھ بیان کر دیا ہے، اب تو ضرورت اس بات کی ہے کہ خلیق احمد صاحب سنجیدگی سے ان رسائل کو پڑھیں اور ان تحریرات کو سمجھیں جو عالی قدر حضرات چھوڑ گئے ہیں۔ اور پھر اس محبت کی قدر و قیمت کا اندازہ کریں جو " ایں مقدار کہ مرا بہ شما محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود۔" سے ظاہر ہوتی ہے۔

میں نے بہ کثرت حضرات مشائخ کرام کے مبارک احوال کا مطالعہ کیا ہے۔ جو ظلم و ستم معاندوں نے حضرت مجدد کے ساتھ کیا ہے اور کر رہے ہیں اس کی نظیر مجھ کو نہیں ملی ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ آپ نے اہلِ زیغ کے لئے ان کی کج روی کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے کیا خوب حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ " اللہ نے جو طریقہ اپنے انبیاء کے ساتھ رکھا ہے اور جو اس کی عادت مستمرہ ہے، وہی اس نے حضرت مجدد کے ساتھ کیا۔ کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہاء نے انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں بیشی ہوتی رہے۔"

میری نظر میں جناب شیخ کا یہ مکتوب ایک خصوصی مکتوب تھا جس میں انھوں نے اپنے دل کی وہ تمام الجھنیں جو پینتیس سال سے ان کو بے چین کئے ہوئی تھیں ظاہر کر دی ہیں۔ ان کو جو بات بھی کسی ذریعہ سے پہنچی تھی لکھ دی۔ انھوں نے ذریعہ کے مُستند یا نا مُستند ہونے کو نہیں دیکھا ہے اور ان کو حضرت مجدد سے امید تھی کہ وہ اس کا جواب تحریر فرمائیں گے۔ لیکن وقت گزر چکا تھا اور حضرت مجدد مخصوص گوشہ میں مصروف عبادت ہو کر رفیق اعلیٰ کے پاس جانے کی تیاری کر رہے تھے، بلکہ آپ کی علالت بھی شروع ہو گئی تھی اور آپ شوق وصال میں یہ ہندی مصرع زبان پر لاتے تھے۔ " آج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دینوں وار" لہٰذا آپ نے جناب شیخ کو جواب تحریر نہ فرمایا۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ جناب شیخ نے اپنے مکتوب میں بعض جگہ جو صریح جارحیت کی ہے۔ جیسا کہ تحریر فرمایا ہے۔ " در آخر سکر را بہانہ ساختہ اند" اس کا اثر جناب شیخ پر ہوا ہے اور آپ نے خواجہ حسام الدین کو وہ مکتوب لکھا ہے جس کا بیان بہ عنوان " اخلاص نامہ" عنقریب آرہا ہے۔

چوں کہ یہ نجی مکتوب تھا بنا بریں جناب شیخ نے اس کو اپنی کتاب " المکاتیب والرسائل" میں درج نہیں کیا، اور شاہ فتح محمد کی روایت اور حضرت مرزا جان جاناں مظہر کا بیان یقیناً درست ہے کہ جناب شیخ نے اس مکتوب کو ضائع کرنے کی وصیت کی تھی۔

ایک نجی مکتوب جس میں برادرانہ شکوے شکایتیں ہوں عوام کے سامنے لانا یا اس پر رائے زنی کرنی از روئے انصاف کب درست ہے۔ ایسے مکتوب کی تشہیر خود جناب شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے موجب بدنامی ہے۔

نہ ہر فعلے مسرّت خیز باشد نہ ہر قولے طرب انگیز باشد
بسے کردار حملش بار گردد بسے گفتار خزی و عار گردد
بدی را اگرچہ کم باشد بداں بیش دلیلش ظاہر است اندک بیندیش
ببیں خارے بہ دزد آرد تنے را بسوزد اخگرے صد خرمنے را
بود زہرِ ہلاہل گرچہ اندک شود وجہ ہلاکِ خلق بے شک
اگر در راویاں شخصے جہول است بیانِ جملہ بیکار و فضول است
کلامِ نیک باشد جملہ مقبول بہ تحریفے شود مردود و مبذول

چوں کہ جناب شیخ کے مکتوب کو حضرت مجدد کے مخالفوں نے صحیفۂ آسمانی کا درجہ دے رکھا ہے اور بلاوجہ حضرت مجدد پر الزامات عائد کئے جا رہے ہیں، اس لئے میں اس مکتوب کے ایک حصہ پر کچھ تبصرہ کرتا ہوں۔

عیب مستاں مکن اے خواجہ کزیں کہنہ رباط کس نہ دانست کہ رحلت بہ چساں خواہد بود

مکتوب کا کچھ بیان

"حیات شیخ عبدالحق" میں یہ مکتوب چیکران افراد کے ہاتھوں تک پہنچ گیا ہے جو وحدت ادیان کے فلسفہ کی تشکیل میں لگے ہوئے ہیں جن کی نظر میں نماز، روزہ، حج ابتدائی تدریجی امور ہیں اور اصل کار "سب وہی سب وہی" ہے۔

چوں کہ ان لوگوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حضرت مجدد کی ذات اور آپ کی تعلیمات ہیں اس لئے آپ کی مخالفت اور آپ کو بدنام کرنے کے لئے یہ سب ساعی ہو گئے ہیں۔ اس کام کیلئے شیعہ سنی کی تفریق بھی بہ ظاہر مٹا دی گئی ہے۔ ان لوگوں کے سامنے جناب شیخ کی تحریر آئی تو اس کو تائید غیبی سمجھ بیٹھے۔ اور حضرت مجدد پر حملے شروع کر دیئے۔

میں جناب شیخ کی صرف ان عبارتوں پر کچھ تبصرہ کرتا ہوں جن کو ان لوگوں نے نقل کیا ہے۔

آہستہ برگِ گل بفشاں بر مزارِ ما بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ ما

ا- جناب شیخ نے لکھا ہے۔

"چوں درضمنِ آں تنقیص و تخطیۂ بزرگانے کہ اتفاق است بر بزرگی ایشان مثل سید الطائفہ جنید بغدادی و سلطان العارفین بایزید بسطامی و امثال ایشاں و گفتہ اند کہ ایں بیچارہ با حقیقت کار در نیافتہ و بہ اصلی نہ رسیدہ و گرفتار ظل ماندہ اند و ادعائے آں کہ آنچہ ایشان را دادہ اند ہیچ کس را نہ دادہ اند۔"[1]

ترجمہ- "چونکہ اس ضمن میں ان بزرگوں کی تنقیص اور ان کا خطا پر ہونا بیان کیا ہے جن کی بزرگی پر اتفاق ہے جیسے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اور سلطان عارفین حضرت بایزید بسطامی اور ان جیسے دوسرے اکابر اور کہا ہے۔ یہ بیچارے معاملہ کی تہہ اور اس کی اصل تک نہیں پہنچے ہیں، بلکہ سایوں میں پھنس کر رہ گئے

---

[1] حیات شیخ عبدالحق صفحہ ۳۱۳- چونکہ صحت کے اعتبار سے ہدیہ مجددیہ کی نقل کردہ عبارت میری نظر میں راجح ہے اسلئے اختلاف کی صورت میں اس کو ترجیح دیتا ہوں۔

ہیں۔ اور آپ نے یہ اِدّعا کیا ہے کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے کسی کو نہیں ملا ہے۔"

یہ عبارت حضرت شیخ نے لکھی ہے۔ میں اب ان لوگوں سے دریافت کرتا ہوں جن کی نظر میں یہ تحریر صحیفۂ آسمانی بنی ہوئی ہے کہ حضرت مجدد کے رسائل اور آپ کے مکاتیب سب کے سامنے ہیں کیا وہ یہ عبارت دکھا سکتے ہیں۔ "شیخ اکبر اور وحدت وجود" کے بیان میں حضرت مجدّد کے مکاتیب سے آپ کا بیان نقل کر چکا ہوں۔ آپ نے جو عزت اور احترام ان بزرگوں کا کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے آپ اپنے کو ان کے خوانِ نعمت کا ایک ادنیٰ زلّہ بردار اور ریزہ چین ظاہر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں یہ مقامِ توحید ہر سالک کو راہِ سلوک میں پیش آتا ہے (چنانچہ خود مجھ کو بھی پیش آیا ہے) اور پھر اللہ کے لطف سے مقامِ شہود تک رسائی ہوئی ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ان حضرات سے کلماتِ توحید کا صُدُور اس وقت ہوا ہے جب وہ اس مقام میں تھے۔ اللہ ان لوگوں کو انصاف دے یہ کہاں سے سمجھ گئے کہ ان بزرگوں کو اس مقام سے ترقی نہیں ہوئی ہے اور اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔[1]

افسوس صد افسوس جن لوگوں کو دین و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے وہ آج معارف و اسرار کے عقدے حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اولیائے پروردگار کو مطعون کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ظِل کا لفظ دیکھا جس کے معنی سایہ ہیں۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ بارگاہِ قرب میں سائے ہوتے ہیں۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ وہ عالم تو بتمامہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے وہاں ظل اور سایہ کا کیا سوال۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ارشادِ ربّانی ہے کہ نورانی طبقات ایک پر ایک ہیں۔ حضرت مشائخ کرام ہر نورانی طبقہ کو اس سے بالاتر نورانی طبقہ کے لئے بہ منزلۂ ظل سایہ قرار دیتے ہیں اور شریعت کی زبان میں اس کی تعبیر غَیْن سے کی گئی ہے جو کہ غَیْم و سَحاب اور اَبْر کو کہتے ہیں۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ[2] میرے قلب پر انوار کی تہہ پڑتی ہے، سکینہ کے بادل چھاتے ہیں اور میں سو بار دن میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔" ہر آن اور ہر زمان آپ منازل طے کرتے تھے اور ہر تحتانی منزل بہ منزلہ اَبر و سایہ اور ظل کے نظر آتی تھی۔

کشتگان خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

حضرت مجدد تو اپنے کو حضراتِ مشائخ کا پروردہ اور خوشہ چین لکھتے ہیں ایک جگہ بھی آپ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ جو کچھ مجھ کو ملا ہے کسی کو نہیں ملا ہے۔ یہ آپ پر بہتان اور صریح الزام ہے۔ کیا کوئی شخص حضرت کے رسائل یا مکاتیب میں یہ عبارت دکھا سکتا ہے۔؟

۲۔ اور جناب شیخ نے لکھا ہے۔

"و یکے ازاں مواضع کہ بسے خطرناک و از رعایتِ مقام ادب دور است آن است کہ در باب

---

[1] مکتوب ۲۹۰ دفتر اول کو مطالعہ کریں۔ [2] مشکات باب الاستغفار فصل اول۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گفتہ اند کہ کثرتِ ظہورِ کرامات از ایشان از جہت آں بود کہ نزول ایشان ناقص بود۔"[1]

"میں شواہد تجدید" کے بیان میں کثرت وقلّتِ خوارق کے سلسلہ میں حضرت مجدد کی عبارت کا ترجمہ لکھ چکا ہوں جو کہ درج ذیل ہے۔

حضرت کا عروج اکثر اولیائے امت سے بلند تر واقع ہوا ہے اور آپ کا نزول مقامِ رُوح تک تھا۔ جو کہ عالمِ اسباب سے بالاتر ہے۔"

اب میں آپ کے مکتوب گرامی سے جو کہ دفتر اول کا ۲۱۶ مکتوب ہے آپ کے الفاظ لکھتا ہوں:

"عروج ایشاں از اکثر اولیا بلند تر واقع شدہ است و در جانب نزول تا مقام روح فرو آمدہ اند کہ از عالم اسباب بلند تر است۔"

حضرت مجدد نے لفظ ناقص کہیں نہیں لکھا ہے یہ آپ پر الزام ہے اور جناب شیخ نے اسی لفظ کی وجہ سے "موضع خطرناک" اور "از رعایتِ مقامِ ادب دور" کہا ہے۔

خیال کرنا چاہئے کہ ولایت وبزرگی کا تعلق عروج سے ہے۔ بارگاہ خداوندی سے جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا، ولایت کا مقام اتنا ہی بلند و بالا ہوگا۔ جب کہ حضرت مجدد صراحت کے ساتھ حضرت غوث الثقلین کے متعلق لکھ رہے ہیں کہ ان کا عروج اکثر اولیائے امت سے بلند تر ہے تو پھر "بے خطرناک" اور "از مقام ادب دور" لکھنے کی کیا وجہ!

حضرت مجدد نے رسالہ مکاشفات غیبیہ میں لکھا ہے۔

"واصلان ذات ایں بزرگواران کہ بہ اَفرَاد ملقّب اند اَقَل قلیل اند۔ اکابر صحابہ وائمہ اثنیٰ عشر از اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین بہ ایں دولت فائز اند و از اکابر اولیاء اللہ غوث الثقلین قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس بہ ایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شان خاص دارند کہ اولیائے دیگر ازاں خصوصیت قلیل النصیب اند۔"[2]

ترجمہ۔ "حضرات مشائخ کرام میں سے وہ پاک نہاد جن کو "اَفرَاد" کہتے ہیں اور وہ واصلان ذات ہیں، نہایت قلیل ہیں۔ اکابر صحابہ اور ائمہ اثنیٰ عشر از اہل بیت اطہار اس دولت سے فائز ہیں اور اکابر اولیاء اللہ میں سے حضرت غوث اعظم اسی دولت سے ممتاز ہیں اور اس مقام میں آپ کی نرالی شان ہے کہ دیگر اولیاء اللہ اس دولت سے کم بہرہ ور ہیں۔"

اور حضرت مجدد نے رسالہ مبدا و معاد کے اوائل میں لکھا ہے۔

"و دریں عروج اخیر کہ عروج در مقامات اصل است مدد از روحانیت حضرت غوث الاعظم

---

[1] حیاتِ عبدالحق صفحہ ۳۱۴۔ [2] مجموعہ رسائل سبعہ قلمی صفحہ ۱۶۷۔

محی الدین شیخ عبدالقادر بود قدس اللہ سرہ الاقدس، و بہ قوتِ تصرف ازاں مقامات گزرانیدند و بہ اَصْلُ الْاَصْلِ وَاصِل کردند و ازانجا بہ عالم باز گردانیدند۔"[1]

ترجمہ: "اس عروجِ اخیر سے جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے حضرت غوث اعظم کی روحانیت اور آپ کی قوّتِ تَصَرّف کی بنا پر میرا گزرا اور اصل الاصل تک میرا وصول ہوا ہے اور وہاں سے میری واپسی عالم کو ہوئی ہے۔"

سیدنا عبدالقادر جیلانی سے جو محبت و ارتباط حضرت مجدّد کو تھا محتاج بیان نہیں حضرت مجدد نے قلت و کثرتِ خوارق کے سلسلہ میں جو بات کہی ہے کہ حضرت غوث کا نزول مقامِ روح تک تھا اس سے آپ کے مخالفین نے یہ فتنہ برپا کردیا۔ حالانکہ حضرت غوث کے لئے اس مقام تک نزول اَکمَل و اَفضَل تھا کیونکہ آپ سے اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت خوارق ظاہر کرانے تھے۔ اگر آپ کا نزول مقام قلب تک ہوجاتا تو آپ سے خوارق بہ کثرت ظاہر نہ ہوتے۔

حضرت مجدد نے حضرت غوث کی ولایت و بزرگی کو نہایت عمدہ طریقہ پر بیان کیا ہے، پھر بھی حضرت مجدد کو بدنام کرنے کے لئے آپ پر الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ کیا یہی انصاف ہے۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔ کیا اسی کو آزاد خیالی کہتے ہیں۔

۳۔ اور جناب شیخ نے لکھا ہے۔

"و آں کہ در بعض مکتوبات نوشتہ اند کہ انگارم کہ حکمت در پیدا کردن من آن است کہ تا کمال ابراہیمی و محمدی در یک جا جمع شود اشد و اعظم است از ہمہ"[2]

(ترجمہ) اور وہ جو بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کمالِ ابراہیمی اور محمدی ایک جگہ جمع ہوجائے۔ سب سے زیادہ سخت اور سب سے بڑھا ہوا ہے۔"

اس عبارت کا تعلق دفتر دوم کے چھٹے مکتوب سے ہے۔ کاش کہ عبارت صحیح نقل کردی ہوتی حضرت مجدد نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"انگارم کہ مقصود از آفرینش من آن است کہ ولایت محمدی، بہ ولایتِ ابراہیمی منصبغ گردد و حُسنِ مَلاحَت ایں ولایت بہ اِجْمالِ صَباحَتِ آں ولایت ممتزج شود، وَرَدَ فی الْحَدِیْثِ اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ۔ و بہ ایں انصباغ و امتزاج مقامِ محبوبیت محمدیہ بہ درجہ عُلْیا رسد"

(ترجمہ) میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایتِ محمدی ولایتِ ابراہیمی سے رنگین ہو اور ولایت محمدی کا حُسنِ مَلَاحت ولایتِ ابراہیمی کے اِجْمالِ صَبَاحت سے مل جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ میرے بھائی یوسف میں صباحت اور مجھ میں ملاحت ہے۔ اس طرح کی رنگینی اور آمیزش

---

[1] مجموعہ رسائل سبعہ صفحہ۔ [2] حیات عبدالحق صفحہ ۲۱۴۔

سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجۂ عُلیا کو پہنچ جائے گا۔"

اِجمالِ صباحت سے اشارہ اس ضمنی اتباعِ ملّتِ ابراہیمی کی طرف ہے جو آیت اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا سے مستفاد ہے۔

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ جناب شیخ کا بہت ادب واحترام کرتے ہیں۔ باوجود اس کے جناب شیخ کا یہ اعتراض نقل کرکے لکھا ہے۔

"بداں کہ ہمیں عبارت است کہ موجب افترائے بسیار برایشاں گردیدہ ومردم بہ گمانِ خود سخنہا بربافتہ اند چناں چہ حضرت شیخ دَرہمیں رسالہ نوشتہ کہ شامی گوید درخلوتے کہ منم محمد بردَ است و مردم مشہور ساختہ اند کہ ایشاں رسالۂ معراجیہ نوشتہ اند ومعراج خود بلند تراز معراج سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کردہ ونیز می گویند کہ ایشاں گفتہ اند من ورسول خدا اسپ درمیدانِ قرب تاختیم اسپ من سبقت کرد معاذ اللہ۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ ایں ہر سہ مقدمہ محض افترا است درہیچ جا وہیچ وقت ایں کلمات نہ گفتہ اند"[1]

(ترجمہ) جان لو کہ یہی وہ عبارت ہے جو حضرت مجدّد پر بہت افترا اور تہمتوں کا سبب بنی ہے اور لوگوں نے صرف اپنے گمان کی بنا پر من گھڑت افسانے بنا ڈالے ہیں۔ چناں چہ خود حضرت شیخ نے اسی رسالے میں لکھا ہے کہ آپ کہتے ہیں۔ "جس خلوت میں مَیں ہوں محمد اس کے دروازہ پر ہیں" اور لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ "آپ نے رسالۂ معراجیہ لکھا ہے جس میں اپنی معراج کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے بلند تر بتایا ہے"۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے کہا ہے۔ "میدانِ قرب میں میں نے اور رسول خدا نے گھوڑے دوڑائے اور میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا" پناہ بہ خدا "کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے، سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں" یہ تینوں باتیں نری تہمتیں ہیں۔ کسی جگہ اور کسی وقت بھی آپ نے یہ باتیں نہیں کہی ہیں۔"

افسوس صد افسوس کیسے جھوٹے الزام لگائے جا رہے ہیں اور ان الزامات کو دیکھ کر علماء کفر کا فتویٰ کیونکر نہ دیں گے اور آپ کو واجب القتل کیسے قرار نہ دیا جائے گا، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور دعویٰ ہے۔

"این مقدار کہ مرا بہ شما محبت واتحاد است کم کسے را خواہد بود"

(ترجمہ) جس مقدار میں کہ مجھ کو آپ سے محبت اور یگانگت ہے، کم کسی کو رہی ہوگی"

حضرت مجدّد اور آپ کے صاحبزادوں کو مطعون کرنے والے افراد حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کی مندرجہ بالا تحریر کو پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ حضرت مجدد کے خلاف کیسی گہری اور گھناؤنی

---

[1] قلمی رسالہ صفحہ ۱۵۔

سازش برپا کی گئی تھی۔ اور اس صورت میں جہانگیر کا آپ کو قتل نہ کرانا ایک عجوبہ ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔

قولہ انکارم ۔ الخ۔ حاصل کلامِ شریف آن است کہ از کمالِ متابعتِ حضرت رسالت مرتبت علیہ السلام والتحیۃ و متابعتِ ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام کہ بہ حکم وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا در ضمنِ آں متابعت است۔ حق سبحانہ بہ طفیلِ ہر دو صاحب شریعت چنانچہ خادم را از مخدوم می رسد کمالاتِ آں ہر دو صاحب شریعت بہ من رسید و از اولیا بہ ہیچ کس نہ رسید ایں اظہار نعمت و شکر است و اگر افتخار بر اولیا ہم معلوم شود مضائقہ نہ دارد چہ اولیاء سابق کلمات افتخار بر فضل خود بسیار فرمودہ اند۔ الخ[1]

(ترجمہ) حضرت مجددؒ نے جو یہ بات کہی ہے کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش کا مطلب یہ ہے“ تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ متابعت کی وجہ سے مجھ کو متابعتِ ابراہیم علیہ السلام کا شرف بھی عنایت کیا ہے جو کہ اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا کے ضمن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دونوں اصحابِ شریعت کے کمالات سے اس حیثیت سے مستفید کیا ہے جیسا کہ خادم زر بردار مستفید ہوا کرتا ہے، یہ صورتِ استفادہ اولیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد اظہار شکر کی بنا پر ہے اور اگر اس کو افتخار پر حمل کر لیا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ اولیائے پیشین سے اللہ کے فضل پر بہ کثرت افتخار ثابت ہے۔ الخ۔ اور آپ نے مثال میں حضرت غوث اعظم کا قول قَدَمِیْ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللهِ لکھا ہے۔

خُلّتِ ابراہیمی کی ولایت اور محبوبیتِ محمدی کی ولایت کے امتزاج اور اختلاط کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے پُر از حقائق مضمون لکھا ہے، میں اس کا خلاصہ ذیل میں لکھتا ہوں۔

”ولایتِ خُلّت کے علاوہ دوسری ولایتوں کا بیان شارع نے کیا ہے۔ چاہے وہ بیان صراحت کے ساتھ ہوا ہو چاہے کنایہ اور اشارہ سے۔ جیسے ولایتِ محبت ہے۔ اس کا پتہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اور يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اور يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ سے اور ولایتِ رضا کا پتہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اور لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، سے چلتا ہے لیکن ولایتِ خُلّت کا پتہ کسی جگہ سے نہیں ملتا۔

حضرات صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد حضرت جنید بغدادی اور مشائخ قادریہ و چشتیہ کے زمانے تک ولایتِ خُلّت کے علاوہ دوسری ولایتوں کے ذریعہ کمالات حاصل کیے جاتے تھے اور ان ولایتوں سے کمالات حاصل کرنے کے طریقے کتابوں میں مُدوّن و مرتّب اور مبوّب ہوئے۔

حضرت مجددؒ سے پہلے طریقۂ نقشبندیہ کی راہِ محبت و محبوبیت تھی۔ ذکر جہر و وجد و شوق ان کا

---

[1] رسالہ احقاق قلمی صفحہ ۷۔

مشغلہ تھا، حضرت عبدالخالق غجدوانی اس طریقہ کے بانی ہیں۔ ان کو خضر نے ذکرِ خفی کی تعلیم دی۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری نے اس طریقے کی آبیاری کی اور وہ بارآور ہوا۔ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے زمانے میں علوم توحید کا امتزاج ہوا یعنی جناب شیخ اکبر کے بیان کردہ علوم اس طریقے میں بھی رائج ہو گئے اور اس امتزاج نے ایسا رنگ پیدا کیا کہ علوم توحید کا غلبہ ہو گیا۔

اب حضرت مجدد کا دور آیا، آپ نے ان تمام علوم کو بُطُونُ البُطُون میں پہنچایا یعنی انکو چھوٹا اور اپنے چاک سینہ سے محبوب تک پہنچنے کا ایسا راستہ نکالا کہ شوق و وجد ایک طرف رہ گئے اور مدارِ کار قلب و روح او سرّ و خفی و اخفیٰ اور عناصر پر ہوا، یہاں تک کہ باطن سے انوار اٹھ کر پھر باطن پر گرنے لگے تاآں کہ مقامِ خلت نے جلوہ دکھایا۔

محبت عاشقی ہے اور محبوبیت معشوقی اور خلت دوستی و یاری، عاشقی میں آہ و نعرہ و بیتابی اور سر پھوڑنا ہے۔ اور معشوقی میں ناز و دلال و فخر و مباہات، اور خلت میں صحبت و سرگوشی اور راز و نیاز از جانبین۔

یہ ہے اجمالِ صباحتِ خلت، اور اگر کوئی تفصیل چاہتا ہے تو حضراتِ مجددیہ کی صحبت چند سال اختیار کرے اور پھر بہ طریقِ وجدان خود ملاحظہ کرلے (اور دیکھ لے کہ ولایتِ محمدی کا حسن ملاحت ولایت ابراہیمی کے اجمال صباحت سے کس طرح ملا ہے اور اس آمیزش سے محبوبیتِ محمدیہ کا مقام کس درجۂ علیا کو پہنچا ہے)۔

راہِ ولایتِ خلت کا بیان ایک ہزار سال سے کسی نے نہیں کیا تھا، یہ مقام سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر شریف میں مکنون و مخزون تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کی ذات کو اس مقام کے ظہور کا منشا بنایا اور آپ کے طفیل ہزارہا طالبانِ حق اس راہ سے مستفید ہوئے۔

عجب تر یہ ہے کہ سالہا سال حضرت مجدد نے اس طریقہ اور راہ سے طالبانِ حق کی رہبری کی اور پھر حضرت سکندر فرزند پسر حضرت کمال کیتھلی سرہند آئے اور سر حلقۂ طریقۂ محبوبیتِ حضرتِ غوثِ صمدانی سیدنا عبدالقادر جیلانی کا مبارک خرقہ آپ کو پہنایا اس طرح آپ از راہِ مقامِ خلت مقامِ محبوبیت کو پہنچے۔ پروردگار اپنے خاص بندوں سے ایسے عجیب معاملات کرتا ہے عجب تر معاملہ یہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کے ساتھ کیا ہے۔ کہ ابتدائے کار مقام ابراہیمی سے ہوئی جب کہ آپ نے حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھا۔ پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور آپ نے یہود اور نصاریٰ سے جہاد کیا اور آپ کو مقامِ موسوی اور مقامِ عیسوی عنایت ہوا۔ ان دونوں مقاموں کا آغاز از وقتِ اسرا بہ سوئے بیت المقدس ہو چکا تھا اور غزوۂ تبوک پر اسمیں تضاعف اور تزاید ہوا۔ اور حجۃ الوداع میں پھر کمالِ ابراہیمی سے مشرف ہوئے اور اس طرح "اَلنِّهَایَةُ هِیَ الرُّجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَةِ"

متحقق ہوا۔ یعنی ابتدائے سیر سالک جہاں سے ہوتی ہے جب لوٹ کر پھر اس مقام پر آجاتا ہے تو سیر کی انتہا ہو جاتی ہے۔" [1]

افسوس صد افسوس جناب شیخ نے نہ تو نقل میں صحت کا خیال رکھا اور نہ مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ علمِ ظاہر اور شے ہے اور علمِ باطن کچھ اور ہے۔ حضرت مجدد پر جو کشف ہوتا تھا اس کو وہ بیان فرماتے تھے۔ اور آپ کے کشف کی صحت کے قائل آپ کے پیر و مرشد تھے۔ جناب شیخ کو مناسب نہ تھا کہ وہ اسرار و معارف میں حضرت مجدد پر نکیر کرتے۔

حضرت شاہ غلام علی اپنے دور کے قیوم تھے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ کو اُن کے پیر و مرشد عَلَمُ الہُدیٰ فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے اگر مجھ سے رب العزت کہے گا کہ میرے واسطے کیا تحفہ لایا ہے تو میں عرض کروں گا۔ ثَنَاءُ اللہ۔ اور حضرت قاضی صاحب کو ان کے اُستاد زادے حضرت شاہ عبد العزیز بیہقیِ وقت کہتے تھے اور حضرت شاہ عبد العزیز کے علم و کمال کا ایک جہان قائل ہے۔ یہ تینوں حضرات سرچشمہائے علم و عرفانِ الٰہی تھے۔ جب یہ کسی کی عظمت و ولایت کے معترف ہوں تو یقین کامل ہے کہ وہ شخص ولیِ پروردگار ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ ایک جنازہ گزرا صحابہ نے اس کی خوبی کا بیان کیا آپ نے فرمایا "وَجَبَتْ" واجب ہوئی۔ پھر ایک جنازہ گزرا اور اس کی بُرائی کا بیان ہوا آپ نے فرمایا۔ واجب ہوئی۔ حضرت عمر نے دریافت کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیکَ وَسَلَّمَ۔ کیا واجب ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے جس کی خوبی بیان کی اس کے واسطے جنت اور جس کی بُرائی بیان کی اس کے واسطے دوزخ واجب ہوئی۔ اَنْتُمْ شُہَدَاءُ اللہِ فِی الْاَرْضِ ـ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ [2] یہ تینوں حضرات شہداء اللہ ہیں اور ان کی گواہی یقیناً مقبول ہے۔

جناب شیخ نے کہیں سے خلوت کی بات سُنی کہیں سے رسالہ معراجیہ کی داستان اور کہیں سے اسپ دَوانی کا قصہ اور پھر آپ کی محرف عبارت پڑھ کر "اَشَدّ وَاَعْظَمْ" کا حکم صادر کر کے لکھا ہے۔

"وگفتہ اند کہ ہمہ کمالات محمدیہ بے تفاوت در ذاتِ مَن حاصل است لیکن بہ تبع و طفیل است مردے ثِقَہِ صادق از ایشاں شنید، آن شخص گفت ازینجا مزیتِ شما بر انبیا لازم می آید جواب دادند آں جا بہ اِصَالت است و ایں جا بہ طفیل" [3]

ترجمہ۔ "اور آپ نے کہا ہے کہ تمام کمالاتِ محمدیہ بلا تفاوت میری ذات کو حاصل ہیں لیکن ایک طفیلی اور تابع کی حیثیت سے۔ ایک ثقہ اور معتبر شخص نے یہ بات آپ سے سُنی ہے اور اس نے آپ سے کہا ہے کہ اس صورت میں آپ کی فضیلت انبیا پر لازم آتی ہے۔ آپ نے جواب دیا، وہاں یہ کمالات بہ طور اِصَالت ہیں اور یہاں بہ طور تبعیت۔"

---

[1] اس بیان کو رسالہ رفع اعتراضات میں ملاحظہ کریں۔ [2] مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ۔ [3] حیات عبد الحق ص۲۴۳

جناب شیخ کی عجیب حالت ہے جو شخص بھی ان سے حضرت مجدد کے متعلق کوئی بات کہتا ہے وہ اس بات کو قبول کرتے ہیں اور اس شخص کو صادق اور ثقہ قرار دیتے ہیں اور حضرت مجدد پر الزام عائد کر دیتے ہیں۔ جناب شیخ کی اس عبارت کو حضرت شاہ غلام علی نے نقل کر کے لکھا ہے۔

"یہ بات خلاف واقع ہے۔ حضرت مجدد نے یہ بات کبھی نہیں کہی ہے اور نہ ایسا دعویٰ کیا ہے البتہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو جو کچھ بھی ملا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپ کی متابعت کی وجہ سے ملا ہے۔" [1]

جناب شیخ نے مسموعاتِ کاذبہ اور الزاماتِ باطلہ لکھکر اصل مقصد کا اظہار ان الفاظ سے کیا ہے۔

"ایں ہمہ را می گزرانیدیم تا نوبت بہ ایں مکتوب رسید کہ باعث ایں ہمہ نفرت و وحشت گشت" [2]

ترجمہ۔ میں ان سب باتوں سے درگزر کر رہا تھا یہاں تک کہ اس مکتوب کی باری آئی جو اس تمام نفرت اور وحشت کا ذریعہ بنی۔"

جناب شیخ نے اس جگہ کھلے اور صاف الفاظ میں اپنی نفرت اور وحشت کا اعتراف کیا ہے، اس صورت میں آپ کی اس تحریر کے متعلق کیا کہا جائے گا جو ابی مکتوب میں آپ نے لکھی ہے۔

"ایں مقدار کہ مرا بہ شما نسبتِ محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود" [3]

ترجمہ۔ جس قدر محبت اور اتحاد مجھ کو آپ سے ہے کم کسی کو ہوگا۔"

اس تحریر کے بعد جناب شیخ نے حضرت مجدد کے اس مکتوب کو جو نفرت و وحشت کا سبب بنا ہے کاملاً نقل کیا ہے اور پھر اس پر تنقید کی ہے۔ یہاں پر خاص طور پر ذکر کرنے کی یہ بات ہے کہ اس مکتوب کی نقل میں کسی تصرف کا اثر نہیں ہے۔ جزوی اختلاف اور غلطیاں ہیں اور وہ نقل در نقل کا ثمرہ ہیں، چوں کہ اس مکتوب کی وجہ سے جناب شیخ نے حضرت مجدد پر سخت اعتراضات کئے ہیں اس لئے میں پہلے اس مکتوب کو نقل کرتا ہوں اور یہ نقل مکتوبات شریف سے کرتا ہوں تاکہ حضرت مجدد کی تحریر صحیح طور پر سب کے سامنے آئے۔ اور پھر اس کا ترجمہ لکھکر جناب شیخ کے اہم اعتراضات کا بیان کروں گا، حضرت مجدد نے لکھا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ من ہم مُریدِ اللہ اُم جَلّ وَعلا و ہم مُرادِ اللہ عزّ شانہٗ، سلسلۂ ارادتِ من بے توسط بہ اللہ متصل است تعالیٰ، وَ یدِ من نائب مناب یدِ اللہ ذات سبحانہٗ ارادتِ من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ وسائطِ کثیرہ است۔ در طریقہ نقشبندیہ بیست و یک واسطہ در میان است و در طریقہ قادریہ بیست و پنج و در طریقہ چشتیہ بیست و ہفت،

---

[1] شاہ غلام علی کا قلمی رسالہ صفحہ ۲۵۔ [2] حیات عبد الحق صفحہ ۳۱۵۔ [3] حیات عبد الحق صفحہ ۳۲۳۔

وارادتِ من بہ اللہ تعالیٰ قبول وساطت نمی نماید چنانچہ گزشت، پس مَن ہم مُرید محمد رسول اللہ اَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَہم ہم پیرہِ پس رواُو[1] برخوانِ ایں دولت ہرچند طفیلی اَم اَمّا ناخوانده نیامدہ اَم، وہرچند تابع اَم اَمّا از اصالت بے بہرہ نیم، وہرچند اُمّتم اما شریکِ دولتم، نہ شرکتے کہ ازاں دعوے ہمسری خیزد کہ آں کفراست بلکہ شرکت خادم است با مخدوم، تا نہ طلبیده اند، بر سفرۂ ایں دولت حاضر نہ شده ام وتا نہ خواستہ اند دست بہ ایں دولت دراز نہ کرده ام، ہرچند اُویسی اَم اَمّا مُربّی حاضر وناظر دارم، ہرچند در طریقۂ نقشبندیہ پیرِ من عبد الباقی است، اَمّا متکفّلِ تربیتِ مَن اَللہ الباقی است، من بہ فضل تربیت یافتہ اَم وبہ راہِ اِجتبا رفتہ، سلسلۂ من سلسلۂ رحمانی است کہ من عبد الرحمٰن اَم چہ ربِّ مَن رحمٰن است ومُربّیِ من ارحم الراحمین وطریقۂ من طریقۂ سبحانی است کہ از راہِ تنزیہ رفتہ اَم واز اسم وصفت جز ذاتِ اقدس تعالیٰ نہ خواستہ، ایں سُبحانی نہ آں سُبحانی است کہ بُسطامی بہ آں قائل گشتہ است کہ آں را بہ ایں مناسبے نیست کہ آں از دائرۂ انفس برآمده است وایں ماورائے انفس وآفاق ست وآں تشبیہ است کہ لباسِ تنزیہ پوشیده است وایں تنزیہ است کہ گردے از تشبیہ بہ وے نہ رسیده وآں از سرچشمۂ سُکر جوشش زده است وایں از عینِ صَحو برآمده است۔

ارحم الراحمین در حق من اسبابِ تربیت را غیر از مُعِدّات نہ داشتہ است وعلّتِ فاعلی در تربیتِ من غیر از فضلِ خود را نہ ساختہ از کمالِ کرم اہتمام وغیرتے کہ در حق من وارد تعالیٰ وتقدس تجویز نمی فرماید کہ فعل دیگرے را در تربیتِ مَن مدخلے باشد یا من بہ دیگرے دریں معنی متوجہ گردم مُربائے الٰہی اَم جلّ شانہٗ ومجتبائے فضل وکرمِ نامتناہی او تعالیٰ سہ باکریاں کارہا دشوار نیست۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ ذِی الجَلَالِ وَالاِکرَامِ وَالمِنَّۃِ، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی رَسُولِہٖ وَالتَّحِیَّۃُ اَوَّلاً وَّآخِراً۔[2]

(ترجمہ) تعریف اللہ کے واسطے اور سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر۔ میں اللہ تعالیٰ کا مُرید بھی

---

[1] وَہم ہم پیرہٖ پس رواُو، چونکہ لفظ پیرہ کا استعمال کم ہے اسی واسطے ناقلوں کا تختۂ مشق بنا ہے۔ حیاتِ عبد الحق میں جناب شیخ کے طویل مکتوب میں دو طرح لکھا ہوا ہے۔ صفحہ ۳۱۵ میں "وہم ہم برہ پس روداُو" اور صفحہ ۴۱۹ میں ہمسرہ اویم" اور مکتوبات شریف مطبوعہ مطبع احمدی دہلی کے ۱۲۸۸ھ کے نسخہ میں اور نولکشور کے ۱۲۹۳ھ کے مطبوعہ میں "وہم ہمیرہ ہمی پس روداُو" اور مطبوعہ مولوی نور احمد امرتسری در ۱۳۳۲ھ میں "وہم ہمپیرہ پس روداُو" ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندرپوری نے کتاب ہدیۂ مجددیہ کے صفحہ ۱۹۵ میں لکھا ہے "مکتوبات شریف میں ہمپیرہ کا لفظ نہیں ہے اور نہ از روئے لغت اس کے کوئی معنی ہیں۔ اگر کسی کو اس لفظ کا ادعا ہے تو وہ لغت سے ثابت کرے۔ یہ لفظ ہم پرّہ ہے۔ حرفِ را مشدّد ہے اور اس پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی صفِ لشکر اور پرکالہ کے ہیں۔ ان دونوں معانی سے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو رہا ہے" اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۹ میں لکھا ہے: "اصحابِ ارادت جو پس رو ہوا کرتے ہیں صفِ لشکر سے مشابہت رکھتے ہیں"

وکیل احمد کا بیان پڑھ کر میں نے حضرات اجداد کرام کے قلمی نسخوں کو نکالا۔ ۱۲۰۳ھ کا تحریر شدہ نسخہ حضرت شاہ احمد سعید کے تصرف میں رہا ہے اور آپ نے غالباً اسی نسخہ میں حضرت شاہ غلام علی سے مکتوبات شریفہ از اوّل تا آخر پڑھے ہیں دوسرا نسخہ دفتر دوم وسوم پر مشتمل ہے۔ کاغذ اور تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارھویں صدی میں لکھا گیا ہوگا۔ تیسرا نسخہ ۱۲۲۰ھ میں محمد بخش نادان نے لکھا ہے۔ یہ بھی دفتر سوم ودوم پر مشتمل ہے۔ ان تینوں قلمی نسخوں میں وضاحت کے ساتھ ہم پرّہ لکھا ہے۔ مولانا وکیل احمد کی تحقیق درست ہے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

[2] دفتر سوم کا مکتوب ۸۷۔

ہوں اور مُراد بھی ہوں۔ میری اِرادت کا سلسلہ بغیر کسی توسُّط وتخلُّل کے اللہ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کا نائب مناب ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری اِرادت میں بہت واسطے ہیں، طریقۂ نقشبندیہ میں اکیس ۲۱ واسطے اور طریقۂ قادریہ میں پچیس ۲۵ اور طریقۂ چشتیہ میں ستائیس ۲۷، لیکن اللہ کی ارادت میں جیسا کہ لکھ چکا ہوں وساطت کا سوال نہیں، بنا بریں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُرید بھی ہوں اور آپ کا "ہم پَرَہ پَس رَو" بھی (پیچھے چلنے والا خادم بھی) اگرچہ اس خوانِ نعمت پر طفیلی ہوں تاہم بِن بُلائے نہیں آیا ہوں۔ اگرچہ تابع ہوں لیکن اِصالت سے محروم نہیں ہوں، اور اگرچہ اُمتی ہوں لیکن نعمت میں شریک ہوں۔ نہ وہ شرکت جس میں ہمسَری کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت جو کہ ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے، جب تک بُلایا نہ گیا خوانِ نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہ ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، اگرچہ اُوَیسی ہوں (روحانیوں کا پروردہ و تربیت یافتہ)[1] لیکن حاضر و ناظر مُرَبّی رکھتا ہوں۔ اگرچہ طریقۂ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا متکفل اَللہُ البَاقی ہے۔ اس کے فضل نے میری تربیت کی ہے اور راہِ اِجتبا پر چلا ہوں (پسندیدہ راہ پر) میرا سلسلہ رحمانی ہے اور میں عبدالرحمن ہوں، میرا رَبّ رَحمان ہے[2] اور مُرَبّی اَرحم الراحمین، میرا طریقہ طریقۂ سُبحانی ہے جس تک رَاہِ تنزیہ سے پہنچا ہوں، نام اور صفت سے مُسَمّیٰ کے علاوہ جو کہ ذاتِ بَحْتْ ہے کسی کا طالب نہیں، یہ سُبحانی وہ سُبحانی نہیں ہے جس کے قائل بایزید بسطامی ہوئے تھے۔ ان کے قول کو میرے قول سے کوئی ارتباط نہیں کیوں کہ ان کے قول کا صُدُور دائرۂ اَنفس سے ہوا ہے (ابھی بُسطَامی مَقامِ توحید و اَحوالِ سُکر میں تھے) اور میرے اس قول کا صُدُور دائرۂ اَنفس و آفاق سے وَرا ہوا ہے۔ وہ تشبیہ ہے جو کہ لباسِ تنزیہ میں ہے اور یہ سراسر تنزیہ ہے کہ تشبیہ کا کوئی اَثر اس پر نہیں۔ وہ چشمۂ سُکر و مَدہوشی سے اُبلا ہے اور یہ ہوش و آگاہی کی سوت سے نِکلا ہے،[3] میرے لئے اسباب تربیت کو ارحم الرحمین نے بہانہ بنایا ہے، اور بجُز اس کے فضل کے کوئی شے میری تربیت کی عِلّتِ فاعلی نہیں، کمالِ کرم سے جو عنایت اس کی مجھ پر ہے وہ نہیں چاہتی کہ اس کے سوا کسی اور کے فعل کو میری تربیت میں دخل ہو یا میں کسی کی طرف اس کام کے لئے متوجہ ہوں میں اپنے مولیٰ کا پَروَردَہ اور اس کے فضل و کرمِ نا متناہی کا برگزیدہ ہوں۔ "با کریماں کارہا دشوار نیست"۔ تعریف اللہ کے واسطے جو جلَال واِکرَام اور اِحسَان والا ہے اور اس کے رسول پر دُرُودِ و نیاز، شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔"

حضرت مجدد کے اس مبارک مکتوب کو جب میں پڑھتا ہوں ضمیر کہتا ہے کہ جس وقت حضرت

---

[1] اُوَیسی کا یہ بیان آپ نے دفترِ سوم کے مکتوب ۱۲۱ میں کیا ہے۔ [2] حضرات مشائخ نے کہا ہے کہ ہر شخص کا مُرَبّی اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم کریم ہوتا ہے۔ آپ کا مربی اسم رحمٰن تھا اور آپ عبدالرحمٰن ہوئے۔

[3] شیخ اکبر اور وحدتِ وجود کے بیان میں دفترِ دوم کے مکتوب ۴۲ کو اَنفس و آفاق کے سلسلہ میں دیکھیں۔

نے اس کو لکھا ہے آپ کی ہیئتِ وحدانی ریاضِ اُنس وحُضوری میں سایر و دایر تھی۔ جو انعامات ہو رہے تھے اور جن اکرامات کو یاد دلایا جا رہا تھا، زبانِ قلم ان کا بیان کر رہی تھی، آپ کی کیفیت بہ زبانِ حال کہہ رہی تھی۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ [لہ]

ترجمہ۔ میری ایک گھڑی اللہ کے ساتھ ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نہ کسی مقرب فرشتہ کی اور نہ کسی مُرسل نبی کی۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ رَحِمَہُ اللّٰہ

ہیں جلوۂ نگار کی مہمانیوں میں ہم
جا آئے خیالِ غیر کے فرصت نہیں ہمیں

حضرت مجدد نے لکھا ہے کہ میری ارادت کا سلسلہ بغیر کسی توسط کے اللہ سے متصل ہے۔

یہ عبارت جناب شیخ کے واسطے نہایت برہمی کا سبب بنی ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ اس عبارت کی وجہ سے حضرت مجدد کے مُعانِدوں نے جو کچھ جناب شیخ سے کہا تھا اور جو مُحرّف عبارتیں پیش کی تھیں ان سب کو جناب شیخ نے صحیح تسلیم کر لیا۔ اور حضرتِ مجدد کے متعلق یہ خیال کر لیا کہ آپ کو "پناہ بہ خدا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمسَرِی کا دعویٰ ہے۔ اور "ہم پرّہ" کے لفظ کو ہمسر سمجھنے کی وجہ سے مزید اس خیال میں تقویت ہو گئی۔

اندریں احوال اگر جناب شیخ دوسرے "نیم مُلّا" کی طرح آپ کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن آپ کا اِتّقا، آپ کا اولیائے پروردگار سے اِرتباط، اور آپ کا علم آپ کے کام آیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا آپ نے تکفیر نہیں کی۔ بلکہ زجر و توبیخ کے حُدود میں معاملہ کو دائر رکھا۔ اور اس عبارت اور اس کے بعد کی چند عبارتوں پر صفحات لکھ ڈالے۔

وہ افراد جو علومِ دین سے ناواقف ہیں۔ یا وہ افراد کہ جن کے علم کا تعلق ظاہری علوم سے ہے اور وہ حضرات مشائخ کرام کے اقوال اور ان کے علوم سے ناواقف ہیں، یقیناً جنابِ شیخ کی حمایت کریں گے اور حضرت مجدد کے متعلق بُری رائے کا اظہار کریں گے۔

میرا خیال یہ ہے کہ جس شخص کو بھی شریعت اور طریقت کے علوم اور اصطلاحات سے واقفیت ہے وہ جناب شیخ کے رَوِیّہ کو بعید از انصاف قرار دے گا، کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی بات بُری ہے تو وہ سب کے لئے بُری ہے۔ یہ نہیں کہ بعض کے لئے بُری اور بعض کے لئے اچھی جناب شیخ نے اپنے اس مکتوب میں جو رَوِیّہ اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کے ساتھ امتیاز برت رہے ہیں۔ حضرت مجدد نے اس مبارک مکتوب میں اَحوالِ مُرادِیّت کا بیان کیا ہے

[لہ] مُلا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں اس کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ صوفیہ اسکو بکثرت نقل کرتے ہیں اور ملک مُقرّب سے جبرئیل مراد ہیں اور نبی مرسل سے مراد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور اسمیں اشارہ اس مقامِ استغراق کی طرف ہے جو حضوری کے وقت ہوتا ہے اور جس کو فنا کہتے ہیں۔ یعنی اسوقت سالک روحاً و خیالاً اپنے مولیٰ ہی میں مستغرق ہوتا ہے۔

جس کو مقام جذبہ کہتے ہیں یعنی پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے جذب کرتا ہے اور اس وقت اس پر نوازشیں کرتا ہے۔ ان نوازشوں کے وقت کوئی واسطہ حائل نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد نے لکھا ہے۔

"تحقیق این مقام آن است کہ توسط آں سرورِ کائنات عَلَیہِ وَعَلیٰ آلِہِ الصَّلاۃُ وَالسَّلامُ بہ دو معنی تواند بود، یکے آں کہ او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم حائل وحاجب بُود درمیانِ سالک و درمیانِ مطلوب و معنی دوم آن است کہ سالک بہ طفیلِ او و بہ توسطِ تبعیت و متابعتِ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام بہ مطلوب واصل گردد و در طریقِ سلوک و پیش از رسیدن بہ حقیقتِ محمدی توسط بہ ہر دو معنی کائن است بلکہ می انگارم کہ دریں طریق از شیوخ ہر کہ درمیان آمدہ است متوسط و حاجب شہودِ سالک است۔ وائے اگر اواخرِ حالِ جذبہ تدارک آں نہ نماید و معاملہ از پردہ بہ بے پردگی نہ کشد زیرا کہ در طریقِ جذبہ و بعد از رسیدن بہ حقیقۃ الحقائق توسط بہ معنی ثانی است کہ طفیل و تبعیت است نہ حَیلُولت و حجاب کہ پردۂ شُہود و مُشاہدہ و مانند آنہا بود"[1]

"اس مقام کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طالِب اور مَطلُوب کے درمیان حائل اور حاجب ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے طفیل اور آپ کی تبعیت اور متابعت کے طفیل طالب اپنے مطلوب سے واصل ہوگیا ہے۔ سلوک کے راستہ میں جب تک سالک حقیقتِ محمدی تک نہیں پہنچا ہے، توسط بہ ہر دو صورت موجود ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ تمام مشائخ جو کہ سلسلہ میں آئے ہیں سالک کے شہود میں حاجب[2] ہیں۔

افسوس ہے اگر جذبہ کا اَواخرِ حال اس کا تدارک نہ کرے اور پردہ سے بے پردگی تک معاملہ نہ پہنچے کیونکہ راہِ جذبہ میں حقیقت الحقائق (حقیقت محمدی) تک پہنچنے کے بعد توسط دوسری صورت اور درجہ کا ہوتا ہے جو بہ معنی طُفَیلیّت اور تَبعِیّت ہے نہ بہ معنی حَیلُولَت وحِجاب جو کہ شہود و مشاہدہ اور ان جیسے دوسرے مقامات کے لئے بہ منزلہ پردہ و حجاب کے ہے۔"

حضرت مجدد کے اس بیان کو جو میں نے نقل کیا ہے جناب شیخ نے پڑھ کر اپنا طویل خط لکھا ہے اور حضرت مجدد کے اس کلام کو جس کا تعلق اَواخرِ حالِ جذبہ سے ہے اور جس کو حضراتِ مشائخ وَصلِ عُریاں کے نام سے یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

اُو شود عُریاں زِتن مَن اَز خیال　　تا خرامم در نہایاتُ الوصال

جناب شیخ بہ صورتِ اطلاق ذکر کرتے ہیں۔ اور حضرت مجدد کے اس واضح بیان کو کہ طفیلیّت

---

[1] مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم۔ [2] یہ حجاب دوربین کے شیشوں کی طرح ہیں کہ خود نظر نہیں آتے اور نظر پہنچانے کا ذریعہ بنے ہیں۔

اور تبعیت کا توسط ہر حال میں ہے۔ نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آں کہ می گوید۔ در قرب و وصول تا بہ مقامے رسیدہ ام کہ ہیچ کس واسطہ نیست و ہیچ یکے را دخلے نیست نہ رسول و نہ غیر ویرا۔ اگر واسطہ بودند در وقت سلوک بودند حالا کہ سلوک تمام شدہ و قرب درگاہ حاصل گشتہ و وصول بہ حصول پیوستہ، ہیچ کس واسطہ نیست و ہمہ منقطع شدند۔"

(ترجمہ) آپ جو یہ کہتے ہیں کہ قرب و وصول کے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ کوئی شخص واسطہ نہیں ہے اور کسی کا کوئی دخل نہیں ہے، نہ رسول کا نہ ان کے سوا کسی دوسرے کا۔ اگر وہ واسطہ تھے تو دورانِ سلوک میں تھے، اب جب کہ سلوک تمام ہو گیا ہے اور درگاہ کا قرب حاصل ہو گیا ہے، کوئی واسطہ نہیں رہا اور سب منقطع ہو چکے۔"[1]

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے رسالہ کے صفحہ ٢٦ پر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ این چہ خلاف نویسی است و این چہ بے تحقیق گوئی است۔ در ہیچ مکتوبِ ایشاں ایں چنین عبارت نیست۔ یَا شَیْخُ عَفَی اللّٰہُ عَنْکَ۔"

(ترجمہ) پناہ بہ خدا۔ یہ کیسی الٹ تحریر اور کیسی بے تحقیق بات ہے۔ حضرت مجدد کے کسی مکتوب میں ایسی عبارت نہیں ہے۔ اے شیخ، اللہ تم کو معاف کرے۔"

اس جگہ یہ بات ظاہر کرنی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ غلام علی نے مسلسل پینتالیس سال مکتوباتِ قدسی آیات کا درس دیا ہے۔ لہٰذا جب آپ لکھدیں کہ حضرت مجدد نے یہ بات کہیں نہیں لکھی ہے تو وہ قطعاً درست ہے۔ مع ہٰذا اگر کوئی تحقیق کرنی چاہے شوق سے مکتوبات و رسائل کی اوراق گردانی کرے۔

افسوس ہے کہ جناب شیخ اس حدیث سے صَرفِ نظر کر رہے ہیں جس کو حضرات صوفیہ نقل کر رہے ہیں اور جس کی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے، اور جناب شیخ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ جو بات حضرت مجدد نے کہی ہے آپ سے پہلے صدہا مشائخ فرما چکے ہیں، حضرت شاہ غلام علی نے اپنے رسالہ کے صفحہ ٢٩ میں امام شعرانی اور شیخ اکبر کے اقوال نقل کئے ہیں اور مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے اپنی کتاب میں خوب تفصیل سے سیدنا عبد القادر جیلانی اور دوسرے مشائخ کبار کی عبارتیں نقل کی ہیں انکو ملاحظہ کیا جائے۔[2]

اگر اس بات کی وجہ سے حضرت مجدد پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو یہ اعتراض صدہا مشائخ کبار پر بھی وارد ہوتا ہے۔ مولانا سید صدیق حسن خان نے کیا خوب لکھا ہے۔

---

[1] حیات عبد الحق صفحہ ٣٢٦۔ لیکن میں نے حضرت شاہ غلام علی کے رسالے سے جو قلمی ہے یہ عبارت صفحہ ٢٦ سے نقل کی ہے۔

[2] ہدیۂ مجددیہ کے صفحہ ٢٢٩ سے ١٨٥ تک۔

"وَقَدْ شَارَکَہٗ فِیْھَا غَیْرُہٗ مِمَّنْ لَا یُحْصٰی کَثْرَۃً فَلَیْسَ اِذًا یَخُصُّہٗ الْاِنْکَارُ" [1]

(ترجمہ) اس طرح کی باتوں میں بے حساب افراد آپ کے شریک ہیں، لہٰذا اس انکار کی تخصیص آپ سے نہیں ہے"۔ کیا سیدنا عبد القادر جیلانی اور کیا دوسرے مشائخ کبار اس انکار میں داخل ہیں۔

میں حضرت شاہ غلام علی کے اس قول پر "ایں چہ خلاف نویسی وچہ بے تحقیق گوئی است یا شیخ عَفَی اللہُ عَنْکَ" جو کہ تمام لغزشوں کا جواب اور ہر قسم کی نفرت و وحشت کے لئے بمنزلہ تریاق ہے اس رنجدہ اور مؤلم بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اور تازہ دم و نوخاستہ محققین سے یہ گزارش ہے کہ وہ تحقیق کے معیار کو گرانے کی کوشش نہ کریں۔ کتابیات کی لمبی فہرست لکھ دینے سے غلط بیانی جامۂ صحت نہیں پہن سکتی۔ جھوٹ کا اظہار ہو کر رہے گا اور وہ لمبی فہرست طوقِ رسوائی بنے گی۔ ؏

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔

اخلاص نامہ

شاہ نعیم اللہ بہرائچی نے اپنی کتاب بشارات مظہریہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت میرزا جان جاناں مظہر شہید قدس سرہ کا یہ بیان لکھا ہے۔

"می فرمودند کہ از اخلاص نامۂ شیخ عبد الحق دہلوی کہ بہ جانب حضرت خواجہ حسام الدین احمد کہ از اَجَلِّ خُلَفَائے عارف و کامل و خدا آگاہ، حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اند، و مکتوبے طولانی کہ بہ اولادِ خود بدیں مضمون نوشتہ اند، آنچہ مسودات اقتراحات کہ بر کلماتِ قدسی آیات حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ ام در آبِ جَمَن بشویند۔ معلوم می شود آنچہ غبارے بہ نسبت حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ خاطر ایشاں رسیدہ بود آخر بہ صفا انجامیدہ است و آں اخلاص نامہ ایں است۔

سَلَّمَکُمُ اللہُ وَاَبْقَاکُمْ عَلٰی رُؤُسِ الْمُحِبِّیْنَ الطَّالِبِیْنَ الْمُخْلِصِیْنَ دریں دو سہ روز کہ از احوالِ شریف خبرے نگرفت یا بہ جہتِ تقصیرے کہ در جبلّتِ بشر است یا بہ قصدِ آں کہ مطلقاً از آلائشِ ضُعف و فترت پاک شدہ باشند تا بہ خبرِ مسرّت اثرِ صحتِ کلی و معافیتِ تام مشرف و مسرور گردد و امید کہ بہ اعلام آں مشرف گردانند، دیدۂ محبت در راہِ انتظارِ وصولِ اخبارِ مسرت آثارِ بندگی حضرت میاں شیخ احمد دو چار است، امیدوار است کہ دعائے محبان بہ اجابت رسیدہ اثرِ عظیم آرد، نسبتِ ایں فقیر در ایں ایام و صفائے باطن بہ خدمت ایشاں از حد متجاوز است وَ اَصْلاً پردۂ بشریت و غشاوۂ جبلت درمیان نماندہ نمی داند کہ از کجا است۔ با قطعِ نظر از رعایتِ طریقۂ انصاف و حکمِ عقل کہ با ایں چنین عزیزان و بزرگان بد نباید بود و در باطن بطریقِ ذوق و وجدان و غلبہ ـــــ چیزے افتادہ است کہ زبان از تقریر آں لال است۔ سُبْحَانَ اللہِ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ وَمُبَدِّلِ الْاَحْوَالِ، شاید کہ ظاہر بیناں در ایں جا استبعاد کنند۔ من نمی دانم کہ حال چیست و بہ چہ منوال است۔ زیادہ چہ گوید و چہ نویسد

---

[1] ابجد العلوم صفحہ ۹۰۰

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ" [1]

(ترجمہ) فرماتے تھے کہ جو اخلاص نامہ شیخ عبدالحق دہلوی نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد کو ارسال کیا ہے جو کہ عارف و کامل و خدا آگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے عالی قدر خلفا میں سے ہیں اور جو طویل مکتوب اپنی اولاد کو اس مضمون کا لکھا ہے کہ حضرت مجدد کے کلمات قدسی آیات پر جو اقتراحاتی مسودے میرے تحریر کردہ ہیں ان کو جمنا کے پانی میں دھو ڈالو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد کی طرف سے جو غبار اُن کے دل میں تھا وہ صاف ہو گیا تھا۔ اور وہ اخلاص نامہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور چاہنے والے مخلص طالبوں کے سروں پر باقی رکھے۔ اس دو تین دن کے عرصہ میں آپ کے احوالِ شریف کی خبر معلوم نہ کرنے کی وجہ یا تو وہ کوتاہی ہو سکتی ہے جو انسان کی فطرت میں ہے یا پھر وہ ارادہ ہو سکتا ہے کہ کامل صحت حاصل ہو جانے اور پھر خبرِ مسرت سننے میں آئے امید ہے صحت کی خبر سے آگاہ کریں گے۔

بندگی حضرت میاں شیخ احمد کے اخبارِ مسرت آثار پر چشم شوق لگی ہوئی ہے۔ امید ہے چاہنے والوں کی دُعا قبول ہو کر بڑا اثر پیدا کرے گی۔ آجکل ان سے فقیر کا قلبی تعلق بے حد زیادہ ہے بشریت کا کوئی پردہ یا اُفتادِ طبع کا کوئی اثر بالکل حائل نہیں رہا۔ میں خود نہیں جانتا کہ یہ کس بنا پر ہے۔

اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طریقۂ انصاف کی رعایت اور حکمِ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ بُرا نہ ہونا چاہئے۔ میرے دل میں ذوق و وِجدان اور غلبہ کی بنا پر کچھ ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ اس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے اور احوال کا بدلنے والا۔ ظاہر بین شاید اس پر یقین نہ کریں۔ میں خود بھی نہیں جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے۔ زیادہ کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ حقیقت حال کا پورا علم اللہ کو ہے۔" اھ

حضرت میرزا قدس سرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے جناب شیخ کے اس طویل مکتوب کو ملاحظہ کیا ہے جو جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام لکھا ہے۔ آپ کے واسطے اس امر کے ذرائع اچھی طرح مہیا ہو گئے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد سید نور محمد بدایونی قدس سرہ حضرت شیخ سیف الدین کے خلیفہ تھے، مع ہذا انھوں نے حضرت حافظ محمد محسن سے بھی استفادہ کیا ہے جو کہ حضرت سیف الدین کے اور پھر آپ

---

[1] بشارات مظہریہ کا پورا نام بشارات مظہریہ در فضائل مجددیہ ہے۔ شاہ نعیم اللہ بہرائچی رمضان ۱۱۸۱ھ میں حضرت میرزا جانِ جاناں کی خدمت میں پہنچے۔ تقریباً تین سال آپ کی خدمت میں رہے اور خلافت حاصل کرکے وطن کو گئے۔ اسی عرصہ میں انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے اور اپنے پیر و مرشد کو دکھائی ہے اور آپ نے جزوی طور پر اصلاح بھی فرمائی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ۱۲۰۰ھ کا تحریر کردہ لندن کے کتب خانہ میں ہے۔ اس نسخہ کے حاشیہ پر حضرت شاہ غلام علی نے اپنے ہاتھ سے بعض جگہ تحریر فرمایا ہے۔ اس نسخہ کا عکس میں نے لندن سے منگوایا ہے۔ واضح رہے کہ مصنف نے حضرت میرزا جانجاناں کی شہادت کے بعد آخر میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کتاب کے ورق ۴۳ کے دوسرے صفحہ پر یہ عبارت ہے۔

کے حضرت والد خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ تھے اور بشارات مظہریہ میں لکھا ہے کہ آپ جناب شیخ عبدالحق کے نواسے تھے۔ [۱]

حضرت محمد محسن کے صاحبزادے حضرت محمد احسان آپ کے قدمائے اصحاب اور کمّل خلفا میں سے تھے اور ان کے بھائی شیخ غلام حسن بھی آپ کے مخصوص اصحاب اور زبدۂ احباب میں سے تھے۔ [۲]
شاہ فتح محمد چشتی فتحپوری کی عبارت "آپ کی مخالفت" کے بیان میں مَیں نقل کرچکا ہوں۔ انھوں نے صاف الفاظ میں بیان کیا ہے کہ شیخ دہلوی کے ہاتھ کا تحریر کردہ مکتوب میں نے دیکھا ہے۔
جناب شیخ نے حضرت مجدّد کو جو طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس کے آخر میں لکھا ہے۔
"این کلمات بہ قصد استفسار و استکشاف حال و دفعِ تالمِ عارضِ بال و تسکینِ حُرقتِ صدر نوشتہ شد"۔ [۳]

یعنی حقیقت حال معلوم کرنے اور دریافت کرنے اور دل کی تکلیف (جو پیش آگئی ہے) رفع کرنے اور سینہ کی جلن زائل کرنے کی خاطر یہ مکتوب لکھا گیا ہے۔"
اس عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جناب شیخ کو توقع تھی کہ حضرت مجدّد ان کو جواب ارسال کریں گے لیکن جواب کی جگہ ان کو یہ خبر ملی کہ حضرت مجدّد کی علالت خطرناک دور میں داخل ہوچکی ہے اور عنقریب آپ سفر کرنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ پر یقیناً اثر ہوا ہوگا اور آپ نے اس کا اظہار خواجہ حسام الدین احمد پر کیا ہوگا کیونکہ جناب خواجہ کی خواہش تھی کہ جناب شیخ کا دل حضرت مجدّد سے صاف ہو۔
میرے نزدیک حضرت میرزا جان جاناں مظہر قدس سرہ کے بیان میں شبہ کیلئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یقیناً جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام کوئی تحریر چھوڑی ہے اور اس کو شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی نے اور حضرت میرزا نے ملاحظہ کیا ہے اور یقیناً جناب شیخ نے خواجہ حسام الدین احمد کو بھی یہ رقعہ ارسال کیا ہے، جس کو حضرت میرزا نے اخلاص نامہ کا نام دیا ہے۔
اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جناب شیخ کا دل حضرت مجدّد سے صاف ہوگیا تھا تو انھوں نے مدارج النبوہ میں "در مزاجِ وقت بعضے درویشانِ مغرورِ ایں روزگار" لکھ کر آپ کی طرف کیوں اشارہ کیا ہے۔؟

یہ سوال تو اس وقت صحیح طور پر وارد ہوتا کہ مدارج النبوہ کی تالیف حضرت مجدّد کی وفات کے بعد ہوئی ہوتی، میں نے مدارج النبوہ کو مختلف مقامات سے دیکھا لیکن یہ بات ثابت نہ ہوسکی۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ یہ کتاب حضرت مجدّد کی وفات سے اور جناب شیخ کے طویل مکتوب لکھنے سے پہلے تالیف ہوئی ہے۔ اور اگر کسی صورت سے یہ بات متحقق ہوجائے کہ یہ کتاب حضرت مجدّد کی وفات

---

[۱] بشارات مظہریہ ورق ۷۲ کا دوسرا صفحہ [۲] مقامات مظہری صفحہ ۸۲ و ۸۳ [۳] حیات عبدالحق صفحہ ۳۴۳

کے بعد لکھی گئی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ جناب شیخ کا معاملہ عجائبات پر مشتمل ہے۔ جو مکتوب انھوں نے حضرت مجدد کو لکھا ہے اس کے اوائل میں لکھا ہے۔ "تا نوبت ایں مکتوب رسید کہ باعثِ نفرت و وحشت گردید" [1] اور اسی مکتوب کے اواخر میں ہے۔ "ایں مقدار کہ مرا بہ شما نسبتِ محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود" [2]۔ اگر ایک ہی مکتوب نفرت و محبت کو اور وحشت و اتحاد کو جمع کر سکتا ہے تو پھر تالیفات مختلفہ جن کی تالیف و تحریر میں سالہا سال کا فرق ہے۔ "بر ایں چنین عزیزان و بزرگان بدنہ باید بود" اور "در مزاج وقت بعضے درویشان مغرور ایں روزگار" کو جمع کریں تو کیا استبعاد ہے۔

نہ ہمی می زند آں نو گلِ خنداں از من — می کشد خار دریں بادیہ داماں از من
نیست پرہیزِ من از زہد کہ خاکم برسر — ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من

تعجب ہے کہ عبدی خویشگی و امثال کی غلط بیانیوں کو وقعت دی جائے اور حضرت میرزا قدس سرہٗ کے بیان کو نظر انداز کیا جائے جن کی بزرگی اور جلالت قدر کے حضرت شاہ ولی اللہ معترف ہوں۔ اِنَّمَا لَمِنَ الْمُضْحِکَاتِ الْمُبْکِیَات۔

گرفتاری اور اسکا مآل

بہ جرمِ عشقِ توام می کشند و غوغائیست — تو نیز بر سرِ بام آ عجب تماشائیست

اللہ حکیم مطلق ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے بہ ظاہر حضرت مجدد قید ہوئے ہیں لیکن بہ باطن آپ کی گرفتاری کے وقت سے اکبری اِلحاد کا استیصال شروع ہوا اور اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

"آپ کی مخالفت" کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ اہلِ دربار نے بہت کوشش کی کہ جہانگیر آپ کو قتل کرا دے۔ لیکن اس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا۔

جہانگیر نے اپنی تزک میں آپ کے قید کرنے کے واقعہ کو ۲۲ ماہ خورداد ۱۴ جلوس میں لکھا ہے جو ۸ جمادی الآخرہ ۱۰۲۸ھ اور ۲۲ مئی ۱۶۱۹ء کے مطابق ہے [3]

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے صرف واقعۂ قید و بند کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالٰی پروفیسر محمد فرمان کو اجر دے کہ انھوں نے کاوش و جستجو کر کے خود حضرت مجدد کے مکتوبات سے نہایت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں چنانچہ آپ کے قید ہونے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ان کے مال و اسباب، کتابوں اور جائداد کو بھی شدید نقصان پہنچا [4] اور اس سلسلہ میں حضرت مجدد کے جس مکتوب کا حوالہ دیا ہے میں اس کا ترجمہ لکھتا ہوں تاکہ حضرت مجدد کی للہیت اور فنائیت کا کچھ اندازہ کیا جا سکے۔

فرزندانِ گرامی۔ آزمائش کی گھڑی جتنی بھی کڑوی کسیلی ہو لیکن متوقع رحمت کی گھڑی اگر مل جائے تو مغتنم

---

[1] حیاتِ عبدالحق ص۳۱۵ [2] حیاتِ عبدالحق ص۳۴۳ [3] اردو ترجمہ تزکِ جہانگیری ص۵۶ [4] حیاتِ مجدد از پروفیسر فرمان ص۳۰

ہے ہم کو اس وقت اللہ نے فرصت دی ہے لہذا اس کا شکر بجا لاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور اپنا ایک لمحہ ضائع نہ کرو۔ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک میں اپنے کو مشغول رکھو تلاوت کلام پاک لمبی قرارت سے ادائے نماز، اور کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی تکرار کلمہ لَا کہتے وقت اپنے تمام مقاصد و مُرادات اور خواہشاتِ نفس کی نفی کرو۔ کیونکہ خواہشات و مُرادات کی طلب میں اپنی اُلوہیت کا دعویٰ مُستتر ہے۔ لہٰذا ساحتِ سینہ میں کسی خواہش کے لئے جگہ نہ ہونی چاہئے اور نہ کوئی ہوس دماغ میں رہے تاکہ کامل طور پر بندگی ثابت ہو۔

اور تحریر فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ میری رہائی کا مقصد جو کہ تمہارے اَہم مقاصد میں سے ہے تمہارے دل میں نہ رہے اللہ کی تقدیر اور اس کے فعل و ارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ پڑھتے وقت جانب اثبات میں (یعنی اِلَّا اللہُ کہتے وقت) غیبِ ہُویّت کے سوا کچھ نہ ہونا چاہیئے۔ اپنی حویلی دوسرا اور کنواں اور باغ و کتب اور دوسری اشیا کے غم و فکر کو مزاحم نہ ہونے دو یہ سب چیزیں سہل ہیں اللہ کی رضا تمہاری رضا ہونی چاہیئے اگر میں مرتا یہ سب چیزیں جاتیں۔ ”گو در حیات ما رفتہ باشد“ یعنی ان سب چیزوں کا چھٹنا تو تھا ہی ابھی سے چھٹ جائیں۔“ اولیا نے ان سب چیزوں کو خود چھوڑ دیا ہے۔ ہم اللہ کے ارادے سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم کو شکر بجا لانا چاہیئے اور ہم کو امید رکھنی چاہیئے کہ ہم اس کے مُخلَص بندوں میں سے ہوں۔ مُخلَص کے لام پر فتحہ ہے (یعنی اللہ کے پسند کئے ہوئے بندے) جہاں بھی بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن سمجھو۔ چند روزہ حیات ہے جہاں بھی گزرے اللہ کی یاد میں گزرے۔ اپنی والدہ کو تسلّی دو اور آخرت کی رغبت دلاؤ۔ رہی ایک کی دوسرے سے ملاقات تو اگر اللہ کو منظور ہے میسّر ہوگی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارُ السّلام میں اکٹھے ہوں اور دنیوی ملاقات کی تلافی کو آخرت میں اللہ کے کرم کے حوالے کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ [1]

اس مکتوب مبارک سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی عتاب کا نزول آپ کے مال و متاع پر بھی ہوا تھا اور آپ اپنے صاحبزادگان کو تحریر فرما رہے ہیں کہ جہاں بھی بیٹھے ہو اپنے مولیٰ کی یاد میں مصروف رہو

سید غلام علی آزاد بلگرامی نے حضرت مجدد کے گرفتار ہونے کے سلسلہ میں کہا ہے [2]

لَقَدْ نَزَعَ الْأَقْرَانَ فِی الْھِنْدِ سَاجِعٌ   وَجَدَّ دَقَّ الْعِشْقِ مَا لِلْمُغَرِّدِ
فَلَا عَجَبٌ اِنْ صَادَہٗ مُتَقَنِّصٌ   اَلَمْ تَرَ فِی الْأَسْلَافِ قَیْدَ الْمُجَدِّدِ

(ترجمہ) ہندوستان میں ایک طائر خُوش نُوا چہچہانے میں اپنی ٹولی میں ممتاز ہو گیا ہے اس نے عاشقی میں جان ڈال کر گانے والوں کے لئے سوز و محبت کا کیا ساز چھیڑ دیا ہے۔ لہذا کیا عجب اگر کوئی

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۲ [2] سبحۃ المرجان طلی صفحہ ۱۳۳

شکاری اس کا شکار کرے۔ کیا تم نے اسلاف میں مجدد کو قید ہوتے نہیں دیکھا ہے؟"

جہانگیر نے اپنی تزک میں آپ کی رہائی کو ۲۱ ماہ خورداد ۱۵ جلوس میں لکھا ہے [1] جو ۷ جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ ۲۱ مئی ۱۶۲۰ء کے مطابق ہے۔

عبداللہ خویشگی عبدی نے معارج الولایت میں لکھا ہے۔

"جہانگیر بادشاہ شیخ را بر گوالیار مدتے محبوس ساخت چنان کہ شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد و چون بادشاہ بر برائت ذمۂ او وقوف یافت در معذرت شتافت۔ فرمود کہ حاجت اعتذار نیست زیرا کہ دریں حبس بہ حفظ کلام الٰہی مستسعد شدم۔" [2]

(ترجمہ) "جہانگیر بادشاہ نے ایک مدت تک شیخ کو گوالیار کے قلعہ میں بند رکھا اور آپ نے وہاں قرآن کو حفظ کیا۔ جب بادشاہ کو آپ کی برائت کا علم ہوا اس نے معذرت چاہی آپ نے فرمایا کہ عذر خواہی کی ضرورت نہیں کیونکہ اس حبس میں مجھ کو حفظ کلام الٰہی کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔"

پروفیسر محمد فرمان نے لکھا ہے۔

جہانگیر نے انہیں رہا کرنے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ "در رفتن و بودن مختار گردانیدم"، لیکن یہ بات بھی جہانگیر کی اور کئی باتوں کی (طرح) جھوٹ سے لبریز اور مغلیہ حکمتِ عملی کا ایک شاہکار ہے جہانگیر نے حضرت مجدد کو آخری وقت تک نظر بند رکھا ہے اور یہی نظر بندی حضرت مجدد کی عظمت کی دلیل اور ان کی شخصیت کے کمال کی دلیل ہے جسے ارادت مندوں نے اپنی غلطی سے حضرت کے علوِ شان کے منافی سمجھ کر سو حیلوں بہانوں سے چھپانا چاہا ہے اور جہانگیر کو حضرت کا مرید ظاہر کر کے ان کی عظمت کا اظہار کیا ہے، لیکن اس بات کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ جہانگیر کے مزاج میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی، وہ آخری دم تک شراب کا رسیا اور عیش و عشرت کا دلدادہ رہا ہے اور ہمیں اس کی زندگی میں نقشبندی مرید کے کوئی واضح آثار نہیں ملتے اور ان آثار کی عدم موجودگی میں اسے حضرت کا مرید خاص قرار دینا ایک طرح سے حضرت کے فیض اور تصرف باطنی کا انکار کرنا ہے جو تاریخی شواہد کی روشنی (میں) محل نظر ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تزک جہانگیری کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا عجب نہیں کہ اس میں حضرت کی تعلیمات کو بھی دخل ہو۔" [3]

پروفیسر فرمان نے اس بیان میں تین باتیں کام کی لکھی ہیں، حضرت مجدد کی نظر بندی، ارادتمندوں کی غلطی اور تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال۔ میں ان تینوں باتوں کے متعلق مختصر طور پر کچھ لکھتا ہوں۔

---

[1] اردو ترجمہ تزک صفحہ ۶۳۳ [2] احوال و آثار عبداللہ خویشگی صفحہ ۱۵۰ [3] حیات مجدد صفحہ ۳۵ و ۳۶

نظربندی

حضرت مجدد کامل ایک سال قلعۂ گوالیار میں قید اور پھر تین سال دس مہینے شاہی فوج میں نظربند رہے ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کے نواسے شیخ صفر احمد معصومی نے آپ کی مراجعتِ وطن کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے اجمیر میں بادشاہ سے وطن جانے کی اجازت لی اور سرہند کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کو حضرت صبغۃ اللہ فرزند حضرت محمد معصوم کی ولادت کی خبر ملی جو گیارہ ربیع الآخر ۱۰۳۲ھ موافق یکم فروری ۱۶۲۳ء میں ہوئی تھی اور لکھا ہے کہ حضرت صبغۃ اللہ کے عقیقہ کے دو یا تین دن بعد آپ سرہند شریف پہنچے[1]

عقیقہ مسنون طریقہ پر ساتویں دن ہوا جو کہ ۱۷ ربیع الآخر اور ۷ فروری ہے اور آپ چاند کی انیس یا بیس اور فروری کی نو یا دس کو گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت مجدد نے اپنے برادرِ طریقت خواجہ حسام الدین احمد کو جس لطیف پیرایہ سے اپنی نظربندی کا حال لکھا ہے آپ کی عظمت اور بزرگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ مجسم پیکر تسلیم و رضا تھے۔ میں اس مبارک مکتوب کے ایک حصہ کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

”ثنا اور صفت اللہ کے لئے ہے اور درود و سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر۔ صحیفۂ شریفہ اور نوازش نامہ جو کہ از روئے شفقت اور کرم اس فقیر کے نام ارسال کیا ہے ملا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ شکر کا مقام ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ دوستوں کی خیریت معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں۔ یہاں کے فقرا کی کیفیت اور حال شایانِ حمد و شکر ہے، کہ بلا میں ہوتے ہوئے ان کو عافیت اور تفرقہ میں رہتے ہوئے ان کو جمعیت حاصل ہے، برخورداران اور رفقا میں سے جو بھی ساتھ ہیں ان سب کو وابستگی حاصل ہے اور ان کے احوال میں ترقی ہے، ان کے واسطے یہ چھاؤنی گویا کہ خانقاہ بن گئی ہے، فوجیوں کی تلوینات میں (یعنی رنگا رنگی میں) ان کو تمکین نصیب ہے (یعنی دل کا سکون) وہ ایسی جگہ میں رہتے ہوئے جہاں طرح طرح کی گرفتاریاں ہیں (یعنی دل چسپی کا سامان) صرف ایک مطلب کے گرفتار ہو کر رہ گئے ہیں (یعنی صرف اپنے مولیٰ کے طلبگار ہیں) نہ ان کو کسی سے غرض ہے نہ ان پر کسی کا بوجھ۔ البتہ یہ بات ہے کہ ان کا اختیار ان سے مسلوب ہے (چھین لیا گیا ہے) اور وہ قید و بند کی نعمت میں گرفتار ہیں۔ کیا ہی قید و بند ہے کہ اس سے رہائی ایک پائی کے بدلے میں حاصل نہ کی جائے۔ اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ کے لئے حمد و ستائش ہے“[2]

اس مبارک مکتوب سے صحیح طور پر وہ شخص لطف اندوز ہوگا جس کو حضرت مشائخ کی اصطلاحات سے واقفیت ہے۔ آپ نے بلا، عافیت، تفرقہ، جمعیت، خانقاہ، تلوینات، تمکین، قید، گرفتاری، اطلاق، جیسے الفاظ استعمال کرکے فصاحت و بلاغت اور رعنائیت کے ساتھ تصوف و سلوک کے معارف

---

[1] برکاتِ معصومیہ کے [illegible] صفحہ ۲۲۸ [2] مکتوب ۲۰، دفتر سوم۔

ملاکر وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ کی شکل پیدا کردی ہے یعنی ان شیریں الفاظ میں جو کر خود سحرِ حلال ہیں نسماتِ فیوضاتِ رحمانیہ ملاکر مقربینِ بارگاہِ خداوندی کے واسطے چشمۂ آبِ حیات مہیا کردیا ہے۔

ارتمندوں کی غلطی

اس سلسلہ میں اگر پروفیسر فرمان کچھ وضاحت کر دیتے تو بہتر ہوتا حضرت مجدد کے حالات خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدرالدین سرہندی نے لکھے ہیں ان دونوں حضرات نے حضرت مجدد کے معارف و کمالات اور فضائل کے بیان میں اپنی ہمت صرف کی ہے گرفتاری کے واقعہ کو ضمنی طور پر "حضرات القدس" میں ذکر کر دیا ہے۔ نظربندی کا کسی نے ذکر تک نہیں کیا ہے، نہ انھوں نے جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے اور نہ شاہ جہاں کا۔ البتہ شاہ جہاں کے متعلق "اخلاص داشت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اخلاص کا ہونا اور ہے اور بیعت کرنی کچھ اور ہے۔

جہاں تک میرا علم ہے اس سلسلہ میں پہلی کتاب جس میں ہر رطب و یابس کو جمع کیا گیا ہے "روضۂ قیومیہ" ہے۔ جو محمد شاہ کے دور میں لکھی گئی ہے میں نے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں ایک مضمون قیومیت کے سلسلہ میں لکھا تھا جو پاکستان میں چھپا ہے۔ اس میں میں نے لکھا ہے کہ حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ اور خود پروفیسر فرمان نے اپنی کتاب کے آخر میں روضۂ قیومیہ کے متعلق لکھا ہے۔ "یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ہو سکتی"۔ چونکہ اس کتاب میں کشف و کرامات، رَطب و یابس اشیاء بھری ہوئی ہیں جو کہ عوام الناس کے نزدیک اَصلِ تصوف ہے اس لئے یہ کتاب مقبول ہوئی۔ اس کا ترجمہ ہوا اور خوب شہرت ہوئی۔ اور حضرت مجدد کے سوانح نگاروں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بلاوجہ حضرت مجدد اور دوسرے حضرات کو موردِ طعن بنایا۔ وَکَانَ ذٰلِکَ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا

جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال

قلعۂ گوالیار سے رہائی کے متعلق عبداللہ خویشگی کی عبارت کچھ پہلے گزر چکی ہے کہ جہانگیر نے آپ سے عذرخواہی کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہانگیر کے خیالات میں تبدیلی آگئی تھی۔

مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کو آپ سے کچھ لگاؤ ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

"عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ کی عنایت سے اُمورِ دینیہ اور اُصولِ اِسلامیہ کی باتوں میں بال برابر مُسَاہلت اور چاپلوسی نہیں ہوتی۔ جس طرح پر کہ اپنی خلوتوں اور خصوصی مجالس میں بیان کرتا ہوں اسی طرح اللہ کی مدد سے مجالسِ سُلطانیہ میں بیان کرتا ہوں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو ایک دفتر چاہیئے۔ آج رات جو ماہ مبارک رمضان کی سترہویں شب تھی۔

(اس کے بعد آپ نے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن کو آپ نے بیان کیا ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے) بہت کچھ مذکور ہوا اور وہ خوشی سے سنتا رہا (اور پھر آپ نے لکھا ہے) اللہ کا احسان ہے کہ وہ اپنی جگہ ہی پر رہتا ہے یعنی سنتا رہتا ہے اور کوئی تغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ ان واقعات و ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت اور راز پوشیدہ ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (سورۂ اعراف آیت ۴۳) "شکر اللہ کو جس نے ہم کو یہاں راہ دی اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ۔"[1]

آپ کے اس مبارک مکتوب سے پوری طرح ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی جہانگیر سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اور آپ عقائد دین اور اہل سنت کا مسلک بیان فرماتے تھے جہانگیر بدون کلال، ملال سنتا تھا۔ اور یہ ایک بڑی کامیابی تھی جو پروردگار نے آپ کو عطا کی تھی آپ نے جو مکتوب جہانگیر کو تحریر فرمایا ہے[2] پڑھنے کے قابل ہے اس میں آپ نے شکرِ عزا اور شکرِ دعا کا بیان کیا ہے اور اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ کی حقیقت واضح کی ہے۔

اس کے بعد دیکھنے میں آتا ہے کہ جہانگیر نے اپنی تزک کے سولہویں سال کے واقعات میں لکھا ہے ۲۴ ماہ آبان ۱۶ سنہ جلوس (اکتوبر ۱۶۲۱ء) کو قلعہ (کانگڑہ) کی سیر کی طرف متوجہ ہوتے وقت قاضی اور میرِ عدل کو جو میرے ہم رکاب تھے حکم دیا کہ قلعہ میں داخل ہونے پر جن اسلامی اور شرعی امور کو بجا لانا ضروری سمجھیں بجا لائیں، اور قلعے تک پہنچنے کے لئے ایک کوس پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے کے بعد جب اندر داخل ہوا تو بہ توفیق ایزدی نماز کے لئے اذان اور خطبہ اور اپنے سامنے گائے ذبح کروائی ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعے میں عمل نہیں ہوا تھا، میں نے اس توفیق ایزدی کے لئے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجا لا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالی شان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا۔"[3]

شیخ بدر الدین نے فتح کانگڑہ کے سلسلہ میں کرامت نمبر ۲۳ و ۲۴ میں لکھا ہے کہ جہانگیر نے نواب مرتضیٰ خان کے سپرد یہ کام کیا تھا۔ نواب نے حضرت مجدد کو مکتوب ارسال کیا اور التماس دعا کی۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ ان سے یہ کام سرانجام نہ پائے گا چنانچہ آپ نے ان کو یہ بات لکھ دی کچھ دنوں بعد ان کی وفات کی خبر پہنچی۔ پھر بادشاہ نے یہ کام راجا بکرماجیت کے سپرد کیا۔ راجا آپ کی خدمت میں آئے اور التماس دعا کی اور جواب ملنے تک سرہند میں رہے۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ راجا اس مہم کو سرانجام دے دیں گے چنانچہ آپ نے ان کو بشارت دی اور وہ کامیاب ہوئے۔[4]

---

[1] مکتوب ۴۴ دفتر سوم [2] مکتوب ۴۷ دفتر سوم [3] ترجمہ تزک جہانگیری صفحہ ۶۹۶، ۶۹۷

[4] حضرات القدس حضرت تاسعہ صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸۔

سید علی اکبر حسینی اردستانی نے ۱۰۴۳ھ میں کتاب مجمع الاولیا لکھی ہے اس میں لکھا ہے۔
کشمیر سے واپسی پر جہانگیر مرض ضیق النفس (سانس کی تکلیف) میں مبتلا تھا اطبا سے علاج کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا تو اس نے اَعْیانِ مملکت کو حضرت مجدد کی خدمت میں بھیجا (جو غالباً لشکر کے ہمراہ تھے) آپ نے دُعا کے لئے وعدہ فرمایا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جہانگیر اب تعمیر مساجد کا اہتمام کرے گا جہانگیر نے کہا۔ "گُفْتَن از شما است و کَرْدَن از ما" حضرت مجدد نے دعا فرمائی اور اسی رات مرض میں افاقہ ہوگیا۔ پھر جب سرہند کے قریب پہنچے بادشاہ نے کہا "شیخ جیو چوں بہ دعائے شما شفا یافتہ ایم فردا ہم بہ طعام خانۂ شما پرہیز بشکنیم (ورق ۴۴۳ پر) حضرت مجدد نے اپنے صاحبزادوں کے ہاتھ کھانا بھیجا۔ بادشاہ نے آصف جاہ سے بڑی تعریف کی اور کہا۔ امروز از خانۂ شیخ طعام خوردیم بسیار لذیذ بود خصوصاً مرغ بسیار خوب پختہ بودند، نصفے ازاں خوردہ ایم و نصفے نگاہ داشتہ کہ باز خوریم۔ اس کے بعد آصف جاہ کو بھیجا کہ کچھ ہدیہ قبول فرمائیں لیکن حضرت مجدد نے انکار فرمایا اور کہا کہ "مدارِ کار فقر لئے باب اللہ بر توکل است"

ورق ۴۴۴ پر مرقوم ہے۔ قلعہ کانگڑہ کی فتح کے لئے جب مرتضیٰ خاں کو مقرر کیا تو اس نے دعا کے لئے درخواست کی آپ نے تحریر فرمایا کہ اس کے ہاتھوں یہ فتح نہ ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر جب راجہ بکرماجیت کو مقرر کیا گیا تو وہ خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو کامیابی کی بشارت دی جب قلعہ فتح ہوا تو جہانگیر قلعہ دیکھنے گیا اور حضرت سے عرض کیا کہ "اگر شما با ما رفاقت کنید بر آن قلعہ ذبح بقر بدہم و بنائے مساجد و نشر اسلام کنیم چنانچہ ایشاں ہمراہ بادشاہ بر آں قلعہ بر آمدند، بادشاہ ہمہ آنچہ فرمودہ بودند بجا آوردند" [1]

مجمع الاولیا کی عبارت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال اس زمانہ میں ہوگیا تھا اور اس کو حضرت مجدد کی للہیت اور پاک دلی کا یقین ہوگیا تھا اور اسی کو بعد کے ارادتمندوں نے مریدی کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔

حضرت مجدد انتیس یا بیس ربیع الآخر کو وطن مالوف پہنچے اور اٹھائیس صفر کو دار السلام کا سفر

---

[1] محترمی مولانا محمد علیم الدین طری فرزند مولانا قاضی خلیل الدین بھرپال تشریف لائے تھے اور بیان کیا کہ مصنف نے یہ کتاب شاہجہاں کو پیش کی۔ انڈیا آفس لائبریری میں اس کا نسخہ محفوظ ہے۔ اور رضا لائبریری رام پور میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے اس کے ۷۸۹ اوراق ہیں۔ اس میں لکھا ہے

در خدمت آں دو عزیز شیخ محمد سعید سلمہ اللہ و ابقاہ و شیخ محمد معصوم سلمہ اخلاص و ارادت بسیار دارد و جمع اکثر ایں کتاب بہ توجہ ظاہری و باطنی آں دو بزرگ صورت گرفتہ است۔

مولانا نے ورق ۴۴۴ ۴۴۳ سے حضرت مجدد کے دو واقعے لکھے ہیں۔ جس طرح انھوں نے لکھا ہے وہی میں نے لکھ دیا ہے میں ان سے یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ انھوں نے عبارت کس نسخہ سے نقل کی ہے

اختیار کیا۔ دس ماہ اور آٹھ یا نو دن اپنے گھر میں قیام کیا۔ وہ جد وجہد جو عمر بھر آپ نے کی تھی اس کی کامیابی کے آثار آپ نے دیکھ لئے اور آپ سمجھ گئے کہ جو خدمت میرے سپرد تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو خوبی کے ساتھ پورا کرا دیا اور فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا کا وقت آگیا۔ یعنی "اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے، بے شک وہی ہے معاف کرنے والا" لہٰذا آپ نے اپنے گھر کے پاس ایک زاویہ کو اختیار کیا اور مولیٰ جل شانہٗ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مجدد کی کوششوں اور آپ کے قید و بند کے واقعات کو دیکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ آپ کے واسطے آپ کی نظر بندی "بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ" تھی۔ یعنی "اس کے اندر میں مہر ہے اور باہر کی طرف عذاب"۔ آپ کی کامیابی اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ کہاں مراتب چہارگانہ اور کہاں خطبہ و نماز و بنائے مسجد و ذبح بقر!

وہ افراد جو حضرت مجدد پر اعتراضات کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور جناب شیخ کی بے اساس تحریر کو صحیفۂ آسمانی تصور کئے بیٹھے ہیں ذرا خیالات و اوہام کی بندشوں سے اپنے کو آزاد کر کے حقائق ثابتہ کو دیکھیں کہ خود جہانگیر اپنی تزک میں فتح کانگڑہ کو کس انداز سے لکھ رہا ہے "بہ توفیق ایزدی اذان دلوا کر نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کروائی، ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعہ میں عمل نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس توفیق ایزدی کے لئے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجا لا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالیشان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا۔" اس تحریر کا ایک ایک لفظ خلوص نیت کا آئینہ دار ہے۔ جہانگیر نے کانگڑہ میں مسجد بنائی اور پھر چند سال بعد اکبر کے الحاد گڑھ میں (آگرہ کے قلعہ میں) شاہ جہاں نے سنگِ مرمر کی عالی شان مسجد بنائی۔ اور دہلی کی جامع مسجد بنا کر اذان دلوائی جس کی صدا اللہ کے فضل سے آج تک مسلمانانِ ہند کے دلوں میں روحِ ایمان پھونک رہی ہے اور پھر حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تدوین ہوئی جس کو ممالکِ عربیہ میں فتاویٰ ہندیہ کہتے ہیں۔ اور جو صورت اتباعِ سنت، اجتناب از بدعت اور ترویجِ ملت کی پیدا ہوئی، وہ عالم آشکارا ہے۔ یہ سب حضرت مجدد ہی کی حسنات ہیں۔ چاہے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔

تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا
فَانْظُرُوا بَعْدَنَا إِلَى الْآثَارِ

ایک سوال

اس جگہ بعض فاضل سوانح نگاروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اکبری الحاد کا ازالہ کیا صرف حضرت مجدد نے کیا ہے یا آپ کے ساتھ آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ بھی شریک ہیں۔ اور انھوں نے یہ سوال اس بنا پر اٹھایا ہے کہ مجددی حضرات اور حضرت مجدد کے تذکرہ نویس اس سلسلہ میں صرف حضرت مجدد کا ذکر کرتے ہیں۔

میرے نزدیک اگر دقیق نظر سے صورتِ حال کو اور زمانۂ ماقبل کے حالات اور عظیم واقعات کو دیکھا جائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کر کے ملک شام کو فتح کرنے کے لئے راہ کھولی حضرت ابوبکر نے اس راہ کو وسیع کیا، اور حضرت عمر نے اس کو بہ اتمام پہنچایا۔ اب دُنیا حضرت عمر کو فاتح قرار دیتی ہے، حالانکہ آپ متمّم ہیں۔ آپ نے اَساس نہیں رکھی ہے۔ مؤسِّس سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور معاون حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح فقہ کی اَساس حضرت ابن مسعود نے رکھی اس کو حضرات علقمہ اور حمّاد نے ترقی دی پھر حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کو غایت تک پہنچایا اور دنیا نے آپ کو فقیہِ اعظم تسلیم کیا۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں۔ اَلنَّاسُ فِي الْفِقْهِ عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ "فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔

یہی صورتِ حال حضرت خواجہ اور حضرت مجدّد کی ہے۔ حضرتِ خواجہ نے حضرتِ احرار کے طریقے کی اساس ہندوستان میں رکھی۔ حضرت خواجہ کے بہ کثرت مُریداور خُلفا تھے اور اس زمرہ میں جناب شیخ عبدالحق بھی شامل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس عظیم کام کو بہ احسنِ وجہ انجام تک پہنچانے والا نہ تھا۔ چوں کہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ یہ کام حضرت مجدّد کریں اور خلق خدا آپ کو مجدّدِ اعظم کہے اس لئے آپ کو اس آستانے پر پہنچایا۔ اور سالوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا دنوں میں اپنے کرم سے کرایا۔ آپ کی اعلیٰ قابلیت اور اتم استعداد کو دیکھ کر خود حضرت خواجہ نے اپنے کو بر کنار کر لیا اور سارا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا اب اگر اس صورت حال میں آپ کو مجدّد اعظم کہا جائے یا اس کام کی نسبت آپ کی طرف کی جائے تو کیا محلِ اعتراض ہے۔ اگر بہ اعتبار اساس کے کہا جائے تو حضرت خواجہ نے الحاد اکبری کو مٹانے کی بنیاد رکھی، اور اگر بہ اعتبار انجام کے کہا جائے تو حضرت مجدّد نے اس اِلحاد کو نیست و نابود کیا ہے۔

تعجب ہے کہ حضرت خواجہ کے بعض مخلصوں نے خوب سرگرمی سے آپ کی مخالفت کی ہے اور اُن میں جناب شیخ سر دفتر ہیں۔ صاحب اتحاف نے کیا خوب لکھا ہے۔

وجہ ایں نقاد آں است کہ حضرت شیخ را در تقلیدِ مذہب تعصّب بسیار بود و مجدّد را در اتباعِ سنّت و رَدِّ بدعاتِ طریقت و شریعت صلابتِ تام۔ بہ ایں راہ گزر اتفاق میان ہر دو صورت نمی بست (ص۳۴۲۔ اتحاف)

حضرت شیخ کی تحریروں سے دشمنوں نے وہ کام لیا اور لے رہے ہیں جو حضرت شیخ کی منشا قطعاً نہ تھی، تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ۔ وَكَانَ ذٰلِكَ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ۔

عرضِ نیازِ اثیم

بر مزارِ

حضرت مجددِ عظیم

قدس سرہٗ

جنابِ حضرت شیخ احمد آں کہ شد سرہند   ز فیضِ روضۂ اش از روضۂ جناں خوشتر
مجددِ است بہ تحقیق الفِ ثانی را   بُوَد بہ رُتبۂ قیّومی انسب و اجدر
مجددِ آں کہ بہ تجدیدِ دین و شرع ورا   رعیبِ قوّتِ تائیدِ نصرت است و ظفر
بہ باغِ دہر ز بعدِ ہزار سال اردے   گرفتہ گلشنِ تجدید زینت و زیور
ز آسمانِ ولایت مہِ درخشاں شُد   کہ مہرِ اوست بہ جانہائے تیرہ روشنگر
ہزار دستہ گل از گلشنِ درود و سلام   بہ بارگاہِ فلک جاہِ او بہ ہدیہ ببر
بہ پیشگاہِ حضورش بہ صد ہزار نیاز   زماں بہ عرض کہ اے برگزیدۂ داور
بلند کن علمِ اعتلائے مذہب و دیں   نما ز نعرۂ تکبیر گوشِ گردوں کر
ز نورِ مشعلِ دیں برفروز راہ یقین   کہ روزِ روشنِ ما شد ز شامِ تیرہ تر
جہاں ز ظلمتِ فسق و فساد پُر گردید   براز زور اعتدائے دین بند کمر
بہ قمعِ بدعت و ظلم و فساد جہد نمائے   بسانِ عہدِ جہانگیر و دورۂ اکبر
جہانِ دگرے ز صدق و عدل آباد کن   چو عہدِ حضرت صدیق و حضرت عمر

ز راہِ ظلمت و بدعت بشر نہ بیند خیر
کہ ہست سنتِ خیر البشر بہ خیرِ بشر

عبدالسلام اثیم مجددی کابلی[1]

---

[1] عزیز گرامی حضرت عبدالسلام اثیم کابل کے حضرات مجددیہ میں سے ہیں ان کا گھر دہ دانا کابل میں ہے۔ دوشنبہ ۲۰ صفر ۱۳۸۵ھ ۲۰ مئی ۱۹۶۵ء کو اپنے جد امجد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے عرس شریف میں یہ قصیدہ پیش کیا تھا اس کی سرخی اس طرح لکھی ہے
عرضِ نیاز و ناتوانی بہ آستانِ عرش نشانِ حضرت قبلۂ روحانی جیحون ے دوجہانی امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت الشیخ احمد الفاروقی الرحمانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

اگر قبول شود زہے افتخار بہ حضرت او   ز اوج چرخ زند مرغِ طبع من پروبال

اس قصیدۂ زرنگار کے پورے ایک سو شعر ہیں اور ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے حفظہ اللہ تعالےٰ

دوسرا حصہ

حضرت مجدد اور عجیب معاندین

جناب شیخ عبدالحق کے طویل مکتوب کا حال لکھ چکا ہوں یہاں پر یہ بات لکھنی ہے کہ حضرت مجدد کے مخالفوں نے پہلے ہی دن سے اس مکتوب کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو جناب شیخ سے عقیدت ہے بھلا روافض یا اہل اہواء کو جناب شیخ سے کیا لگاؤ ہو سکتا ہے یہ لوگ آپ کے مکتوب کو اہمیت دے رہے ہیں تو صرف اس لیے کہ اس میں ان کی دلبستگی کا سامان موجود ہے۔ ان کا عمل "لَا لِحُبِّ عَلِیٍّ بَلْ لِبُغْضِ مُعَاوِیَۃَ"[1] کا مصداق ہے، پہلے یہ مکتوب ان لوگوں کے لئے دست آویز بنا جن کو عربی اور فارسی سے لگاؤ تھا اب یہ دولت ہندی اور انگریزی دان طبقہ کو ملی ہے وہ اس کو اچھال رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ان کو "معارج الولایت"[2] میں السابقین سا خزانہ ملا ہے کہ آج تک کسی کو اس کا پتہ نہ تھا۔

چوں کہ اس مکتوب کی وجہ سے پہلے بھی لوگوں کو دھوکہ ہو چکا ہے اور علمائے اعلام کی تین سو سال کی مساعی سے اس کا ازالہ ہوا تھا، اور اب اس دور میں عربی فارسی سے ناواقف افراد اس نئے دام تزویر میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں اس اردو رسالے میں حقیقت امر کا بیان کرتا ہوں تاکہ سادہ لوح افراد لاعلمی کی بنا پر اس جال میں نہ پھنسیں۔

جناب شیخ عبدالحق حضرت مجدد کے پیر بھائی تھے۔ اور عمر میں تیرہ سال آپ سے بڑے تھے خدا کے فضل وکرم سے علم وفضل وکمال اور زہد وتقوی میں بلند مرتبہ تھے۔ ان کے اس طویل مکتوب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ان سے کوئی بات کہتا تھا وہ اس پر یقین کر لیا کرتے تھے۔ آپ کی اس کمزوری کو حضرت مجدد کے مخالف جان گئے تھے۔ ان کور باطنوں نے حضرت مجدد کے متعلق غلط باتیں آپ کو سنائیں اور بعض مکتوبات میں تحریفات کرکے آپ کو دکھائیں آپ کو ان لوگوں

---

[1] حضرت علیؓ سے اظہار تعلق ان سے محبت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ حضرت معاویہ کے بغض کی وجہ سے ہے

[2] عبداللہ خویشگی عبدی قصوری کی کتاب کا نام ہے

اور تحریروں کا رنج ہوا اور وہ طویل مکتوب حضرت مجدد کو لکھ دیا جس کو مخالفینِ امامِ ربانی دلیل و حجت کے طور پر پیش کرتے رہے۔

حضرت شیخ کی یہ تحریر ایک برادرانہ شکایت ہے۔ کسی غلط فہمی کی بنا پر بھائی کو بھائی سے اکثر شکایت ہو جایا کرتی ہے۔ اگر بیچ میں "مارِ آستین" نہ پڑیں تو دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ شکایت اللہ کے فضل و کرم سے رفع بھی ہو جاتی ہے۔ ہمارے سامنے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا سبق آموز واقعہ ہے جس کو سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے میں حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

(حضرت موسیٰ نے) ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا، لگا کھینچنے اپنی طرف، وہ بولا اے میری ماں کے جنے، لوگوں نے مجھے بودا سمجھا اور نزدیک تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں، شُومت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہ گار لوگوں میں، بولا (موسیٰ) اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر اپنے رحم میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

ملاحظہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کس لطیف پیرایہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعہ کو بیان کیا ہے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استغفار کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ برادرانہ شکایت کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ کسی کو پیش آئے تو وہ توبہ و استغفار کرے۔ یہی اس کا کفارہ ہے۔

یہی صورت جناب شیخ کی حضرت مجدد کے ساتھ ہوئی کہ غلط باتوں اور غلط تحریروں کی بنا پر سخت اور نا ملائم مکتوب لکھ دیا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے تھے، اپنی بے راہ روی کا افسوس ہوا اور اپنے مشفق برادرِ طریقت خواجہ حسام الدین احمد کو مکتوبِ صغیر لکھ دیا جس کو قیّمِ طریقۂ احمدیہ حضرت میرزا جانِ جاناں مظہر شہید قدس سرہ نے "اخلاص نامہ" سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت شیخ نے اس اخلاص نامہ میں صاف طور سے لکھا ہے کہ "بشریت کا کوئی پردہ یا افتادِ طبع کا کوئی اثر حائل نہیں رہا ہے" اور لکھا ہے کہ "ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ بُرا نہ ہونا چاہیئے" اور چوں کہ حضرت شیخ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ جن لوگوں نے بیس بائیس سال سے یہ فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ وہ اس اخلاص نامہ پر یقین نہیں کریں گے۔ اس لئے آپ نے صاف طور پر لکھ دیا۔ "پاک ہے اللہ دلوں کا پھیرنے اور احوال کا بدلنے والا، ظاہر بین شاید اس پر یقین نہ کریں، میں خود بھی نہیں جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے۔" آپ نے جو خدشہ ظاہر کیا ہے۔ میرے سامنے ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس دور کے محققین پوری کوشش کر رہے ہیں کہ اس اخلاص نامہ کو ایک فرضی تحریر ثابت کر دیں۔

کہاں ان لوگوں کی یہ کوشش اور کہاں سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک ارشاد: "اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَکُفُّوْا عَنْ مَسَاوِیْهِمْ" [1] "اپنے اموات کی بھلائیوں کو ذکر کرو اور ان کی برائیوں کے بیان سے اپنے کو باز رکھو" یعنی اگر ان میں فی الواقع برائیاں ہیں تو ان کو بیان نہ کرو چہ جائیکہ ایک غلط تحریر کی بنا پر جھوٹے الزامات کا بیان کیا جائے اور ان کے ساتھ اپنے ظنون و خیالاتِ فاسدہ کو ملا کر حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک میری معلومات ہیں، میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مسلسل ساڑھے تین سو سال سے جو ظلم و ستم حضرت مجدد کے ساتھ بد طینتوں نے روا رکھا ہے، اس کی نظیر نہیں ملسکتی، اگر پہلے عربی خوان اور فارسی دان طبقہ یہ کام کر رہا تھا تو اب ہندی کے پجاری اور انگریزی کے پرستار کمر کس کر میدان میں اتر آئے ہیں۔

اس وقت فلسفۂ ویدانت اور وحدتِ ادیان کے علمبرداروں میں سے دو افراد کی کوشش و کاوش میرے سامنے ہے۔ ایک اطہر عباس رضوی ہیں اور دوسرے پروفیسر ایم مجیب جامعی، ان دونوں صاحبان نے حضرت مجدد پر زبان درازیاں کی ہیں، اوّل الذکر کے متعلق محترمان گرامی سید صباح الدین عبدالرحمٰن اور شبیر احمد خان غوری نے خوب ہی لکھا ہے اور پوری طرح ثابت کر دیا ہے کہ رضوی صاحب عربی اور فارسی سے ناواقفِ محض ہیں، انھوں نے صرف دھوکہ دینے کے لئے عربی اور فارسی کتابوں کے نام لکھے ہیں اور تنقید کے پردے میں انھوں نے خوب تبرا بازی کی ہے لہٰذا میں رضوی صاحب کی کتاب کے سلسلے میں پہلے ان دونوں صاحبان کی نگارشات کے کچھ حصے نقل کرتا ہوں اور پھر یوحنا فریڈمان یہودی کی کتاب "شیخ احمد سرہندی" کے دو صفحے کا ترجمہ لکھوں گا تاکہ رضوی صاحب کے ادعائے غیر جانبداری کی حقیقت ایک غیر مسلم کی زبانی ظاہر ہو۔

اِنَّ مَنْ یَدَّعِیْ بِمَا لَیْسَ فِیْهِ ۔۔ کَذَّبَتْهُ شَوَاهِدُ الْاِمْتِحَانِ

اور پھر پروفیسر ایم مجیب کے کلام پر تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

---

[1] الجامع الصغیر جلد اوّل صفحہ ۳۱

ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی شیعی
کی کتاب
"مسلم ریوائیولسٹ موومنٹس اِن نورٹرن انڈیا اِن دی سکسٹینتھ اینڈ سیونٹینتھ سینچریز"
یعنی
"سولھویں اور سترھویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کی تحریکیں"
پر تبصرہ

اس کتاب کے متعلق مجلہ معارف (دار المصنفین اعظم گڑھ) کے شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شذرات کے تحت اور پھر اسی سال کے مارچ، مئی، ستمبر، اکتوبر، نومبر کے شماروں میں تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں۔ میں اختصار کے ساتھ ان میں سے کچھ نقل کرتا ہوں۔

سید صباح الدین عبد الرحمن نے مارچ کے شمارہ میں لکھا ہے۔

آگرہ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ جس کا نام "سولھویں اور سترھویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں" ہے مصنف کا نام سید اطہر عباس رضوی ہے۔ نام کے آگے ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی لٹ، ایف۔ آر۔ ایس وغیرہ بھی لکھا ہوا ہے۔ اس وقت وہ جموں اور کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے ریڈر اور صدر بھی ہیں۔ یہ کتاب آگرہ یونیورسٹی میں ڈی، لٹ کی ڈگری کے لئے پیش کی گئی تھی۔ جس سے مصنف سرفراز بھی کئے گئے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مصنف کی تمہید ہے، پھر پروفیسر محمد حبیب (سابق استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے قلم سے پیش لفظ ہے۔ اس کتاب کے دس ابواب ہیں (۱) تیرھویں صدی سے سولھویں صدی تک ہندوستان میں تصوف (۲) تحریک مہدویت (۳) مہدوی دائرے (۴) مذہبی علوم کے مطالعہ کا احیاء (۵) سلسلۂ نقشبندیہ (۶) مجدد الف ثانی کی تجدیدی کوششیں (۷) مجدد کی تحریک کا انجام (۸) سترھویں صدی میں وحدت الوجود اور ثقافتی میل جول (۹) مجدد کے جانشین (۱۰) تبصرہ اور تتمہ۔

جنوری کے عدد کے شذرات میں فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

اس (کتاب) کے نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ مصنف نے سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں شمالی ہند کے مسلمان مجددوں کی مذہبی تحریکوں کا جائزہ لیا ہوگا لیکن اس کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصد حضرت مجدد الفِ ثانی کے خلاف زہر افشانی ہے جس سے عام مسلمانوں اور خصوصاً حضرت مجدد الفِ ثانی کے عقیدتمندوں اور ان کے پیرووں کی پوری دل آزاری اور ایذا رسانی ہوتی ہے، مصنف نے اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے تاریخی تحقیقات کی آڑ لی ہے لیکن انکی تحقیقات کی حیثیت وہی ہے جو کسی وکیل کے جھوٹے مقدمہ کی شہادتوں کی پُرفریب ترتیب کی ہوا کرتی ہے، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کے صوفیائے کرام اور دوسرے بزرگان دین پر جابہ جا نیش زنی کرکے مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی کا یہ رخ پیش کیا ہے کہ

"موجودہ دور کے مصنفوں[1] نے ان کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے۔ انھوں نے صرف فرقہ وارانہ جذبات سے اپیل کی ہے، انھوں نے اپنے اور اپنے جانشینوں کے لئے قیوم ہونے کے دعویٰ کی بنیاد اپنے انکشافات اور الہامات پر رکھی ہے جس کو ان کے سریع الاعتقاد مقلدوں کے تنگ دائرہ ہی میں قبول کیا گیا۔ ان کے اس دعویٰ میں کہ وہ مجدد اور قیوم ہیں ایک کورانہ توہم پرستی کی جھلک ہے۔ ان کی تحریک ایک ہیجانی تحریک تھی، ۱۶۶۸ء میں شیخ محمد معصوم کی وفات سے مجدد کی رہی سہی عزت کا شائبہ بھی جاتا رہا۔ مجدد کے پوتوں کو انتشار اور اخلاقی بدحالی کا پلیگ رہا، ان میں سب ہی قطب اور قیوم کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے تھے، اورنگ زیب جیسے راسخ العقیدہ شہنشاہ کی طویل حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کی زندگی میں جو اختلال و انتشار رہا اس سے مجدد کے مسلک کا یہ کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا کہ اگر حکمرانوں کو راسخ العقیدگی کی طرف مائل کیا جائے تو ساری برائیاں دور ہو سکتی ہیں"

ان فقروں کو مشتے از خروارے سمجھنا چاہیے"

اور لکھا ہے "اس کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد حبیب (سابق استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا پیش لفظ بھی ہے جس میں وہ مصنف کو مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے بھی زیادہ بہتر مصنف اور محقق سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں اور وہ خوش ہیں کہ اس کے مصنف نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت احمد سرہندی نے خود مجدد الفِ ثانی کا لقب اختیار کر لیا تھا اگرچہ وہ کسی معنی میں بھی مجدد نہ تھے اسی طرح انھوں نے اپنے کو خود ساختہ قیوم (خدا کا ایجنٹ) بنا رکھا تھا، ان کی سیاسی خدمات محض خرافاتی افسانے ہیں جن کو ایسے اہل قلم نے گھڑ رکھا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہیں، پروفیسر صاحب نے اپنی سند میں مصنف کو البیرونی، ابوعلی سینا، ابن عربی، شیخ نظام الدین اولیا اور دارا شکوہ کی صف میں لا کر کھڑا

---

[1] حضرت مجدد ماہ جہاں تاب ہیں موجودہ دور کے مصنفوں کو ان کا عکس دکھا رہے ہیں اور وہ اس کا بیان کر رہے ہیں۔ (زید)

کر دیا ہے بلکہ موجودہ دور میں ان سب میں ان کو عظیم ترین سمجھنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں یقین نہیں آتا کہ یہ ساری باتیں پروفیسر محمد حبیب کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں اور اگر واقعی ان ہی کی ہیں تو معلوم نہیں ان سے مصنف کی شہرت میں اضافہ ہوگا یا پروفیسر صاحب کی فکر و نظر بھی مصنف کی کتاب کی طرح ایک مستقل موضوع بن جائے گی۔"

اور لکھا ہے "اب پوری تحقیقی سرگرمیاں اس میں صرف ہو رہی ہیں کہ قطب مینار، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی وغیرہ مغلوں کی نہیں بلکہ راجپوتوں کی بنوائی ہوئی ہیں، ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کی کتاب بھی اس قسم کی تحقیقات کا نمونہ ہے، جنوبی ہند کے ایک ہندو مورخ کے بیان کے مطابق اس قسم کی تحقیقات سے ہندوستانی علم و فن محض رسوا اور بدنام ہو کر رہ جاتا ہے۔"

اور فاضل مقالہ نگار نے مارچ کے عدد میں کتاب کے دس ابواب بیان کر کے لکھا ہے۔

اس کتاب کی تدوین کا اصلی مقصد حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف زہر افشانی کرنا ہے (ملاحظہ ہو شذرات معارف ۱۹۶۳ء) لیکن اس مقصد پر پردہ ڈالنے کے لئے مصنف نے اپنی کتاب میں مذکورہ بالا ابواب مصلحتاً شامل کر دیئے ہیں اس کتاب کی ترتیب میں مصنف کے بڑے مشیر ڈاکٹر نور الحسن[1] صدر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی رہے ہیں جیسا کہ تمہید سے ظاہر ہے ڈاکٹر نور الحسن یورپ کی تمام تحریکوں سے تو خوب واقف ہوں گے لیکن ان کا ہندوستان کی مذہبی تحریکوں کا مطالعہ مطلق نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ انھوں نے مصنف کو کیا مدد دی ہوگی البتہ اس کتاب کے لکھنے میں جو اسپرٹ کام کر رہی ہے اس میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا مشورہ ضرور مفید ثابت ہوا ہوگا۔

(آٹھ سطر کے بعد لکھا ہے) مصنف نے کتابیات کی جو فہرست دی ہے اس کو دیکھ کر پہلی نظر میں ناظرین حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ ۳۴۷ صفحے کی کتاب کے لئے کتابیات کی فہرست ۵۲ صفحے میں درج ہے جن میں مختلف زبانوں کی کتابیں شامل ہیں۔ پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کے طلبہ اپنے ممتحنوں اور پڑھنے والوں کو متاثر کرنے کے لئے ایسی ایسی کتابوں کے نام بھی درج کر دیا کرتے ہیں جو ان کی نظر سے مطلق نہیں گزرتیں زیر نظر کتابیات کی فہرست بھی اسی نہج کی ہے۔

(سات سطر بعد لکھا ہے) مصنف نے اپنی کتاب میں عربی ماخذوں کی بھی فہرست دی ہے ان کا اندازہ تحقیق بتاتا ہے کہ وہ عربی مطلق نہیں جانتے کیونکہ جن بزرگانِ دین کے حالات عربی ماخذوں سے معلوم کئے جا سکتے تھے ان کے حالات انگریزی کتابوں کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً وہ حسن بصری اور ابراہیم ابن ادہم کو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے ذریعہ سمجھے ہیں۔ اور رابعہ العدویہ کی عظمت کا اندازہ مارگریٹ اسمتھ کی ایک انگریزی کتاب کے سہارے کیا ہے (ص ۲)

---

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر نور الحسن کا تعلق ایک خفیہ جماعت سے ہے۔

شیخ شہاب الدین کے عوارف المعارف کا مطالعہ ایچ، ڈبلو، کلارک کی عینک سے کیا ہے (ص ۶) مقدمہ ابن خلدون آف، وزن تھال سے سمجھا ہے (۶۹، ۸، ۶، ۱۲) سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مصنف نے وحدۃ الوجود پر جو کچھ لکھا ہے وہ گویا ان کی نظر میں حرف آخر ہے، لیکن ابن العربی کو سمجھنے کے لئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور عفیفی کی ایک انگریزی کتاب سے مدد لی ہے (ص ۲۲-۳۵) ابن تیمیہ کو محمد یوسف کوکن عمری کی اردو کتاب امام ابن تیمیہ کے ذریعے سمجھے ہیں (ص ۳۶) سفر نامہ ابن بطوطہ کا مطالعہ کرنے میں ایک یوروپین مصنف کی مدد لی ہے، وغیرہ وغیرہ، پھر بھی انھوں نے اپنی کتاب میں بلا تکلف عربی کی چوبیس کتابوں کے نام گنوا دیئے ہیں جن کو دیکھ کر دھوکا ہوتا ہے کہ یہ تمام کتابیں مصنف نے کھنگالی ہوں گی۔ مصنف کے عربی نہ جاننے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ عربی الفاظ کو انگریزی املا میں صحیح طور پر نہ لکھ سکے ہیں جس کے لئے دیباچہ میں معذرت بھی کی ہے۔“

پھر فاضل مقالہ نگار نے اطہر عباس کی فارسی دانی کا پول کھول کر لکھا ہے۔

”اس مبلغ علم کے بعد بھی پروفیسر محمد حبیب نے اپنے پیش لفظ میں مصنف کو مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے بھی زیادہ بہتر مصنف اور محقق قرار دیا ہے۔“

اس کے بعد فاضل مقالہ نگار نے رضوی صاحب کی تحریفات کا بیان کیا ہے اور لکھا ہے۔

”اب ناظرین مصنف کے بیان اور تذکرہ نگاروں کی تحریروں کو پڑھ کر خود اندازہ لگائیں کہ مصنف نے کس طرح ایک چیز کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے کیا لکھا ہے اور مصنف نے کیا لکھ ڈالا ہے۔

”وہ اپنے مطلب کی بات بنانے کے لئے واقعات کو حذف کرنے میں مطلق تامل نہیں کرتے۔“

فاضل نامہ نگار نے اپنے اس پہلے مقالہ کے اواخر میں لکھا ہے۔

مصنف کی کتاب کے صرف ایک باب پر اتنی لمبی تنقید لکھنے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ ابھی نو ابواب اور ہیں اور ہر باب اتنی ہی لمبی تنقید کا محتاج ہے۔ ان کو قلمبند کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک پوری کتاب تیار ہو جائے۔ جو ظاہر ہے کوئی خوشگوار تصنیف نہ ہوگی۔ مگر مصنف نے اپنے بھٹکے ہوئے شعور، بھٹکے ہوئے ذہن اور گمراہ کن تحقیقات سے تصوف اور مذہبی تحریکات کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کی طرف ذہن منتقل کرانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ مصنف کا کذب و افترا، حق و صداقت نہ سمجھا جائے اس کتاب کو ڈی لٹ کا ایک مقالہ سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا کیوں کہ اب پی، ایچ، ڈی اور ڈی لٹ کے جو مقالے لکھے جا رہے ہیں ان کا معیار روز بروز گرتا چلا جا رہا ہے لیکن پروفیسر حبیب نے اس پر جو پیش لفظ لکھا ہے اس سے کتاب کے مطالعہ کی نوعیت کچھ بدل گئی ہے اور پیش لفظ مصنف کے لئے بلائے جان ہے۔“

ماہنامہ معارف کے نومبر کے عدد کا تعلق حضرت مجدد سے ہے اور میں اب اس عدد میں یہ فاضل مقالہ نگار کے کلام کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

"مصنف نے ہر موقع پر اپنے کو غیر جانبدار محقق ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور انھوں نے اپنے مقالہ کے متعلق سے اس کی سند بھی حاصل کر لی ہے لیکن ان کے ممتحن وہ لوگ ہیں جن کو ہندوستان کے مسلمانوں کی احیائے دین کی تحریکوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں رہا۔ مصنف نے بعض بزرگانِ دین کی مدح ضرور کی ہے لیکن یہ مدح اس لئے نہیں ہے کہ وہ واقعی ان کے قائل ہیں بلکہ اس لئے کہ اس مدح کے پردے میں اپنے ناظرین کو حضرت مجدد الف ثانی کی قدح سننے کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں جو ان کی کتاب کی اصل غرض و غایت ہے۔ لیکن ان کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ ان کی کتاب پڑھنے والوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔"

"مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی کو خود ساختہ مجدد اور قیوم کہہ کر ان کی سیرت اور تجدیدی سرگرمیوں کی جو مرقع کشی کی ہے وہ ناظرین ملاحظہ کریں۔

اگرچہ مجدد اپنی حجتوں سے اپنے معاصرین کو متاثر کرنے میں ناکام رہے لیکن ان سے نہ صرف مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں باہمی بے اعتمادی اور نا اتفاقی پیدا ہونے کے رجحانات بڑھ گئے بلکہ ملک کے سیاسی جسم میں فرقہ وارانہ زہر کا انجکشن پڑ گیا۔ ص ۱۷۵۔

جہانگیر کی حکومت کے آغاز میں شیخ احمد نے فرقہ وارانہ جوش کو بلاشبہ تھوڑی سی کامیابی کے ساتھ اکسایا۔ ص ۲۱۵

موجودہ دور کے فضلا نے ان کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے، ص ۲۱۵

وہ بظاہر اس غلط خیال میں مبتلا رہے کہ جہانگیر ہر چیز کو درست کر دے گا اور اسلام کو اس کی پہلی شان و شوکت پر لے آئے گا اگر وہ اپنی تلوار ہندوؤں اور شیعوں کے خلاف استعمال کرتا رہے گا۔ ص ۲۴۷۔

انھوں نے راسخ العقیدگی کی تجدید کے لئے اُمَرا کو آلۂ کار بنانے کی کوشش کی اور... فرقہ وارانہ جذبات سے اپیل کی۔ ص ۲۴۷۔

بے بنیاد خوف اور خطرات مجدد کے دماغ پر چھائے تھے۔ ص ۲۴۸۔

شیعوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے ان میں پسپائی اور حسد کا جذبہ پیدا ہوا، جس سے شیعوں سے ان کو نفرت پیدا ہو گئی اور انھوں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک علٰحدہ رسالہ ردِّ روافض لکھ کر کیا جس میں شیعوں کے اعتقادات کو رَد کیا ہے۔ ص ۲۵۰۔

مجدد نے اپنے یا گزشتہ دور کے علماء کے متعلق جو سخت [illegible] کیں یا ان پر غیر مبہم طریقہ سے جو الزامات

رکھے ان سے عام لوگوں کو کوئی مدد نہیں پہنچی، ان کی ملامتوں اور شدت بھری تنقیدوں نے مسلمانوں کو اس جگہ سے آگے نہیں بڑھایا جہاں وہ تھے۔ ص ۲۵۱

مجدد کے معاصر اور بعد کے صوفیہ ان کے دعاوی سے کبھی متفق نہ ہو سکے۔ خواجہ باقی باللہ کے لڑکوں اور دوسرے اہم مریدوں نے ان کے ضابطوں کی مخالفت کی۔ ص ۲۶۰

ان میں ایک صوفی کی وسیع المشربی اور فیاضانہ روش سے زیادہ ایک مُلّا کی تنگ نظری تھی۔ ص ۳۱۱۔

وحدت الوجود کے خلاف مجدد کے طویل مواعظ ابن تیمیہ، شیخ علاء الدولہ سمنانی اور گیسو دراز کی تعلیمات پر مبنی تھے، لیکن وحدت الوجود اور وحدانیت کے رجحانات سے ٹکرا کر ناکام رہ گئے جو اس زمانہ کے مسلمانوں کی معاشرت میں نفوذ کر گئے تھے۔ ص ۳۱۲

مجدد کی تعلیمات پر جب ان کے مقلدوں نے عمل کیا تو اُن سے بلند قسم کے اخلاقی اقدار پیدا نہیں ہوئے۔ ص ۳۱۲۔

مجدد کے خلفا اپنے پاس ایک متعصب مُلّا کے زہر کے علاوہ کچھ نہ رکھتے۔ ص ۴۲۴۔

مجددیوں کی قوت اورنگزیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہوتے ختم ہو چکی تھی۔

۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء میں شیخ معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت ختم ہو گئی مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے۔ ص ۴۲۶۔

مصنف شاید خوش ہوں گے کہ انھوں نے اپنی ان تحریروں سے حضرت مجدد الف ثانی کی عزت و شہرت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا لیکن ان کی کوششوں کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت کا آئینہ وہ آئینہ ہے۔ ع جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں۔

مصنف شاید اس سے بے خبر نہیں کہ برطانوی حکومت کے زمانہ میں انگریز مصنفوں نے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی حکومت کو محض زحمت ہی زحمت ثابت کرنے کی کوشش کی......

اور اب ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کو بُرا ثابت کرنے کی مہم اٹھائی گئی ہے ۱۹۶۴ء میں انٹرنیشنل کانگریس کا اجلاس دہلی میں ہوا تھا اس میں مجلس استقبالیہ کی طرف سے "اورنٹیل سٹوڈیز ان انڈیا" یعنی "ہندوستان میں مشرقی علوم" کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی اس میں شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کو فرقہ وارانہ فلسفہ کہا گیا تھا (ص ۹۷) سمجھ میں نہیں آتا کہ فرقہ وارانیت سے کیا مراد ہے۔ مصنف بھی ہمارے بزرگان دین کی مذہبی سرگرمیوں کو فرقہ وارانہ کہنے میں تأمل نہیں کرتے۔ ہندوستان کے سیاسی ہنگاموں کے اس دور میں ہر ہر چیز میں فرقہ واریت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے ایک موقع پر اس کی تعریف یہ کی تھی کہ مسلمانوں کی

اکثریت جس چیز پر متفق ہو جائے تو وہ "فرقہ واریت" ہے۔ لیکن ہندوؤں کی اکثریت جس چیز پر اتفاق کرے وہ "قومیت" ہے اسی تعریف کی رو سے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی صرف فرقہ واریت ابھارتے رہے لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اسی فرقہ واریت کی بدولت وہ اس وقت ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کے مذہبی ہیرو بنے ہوئے ہیں جیسا کہ ان مضامین اور تصانیف سے ظاہر ہوگا جو اب تک ان کے متعلق شائع ہو چکی ہیں۔ خود مصنف کو بڑے دکھ اور درد کے ساتھ لکھنا پڑا ہے۔

"شیخ احمد سرہندی کو آئندہ صفحات میں مجدد کہا جائے گا ان کے مقلدان کی سرگرمیوں کو بعد کی نسلوں میں پر شکوہ بناتے رہے ہیں اور موجودہ دور کے فضلا نے ان کی شخصیت کو خرافاتی بنا دیا ہے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے آبا و اجداد کو عوام سے روشناس کرنے اور مسلمانوں میں قومی جذبات پیدا کرنے کے لئے ۱۹۱۹ء میں تذکرہ لکھا اس میں بعض علماء اور صوفیہ کی سرگرمیوں کی تعریف کی گئی ہے ان میں مجدد بھی شامل ہیں جن کو ریاست کی حکمت عملی سے اتفاق نہیں رہا اس کتاب کی اشاعت کے بعد مجدد کی شخصیت اور اثرات کی نئی تعبیر کی گئی۔ مولانا آزاد کے تذکرہ کے بعد جو تصانیف شائع ہوئی ہیں ان میں فرقہ پرستوں اور ہندوستانی قوم پرستوں دونوں نے مجدد کو ایک ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا۔ فرقہ پرست تو ان کی تعریف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی خاطر جہانگیر کو بدعقیدگی کے دائرہ سے نکال کر مغل حکومت کو بچا لیا اور ہندوستانی قوم پرست ان کو انقلابی اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے جہانگیر کو سجدہ نہیں کیا" ص ۱۶-۲۱۵۔

"ہمارے مصنف صلح کل کے حامی ہیں لیکن اگر واقعی اس کے قائل ہوتے تو وہ جمہور مسلمانوں کے ایک ہیرو کے خلاف اپنے غصہ اور اشتعال کا اظہار نہ کرتے وہ تو صلح کل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو"

حضرت مجدد الف ثانی پر مصنف کے ساتھ پروفیسر حبیب نے یہ بھی الزام رکھا ہے کہ انھوں نے فرقہ واریت کے جذبہ میں ہندو مسلمان اور شیعہ سنی میں منافرت پیدا کی۔ (پیش لفظ ص ۱۰)

مصنف نے ان امرا پر بھی سب و شتم کی بارش کی [1] ہے، جو مجدد الف ثانی کے عقیدت مند اور ان سے وابستہ تھے، مثلاً شیخ فرید بخاری کو مصنف نے غصہ میں مجدد الف ثانی کا نفعہ کاٹ (ص ۲۱۶)، شرابی (ص ۲۲۷)، ظالم اور انتقام پسند اور نالائق (۲۲۸) کہا ہے اور یہ مغلیہ دربار

---

[1] مصنف معذور ہیں۔ کوئی کچھ کرے اس کی فطرت بدلا نہیں کرتی۔

درمذہب کہ دشنام طاعت باشد
مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

جب حضرات صحابہ ان کے سب و شتم سے محفوظ نہیں تو حضرت مجدد اور شیخ فرید کا کیا ذکر۔ (زید)

کے ایک ایسے امیر کی تصویر ہے جس کے قائل صرف حضرت مجدد الف ثانی ہی نہیں بلکہ حضرت باقی باللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی تھے۔ مآثر الامراء کے مصنف نے تیموری دور کے امراء میں کسی کی اتنی تعریف نہیں کی ہے جتنی شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری کی کی ہے۔"

شاہ ولی اللہ نے شیخ فرید بخاری کے بارے میں انفاس العارفین میں لکھا ہے۔

" شیخ فرید بخاری کہ از اعاظم امرائے آں زماں بود، جامع بود درمیان غایت صلاح و اعتقاد مشائخ صوفیہ"

جن دوسرے امراء سے حضرت مجدد نے خط و کتابت کی ہے ان کو مصنف نے غیر اہم امرا اور برہم حکام کہکر مجروح کیا ہے (ص ۲۴۳) اور جہاں اس قسم کی جراحت نہ لگا سکے ہیں وہاں حضرت مجدد الف ثانی کے خیالات اور نظریات کو نزاعی اندازِ بیان (ص ۴۴-۲۴۳) فرقہ دارانہ زہر (۲۴۷، ۲۳۷) بے بنیاد خطرات اور توہمات، طویل مواعظ (ص ۲۴۹) وغیرہ کہکر اپنے دل کو مطمئن کر لیا ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہی طرزِ بیان اور اندازِ تحریر دوسرے مؤرخوں نے ہندوستان کی اور تاریخوں کے لکھنے میں اختیار کیا ہے؟ یہ تاریخی تحقیقات کا عجیب و غریب نمونہ ہے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی کے وصال کو کئی سو سال گزرے لیکن آج بھی علماء صلحاء اور صوفیہ کے سامنے جب ان کا نام آتا ہے تو وہ سرِ عقیدت خم کر دیتے ہیں۔ ان پر مضامین اور کتابیں نکل رہی ہیں ہندوستان و پاکستان کے مختلف گوشوں میں[1] مجددیہ سلسلہ کی خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور بہ قول ڈاکٹر اقبال۔ ع جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار۔

خود مصنف کو اعتراف ہے کہ اُن کی حیثیت ایک پیرو کے ہو گئی ہے (ص ۱۶-۲۱۵) پھر بھی تحقیقات کے نام پر یہ بتایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے علاقہ کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے (۲۲۴) اور مجددیوں کی قوت اورنگ زیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہی ختم ہو چکی تھی شیخ محمد معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت بھی ختم ہو گئی مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے[2] (ص ۲۲۶) یہ تحقیقات ہیں یا تحقیقات کے نام پر آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔"

اس قسط کے ختم ہونے سے پہلے مصنف سے تو نہیں ان کے ممتحنوں سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا

---

[1] اللہ کے فضل و کرم سے تمام افغانستان اور بلوچستان میں اور ترکی شام جزیرۃ العرب ایران تمام بنگال اور برما میں آپ کا مبارک سلسلہ رائج ہے (زید)

[2] ملا علی بن حسین کاشفی نے رشحات میں عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حال میں "نفائس انفاس" کے بیان میں دوسرے رشحہ میں لکھا ہے: "می فرمودند مردم بد نفس چوں خواہند کہ عیب کسے برشمارند قول بدیہائے کہ در ذات ایشان موجود است بر زبان ایشان جاری می شود چہ آں بہ فہم ایشان نزدیک تر است" جو شخص تبرا بازی کے پلیگ میں پڑا ہو اس کو سب و شتم اور پلیگ کے سوا کیا نظر آئے گا۔ از کوزہ ہماں تراود کہ در دست۔ (زید)

مسلمانوں کی تاریخ خصوصاً ان کی مذہبی تحریکات کے نظری اور فکری پہلوؤں کو مسخ کر کے پیش کرنے اور ان کے بزرگان دین میں سے کسی کو بد اخلاق (ص ۱۲) کسی کو بد پرہیزگار (ص ۱۲) کسی کو زنا کا مجرم (ص ۲۳) کسی کو بد اخلاقی کے پلیگ کا مریض (ص ۴۲۶) کسی کو متعصب اور فرقہ پرور بنانے اور ان کی تاریخ کے بڑوں کو اچھا اور اچھوں کو بُرا ثابت کرنے ہی میں ساری تحقیق کی غیر جانبداری اور وسیع النظری صرف کردہ گئی ہے اور اگر یہ کتاب اس لئے شائع کی گئی ہے کہ اس سے قومی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کی تحریک کو فروغ ہوگا تو پھر اس تحریک کے علمبرداروں سے یہ کہنا ہے کہ وہ اپنے اصلی و نقلی نادان و دانا اور مفاد پرست اور بے غرض دوستوں کو نہیں پہچانتے۔"

جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے ایل ایل بی رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش نے معارف ۱۹۶۶ء کے ماہ مئی کے شمارہ میں صفحہ ۲۲۵ سے ۲۵۱ تک رضوی صاحب کی کتاب کے متعلق حقائق کا اظہار کیا ہے۔ مختصر طور پر کچھ نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

"کتاب کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد حضرت مجدد الف ثانی کی تنقیص اور مذمت ہے اس کے لئے یہ غیر ضروری اور گمراہ کن تمہیدیں بڑھائی گئی ہیں مصنف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے۔ مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہئے اسے تبرا نہیں بنا دینا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے "ردِ روافض" نام کا رسالہ بھی لکھا تھا مگر جن حالات میں یہ رسالہ لکھا گیا وہ بالکلیہ بدل چکے ہیں۔ اس عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات اس کے مقتضی تھے کشمیر میں اکبر کی مداخلت اسی مذہبی نزاع کا نتیجہ تھی، لیکن آج اس کی تبلیغ کر کے ملک کے دو طبقوں میں ناخوشگوار جذبات کا احیاء کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے استیصالِ بدعات اور غیر اسلامی رسوم سے احتراز و اجتناب پر زور دیا اور مجدد صاحب کی یہ کوشش مفاد پرست طبقہ کو کبھی ایک آنکھ نہیں بھائی با ایں ہمہ یہی "وہابیت" بنی نوع انسان کی ذہنی و معاشی حریت کی ضامن ہے اسی لئے ان حضرات کو جو اس مفاد پرست طبقہ کے ترجمان ہیں اس "وہابیت" سے فطرۃً عقیدت نہ ہوگی مگر اس ناپسندیدگی سے انھیں اپنے ناپسندیدہ مسلکِ حیات کے علمبرداروں کو مطعون کرنے اور ان کے خلاف بے بنیاد الزام تراشنے کا حق تو نہیں مل جاتا۔"

ہیموں کے اقتدار کا ذکر کے فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

"اس کے بعد مغل ہوں یا پٹھان، سادات ہوں یا شیوخ، جملہ بیرونی لوگوں کے استیصال

واخراج کے لئے ایک تحریک شروع ہوئی جس کا اثر ان شہروں میں تو نمایاں نہ تھا جہاں مسلمان امرا کے ہمراہ کافی مسلمان آبادی تھی، لیکن ان شہروں میں یہ تحریک بڑے زوروں پر تھی جو دشوار گزار علاقوں میں واقع تھے یا جو ہندؤں کے تیرتھ استھان تھے، ان شہروں میں بیرونی لوگوں کے استیصال واخراج کے لئے منظم جارحانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔

ہمایوں کی واپسی اور اکبر کی تخت نشینی کے بعد بہ ظاہر مقامی احیائیت پسندوں کی توقعات کو کچھ صدمہ پہنچا مگر جب اکبر نے راجپوتوں کے یہاں رشتہ داریاں قائم کرلیں تو پھر مقامی احیائیت پسندوں کی جارحانہ سرگرمی بڑھ گئی، متھرا کا واقعہ کوئی منتشر واقعہ نہ تھا جیسا کہ مصنف نے سرسری نظر ڈال کر اس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے۔ انتہی۔

اللہ تعالیٰ سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب اور شبیر احمد خاں صاحب غوری کو کامل اجر دے کہ انھوں نے رضوی صاحب کے مکائد اور بُرے عزائم کا پردہ چاک کیا۔ ساڑھے تین سو سال پہلے حضرت مجدد نے شیعوں کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر ایک علمی رسالہ لکھا تھا، اس رسالہ کی وجہ سے شیعیت کا فتنہ فرو ہوا تھا۔ ڈیڑھ سو سال بعد شیعوں نے پھر فتنہ برپا کیا۔ اس وقت حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" لکھی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "ہدیۂ مجددیہ" کے نام سے ۱۳۱۰ھ میں چھپا ہے۔ رضوی صاحب نے اب اس دور میں پھر اس فتنہ کو برپا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ان مکائد کا استعمال کیا ہے جن کا بیان تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ عبد العزیز نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب نے رضوی صاحب کو بے نقاب کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے۔

"ہمارے مصنف صاحب صلح کل کے حامی ہیں لیکن اگر واقعی اس کے قائل ہوتے تو وہ جمہور مسلمانان کے ایک ہیرو کے خلاف اپنے غصے اور اشتعال کا اظہار نہ کرتے وہ تو صلح کل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو۔"

اور جناب شبیر احمد خان غوری نے حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مصنف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں، انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے، مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہیے، اسے تبرا نہیں بنا دینا چاہیے۔"

رضوی صاحب کی کتاب کے سلسلہ میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی نے لکھا ہے

"ایک یہودی طالب علم وائی فریڈمان نے حضرت مجدد پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جو کتابی شکل میں بہ زبان انگریزی میگل یونیورسٹی پریس، مانٹریال سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا ہے، اس کا نام

"شیخ احمد سرہندی اور آئندہ نسلوں کے بارے میں ان کا نظریہ" ہے۔ اس کتاب میں اطہر عباس کے نظریات پر اعتراض کیا گیا ہے اور باوجود غیر مسلم ہونے کے فریڈمان نے ادب و احترام اور تہذیب و شائستگی کے پہلو کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور حضرت مجدد کی شان میں کوئی بھی ایسی گستاخی نہیں کی ہے جس کے نمونے اطہر عباس کی کتاب میں جابجا ملتے ہیں"[1]

مولانا نسیم احمد کی اس تحریر کو پڑھ کر میں نے مولانا محمد اقبال[2] مجددی کو لکھا اگر وائی فریڈمان کی کتاب ان کے پاس ہو تو اس کے کسی حصہ کا ترجمہ ارسال کردیں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر کثیر دے کر انھوں نے درج ذیل مضمون ارسال کیا ہے۔

مسٹر یوحنا فریڈمان کا بیان

یوحنا فریڈمان نے اپنی کتاب "شیخ احمد سرہندی اور ان کے خیالات کا تصور آنے والی نسلوں کی نظر میں" کے صفحہ ۱۱۰-۱۱۱ میں لکھا ہے۔

"اس نظریے کو (کہ سرہندی کا سیاسی رول محض ایک مقدس ڈھونگ ہے جو اُن کے مُریدوں نے گڑھا اور ان کے اندھے مقلدین نے باقی رکھا) رضوی نے اپنی کتاب "سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں احیائے اسلام کی تحریکات" میں زیادہ تفصیلی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ مسلم فرقہ پرستی کو رَد کیا اور ایسا کلچر تعمیر کرنے کی کوشش کی جو ہندوستان کے ہندو ماحول میں پروان چڑھ سکے، سرہندی پر بحث کے دوران رضوی سخت ناپسندیدگی کے ساتھ ہندوؤں کے خلاف ان کی نفرت کا تذکرہ کرتا ہے (رضوی۔ احیائے اسلام ۲۴۸۔ ۲۵۰) اور لکھتا ہے کہ ان کو یا ان کے کسی مقلد کو اپنے خیالات کے پرچار میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہندی مسلمانوں کا ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود سے گہرا لگاؤ اور سرہندی اور ان کے مقلدین کی مذہبی عصبیت سے ان کی روگردانی اس ناکامی کا سبب تھا، رضوی کے خیال میں ابن العربی کا عالمی نظریہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا نظریہ ہے، رضوی نے سرہندی کو ہندو مسلم پرامن بقائے باہمی میں رخنہ اندازی کی سعی ناکام کرنے والا، مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت کا ایک تنگ نظر نمائندہ ظاہر کیا ہے (صفحات ۳۳۰-۳۱۲-۳۱۱-۲۸۱-۲۷۸-۲۷۷-۲۷۳)

سرہندی کی تعلیمات کی مقبولیت سے متعلق رضوی کا بیان کئی وجوہ سے مشکوک ہے۔

اوّل یہ کہ مختلف صوبوں کے لوگوں میں تعلیمات سرہندی کی ناکامی سے متعلق رضوی نے جو شہادت

---

[1] تجلیات ربانی حصہ اول صفحہ ۲۷ [2] محمد اقبال مجددی لاہوری نے ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۲ء میں کتاب "احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری" لکھی ہے اور آپ کے تحقیقی مقالات رسائل و مجلات میں چھپتے رہتے ہیں۔

پیش کی ہے وہ وزن نہیں رکھتی۔ اس نظریہ کی حمایت میں کافی شواہد ہیں کہ علماء کی حمایت حاصل کرنے میں سرہندی ناکام رہے۔ لیکن ان عوام کا ردِّ عمل زیادہ تر معلوم نہیں جن میں ان کے مرید کام کر رہے تھے۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد سرہندی سے خط و کتابت کرتی تھی اور ان سے اسرارِ تصوّف معلوم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ سرہندی کو اپنے مریدوں سے کبھی کبھار کی شکایت کو کہ وہ پوری توجہ سے کام نہیں کرتے تھے، رضوی نے اپنی کتاب میں بہت اہمیت دی ہے (صفحات ۲۸۴-۲۷۱) اس سے ایسی زبردست شہادت کی نفی نہیں ہوتی کہ سرہندی درحقیقت ایک صوفی رہنما تھے جن کو اچھی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔

دوسرے رضوی نے یہ مفروضہ قائم کرلیا ہے کہ سرہندی کے مُرید جہاں جاتے تھے ہندوؤں کے خلاف جذبات اُبھارتے تھے لیکن اس کے ثبوت میں کوئی دلیل یا شہادت پیش نہیں کی۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ہندوؤں کے مسئلے کو سرہندی کے افکار میں مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی اس مسئلے پر انھوں نے اپنے خیالات زیادہ تر مُغل حُکّام کو اپنے مکتوبات میں تحریر کئے ہیں۔ جب سرہندی کے مُرید ہندوستان کے مختلف شہروں میں گئے تو انھوں نے نقشبندی روحانیت کے آداب کی تعلیم دی۔ فرقہ وارانہ جذبات نہیں اُبھارے۔

یہ مفروضہ قائم کرلینا کہ سرہندی اور ان کے مریدوں کی منظّم مخالفت کی گئی اور اس مفروضہ مخالفت کو فرقہ واریت کے خلاف، تحریک ظاہر کرنا ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔"

اِنَّ مَنْ یَدَّعِیْ بِمَالَیْسَ فِیْہِ — کَذَّبَتْہُ شَوَاھِدُ الْاِمْتِحَانِ

السیاسۃ وسیع کلماتِ فی العالم

پروفیسر ایم۔ مجیب شیخ الجامعہ
کی کتاب
دی انڈین مسلمز یعنی مسلمانانِ ہند
کے
اُس حصہ پر تبصرہ جس کا تعلق حضرتِ مجدد سے ہے

اَے شمعِ سحر گریہ بہ حالِ مَن وخود کن کیں سُوزِ نہانی کہ مرا ہست تُرا نیست

میرے سامنے پروفیسر ایم مجیب کی کتاب کے اس حصّے کا ترجمہ رکھا ہے جس کا تعلق حضرت مجدد سے ہے۔ میں اس کو پڑھتا ہوں اور حیرت میں رہ جاتا ہوں کہ یہ کیا لکھا ہے، کیا کوئی ایک بات بھی صحیح لکھی ہے۔

پروفیسر مجیب کے پیش رَو سید اطہر عبّاس کی غلط بَیانیوں کا پردہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن اور شبیر احمد خان غوری نے چاک کیا۔ ان دونوں صاحبان نے حضرت مجدد کے متبعین کے زخمی دلوں پر مرہم رکھدیا ہے، کاش کوئی فاضل، اِلزاماتِ مُجیب کی بھی حقیقت ظاہر کر دیتا۔ اور اس ناخوش گوار مرحلے سے میں بچ جاتا۔ کہاں تک لکھوں کہ جنابِ مَن یہ خالص الزام ہے، یہ نِری تُہمت ہے، یہ تحریفِ محض ہے! لیکن مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طُوفانِ شُور اَفزا سر افگندیم بِسۡمِ اللهِ مجرٖیہا ومُرسٰہا

اب پروفیسر مجیب صاحب کے عائد کردہ الزامات اور خود ان کے اجتہادات وقیاسات کو نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتا ہوں۔

پہلا حصّہ۔ شیخ احمد وہ صاحب ہیں جنھوں نے ...... راسخ العقیدگی کے احیاء کو باقاعدہ تحریک کا سا انداز بخشا، انھوں نے اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز متعدد پمفلٹ (رسائل) کی صورت میں کیا، جن میں سے ایک ردِ روافض شیعی مسلک کی مخالفت میں لکھا۔ ص ۲۴۴

تبصرہ۔ پروفیسر صاحب نے آپ کا ذکر آپ کے نام سے کیا ہے۔ حالانکہ آپ کی شہرت خطاب سے ہے

جس طرح پر حضرت ابنِ عربی کا اسم گرامی محمد اور خطاب شیخ اکبر ہے اور شہرت خطاب سے ہے۔ آپ کا ذکر جو بھی کرے گا وہ شیخ اکبر کے نام سے کرے گا، اسی طرح حضرت مجدد کا جو بھی ذکر کرتا ہے وہ مجدد ہی کے نام سے کرتا ہے، اگر پروفیسر صاحب کو مذہبی کتابوں سے لگاؤ ہوتا تو ان پر یہ حقیقت ظاہر ہوتی کہ نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ افغانستان، ترکیہ، اور ممالکِ عربیہ میں اللہ کے فضل وکرم سے آپ کی شہرت آپ کے خطاب سے ہے۔ علامہ یوسف نبہانی کی کتاب " جامع کرامات الاولیا " کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۲۴ کو اٹھا کر دیکھا جائے۔ لکھا ہے " اَحْمَدُ الفَارُوْقِی السَّھرَنْدِی مُجَدِّدُالالفِ الثَّانِی " علمائے عرب جب حضرت مجدد کی کسی معرفت کا بیان کرتے ہیں تو لکھتے ہیں " قَالَ السَّیِّدُ المُجَدِّدُ " کیا پروفیسر صاحب کسی غیر مسلم مذہبی رہنما کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کر سکتے ہیں، کیا وہ عیسائیوں کے کسی سینٹ کے ساتھ سینٹ کا لفظ نہیں لکھیں گے یا سکھوں کے کسی گرو کے ساتھ لفظ گرو نہیں لائیں گے۔ ایسے مواقع پر اعتقاد اور عدم اعتقاد کا سوال نہیں ہوتا ہے بلکہ تہذیب اور شائستگی بھی ایک شے ہے جس کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

مجیب صاحب نے جب کہ اپنے مضمون کی ابتدا ہی غیر شائستگی سے کی ہے تو انتہا کا خدا ہی حافظ ہے ؎ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔

جنابِ من۔ مردِ مومن، کاملُ الایمان کا یہی کام ہے اور پھر مجدد کے واسطے یہ کام لازم ہے کاش حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اور دوسرے مجددوں کے حالات کو مجیب صاحب پڑھتے اور راسخ العقیدگی کی قدر ومنزلت سے واقف ہوتے۔ یہ نعمت جس کو مل جائے وہ خوش نصیب ہے مولیٰ جلّ شانہٗ اس سے راضی ہے۔

اور لکھا ہے۔ اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز۔ الخ۔

بے شک حضرت مجدد نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے تین رسائل لکھے ہیں، پہلا تہلیلیہ ہے اور اس میں کلمۂ طیبہ کا بیان ہے۔ دوسرا اِثباتِ نبوت ہے۔ اس رسالہ میں ابو الفضل کے اِلحاد کا رد کیا ہے۔ یہ دونوں رسالے عربی میں ہیں۔ تیسرا رسالہ ردِّ شیعہ ہے جس کو ردِّ روافض بھی کہتے ہیں، آپ نے اس رسالہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ علماءِ ماوراء النہر نے ایک رسالہ ردِّ روافض میں لکھا تھا اس کے جواب میں شیعوں نے بھی رسالہ لکھا۔ اس میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کی تکفیر اور حضرت عائشہ کی تشنیع اور ذم ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیعوں کے بعض طلبہ ایران سے اس رسالہ کو لے کر آئے اور رسالہ کی تحریرات پر فخر ومباہات کرنے لگے اور بادشاہ اور امرا کی محفلوں میں ان مغالطات کی تشہیر کرنے لگے۔ جس مجلس میں یہ فقیر ہوتا تھا۔ ان کی غلط بیانیوں کا رد کرتا تھا۔ اس وقت خیال آیا کہ ان کے

مغالطات کے رد میں رسالہ لکھا جائے چنانچہ یہ رسالہ لکھ رہا ہوں۔"

مجیب صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ شیعی مذہب کی مخالفت میں آپ نے رسالہ لکھا لیکن وجہ تالیف بیان نہیں کی شاید مجیب صاحب اپنے اَوْلِیَاۓ نعمت کو خوش کرنا چاہتے تھے حضرت مجدد کا عمل دِفاعی ہے اور شیعہ اس معاملہ میں جَارِح ہیں۔ پھر بھی حضرت مجدد پر الزام رکھا جا رہا ہے کیا یہی حقیقت نگاری ہے۔

دوسرا حصّہ۔ سنہ ۱۶۰۰ء / سنہ ۱۰۰۸ھ میں وہ (حضرت مجدد) خواجہ باقی باللہ کے مرید ہو گئے جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد امرا میں نقشبندیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کے واسطے وہ خواجہ باقی باللہ کا اثر و رسوخ استعمال کرتے رہے۔ جہانگیر خود ہی اعمال و معتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا۔ شیخ فرید بخاری (مرتضیٰ خان) سے اس نے یہ تک کہا کہ چار ایسے ممتاز ترین علماء کے نام تجویز کرو جو وعظ و تذکیر کر سکیں۔ اس پر شیخ احمد نے جو مرتضیٰ خان سے اچھی طرح واقف تھے، انھیں لکھا کہ چار عالموں کی تقرری کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ وہ لوگ آپس میں جھگڑتے رہیں کیوں کہ صلح پسند علماء تو ملتے سے رہے، لہٰذا اس کام کے لئے صرف ایک عالم کا انتخاب کیا جانا چاہیئے۔

یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس "صرف ایک عالم" سے ان کا اشارہ اپنی جانب رہا ہوگا ۲۴۴

تبصرہ۔ لکھا ہے۔ اُمرا میں نقشبندیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کے واسطے۔ الخ۔

پروفیسر صاحب کو شوق تالیف ہے اور ان کو حضرت مجدد پر لکھنا بھی ضروری تھا (ہو سکتا ہے کہ اپنے پیش رو کی طرح یہ بھی کسی سازش کا شکار ہوئے ہوں) لیکن حضرت مجدد کے متعلق ان کی معلومات درجۂ صفر پر ہیں۔ ان کو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے اکبری الحاد کو مٹانے کے واسطے حضرت عبید اللہ اَحْرَار کے طریقہ پر عمل شروع کر دیا تھا۔ پھر حضرت خواجہ نے یہ کام بھی حضرت مجدد کے حوالے کر دیا تھا چنانچہ آپ نے امرا کو راہِ راست پر لانے کی مہ مدد سے شروع کی۔ آپ نے کافی امرا کو خطوط ارسال کئے، آپ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ اَحْرَار اُمَرَا کے پاس از خود جاتے تھے تاکہ ان کے احوال درست ہوں اور اسلام میں رونق آئے۔ حضرت مجدد نے اپنے صاحبزادے کو لکھا ہے (مکتوب ۶۰ دوسرا دفتر) کہ "پیری مریدی کے واسطے میری خلقت نہیں ہوئی ہے بلکہ میرے سپرد دوسرا عظیم کام ہے۔" اور یہ عظیم کام اِستِیصَالِ اِلْحَادِ ابوالفضل و فیضی اور شریف آملی ہے، جو اِلْحَادِ اَکْبَرِی کے نام سے مشہور ہے۔ مجیب صاحب کو حقائق کا علم نہیں اور اپنے ظُنُونِ فَاسِدہ کی بنا پر جو دل میں آ رہا ہے لکھ رہے ہیں۔ حضرت مجدد کے اوائلِ دَوْر میں ہندوستان میں اسلام آخری اَنْفَاس کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ اَرْکَانِ اسلام گرائے جا رہے تھے۔ مجیب صاحب کو علم نہیں کہ اسلام ایک گھر ہے

اور تمام سلاسل اس کی تطہیر اور زیب و زینت کا کام انجام دیتے ہیں، اگر گھر نہ ہوگا، زیب و زینت کہاں ہوگی پہلے مردِ مُسلم پیدا ہو پھر کمالِ ایمان کا ظہور ہوگا۔ جو کام حضرت خواجہ آخر آخر خود تشریف لے جا کر کیا کرتے تھے آپ نے اپنے مکاتیب سے وہی کام لیا۔ البتہ جہانگیر کی اصلاح کے لئے اللہ کو یہ منظور تھا کہ کچھ مدت آپ اس کے پاس رہیں۔ چنانچہ اس کام کے لئے اس نے نظربندی کی صورت پیدا کی اور دنیا حیران رہ گئی کہ احوال نے کیسا پلٹا کھایا، کہاں اِلحادی عِبادت خانوں کی تعمیر۔ کہاں فتح کانگڑہ کے بعد وہاں ذبح بقر پھر اذان و خطبہ اور جماعت پھر تعمیر مسجد۔

فیض روح القُدُس اَر بَاز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مَسِیحَا می کرد

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے۔ "وہ خواجہ باقی باللہ کا اثر و رسوخ استعمال کرتے رہے۔"

دوسروں کے اثر و رسوخ کو وہ شخص استعمال کرتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہ ہو۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کے سپرد خلافتِ الٰہیہ کردی تھی۔ آپ مملکتِ رُوحیہ کے بادشاہ تھے۔ اللہ نے آپ کو اپنے وقت کا اِنسانِ کامِل، قُطبُ الاَقطَاب اور قَیُّومِ عَالَم بنایا تھا۔ آپ مجددِ وقت تھے، ہر خراب چیز کا زائل کرنا اور ہر نیک عمل کا رائج کرنا آپ کا کام تھا۔ بد اَور نیک کی پہچان کے لئے معیارِ وحید شریعت ہے۔ ع در دیں نہ لَغوِ بُوعَلی وَ ژاژِ عُنصُری۔

پروفیسر مجیب سے پہلے ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ تھے۔ کیا پروفیسر مجیب اپنی صدارت اور جامعہ کی شیخی کے دوران میں ڈاکٹر صاحب کا اثر و رسوخ استعمال کرتے رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ سوءِ ظن کی بنا پر مجیب صاحب کیا کچھ لکھ رہے ہیں۔ ع آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مَپَسَند۔

لکھا ہے۔ "جہانگیر خود ہی اعمال و معتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا۔"

کیا خوب! اکبر بھی تو اعمال و معتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس نے کیسی تطہیر کی اگر اکبر ابو الفضل و فیضی اور شریف آملی کے پھندے میں پھنسا تھا تو جہانگیر بھی نور جہاں کے تصرف میں جا چکا تھا دَربَار پر رافضیوں کا تصرف ہوگیا تھا۔ مفتی غلام سرور نے لکھا ہے کہ رَافِضی امرا کی سازش سے حضرت مجدد کے قتل کا فتویٰ مرتّب ہوا۔

مجیب صاحب کے نزدیک یہ سب کچھ خود ہی ہو رہا تھا۔ کیا حقیقت شناسی اور حق گوئی اسی کا نام ہے!

لکھا ہے۔ "یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس ایک عالم سے ان کا اشارہ اپنی جانب رہا ہوگا۔"

علماء کے نزدیک سَبَبْ کو دیکھ کر قیاس کے بے جَا یا بَہ جَا ہونے کا حکم کیا جاتا ہے مجیب صاحب قیاس کر رہے ہیں اور وَجہ و علّت نہیں ظاہر کرتے اور توقع رکھتے ہیں کہ سب ان کے قیاس کو صحیح تسلیم کرلیں گے۔

حضرت مجدد کے اُس رسالے کے مطالعہ سے جو ابوالفضل کے رد میں لکھا ہے۔ اور آپ کے مکاتیب سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالفضل وغیرہ نے رافضیوں کے باطنی فرقے کا مسلک اختیار کر لیا تھا، اور وہ اسی کی ترویج چاہتا تھا تاکہ الحاد و اباحت کے دروازے کُھل جائیں۔ جہانگیر نے جب نورجہاں سے نکاح کیا تو روافض کا اثر و نفوذ دربار میں بڑھ گیا اور باطنی مذہب کے انتشار کے لئے راہیں کھل گئی تھیں۔ اس وقت اگر علماء کی جماعت آپس میں اختلاف کرتی تو باطنیوں کا مسلک رائج ہو جاتا۔ حضرتِ مجدد نے صحیح مشورہ دیا اور اللہ کے کرم سے یہ آفت ٹلی۔ ع رسیدہ بود بلائے ولے بہ خیر گزشت۔

جس بدگمانی کا شکار مجیب صاحب ہوئے ہیں اس کے پیش نظر ان کا قیاسِ فاسد ان کی نظر میں صحیح ہے۔ آج تک کسی نے حضرت مجدد کو دنیا پرست اور لالچی نہیں کہا تھا۔ مجیب صاحب کے سَرِ اِس کا سہرا بندھا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

تیسرا حصہ۔ اس وقت تک اُن کے بہت سے خلفاء ملک کے گوشوں میں پھیل چکے تھے۔ ایک جوشیلے مُرید نے شاہی فوج میں وعظ و پند کی ذمہ داری سنبھال لی تھی لیکن شیخ احمد کے اثر و نفوذ کو اس وقت بڑا دھکا پہنچا جب ان کا وہ خط شائع ہوا جس میں انھوں نے اپنے پیر کو اپنا ایک رُوحانی مُکاشفہ بیان کیا جس میں اپنے آپ کو چاروں خلفا سے برتر درجے میں دیکھا تھا (مکتوبات، جلد اول، مکتوب چودہ) علماء نے اس پر ایسا طوفان اٹھایا کہ جہانگیر کو انھیں جواب دہی کے لئے دربار میں طلب کرنا پڑا اور پھر وہ گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ تقریباً سال بعد وہ رہا ہوئے اور اب انھوں نے شیعوں اور ہندوؤں میں اپنی معاندانہ روش کو قدرے معتدل کر لیا۔ ص۲۴۴

تبصرہ۔ حضرت مجدد کے حالات کا مجیب صاحب کو پوری طرح علم نہیں ہے وہ یہ سمجھے ہیں کہ حضرت مجدد کی گرفتاری مکتوب کی وجہ سے ہوئی۔ حالانکہ مکتوب کی عبارت بدل کر دشمنوں نے جہانگیر کے سامنے پیش کی تھی اور آپ نے بھرے دربار میں اپنی بات پیش کی اور اس قوتِ استدلال سے پیش کی کہ جہانگیر کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اب دشمنوں نے جہانگیر کو سجدہ کرانا چاہا۔ آپ نے سجدہ نہ کیا اور اس سلسلہ میں آپ قید ہوئے۔ مال و متاع ضبط ہوا۔ چاہے بعد میں مل گیا ہو۔

مجیب صاحب نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کے اثر و نفوذ کو بڑا دھکا لگا۔

جناب من۔ یہ دھکا حضرت مجدد کے اثر و نفوذ کو نہیں لگا تھا بلکہ اکبری الحاد نے اپنی موت سے پہلے آخری سنبھالا لیا تھا۔ یہ وہ فتح عظیم تھی جو بہ ظاہر فتح معلوم نہیں ہوتی تھی لیکن وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ» کا ظہور تھا۔ "اور شاید تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو۔" شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے۔

"شرع کی ترویج، طریقۂ نقشبندیہ کی اشاعت، شریعت اور طریقت کی تطبیق اور بدعت کی مخالفت کے علاوہ شیخ مجدد نے جو اہم کام کیا وہ اسلام کا عام احیا تھا۔ اس زمانے میں جب ایک طرف اکبر کے "صلحِ کل" طریقے نے اسلام کو اس حمایت و دین پناہی سے محروم کر دیا تھا جو اسلامی حکومت کی ابتدا سے اسے حاصل تھی اور دوسری طرف ہندو احیائیت نے مسلمانوں کے لئے (جیسا کہ ہم تفصیل سے آگے چل کر بتائیں گے) طرح طرح کی مشکلات پیدا کر دی تھیں، آپ نے شعائرِ اسلام کے احترام پر زور دیا، اُمرا و اراکین سلطنت کو اس کی تلقین کی، خود اپنی زندگی میں اسلامی نقطۂ نظر کے احترام کی بڑی جرأت مندانہ مثال قائم کی۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے عملی مخالفت کی، آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی، جو دبے بیٹھے تھے وہ دلیر ہو گئے۔ حکمران طبقے میں جو اسلام پسند گروہ تھا اسے تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسوم دربارِ شاہی میں عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا ہندو اثرات کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں ان کے ازالے کا سامان ہوا اور شعائرِ اسلامی کے احترام کا پھر سے خیال کیا جانے لگا۔" [1]

مجیب صاحب نے اگرچہ حضرت مجدد کے مکتوب کا حوالہ دیا ہے لیکن انھوں نے آپ کے مکتوب کو دیکھا تک نہیں ہے، کیوں کہ جو مفہوم آپ کے مکتوب کا لکھا ہے وہ وہی مفہوم ہے جس کا بیان حضرتِ مجدد کے معاندوں نے کیا ہے اور جس کی وجہ سے علماء نے آپ کو ملحد و زندیق قرار دیا ہے اور جس کی وجہ سے جہانگیر نے آپ کو آگرے بلایا ہے۔ اور بھرے دربار میں آپ نے معاندوں کی افترا پردازی کا پردہ چاک کیا ہے اور آپ کی برأت ثابت ہوئی ہے۔

مجیب صاحب نے نہ آپ کی برأت کا بیان کیا ہے نہ مکتوب کا نمبر صحیح لکھا ہے اور نہ آپ کے تحریر کردہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ کیا اسی کا نام حقائق نگاری ہے کیا اسی کو انصاف پسندی کہتے ہیں۔

برعکس نہند نام زنگی کافور۔

حضرت مجدد نے روافض کی جارحیت کا ذکر اپنے رسالے میں کیا ہے اور ہندو احیائیت کا بیان اکرام صاحب کی عبارت میں گزر چکا ہے۔ آپ ان دونوں کے ظلم ستم کا ازالہ چاہتے تھے۔ مجیب صاحب اپنے اولیائے نعمت کو خوش کرنے کے لئے جھوٹے الزامات لگا رہے ہیں اور صحیح تاریخی واقعات سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

چوتھا حصہ۔ شیخ احمد کے پاس نہ وہ مزاج تھا نہ نقطۂ نگاہ جو صوفی شخصیت کی خصوصیت ہوتی ہے، انہیں یہ کہنے میں باک نہ ہوا کہ (۱) شیخ جنید بغدادیؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ سایوں میں اُلجھ کے رہ گئے اور یہ کہ (۲) شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے جو بہت سی کرامات دکھائیں وہ اس لئے کہ ان تک روحانی قوت

---

[1] ردِ کوثر ص ۲۸۷، ۲۸۸۔

جس طور پر پہنچی تھی (نزول) خاصا کمزور تھا۔ اور یہ کہ (۳) ابن عربی کافر تھے۔ اور اس قسم کی تنقیدیں شیوخِ سَلَف کے بارے میں، جس سے لوگ کافی برافروختہ بھی تھے۔

خود اپنے بارے میں انھوں نے جو احوال طے کرلئے تھے ان کے ذیل میں ان کا دعویٰ تھا کہ (۴) خود اُن کی تخلیق محمد اور ابراہیم کے کمالات کو یک جا کرنے کے واسطے ہوئی ہے، یہ کہ انہیں جو کچھ ملا ہے وہ بے شک محمد کا نام لیوا ہونے کی بہ دولت ملا ہے لیکن (۵) محمد کے سارے کمالات ان میں موجود ہیں، یہ کہ (۶) وہ مُرید بھی ہیں مُراد بھی اور یہ کہ: خدا کے ساتھ ان کی ارادت میں کوئی بھی درمیانی واسطہ یا وسیلہ موجود نہیں ہے ......

تبصرہ۔ مجیب صاحب ایک تعلیمی ادارے کے صدر رہے ہیں، ان کو ذمّہ داری کا پورا احساس ہونا چاہیئے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے پہلے نہایت بے باکی سے حضرت مجدّد قدس سرہ پر پہلا، دوسرا، چوتھا۔ پانچواں اور ساتواں بالکل جھوٹا الزام اور تیسرا خالص تہمت لگائی اور پھر نتیجہ میں یہ حکم صادر کردیا کہ "ان کے پاس نہ وہ مزاج تھا اور نہ وہ نقطہ نگاہ اور انہیں یہ کہنے میں باک نہ ہوا، الخ"۔ کیا مجیب صاحب حضرت مجدّد کے رسائل اور مکتوبات میں ان الزامات کو دکھا سکتے ہیں۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد — عیب و ہنرش نہفتہ باشد
ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است — شاید کہ پلنگے خفتہ باشد

مجھ کو تسلیم ہے کہ مجیب صاحب اور اطہر عبّاس صاحب کا دل حضرت مجدّد سے برگشتہ ہے۔ کیونکہ حضرتِ مجدّد نے آزاد علماء (ابو الفضل، فیضی، شریف آملی وغیرہ) کے اِلحاد اور رَوافض کی تبرا کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور اللہ نے ان کو ان کے مقصد میں کامیاب کیا۔ لیکن اس دل برگشتگی کے یہ معنی نہیں کہ اب تحقیق کے نام پر خالص جھوٹا الزام عائد کیا جائے یا تبرا بازی کی جائے۔

مجیب صاحب نے چھٹے نمبر پر جو بات مُرید و مُراد کی لکھی ہے وہ درست ہے، اور یہ بات ہر مردِ مومن کہہ سکتا ہے۔ چوں کہ مجیب صاحب کو عربی نہیں آتی اور وہ نہیں جانتے کہ مُرید کے معنی کیا ہیں اور مُراد کس کو کہتے ہیں اس لئے وہ اس کو بیان کر گئے ہیں۔ مُرید ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں اور جس کام کا یا جس شے کا ارادہ کیا جائے وہ مُراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی عظیم صفات میں سے ایک صفت ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا یا کسی کی پیدائش کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مُرید ہے اور وہ کام یا وہ چیز جس کا ارادہ کیا گیا ہے مُراد ہے لہٰذا ہر مخلوق، اچھی ہو یا بُری، مومن ہو یا کافر، مُراد ہوا، اور جو مخلوق اللہ کی رِضا کا طالب ہو وہ مُرید ہے اور اللہ اس کا مُراد ہے۔ اگر حضرت مجدّد فرماتے ہیں کہ میں مُرید بھی ہوں اور مُراد بھی، تو اس میں کیا قباحت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رِضا کے طلبگار تھے اور اللہ کے مُرید تھے، اور ان کی پیدائش اللہ کے ارادے سے ہوئی لہٰذا وہ مُراد ہوئے۔ کسی جاہل نے اپنی جہالت

کی وجہ سے اعتراض کر دیا اور مجیب صاحب نے اس کو جھٹ سے نقل کر دیا۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔

مجیب صاحب نے ساتویں نمبر میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ حضرت مجدد کے مخصوص کلام کو بہ شکلِ عموم بیان کیا ہے، سالک جب انتہائے مقاماتِ عروج پر پہنچتا ہے اور ذاتِ بیچون و بیچگون سے بلاکیف فیوض حاصل کرتا ہے تو کیا اس وقت اور اس مقام پر سردارِ دو عالم صلی اللہ وسلم کی مبارک ذات محب اور محبوب کے درمیان واسطہ ہوتی ہے یا نہیں۔ اس مقام اور کیفیت کو حضراتِ مشائخ نے "وصلِ عُریان" سے تعبیر کیا ہے اور کسی صاحبِ کمال، عاشقِ مولائے ذوالجلال نے کہا ہے۔

من شوم عُریاں زتن او از خیال   تا خرامم در نہایات الوصال

حضرت مجدد فرماتے ہیں اس وصال کے وقت وساطت نہیں ہے اور حدیث شریف "لِی مَعَ اللّٰہِ سَاعَۃٌ" الخ۔ سے آپ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ بات آپ سے پہلے بہت سے مشائخ نے کہی ہے بجز اس خاص الخاص وقت کے حضرت مجدد سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مدارجِ عالیہ میں واسطہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس وصلِ عُریان کے حصول کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل قرار دیتے ہیں۔ مجیب صاحب کو نہ وصلِ عُریان کی خبر نہ حقیقتِ حال کی۔ بس اکاذیب کے لکھنے اور بُرا کہنے سے انہیں کام ہے۔

پانچواں حصہ۔ شریعت کے سلسلے میں شیخ احمد کے ذہن میں ظواہر ہی تھے، یعنی روزے نماز کی پابندی یا پھر وجودیوں پر غیض و غضب، شیعہ اور ہندو وجودیوں دونوں پر۔ ص۲۴۶

تبصرہ۔ بے شک حضرت مجدد کے ذہن میں، خیال میں، دل میں اور زبان پر قرآن و حدیث ہی کا ذکر تھا، یہی آپ کا سرمایۂ دین تھا، اور اسی کے آپ عاشق و شیدا تھے۔

نانِ جوین و خرقۂ پشمین و آبِ شور   سی پارۂ کلام و حدیثِ پیمبری
ہم نسخۂ دو چار ز علمے کہ نافع است   در دیں نہ لغوِ بوعلی و لاژِ عنصری
تاریک کلبۂ کہ پئے روشنیِ آن   بیہودہ منتے نہ برد شمعِ خاوری
با یک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو   در پیش چشم ہمتِ شاں ملکِ سنجری
ایں آں سعادتے است کہ حسرت برد براں   جویائے تاجِ قیصر و ملکِ سکندری

بے شک حضرت مجدد کے ذہن میں ظواہر تھے۔ نہ اُن کو ملحد اور آزاد علماء سے لگاؤ تھا اور نہ گمراہ باطنیوں سے، وہ ابوالفضل اور اس کے اِلحاد کے سخت مخالف تھے۔ اور انھوں نے اس کے رد میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ جو بھی ابوالفضل کا ہمخیال ہے وہ گمراہ ہے۔ چاہے باطنی کہلائے چاہے بسخوانی، چاہے اپنے کو وجودی کہے چاہے نوربخشی۔ "اِنْ ھِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِّنْ رَّبِّھِمُ الْھُدٰی۔"

(ترجمہ) یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ نے نہیں اتاری اس کی کوئی سند، نری اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیون کے چاؤ ہیں اور پہنچی ان کو ان کے رب سے راہ کی سوجھ"

جہانگیر کا بیان

مولانا ذکاء اللہ نے اقبال نامہ سے نوربخشیہ کے متعلق جہانگیر کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

"جب یہ نوشتہ (علماء کا فتویٰ) میرے پاس پہنچا تو مردم کشمیر مذہب میں ارتداد کی طرف میل رکھتے تھے، طوعاً و کرہاً مذہب حق میں ان کو لایا، بہت آدمیوں کو قتل کیا۔ ایک جماعت نے تصوف میں پناہ لی اور اپنا نام صوفی رکھا لیکن نہ وہ صوفی صافی ہیں نہ زندیق، چند ملحدی مذہب رکھتے ہیں۔ چند آدمیوں کو گمراہ کرتے ہیں، حرام و حلال کی مطلق خبر نہیں رکھتے، شب بیداری و کم خوابی کو تقویٰ و طہارت جانتے ہیں جو کچھ ہاتھ لگے وہ کھا جاتے ہیں اور لے لیتے ہیں اور شرہ و حرص بہت رکھتے ہیں اور ہمیشہ خوابوں کی تعبیر دیتے ہیں اور اپنی کرامات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ اس سال میں یہ ہوگا وہ ہوگا، مُغیبّاتِ آئندہ و گزشتہ کے اخبار میں مشغول رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں اور اس رسوائی سے چلے بیٹھے ہیں، اہل علوم کے علم کو نہایت مذموم و مکروہ جانتے ہیں اور بے شریعت راہِ طریقت پر چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کچھ کام نہیں، غرض اس طرح کے مَلَاحِدہ و زَنَادِقہ اور جگہ دیکھنے میں نہیں آتے، عَیَاذاً بِاللہِ مَعَاذَ اللہِ، حق سبحانہ تعالیٰ کل اہلِ اسلام کو اس نوع کی آفات و بلیّات سے اپنی عصمت میں مصؤن و محفوظ رکھے۔ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ"[1]

مجیب صاحب جن باطنیوں اور وجودیوں پر شفقت کر رہے ہیں ان کے متعلق جہانگیر یہ سب کچھ لکھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تصوف میں پناہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہلِ طریقت کو شریعت سے کچھ کام نہیں۔

مجیب صاحب لکھ رہے ہیں "روزے نماز کی پابندی"! بے شک، اِسلام کی شان نماز ہے، مُسلم کی پہچان نماز ہے، مُؤمِن کی جان نماز ہے، نُورِ ایمان نماز ہے، جس وقت حضرت مجدد نماز پڑھا کرتے تھے۔ دیکھنے والے متحیّر رہ جاتے تھے۔ ان کے لب پر سُبحان اللہ اور دل میں یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی طرح نماز پڑھ رہے ہیں۔ بے شک بے دین و مُلحِد اور مُنافق نماز سے بہت گھبراتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ منافقوں پر صبح کی اور عشاء کی نماز سے بڑھکر بوجھل کوئی شے نہیں اور اگر ان کو اس چیز کا پتہ چل جائے جو اُن میں ہے تو وہ ضرور ان دو نمازوں کے لئے آئیں گے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل آنا پڑے

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ و ۱۴۸ [2] مشکات باب فضائل الصلاۃ۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" ——— (ترجمہ) اور البتہ نماز بھاری ہے مگر انہیں پر جن کے دل پگھلے ہیں جن کو خیال ہے کہ ان کو ملنا ہے اپنے رب سے اور ان کو اسی طرف اُلٹے جانا۔"

شیعوں کا باطنی فرقہ اب اِسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثناعشریہ میں ان کا حال لکھا ہے، جو بیان جہانگیر نے نوربخشیہ کے متعلق لکھا ہے وہ بہت حد تک اس فرقہ پر صادق آتا ہے۔ اور ہندو وجودیوں کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے مارچ ۱۹۶۶ء کے معارف میں لکھا ہے۔

"ویدانت اور بھگتی تحریک کے محرکوں کے یہاں وحدت وجود کا تخیل ضرور پایا جاتا ہے اور کسی کو انکار نہیں کہ ان کے فلسفہ میں بڑی دل آویزی ہے لیکن اسلامی تصوف اور بھگتی تحریک کے وحدۃ الوجود میں وہی فرق ہے جو دو مذہبوں میں ہوتا ہے۔"

بے شک حضرت مجدد کو ان گمراہیوں سے دلی نفرت تھی اور تمام عمر ان کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں کو اس ورطۂ ہلاکت سے بچائیں۔

چھٹا حصہ۔ دربار اور درباریوں کی جانب شیخ کا وہی رویہ تھا جو راسخ العقیدہ لوگوں کا ہونا چاہئے، ان کا خیال تھا کہ ریاست کی طاقت شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری ہے اور اس کے لئے وہ کوشاں رہے۔ غالباً ان کی اپنی ذاتی تو کوئی آرزومندی اس کے سوا کبھی رہی نہیں کہ ان کا اعتراف کیا جائے۔ لیکن ان کے خطوط میں جو امرا کے نام ہیں روح کی وہ عظمت کبھی بھی نظر نہیں آتی جو آزاد علماء کا امتیاز سمجھی جاتی تھی، بلاشبہ یہ ضرور تھا کہ القاب و آداب کے کچھ رسمیات ضرور برتے جاتے تھے اور صحیح وقت پر اور صحیح امور پر امرا کی تعریف و توصیف بھی ضرور تھی لیکن بسا اوقات ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی" ص۲۴۷

تبصرہ۔ لکھا ہے "کہ ریاست کی طاقت شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری ہے۔"

چوں کہ مجیب صاحب کو علم نہیں ہے کہ شریعت کیا چیز ہے بنا بریں "ان کا خیال تھا" لکھ کر یہ بات لکھدی، اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ شریعت خدائی قانون کا نام ہے جس کا نافذ کرنا مسلم حاکم پر لازم ہے تو یہ بات نہ لکھتے۔ جو بھی حکومت ہوتی ہے اس کے قوانین ہوا کرتے ہیں، وہ حکومت ان قوانین پر خود بھی عمل کرتی ہے اور رعایا سے بھی کراتی ہے۔ حضرت مجدد اپنے وقت کی مسلم حکومت سے یہی چاہتے تھے کہ وہ شریعت پر عمل کرے اور خدائی قانون کا احترام کرے۔

لکھا ہے۔ "ان کی اپنی ذاتی تو کوئی آرزومندی اس کے سوا کبھی رہی نہیں۔"

مجیب صاحب یہ بات یہاں لکھ رہے ہیں اور "دوسرے حصّہ" میں لکھ آئے ہیں، "قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس زرف "ایک عالم" سے ان کا اشارہ اپنی طرف رہا ہوگا" مجیب صاحب اپنی دونوں باتوں میں تضاد بلاحظہ کریں۔ جنابِ من بے اساس باتوں میں ایسا ہی تضاد ہوا کرتا ہے
اے بسا حسرت کہ از غفلت شدہ۔

لکھا ہے۔ "ان کا اعتراف کیا جائے"۔

جنابِ من، کس چیز کا اعتراف کیا جائے۔ علم کا، فضل کا، راسخ العقیدگی کا، اخلاص کا، عشقِ نبوی کا، خدمتِ اسلام کا، احیائے سنت کا، اماتتِ بدعت کا، استیصالِ الحادِ اکبری کا، سوزِ باطنی کا، ولایت کا، یا آن معارف و اسرار کا جن کو آپ نے بیان کیا ہے۔

مَقامِ خواجہ برتر از گمان است — بروں از حدِ تقریر و بیان است
چہ گویم از کمالاتش کہ چون است — زہر وصفے کہ اندیشم فزون است
ز سنجد ہر کہ داند از کمالاتش — نگاہِ ہیچ کس بالفش پائش
دلش بحرے است ز اسرارِ الٰہی — کز و یک قطرہ از مہ تا بہ ماہی
ز نورش شد سوادِ ہند روشن — از و سرہند شد وادیِ ایمن

مُتنبی کا ایک شعر ہے جس کو میں آپ کے حسبِ حال پاتا ہوں۔

مَضَتِ الدُّهُورُ وَمَا أَتَيْنَ بِمِثْلِهِ — وَلَقَدْ أَتَى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهِ

یعنی ؎ صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا — وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

لکھا ہے۔ "روح کی وہ عظمت کبھی بھی نظر نہیں آتی جو آزاد علماء کا امتیاز بھی جاتی ہے"۔

جنابِ من۔ روح کی وہ عظمت آپ کو اولیائے برحق اور علماء راسخین کے کلام میں ہرگز نظر نہیں آسکتی، اس دولت سے رضوی اور خود آپ مالامال ہو رہے ہیں۔ اس عظمت کا بیان شیخ عبدالحق ان الفاظ سے کر رہے ہیں۔

"فیضی اگرچہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رصانت ممتازِ روزگار بود ولیکن حیف کہ بہ جہتِ وقوع و ہبوط در بادیہ کفر و ضلالت رقم انگارد و ادبار بر ناصیۂ احوال خود کشیدہ زبانِ اہلِ دین و ملتِ جنابِ نبوت را از بردنِ نام وے و نام جماعتِ شومِ وے پاک است۔"[1]

(ترجمہ) فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا

---

[1] رود کوثر صفحہ ۳۶

نام لینا بھی درست نہیں۔"

حضرت مجدد کے مکاتیب میں رُوح کی عظمت اور نُور و عرفان ان اشخاص کو نظر آتا ہے جو شریعت کے ظواہر پر عمل کرتے ہیں اور روزے نماز کے پابند ہیں۔ مجیب صاحب نے اپنی لن ترانی بیان کردی اب وہ ایک وَلیِّ پروردگار حضرت خواجہ محمد ہاشم کے کلام کو بھی سُن لیں جو انھوں نے حضرت مجدد کے مکتوبات کے بارے میں کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ز ہر یک نقطہ اش چوں نافۂ تر　　شمیم وصلِ جاناں می زند سر
ولے آں کز بُرودت در زکام است　　چہ داند نافہ اش گرد مشام است

لکھا ہے۔ "القاب و آداب کے کچھ رسمیات ضرور برتے جاتے تھے۔"

اس بنا پر کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ "لوگوں کو ان کے مراتب پر رکھو" ان حضرات کی اپنی کوئی خواہش نہیں رہتی تھی۔ اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پر عمل کرنے کو سعادتِ دوجہاں سمجھتے تھے۔

اِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَةً　　وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَهْلًا وَّمَرْحَبًا

(ترجمہ) اگر وہ مجھ سے مرنے کو کہے تو میں فوراً امتثالِ امر کرتا ہوا موت کے داعی کو خوش آمدید کہتا ہوا اپنی جان پیش کردوں۔

لکھا ہے۔ ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں۔

حضرت مجدد نے نواب والاجاہ مرتضیٰ خان سیّد والانسب شیخ فرید بخاری کو ان کی دیانت، صلاح، تقویٰ، بزرگی، سیادت، نجابت اور سعادت کی بنا پر محبت اور احترام بھرے مکاتیب ارسال کئے ہیں۔ مجیب صاحب کی نظر میں یہ خوشامد ہے۔ اگر یہی صورت حضرت مجدد ابو الفضل و فیضی جیسے ملحدین کے ساتھ اختیار فرماتے تو مجیب صاحب کو آپ کے مکاتیب میں ساری خوبیاں نظر آجاتیں، کیا رُوح کی عظمت، کیا اخلاق کی بلندی اور کیا تحریر کی قوّت اور جاذبیت۔ جس شخص کو اپنے دین و مذہب کی خبر نہ ہو، حُقُوقِ الٰہیہ اور حُقُوقِ نبویہ سے واقف نہ ہو، وہ ان باتوں کے سوا اور کیا کہے گا۔

زباں پر وہ آتا ہے جو مَن میں ہے　　رسیگا وہی جو کہ بَرتَن میں ہے

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے دو یتیم بچوں کی دیوار کا واقعہ بیان کیا ہے کہ صاحبِ علمِ لدنّی نے اس دیوار کی اصلاح فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے سبب دریافت کیا، انھوں نے کہا وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَکَانَ تَحْتَهٗ کَنْزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔

(ترجمہ) اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی، رہتے اس شہر میں، اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ نیک، پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا، مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے۔"

اس آیت میں ہے کہ "ان کا باپ نیک" باپ کے بیان میں اختلافِ روایات ہے کہ حقیقی ہے یا ساتواں ہے یا دسواں۔ لہٰذا سب کا احتمال ہوسکتا ہے۔ جائے فکر یہ ہے کہ ایک مردِ صالح کے دسویں درجے کی اولاد اس مردِ صالح کی وجہ سے قابلِ رعایت ہے تو پھر سردارِ دو جہان محبوبِ رحمان صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اولاد کا کیا کہنا، اسی وجہ سے اللہ کے نیک بندے صحیح النسب سادات کا ادب کرتے ہیں اور دین سے بیخبر اس کو خوشامد اور چاپلوسی قرار دیتے ہیں۔

مجیب صاحب اگر مکتوبات کا مطالعہ کرتے تو یہ باطل خیال نہ لکھتے میں حضرت مجدد کے دو مکاتیب کا کچھ حصہ لکھتا ہوں یہ دونوں مکاتیب خان خانان مرزا عبد الرحیم خان فرزند بیرم خان کے نام ہیں (دفتر اول کے مکتوب ۶۸ میں لکھا ہے)

"مخدوما! من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو می گویم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

اصحابِ دولت کے لئے تواضع اور اہلِ فقر کے لئے استغنا مناسب ہے، معالجہ بالضد ہوا کرتا ہے۔ آپ کے تین مکاتیب سے استغنا کے سوا کچھ مفہوم نہ ہوا۔ چاہے آپ کا مقصد تواضع ہی رہا ہو۔ آخری مکتوب میں آپ نے لکھا ہے "حمد و صلاۃ کے بعد بیان کیا جاتا ہے" آپ خود خیال کریں کہ یہ عبارت کس کو لکھنی چاہئے، البتہ آپ نے فقرا کی بہت خدمت کی ہے، اس کے ہوتے ہوئے آدابِ خدمت کی رعایت بھی ضروری ہے۔ تاکہ فائدے کی صورت پیدا ہو، وَبِدُوْنِہَا خَرْطُ الْقَتَادِ[1] (اس کے بغیر نہایت دشوار) ہاں، متقی افراد تکلفات سے برطرف ہیں، لیکن تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کا کرنا مثل صدقہ دینے کے ہے، کسی نے خواجہ نقشبند سے کہا آپ تکبر کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔ میرا تکبر اللہ کی کبریائی کا پرتو ہے۔ فقرا کی جماعت کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں۔ ارشاد نبوی ہے۔ "رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللہِ لَاَبَرَّہٗ" ایسا بھی ہوتا ہے کہ بکھرے ہوئے بال والا، دروازوں پر سے دھتکارا ہوا اگر اللہ کی قسم کھا کر کہدے اللہ اس کی قسم پوری کر دے یعنی جو اس نے کہا ہے وہی ہو جائے۔

آندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

آپ کے مخلصوں اور عزیز دوستوں کو چاہیئے کہ حقیقتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر آپ سے عرض کیا کریں اور آپ کو جو مشورہ دیں اس میں آپ کی بھلائی ملحوظ رکھیں نہ اپنی مصلحت کیونکہ یہ خیانت

---

[1] مِن دُوْنِ ذٰلِکَ خَرْطُ الْقَتَادِ عربی مثل ہے یعنی ٹہنی کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچنا تاکہ پتے نچ جائیں۔ خرط کہتے ہیں، اور قتاد ببول کیکر کو کہتے ہیں۔ ببول کی ٹہنی کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچنا بڑا کٹھن مرحلہ ہے یعنی یہ دشوار ہے۔

ہے، ..... اگرچہ اس قسم کی باتیں تلخ معلوم ہوتی ہیں، لیکن آپ کو خوش آمد کہنے والے بہت ہیں، اسی پر اکتفا کریں، فقرا سے دوستی اسی واسطے ہوتی ہے کہ چھپے ہوئے عیوب پر اطلاع ہو۔ آپ یقین کریں آپ کی بھلائی کے لئے یہ باتیں لکھی ہیں نہ از وجہ آزار"

اس مکتوب کے بعد جو مکتوب نمبر ۶۹ تحریر کیا ہے اس میں لکھتے ہیں۔

"اخوی ملا محمد صدیق کے ہاتھ آپ کا اِلتِفات نامہ پہنچا آپ نے کرم فرمایا اللہ تعالےٰ ہماری طرف سے آپ کو اجر دے چوں کہ آپ نے فقرا کے آداب کی رعایت کی ہے اور بات تواضع سے فرمائی ہے تو اس ارشاد کے بہ موجب مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (جس نے اللہ کے واسطے تواضع کی اللہ اس کو سربلند کرتا ہے) آپ کی تواضع دینی و دنیوی رفعت کا سبب بنے"

خان خانان کا مرتبہ، ان کی عزّت، حشمت، اور داد و دہش محتاج بیان نہیں۔ چوں کہ وہ از روئے نسب سید نہ تھے حضرت مجدد نے فوراً ان کی اَنَانِیَّتْ پر ضرب لگائی، ان کی قسمت میں دنیوی اور اخروی سعادت تھی سنبھل گئے اور آخر دم تک حضرت مجدد سے ان کی محبت وارتباط میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ ہے حقیقی معنی میں رُوح کی عظمت، آزاد علماء کی تحریر میں مجیب صاحب کو جو عظمتِ روحی نظر آئی ہے وہ سَرابی ہے، دنیوی اغراض و مقاصد اور چاپلوسی کا مرقع ہے۔ جو فرق اسلام اور اِلحاد میں ہے وہی فرق حضرت مجدد کی تحریرات اور آزاد علماء کی تحریرات میں ہے۔

مجیب صاحب اس واقعہ پر غور کریں، حضرت مجدد کی جوانی کا آغاز تھا اور اس وقت ابوالفضل اکبر کا سب کچھ تھا، اس وقت حضرت مجدد کی اس سے آگرے میں ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک دن اس نے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی کے متعلق بیجا بات کہدی۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اگر ہم جیسے اہلِ علم سے شوقِ ملاقات رکھتے ہو تو اس طرز کی گفتگو سے اجتناب کرو، یہ فرما کر آپ وہاں سے اٹھ آئے اور آپ نے ابوالفضل کی گمراہی کے رد میں رسالہ "اثباتِ نبوت" عربی میں تحریر فرمایا۔ کیا مجیب صاحب اس کی مثال اس گروہ میں سے لا سکتے ہیں جن کی عظمتِ روح نے ان پر اثر کیا ہے۔

ساتواں حصہ۔ شیخ فرید بخاری مرتضیٰ خان کے تذکرے کے ذیل میں جو اکبر اور جہانگیر کے عہد کے ممتاز امرا میں سے تھے۔ (مترجم)

[1] شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات میں کئی ایک مکتوب شیخ فرید کے نام ہیں، شیخ فرید کے جوابات تو ہم تک نہیں پہنچے لیکن ان مکتوبات میں جو امور زیر بحث لائے گئے ہیں ان سے مشترک دلچسپیوں کا ضرور علم ہو جاتا ہے اور شیخ احمد کے اس یقین کا اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ فرید ان امور کے بارے میں کوئی نہ کوئی عملی اقدام بھی ضرور کریں گے۔ ص۲۶۵

۲۔ ایک خط میں (ج۱ نمبر ۴۳) شیخ احمد نے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کا فرق بتایا ہے، یہ وہ بحث تھا جو کسی ایسے شخص ہی سے چھیڑا جا سکتا تھا جو وجودی صوفیہ کو گمراہ اور منکر اسلام سمجھتا ہو۔ زیادہ غلط نہ ہوگا اگر ہم یہ سمجھیں کہ خط پڑھنے کے بعد شیخ فرید دیر تک سر کو کھجاتے رہے ہوں گے اور پھر ادب سے ایک طرف ڈال دیا ہوگا۔ ص۲۶۹

۳۔ اگلے خط میں (ج۱ نمبر ۴۴) شیخ احمد نے رسول اللہ کی عظمت پر گفتگو کی ہے جس میں یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ کو ماننے والے کس قدر اعلیٰ اخلاقی مرتبہ کے مالک ہیں اور نہ ماننے والے کیسے پست لوگ ہیں اور یہ کہ رسول اللہ کی تقلید کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے۔

۴۔ پھر ایک خط میں (ج۱ نمبر ۴۵) جو خواجہ باقی باللہ کی وفات کے فوراً بعد لکھا گیا ہے انھوں نے شیخ فرید کا اس امر کے لئے شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے خانقاہ خواجہ میں رہنے والوں کے لئے رہنے سہنے کا اچھا انتظام کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ فرید اس تحریک اصلاح کو کس قسم کی مدد دے رہے تھے۔

۵۔ اگلا خط (نمبر ۴۶) ایک وعظ ہے۔

۶۔ پھر ایک اور خط ہے (نمبر ۴۷) جس سے پتا چلتا ہے کہ اکبر کا انتقال ہو چکا ہے۔ جہانگیر تخت نشین ہو چکا ہے۔ اور اب شیخ احمد خیال کرتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو انصاف کی رو سے جو مقام ملنا چاہئے اسے واپس لانے کا وقت آگیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

تم جانتے ہو کہ پچھلے دور میں اسلام پر کیا کچھ گزری ہے۔ اسلام کی کمزوری پہلے زمانے میں جب کہ اسلام نیا آیا تھا اس سے زیادہ نہ تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے دین پر قائم رہیں لیکن پچھلے دور میں کفار کھلم کھلا اسلامی علاقوں میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام کے ظاہر کرنے سے عاجز تھے اگر اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔

اب جب کہ مانعِ شوکت اسلام بیچ میں سے ہٹ گیا ہے اور بادشاہ اسلام کے تخت نشین ہونے کی خبر مسلمانوں نے سن لی ہے۔ انھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ قول و عمل سے بادشاہ کی مدد کریں گے۔

دنیا دار علماء کی صحبت زہر کی طرح ہے اور ان کا فساد اوروں تک پہنچتا ہے پچھلے دور میں مسلمانوں پر جو مصیبت آئی وہ ان کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو انھوں نے بہکایا۔ گمراہی کے بہتر فرقوں کے مقتدا یہی ہیں۔

اس لئے یہ فقیر ان کا ساتھ دینے کی آرزو رکھتا ہے جو اسلام کو طاقتور بنانے کی فکر میں ہیں اور مسلمانوں کو اس بری حالت سے نکالنا چاہتے ہیں۔

اس خط کا خاتمہ ایک دوسری ہی طرف کو مڑ گیا ہے۔ لکھا ہے۔

حامل رقعہ ہٰذا مولانا حامد کو سرکار سے وظیفہ ملا کرتا ہے۔ پچھلے سال آپ سے لے آیا تھا اس سال بھی امیدوار ہے۔ خدا آپ کو دینی و دنیوی دولت سے مالامال کرتا رہے۔

۳ ایک اور خط میں (ج۱ نمبر ۱۵) پھر وہی نصیحت و خوشامد کی آمیزش ہے جس میں شیخ فرید سے کہا گیا ہے کہ صرف اہل بیت ہی مسلمانوں کو غلط روی کے چکر سے بچا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ شیخ فرید بخارا کے سید تھے۔

تبصرہ۔ (۱) لکھا ہے "کئی ایک مکتوب شیخ فرید کے نام ہیں"۔

شیخ فرید کے نام حضرت مجدد نے بائیس مکاتیب ارسال کئے ہیں۔ اور یہ سب دفتر اول میں ہیں اور ان کے نمبر درج ذیل ہیں۔

۴۳ سے ۵۴ تک بارہ خطوط مسلسل، پھر ۶۳، ۶۴، ۱۰۳، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۳۳، ۲۶۹۔

مولانا نسیم احمد امروہوی نے "تجلیاتِ ربانی" میں لکھا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد مکتوبات آپ کے نام ہیں اور سب اہم ہیں (ص۵۷)

(۲) لکھا ہے "یہ وہ بحث تھا جو کسی ایسے شخص" الخ۔

میری تعلیم و تربیت اِن مَعاہدِ علمیہ میں ہوئی ہے جن کو نئی تہذیب کے دلدادگان دَقیانُوسی کہتے ہیں چاہے ان کو دَقیانُوسی کہا جائے چاہے تہذیب قَدیم والا اور مذہبی۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو اصول و قواعد انھوں نے مباحثہ و مناظرہ اور رَدّ و قَدح کے بیان کئے ہیں اگر ان پر کوئی عامل رہے تو تہذیب و شرافت کا دَامَن اس سے کبھی نہ چھٹے۔ مجیب صاحب لکھ رہے ہیں۔ "یہ وہ مبحث تھا جو کسی ایسے آدمی سے الخ" کوئی ان سے پوچھے۔ آپ کو کیا خبر کہ شیخ فرید ایسے تھے یا ویسے اور وہ اس مبحث کے لائق تھے یا نہیں۔ حضرت مجدد میں اور ان میں جو رَوابِط تھے، ان کا علم مجیب صاحب کو نہیں ان کو اس کی خبر نہیں کہ حضرت مجدد بہ منزلہ استاد کے تھے اور جناب شیخ فرید بہ منزلہ شاگرد کے شاگرد کی ذہنیت کا اندازہ استاد ہی کیا کرتا ہے۔ جو ناواقف اس معاملہ میں بولتا ہے اس کو اہل علم کی اصطلاح میں "فُضُولی" کہا جاتا ہے اور اس کے کلام کی کوئی وقعت نہیں ہوا کرتی۔ مجیب صاحب اپنے کو کیوں فُضُولیوں کے زُمرہ میں شامل کر رہے ہیں۔

اس مکتوب گرامی میں حضرت مجدد نے ایسے اسرار و حقائق بیان کئے ہیں جن کا سمجھنا مجیب صاحب کے بس سے باہر ہے۔ اسی واسطے وہ لکھ رہے ہیں۔

"ایسے شخص ہی سے چھیڑا جا سکتا تھا جو وجودی صوفیہ کو گمراہ اور منکر اسلام سمجھتا ہو"۔

میں اس مبارک مکتوب کا کچھ خلاصہ لکھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"توحید شہودی، ایک کو دیکھنا ہے اور توحید وجودی، ایک کو موجود جاننا اور اس کے غیر کو نابود سمجھنا ہے، توحید وجودی علم الیقین کی قسم میں سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے۔ توحید شہودی راہِ سلوک کی ضروریات میں سے ہے۔ کیوں کہ فنا اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور مرتبۂ عین الیقین اس کے سوا میسّر نہیں۔ اور علم الیقین بغیر اس معرفت کے حاصل ہے کیونکہ علم الیقین اس کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔ آفتاب کا دیکھنا اس کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو نیست و نابود سمجھا جائے۔ آفتاب کی روشنی کی تیزی نے ستاروں کو آنکھوں سے اُوجھل کر رکھا ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کی روشنی سے روشن ہو جائے تو وہ آفتاب کے ہوتے ہوئے ستاروں کو دیکھے گا۔ منصور حلاج نے انا الحق کہا ہے اور بایزید بسطامی نے سُبحانِی مَا اَعظَمُ شَانِی۔ اور یہ اقوال بظاہر شریعت کے مخالف نظر آتے ہیں اور اسی قسم کے اقوال اور مشائخ سے بھی منقول ہیں۔ ایسے اقوال کے متعلق مناسب یہ ہے کہ ان کو توحیدِ شہودی پر حمل کیا جائے نہ توحیدِ وجودی پر جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ توحیدِ شہودی پر حمل کرنے سے، شریعت کی مخالفت جاتی رہتی ہے۔"

آپ نے اسرار و حقائق بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے "ان پوشیدہ علوم کے بیان کرنے کی یہ وجہ ہوئی ہے کہ اس زمانے میں کچھ لوگوں نے تقلید کی بنا پر اور کچھ نے صرف از روئے علم اور بعض نے اجمالی طور پر علم و ذوق کے ملنے سے اور بعض نے الحاد و زندقہ کی بنا پر توحید وجودی کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ لوگ شریعت کے احکام سے اپنے کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ امورِ شرعیہ کے بجا لانے کا اقرار بھی کرتے ہیں تو اس کو طفیلی جانتے ہیں اور طریقت و حقیقت کو اصل۔ اللہ ایسے بُرے عقائد سے بچائے۔ بہادر اور ہمت والے وہ افراد ہیں جو شریعت کو اپنی جگہ اور اپنے مقام پر رکھتے ہوئے حقیقت کو طلب کرتے ہیں۔ الخ۔

اب مجیب صاحب اپنی فضولیت کو ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ حضرت مجددؒ مُشفق استاد کی طرح شیخ فرید کو حقائق بتا رہے ہیں اور اہلِ حق کی توحید وجودی کا بیان کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ ملحدوں نے توحید کے دامن میں پناہ لی ہے۔ ان سے بچو، یہی بات جہانگیر نے بھی نوبخشی ملحدوں کے بارے میں لکھی ہے چوں کہ ابوالفضل سرگروہ آزاد، ملحد تھا اور گمراہی کے رستے پر گامزن تھا اس لئے مجیب صاحب اسی کو حق سمجھ بیٹھے ہیں اور حضرت مجدد پر الزامات عائد کر رہے ہیں۔

مجیب صاحب نے لکھا ہے "شیخ فرید دیر تک سر کھجاتے رہے ہوں گے۔"

ٹھیک ہے۔ ع چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ شیخ فرید باکمال تھے اور اصحاب کمال کی قدر کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت مجدد کے پاس حقائق و معارف کا وہ خزانہ ہے

جس کی خبر اوروں کو نہیں۔ لہٰذا جو بھی معرفت حاصل کر سکتے ہو کر لو۔ وہ تو آپ کے گرامی نامہ کے انتظار میں رہتے تھے۔ اور جب بھی کوئی گرامی نامہ ان کو ملتا تھا سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ جناب مجیب اپنے احوال پر شیخ فرید کو تصور کر رہے ہیں، لیکن اَیْنَ الثَّرٰی مِنَ الثُّرَیَّا کہاں مٹی کہاں ثریا (چھ تاروں کا جھمکٹ) اللہ سب کو سمجھ دے۔

حضرت مجدد اُس توحید کے مخالف تھے جس نے اکبر کو معبود بنایا۔ اُس توحید کے مخالف تھے جس نے پیروں کو مسجود بنایا، اُس توحید کے مخالف تھے جس نے اِباحِیّت تک پہنچایا۔ اُس توحید کے مخالف تھے جس نے دین سے آزاد کر دیا۔ اللہ ایسی گمراہیوں سے بچائے۔

(۳) لکھا ہے رسول اللہ کی عظمت پر گفتگو کی ہے۔

کاش حضرت مجدد کی اس تحریر کا مجیب صاحب پر اثر ہوا ہوتا۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

(۴) لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قسم کی مدد دے رہے تھے۔

جنابِ من۔ مجھے یاد ہے جب آپ کے جامعہ کی اساس رکھی گئی تھی کہ مسلمانوں نے اور خاص کر حکیم حافظ محمد اجمل خان رحمہ اللہ نے اس کو کس قسم کی مدد دی تھی۔ کیا قوم کی اصلاح کے لئے جو کام بڑے پیمانے پر کئے جاتے ہیں، اہلِ دنیا اور اصحاب ثروت اس میں حصّہ نہیں لیتے ہیں۔

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(۵) لکھا ہے۔ اگلا خط نمبر ۳۶ ایک وعظ ہے۔

جنابِ من یہ مکتوب مبارک وعظ نہیں ہے بلکہ اِلحَاد اور بیدینی کے اثرات کو مٹانے کے لئے اِکْسِیرِ اَعْظَم ہے۔ آپ نے اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، شریعت کے احکام کی حقانیت کو واضح دلائل سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے لکھا ہے۔ "ان سب کا ثبوت بدیہی ہے، کسی فکر اور دلیل کے محتاج نہیں بہ شرطیکہ قوت مدرکہ آفتوں اور باطنی امراض سے پاک ہو اگر کوئی صَفرا میں مبتلا ہے تو اس کے لئے قند و نبات میں تلخی ہے۔ اور اگر کوئی اَحْوَل ہے یعنی بھینگا تو وہ ایک شے کو دو دیکھے گا۔ سیر و سلوک اور تزکیہ نفس و تصفیہ قلب سے مقصود یہ ہے کہ باطنی آفتیں اور دل کی بیماریاں دور ہو جائیں۔ اور ایمان کی حقیقت ظاہر ہو اللہ ہم سب کو ایسے کامل ایمان سے مشرف فرمائے۔"

(۶) لکھا ہے۔ "اس خط کا خاتمہ ایک دوسری ہی طرف کو مُڑ گیا ہے۔" الخ مجیب صاحب نے چھٹے حصّہ میں لکھا ہے۔

"ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کچھ کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی۔"

اس کے بعد مجیب صاحب نے حضرت مجدد کے پانچسو چھتیس مکاتیب میں سے چھ مکاتیب پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان میں سے دو مکاتیب میں دنیوی ذکر ہے اور مجیب صاحب نے اس کا اظہار کیا ہے۔ اس طرح مجیب صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے مکاتیب کا تیسرا حصہ دنیوی دلچسپیوں کا حامل ہے لہٰذا اسلام کی زبوں حالی کا جو بیان آپ نے کیا ہے یا شریعت غرا کی تقویت کے لئے جو لکھا ہے دنیوی امور کی وجہ سے لکھا ہے۔ مجیب صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے شیخ محمد اکرام صاحب کی ایک تحریر سے جو کہ رُودِ کوثر میں ہے استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر محمد فرمان نے پراز حقائق نفیس مقالہ لکھا ہے میں اس کے اقتباسات لکھتا ہوں، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"شیخ محمد اکرام صاحب نے رود کوثر کے صفحہ ۱۷۵ پر یہ بیان فرمایا ہے، کہ ان مکتوبات کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ ان کے بعض خطوط کسی معمولی مقصد کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اور ان امراء سے باقاعدہ خط و کتابت نہیں تھی۔" اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ امرا کے نام خطوط نیاز مندانہ قسم کے ہوں گے اور جناب نے اپنے دوستوں یا عزیزوں کے لئے مراعات حاصل کرنے کے لئے بھی لکھے ہوں گے لیکن صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

مکتوبات کی تعداد ۵۴۰ ہے (صحیح تعداد ۵۳۶ ہے) ان میں سے بہ مشکل گیارہ مکتوبات ایسے نکلتے ہیں جن میں آپ نے کسی حاجت مند کی حاجت روائی کی غرض سے کچھ لکھا ہے حالانکہ اس کے ساتھ ہی کسی اہم مسئلے اور نکتے کو بھی بیان کر دیا ہے۔

ممتاز امراء...... کے نام مکتوبات کی تعداد سو سے اوپر ہی ہے، اپنے صاحبزادوں، مشائخ کرام، عالموں، قاضیوں اور دوسرے رفقا کے نام مکتوبات میں جن باتوں کا ذکر کرتے تھے اسی نوعیت کی باتیں اور شریعت و تصوف کے بارے میں ضروری نکات امرا کے نام جو مکتوبات ہیں ان میں بھی بہ کثرت موجود ہیں اور ان کی اہمیت کسی طرح دوسرے حضرات کے نام لکھے ہوئے مکتوبات سے کم نہیں ہے ہم نمونے کے طور پر صرف ایک مکتوب کو پیش کرتے ہیں۔"[1]

اس کے بعد پروفیسر فرمان صاحب نے مکتوب ۹۸ کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔ یہ مکتوب خان خاناں مرزا عبدالرحیم خان کے نام ہے چونکہ میں اس کو چھٹے حصہ کے اخیر میں لکھ چکا ہوں۔ اس لئے بار دیگر یہاں لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ پروفیسر صاحب نے مکتوب کا خلاصہ لکھکر یہ مصرع لکھا ہے۔

---

[1] حیات مجدد صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۳

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔ اور پھر حضرت خواجہ میر درد کا یہ شعر لکھا ہے۔

زنہار ادھر کھولیو مت چشمِ حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

پروفیسر فرمان صاحب نے امرا کے نام کے مکاتیب کا شمار کیا ہے اور یہ بھی معلوم کیا ہے کہ کونسے امیر کے نام کتنے مکتوبات ہیں۔ اور پھر ان مکاتیب کو شمار کیا ہے جن میں کچھ دنیوی ذکر بھی ہے اور اس حقیقت پر پہنچے ہیں کہ وہ گیارہ ہیں اور اوسط دو کا فی صدی ہے۔ اس اَقَلِ قلیل مقدار کی طرف شیخ محمد اکرام صاحب نے "بعض" سے اشارہ کیا ہے اور پروفیسر مجیب صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ اس نہایت قَلِیل مقدار کو تہائی کر کے دکھا دیں۔ ایسے خطوط کو شیخ محمد اکرام صاحب نے "کسی معمولی مقصد" سے یاد کیا ہے اور مجیب صاحب لکھتے ہیں۔ "ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کچھ کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی"۔ یہ ہے اعلیٰ مثال مجیب صاحب کی حق گوئی اور معیارِ تحقیق کی جس کو تمام دنیا میں مشتہر کرنے کے لئے لندن میں چھپوایا ہے۔

(۷) لکھا ہے۔ "پھر وہی نصیحت و خوشامد کی آمیزش"۔ الخ

میں پہلے اس مبارک مکتوب نمبر ۵۱ کا ترجمہ لکھتا ہوں تاکہ مجیب صاحب کے قول کی حقیقت معلوم ہو۔ حضرت مجددؒ نے شیخ فرید بخاری کو لکھا ہے۔

"اللہ سے دعا کی جاتی ہے کہ سُلالۂ عظام (بڑوں کی اولاد) کے وجود شریف کے طفیل شریعتِ غرّا کے ارکان اور ملّتِ زہرا کے احکام قوت پا کر رائج ہوں۔ کام یہی ہے باقی ہیچ۔

آج کے دن گمراہی کے اس بھنور میں عاجز مسلمانوں کی نظر اہلِ بیتِ حضرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی پر لگی ہوئی ہے۔ جس کے متعلق ارشادِ نبوی ہے۔ مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ۔ میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا بچ گیا اور جو رہ گیا ہلاک ہوا۔

آپ اپنی ہمتِ عالیہ کو پوری طرح اس کام پر لگا دیں اور یہ عظیم سعادت حاصل کرلیں اللہ کے فضل و کرم سے آپ کو جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب کچھ حاصل ہے۔ اگر ذاتی شرافت کے ساتھ یہ عزت بھی مل جائے تو سعادت کے چوگان (بلّے) سے سبقت کی گیند آپ ہی لے جائیں گے۔

شریعتِ حقّہ کی ترویج و تقویت کی خاطر یہ حقیر اس قسم کی باتیں آپ کو لکھا کرتا ہے۔

رمضان مبارک کا چاند دہلی میں دیکھا گیا۔ حضرت والدۂ ماجدہ (والدۂ حضرت خواجہ باقی باللہ) کی مرضی توقف میں معلوم ہوئی۔ بنابریں تاختمِ قرآن مجید (تراویح میں) یہاں قیام رہے گا۔ باقی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ آپ کو دونوں جہاں کی سعادت نصیب ہو"

ناظرین کرام اس مبارک مکتوب کو ملاحظہ کریں۔ نہ کوئی ذاتی خواہش نہ کسی کی سفارش۔ اگر دھن ہے تو ترویج اسلام کی اور اگر بات ہے تو شریعتِ حقّہ کی تقویت کی۔ کسی کو تحریر فرماتے ہیں: "آج وہ دن ہے کہ اس میں قلیل عمل کو پورے اعتنا کے ساتھ قبول کیا جائے گا، اصحابِ کہف سے بجز ہجرت کے کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا ہے، چوں کہ ان کا وہ عمل بر وقت تھا، نہایت مقبول ہوا" اور کسی کو لکھ رہے ہیں۔ "اس میدان میں مردِ میدان آپ ہی کی ذات ہے" "آپ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سب کچھ کر رہے تھے اور مجیب صاحب لکھ رہے ہیں" "پھر وہی خوشامد کی آمیزش" افسوس صد افسوس۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، دین و مذہب سے تعلق نہ ہوگا وہ اس کے سوا اور کیا کہے گا۔ وَمَارَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔

حضرت مجددؒ نے سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد لکھا ہے کہ اہلِ بیت اطہار کی مثال کشتیِ نوح علیہ السلام کی سی ہے، جو اس میں بیٹھا بچا اور جو نہ بیٹھا ہلاک ہوا۔ یعنی جو بھی اہلِ بیت اطہار سے محبت کرے گا۔ اللہ اس کی مشکلوں کو آسان کرے گا۔ اور مجیب صاحب تمسخرانہ انداز میں لکھ رہے ہیں۔ "صرف اہلِ بیت ہی مسلمانوں کو غلط روی کے چکروں سے بچا سکتے ہیں"، میں آیت شریفہ "وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا" کا بیان لکھ چکا ہوں۔ مجیب صاحب کو نہ قولِ حق جَلَّ وَعَلَا کا خیال ہے اور نہ ارشادِ نبوی عَلٰی صَاحِبِہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ کا ادب۔ وہ اگر حضرت مجددؒ یا کسی دوسرے ولیِ پروردگار کے متعلق لغویات لکھ رہے تھے تو اس کا تعلق ولایت سے تھا لیکن یہاں وہ بارگاہِ نبوت تک جا پہنچے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر　　نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

آپ کا مبارک ذکر اور آپ کی محبت ایک مومن کے لئے سب کچھ ہے۔

"ہم صندلِ دردِ سر ہم سرمۂ بینائی"

حضرت مجددؒ نے اہلِ بیت اطہار کی کشتیِ نورانی کا سہارا لیا اور تمام عالم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کامیابی عنایت کی جو کسی کے خیال میں بھی نہ آسکتی تھی اور ابو الفضل و فیضی اور شریف آملی کی گمراہی جو الحادِ اکبری کے نام سے مشہور ہے، ایسی نیست و نابود ہوئی کہ اس کا نام لیوا تک کوئی باقی نہ رہا۔ اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِصَالِحِ الْمُؤْمِنِيْنَ "زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور نیک ایمان والوں کا"۔ ؎

یا مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوح　　ہست خاکے کہ بہ آبے نخرد طوفاں را

لکھا ہے۔ "واضح رہے کہ شیخ فرید بخارا کے سید تھے"

حضرت شیخ فرید بخاریؒ کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری

تک پہنچ کر ستائیس واسطوں سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے۔ جس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا قیام لاہور میں تھا آپ کے اخراجات کے متکفل شیخ فرید ہی تھے۔ آپ اپنے زمانے کے مایۂ ناز افراد میں سے تھے۔ پہلے جہانگیر نے آپ کو صَاحِبُ السَّیْفِ وَالْقَلَم کا خطاب اور پھر مرتضیٰ خاں[1] کا خطاب دیا۔ آپ اپنے ہاتھ سے فقرا کو روپیہ پیسہ دیا کرتے تھے۔ آپ کے دَر سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں گیا۔ یتیموں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ ان کی کفالت اور پرورش والدِ مہربان کی طرح کرتے۔ وہ آپ کی گود میں بیٹھ کر کھیلتے اور آپ خوش ہوتے۔ آپ کے دسترخوان پر پندرہ سو آدمی ہر روز کھانا کھاتے تھے۔

آپ کو شیخ فرید، شیخ فرید دہلوی، شیخ فرید بخاری کہتے ہیں۔ فرید آباد آپ نے بسایا ہے۔ رحمہ اللہ[2] جہانگیر نے کانگڑے کا قلعہ پانچ محرم ۱۰۳۰ھ کو فتح کیا۔ حضرات القدس کے حضرتِ نہم میں (کرامات ۲۳ و ۲۴ میں) لکھا ہے کہ یہ مہم شیخ فرید کے سپرد کی گئی تھی، انھوں نے حضرت مجدد کو برائے دعا لکھا، آپ پر ظاہر ہوا کہ شیخ فرید سے یہ کام نہ ہوگا۔ آپ نے ان کو یہی بات تحریر فرمائی۔ چند دن نہ گزرے تھے کہ شیخ فرید کے انتقال کی خبر پہنچی پھر یہ کام راجہ بکرماجیت کے سپرد ہوا، وہ حضرت مجدد کے پاس آئے، آپ پر ظاہر ہوا کہ راجہ کامیاب ہوں گے چنانچہ آپ نے ان کو بشارت دی اور وہ کامیاب ہوئے۔

اس بیان سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت سیّد فرید بخاری (مرتضیٰ خان) کی وفات ۱۰۲۹ھ میں ہوئی ہوگی۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

آٹھواں حصّہ۔ شیخ احمد سرہندی سے پہلے اور بھی بہت سے صوفیہ ایسے گزرے ہیں جو علومِ شرعیہ کے متبحر تھے بلکن شیخ احمد نے اس امر کی شعوری کوشش کی کہ تصوّف کو شریعت کی چاکری میں لے آئیں اور شریعت وہی جو کچھ ان کے تصوّر کے مطابق تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا ظواہر کی فتح اور اس کے ساتھ پھر اذکار و وظائف کا سلسلہ نتیجہ میں تصوّف ذکر و وظائف میں محدود ہوتا گیا۔

پھر اس میں تعویذ نویسی بھی داخل ہوئی اور اسے باقاعدہ علم کا درجہ مل گیا اور یہ امر خاصا دلچسپ ہے کہ کسی کو بھی اس کا خیال نہ آیا کہ تعویذ یا تو ان پڑھ آدمی کے ساتھ ایک فریب کاری ہے یا پھر خدا کے ساتھ ایک چال ہے۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر سے سکّہ بند صوفیہ اور سخت گیر متقشف علماء کے درمیان فرق کم ہوتا گیا ہے دوسری طرف غیر سکّہ بند صوفیہ اگرچہ اب بھی ملتے ہیں لیکن وہ بھی پہلے کی مانند اب ایک

---

[1] لفظ مرتضیٰ کا استعمال حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ شائع وذائع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مناسبت سے جہانگیر نے آپ کو یہ خطاب دیا ہو۔ (زبید)

[2] از تجلیاتِ ربانی مختصراً۔

لادے ہوئے نظام کی جکڑ بندیوں کے خلاف حریت ذہن انسانی کے نمائندے نہ رہے۔ اب تصوف ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی زندگی کا ایک رُخ ہو کے رہ گیا اور بس اس کی آزادیٔ فکر جو گویا اس کی ساری توانائی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اھ۔

تبصرہ۔ مجیب صاحب نے ان بہت سے صوفیہ میں سے کسی کا نام نہیں لکھا اور پھر لکھ رہے ہیں کہ تصوف کو شریعت کی چاکری میں لے آئیں۔ چوں کہ مجیب صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ شریعت کیا ہے اور تصوف کیا ہے اس لئے ایسی غیر ذمہ دار باتیں لکھ رہے ہیں۔ خدا و رسول کے احکام کا نام شریعت ہے، کسی مسلم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ شریعت کا استخفاف کرے۔ مجیب صاحب نے حضرت مجدد پر بالکل غلط الزامات عائد کئے۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔ اب وہ حضرات صوفیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ چوں کہ کسی کا نام نہیں لکھا ہے اس لئے جو کچھ ان کے دل میں آرہا ہے، صوفیہ کے نام پر لکھ رہے ہیں۔ اکبر کے دَور میں ملحدوں نے صوفیہ کے نام پر اپنے الحاد کی ترویج شروع کی تھی۔ اور سادہ لوح افراد کو ظاہر و باطن کے چکّر میں ڈال کر اباحت اور گمراہی کی طرف لے جا رہے تھے۔ جہانگیر نہ عالم تھا، نہ صوفی، تاہم وہ سمجھ گیا کہ یہ ملحد ہیں اور اس نے لکھدیا، "انھوں نے تصوف میں پناہ لی ہے اور اپنا نام صوفی رکھا ہے نہ وہ صوفی ہیں نہ زندیقی چند ملحدی مذہب رکھتے ہیں"۔ یہی صورت مجیب صاحب نے اختیار کی ہے۔

مجیب صاحب مذہبِ اسلام میں آزادیٔ فکر کی تلاش کر رہے ہیں۔ جس شخص نے ایک اللہ کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے اور رسول اللہ کی نبوت کا قائل ہو گیا ہے تو اب اس کو کب حق پہنچتا ہے کہ وہ لینن یا اسٹالن یا کسی دوسرے ملحد یا دہریہ کی پیروی کرے۔ چاہے کوئی خوش ہو یا ناخوش اسلام میں ان کفریات کے لئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ شریعت کو ایک لادا ہوا نظام قرار دیا جائے تو پھر اسلام ہے کیا چیز! کیا اسلام اس اباحت کا نام ہے جس کی ترویج اِس دَور کے ملحد کر رہے ہیں۔

مجیب صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک چال کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ نہ وہ چال ہے اور نہ فریب کاری بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے جس کا وہ شخص معتقد ہے۔ ایک دن حضرت ابوالحسن خرقانی اسمِ ذات کے فوائد بیان فرما رہے تھے۔ اتفاق سے حکیم ابو علی سینا پہنچ گئے اور آپ کے بیان کو سُن کر متعجب ہوئے کہ صرف لفظ مبارک اللہ کہدینے سے اتنے فوائد کیسے حاصل ہو سکتے ہیں کہ بیمار شفا پائے، کام بن جائے، مشکل آسان ہو جائے۔ حکیم صاحب نے اپنے خیال کا اظہار حضرت پر کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ حکیم صاحب علّت و معلول اور سبب و مسبَّب کے چکّر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کو عملی طور پر سمجھانے کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ نے بھری محفل میں

حکیم صاحب سے فرمایا۔ "اَے خَر تُو چہ دَانی" یعنی اے گدھے تو کیا جانے۔ حکیم صاحب کی خاطر و مدارات سلاطین و اُمَرا کیا کرتے تھے۔ یہاں انھوں نے خَر کا خطاب حاصل کیا، لہٰذا ان پر اس کا اثر ہوا۔ رنگ زرد پڑگیا، پسینے سے کپڑے تر ہوگئے، حضرت نے جب حکیم صاحب کی یہ کیفیت دیکھ لی تو محبت سے ان کو خطاب کرکے فرمایا۔ میں نے نہ آپ کو مارا نہ حمّام میں بند کیا۔ بلکہ "اَے خَر" سے خطاب کیا ہے اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ پر اس کا بڑا اثر ہوا ہے۔ جب کہ ایک حقیر حیوان کے نام میں یہ اثر ہو تو تمام عالم کے پیدا کرنے والے کے مبارک نام میں تو بھی اثر ہو کم ہے۔ یہ سُن کر حکیم صاحب آپ کی ولایت کے قائل ہوئے اور اپنے دل سے خیالاتِ فاسدہ کو نکالا۔ ان کا ضمیر کہہ رہا تھا[1]

بحمد اللہ کہ چشمم باز کردی　　مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

مجیب صاحب نے اٹھارویں صدی کے اواخر کے صوفیہ پر روشنی ڈال کر اس وقت کے صوفیہ کا بیان اپنے انداز سے کیا ہے۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس سے نہ اسلام کا کچھ تعلق ہے نہ اسلامی تصوف کا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے اس وقت بھی نیک بندے موجود ہیں اور جب تک اللہ کے نیک بندے، علمائے حقانی اور مشائخ ربانی موجود رہیں گے قیامت آ نہیں سکتی۔ کیونکہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِى الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ اور دوسری روایت میں ہے۔ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ۔[2] یعنی "قیامت جب ہی قائم ہوگی جب اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لینے والا کوئی نہ رہے گا" اور "بدترین خلائق پر قیام قیامت ہوگی" اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے وجود کو قائم رکھے۔

جب دین و مذہب کو لادا ہوا نظام سمجھا جانے لگے گا، جب اللہ ربّ العزت کے مبارک نام اور اس کے ذکر سے اور اس کو حرزِ جان بنانے سے لوگ غافل ہوجائیں گے اور ان چیزوں کو ظواہر پرستی، فریب کاری اور خدا کے ساتھ ایک چال سمجھنے لگیں گے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا، مذہب و روحانیت اٹھ جائے گی، خلافتِ الٰہیہ ختم ہوجائے گی اور قیامت برپا ہوگی۔

حضرت مجدد نہ طالبِ جاہ تھے نہ طالبِ مال۔ آپ اسلام کے نہایت مخلص خادم تھے، آپ نے مدة العمر اس بات کی کوشش کی کہ خلقِ خدا ہلاکت سے بچے، آپ اللہ کے مبارک نام کا نقش دل پر لگاتے تھے اور غافلوں کو مولیٰ جل شانہٗ سے ملاتے تھے۔

باز آئے کہ بے روئے تو اے شمعِ دل افروز　　در بزمِ حریفاں اثرِ نور و ضیا نیست
اے شمعِ سحر گریہ بہ حالِ من و خود کن　　کیں سوزِ نہانی کہ مرا ہست ترا نیست

---

[1] یہ واقعہ مجھ سے صلاح الدین خاں سلجوقی ہراتی نے بیان کیا تھا۔ رحمہ اللہ

[2] مشکات۔ باب لاتقوم الساعۃ الا علیٰ شرار الخلق۔ از صحیح امام مسلم

پروفیسر مجیب صاحب نے اپنی اس انگریزی کتاب میں جو کچھ حضرتِ مجدّد کے متعلق لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو نہ حضرت مجدّد کا صحیح حال معلوم ہے اور نہ انھوں نے حضرتِ مجدّد کے رسائل اور مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے۔ شاید انھوں نے جناب شیخ عبدالحق کا مکتوب اور بعض ناقابل ذکر اُردو رسائل دیکھے ہیں اور حضرت مجدّد کے متعلق بُری رائے قائم کرلی ہے۔

مجیب صاحب کی تحریر سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں شریعت اور طریقت دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کہاں اللہ اور اس کے رسول کا فرمان اور کہاں کسی امتی کا قول۔

اور مجیب صاحب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ ظاہر کے مقابلہ میں باطن اصل ہے۔ اور یہ قول باطنیوں کا ہے جو کہ بعد میں اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اکثر ملحدوں نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

مجیب صاحب اگر اکبری تجدید کا ذکر کرتے اور مُلّا مُبارَک اور ان کے دونوں فرزندوں وشریف آملی کا ذکر کرتے اور پھر وحدتِ ادیان کے فلسفہ کو بیان کرتے اور باطنیوں کی مدح سرائی کرتے تو مضائقہ نہ تھا، حضرت مجدّد کو ان کفریات سے کیا واسطہ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ " ترجمہ "تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ"، حضرت شاہ عبدالقادر موضح قرآن میں لکھتے ہیں۔ "یعنی تم نے ضد باندھی ہے۔ اب سمجھانا کیا فائدہ، جب تک اللہ فیصلہ کرے"۔ مجیب صاحب حضرت مجدّد کو صالحُ المومنین (نیک مومنوں) کے واسطے چھوڑ دیتے اور لینن واسٹالن کے الحاد و دہریت سے اپنا دل بہلاتے۔ یا وحدتِ ادیان اور نیشنل ازم جیسی تحریکات کا ساتھ دیتے۔

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر   کو با جمالِ جاناں پنہاں چہ کار دارد
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ضمیمہ

میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہو چکا تھا کہ مولانا اسحاق جلیس[1] سے ملاقات ہوئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ جناب انوار الحق نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں حضرت مجدد کے متعلق کچھ اظہار خیال کیا ہے۔ مولانا نے حضرت مجدد سے متعلق مضمون کا اردو ترجمہ مجھ کو دیا۔ جس کو ذیل میں نقل کر رہا ہوں اور پھر اظہار خیال کروں گا۔

جناب انوار الحق کی کتاب

"دی فیتھ موومنٹ آف مولانا محمد الیاس" یعنی مولانا محمد الیاس اور تحریکِ ایمان

مطبوعہ جارج ایلین اینڈ انون لمیٹڈ، رسکن ہاؤس، میوزیم سٹریٹ
لندن در ۱۹۷۲ء

صفحہ ۲۲۔ اکبر کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کے وہ طبقے جو انتظامی امور اور فوجی تنظیم کی وجہ سے ایرانیوں اور ترکوں کے کلچر سے قریب تر ہو گئے تھے، ان سے متاثر ہوئے اور بعض حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور راجپوتوں کی ایک جماعت کا مسلمان ہونا اکبر کی رواداری اور مساوات کا انتہائی بلند کارنامہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اکبر کی ہندوؤں سے قربت اور مرعوبیت کی وجہ سے علماء اور امرا میں دو طبقے پیدا ہو گئے، ایک وہ طبقہ تھا جو یہ محسوس کرتا تھا کہ اکبر کی یہ رواداری مسلمانوں کو بالآخر ہندو مذہب میں ضم کر دے گی۔ اس نے صوفیا کی جماعت میں جواب تک ہندوستان میں متحد و متفق تھے ایک خلیج پیدا کر دی جو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئی، چنانچہ "اسلام خطرہ میں ہے" کا نعرہ بلند ہوا اور اس طبقہ کو شیخ احمد سرہندی کی قیادت میسر آگئی۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنا کام مہدوی تحریک (جو سید محمد جونپوری نے شروع کی تھی) کی مخالفت سے شروع کیا۔ انھوں نے ابوالفضل اور دوسرے علماء کی اس رائے سے اختلاف کیا کہ سچائی سے خدا پر ایمان لانے کے سلسلے میں رسول اللہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

---

[1] مولانا اسحاق جلیس مجلّہ پانزدہ روزہ اردو "تعمیرِ حیات" ندوہ، لکھنؤ کے مدیر ہیں۔

شیخ احمد نے چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ سلسلہ کی تربیت پانے کے بعد آخیر میں نقشبندیہ سلسلہ کو اختیار کیا، نقشبندیہ سلسلہ کے عقائد کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے حکومتِ وقت سے قریبی تعلق رکھا تاکہ وہ حکومت کو صحیح اسلامی عقائد کی نشان دہی کرتے رہیں۔

ان کا رویہ ہندوؤں کی طرف سے بہ تدریج سخت ہوتا گیا وہ ان کو کافر جانتے تھے اور ان سے تجارت تک کے روابط رکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ شیخ احمد سرہندی کا یہ طریقہ کار بقیہ صوفیہ سے مختلف تھا۔

صفحہ ۲۳۔ اس دور میں عوام وخواص صوفیاء کے خیالات وافکار کو اختیار کر چکے تھے لیکن موقع پرست علماء اور صوفیاء نے کتابیں تصنیف کر کے، مدارس میں درس دے کر اور فتاویٰ پر مہر ثبت کر کے اکبر کے مذہبی عقائد کو لبیک کہا۔ شیخ احمد نے تنہا اس طبقے کی مخالفت کی جو مذہبی رواداری اور آزادی کا خواہاں تھا۔ انھوں نے صوفیاء کی ایک جماعت تیار کی جو شریعت پر عمل کرتے تھے اور علماء وقت سے بہتر تھے چنانچہ شیخ احمد شریعت پر طریقت کے مقابلہ میں زیادہ زور دیتے تھے، وہ شریعت اور طریقت کے اختلاف کو دور کر کے طریقت کو شریعت کے ماتحت اور زیرِ اثر لانا چاہتے تھے۔ وہ مذہبی تعلیمات اور قوانین کو زیادہ اہم جانتے تھے، بہ نسبت صوفی علماء کے اقوال کے اور صحابہ کرام کو زیادہ بلند مرتبہ جانتے تھے بہ مقابلہ تمام شیوخ کے۔ شیخ احمد نے ہندوستان میں اسلام کے احیاء کے سلسلہ میں بڑا نمایاں کام انجام دیا ہے

اس زمانہ میں شیعی عقائد ایران اور مشرقی عراق میں عام ہو گئے تھے، ہندوستان میں جہانگیر کی ملکہ نور جہاں شیعہ تھیں، جہانگیر کے وزیر بھی شیعہ تھے اور شیعی عقائد کا ہندوستان میں چرچا ہونے لگا تھا۔ ایران میں عقائد کے اختلاف نے بڑی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں اور سنی حضرات اور سنی علماء سخت مصائب کا شکار تھے۔ شیخ احمد چاہتے تھے کہ شیعی عقائد ہندوستان میں عام نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک رسالہ "ردِ روافض" لکھا اور اپنے خطوط میں بھی شیعیت کی شدید مخالفت کی۔

شیخ احمد نے ان تبدیلیوں کی سخت مخالفت کی جو اکبر نے رائج کی تھیں۔ مثلاً انھوں نے جہانگیر کے سامنے تعظیماً سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جب کہ اور تمام علماء اسے اختیار کر چکے تھے، وہ علماء سمجھتے تھے کہ یا تو دربار سے دور رہا جائے ورنہ سجدہ کو مصلحتاً اختیار کر لیا جائے، شیخ احمد کی اس جرأت نے عوام کو شریعت کے اصولوں پر کاربند ہونے میں مدد دی اور اس طرح ہندوستان میں شریعت کی ازسرِنو تجدید ہو گئی۔ شیخ احمد نے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو تمام ہندوستان میں اور بیرونِ ہند اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے بھیجا۔

صفحہ ۴۰۔ جدا اور خارج از اشتراک مسلم فرقہ کا تصور شیخ احمد سرہندی نے دیا تھا اور اس تصور کو تقویت مدتوں مختلف ہندوؤں اور مسلمانوں سے ملتی رہی جو رفتہ رفتہ ایک سیاسی مسئلہ بن گیا کہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کی ضرورت ہے اور اس تصور کے قائد فلسفی شاعر اقبال تھے۔

صفحہ ۶۹۔ شیخ احمد سرہندی نے ہندوستان کے صوفیاء کے مختلف سلاسل میں اپنے وحدت الوجود کی مخالفت کی بنا پر نظریاتی اختلافات پیدا کر دیئے تھے، شاہ ولی اللہ نے ان اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور یہ کہا کہ یہ محض لفظی وجزوی فرق ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے وحدت الشہود اور ابن عربی کے وحدۃ الوجود، دونوں کا علیحدہ علیحدہ مطالعہ کرنے اور مقابلہ کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ درحقیقت ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

صفحہ ۱۶۸۔ مولانا الیاس اپنے فرقہ پر توجہ رکھتے تھے۔ لیکن شیخ احمد سرہندی کے برعکس ہندو طبقہ کے سلسلہ میں کبھی نفرت کا اظہار نہ کرتے تھے۔"

اظہارِ خیال:۔ جناب انوار الحق کا یہ بیان ڈاکٹر رضوی اور پروفیسر مجیب کے بیانات سے متفاوت ہے۔ اس میں نہ تبرا ہے، نہ بغض وعداوت کے جراثیم، اور نہ اتہام طرازیاں ہیں، نہ استخفاف واستہزا کا شائبہ، محسوس ہوتا ہے کہ ان کے مضمون کی اساس احیائے اسلام کی تحریک ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے تین اَدْوار کا ذکر کیا ہے، دَورِ مجدد، دَورِ سید احمد، دَورِ مولانا محمد الیاس۔

انوار الحق صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت مجدد کے بعض مکاتیب شریفہ کا مطالعہ کیا ہے لیکن حضرت مجدد کے رسالۂ اثبات نبوت اور رسالۂ ردّ شیعہ کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اور حضرت مجدد کے مبارک احوال کو زبدۃ المقامات اور حضرات القدس میں نہیں دیکھا ہے جو کچھ لکھا ہے رود کوثر سے لیا ہے اگر وہ خود حضرت مجدد کی تحریرات اور زبدۃ المقامات وغیرہ کو دقیق نظر سے مطالعہ کرتے تو ان کی تحریر کا رنگ کچھ اور ہوتا۔ علماء اعلام کا مشہور قول ہے۔ اَلْحُکْمُ عَلَی الشَّیْءِ فَرْعٌ عَنْ تَصَوُّرِہٖ۔ جو تصور اور خیال کسی شے کے متعلق کر لیا جاتا ہے حکم اسی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، انوار صاحب نے رضوی صاحب اور مجیب صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور پھر ان مکاتیب شریفہ کو دیکھا ہے جو کہ حضرت مجدد نے اراکین وعمائدینِ مملکت کو ارسال فرمائے ہیں اور یہ نظریہ قائم کر لیا کہ حضرت مجدد کو ہندوؤں اور شیعوں سے سخت نفرت تھی، انوار صاحب پر لازم تھا کہ حضرت مجدد کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ کو دیکھتے اور پھر کوئی رائے قائم کرتے وہ خیال کریں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔ ترجمہ۔ اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان سے۔" کیا اس آیتِ مبارکہ کی وجہ سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

العیاذ باللہ تُند خو، سخت گیر قرار دے گا اور کہے گا کہ حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے ساتھ شدید الطبع، سخت خو، دُرشت مزاج تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" کی طرف التفات نہیں کرے گا کہ "تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو جہاں کے لوگوں کے لئے رحمت بنا کر" اور کیا اس ارشاد نبوی عَلٰی صَاحِبِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو بھلا دیا جائے گا "اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ"[۱] یعنی میں تو اہلِ جہاں کے لئے صرف تحفۂ رحمت ہوں۔

حضرت مجدّد نے یقیناً رسالہ ردّ شیعہ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں آپ کے چند خطوط بھی ہیں خوبی یہ ہے کہ انوار صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲ میں یہ حقیقت بھی ظاہر کی ہے کہ

"اس زمانہ میں شیعی عقائد ایران اور مشرقی عراق میں عام ہو گئے تھے، ہندوستان میں جہانگیر کی ملکہ نورجہاں شیعہ تھیں، جہانگیر کے وزیر بھی شیعہ تھے اور شیعی عقائد کا ہندوستان میں چرچا ہونے لگا تھا، ایران میں عقائد کے اختلاف نے بڑی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں اور سنی حضرات اور سنی علماء سخت مصائب کا شکار تھے۔"

انوار صاحب نے "سخت مصائب" لکھ کر اس سیاہ کارنامے کی طرف اشارہ کیا ہے جو ایران میں ہو چکا تھا کہ تلوار کے زور سے ایران میں یہ مذہب پھیلایا گیا۔ جو رافضی ہوا اس کی جان بچی جس نے انکار کیا قتل کیا گیا۔

حضرت مجدّد نے جب ہندوستان کی حالت بگڑتی ہوئی دیکھی تو رسالہ "رَدِّ شیعہ" لکھا۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو رَوافِض کے ان "سخت مصائب" سے بچایا جو ایران میں مسلمانوں کو پیش آ چکے تھے۔ حضرت مجدّد نے نہ کسی کو آزار دیا نہ کسی کو قتل کیا۔ اور پھر بھی آپ کی بیزاری اور شدت کا رونا رویا جا رہا ہے، اور شیعہ سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے اماموں کی طرح "معصوم" ثابت کئے جا رہے ہیں اور رضوی صاحب اس سلسلہ میں خوب مکائد کا جال پھیلا رہے ہیں اور جناب انوار اُن کے ہفوات کا اعادہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بچانے والا پروردگار جلّ شانہٗ ہی ہے لیکن اس دارِ اسباب میں اس وقت حضرت مجدّد کی ذات کو اس نے سبب بنایا۔ رضوی صاحب کو دراصل غصہ اسی کا ہے، ہندوؤں کا ذکر صرف آڑ ہے۔

اس موضوع پر میرا ارادہ کچھ لکھنے کا نہ تھا کیونکہ اگر فی الواقع ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت مجدّد کا نظریہ ہندوؤں اور کافروں کے ساتھ سختی کا تھا تو اس سے کوئی قباحت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ قباحت تو اس صورت میں ہے کہ آپ کی درشتی اور سختی ذاتی مصلحت کے لئے ہوتی جب کہ آپ کے ذاتی مفاد کو کوئی دخل نہیں ہے اور آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسلام اور مملکتِ اسلام

---

[۱] الجامع الصغیر جلد اول صفحہ ۸۹۔

کے لئے لکھا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھا ہے اور ائمۂ دین کے مسلّمہ اقوال کا بیان کیا ہے، تو آپ پر کیا الزام۔ اگر کوئی شخص الزام عائد کرنے کی کوشش کرے تو وہ درحقیقت اسلام کے احکام پر اعتراض کر رہا ہے، میرے سامنے افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کا وہ ایمان افروز قول ہے جو آپ نے رحلت فرمانے سے کچھ پہلے حضرت طلحہؓ سے فرمایا اور میں اس کو "شیخ عبدالحق کا اختلاف" میں بیان کرچکا ہوں۔ آپ نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا حضرت طلحہ نے کہا: "آپ نے عمر کو اپنا خلیفہ بنایا اور جو کچھ لوگوں کو اُن سے پہنچا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، جب کہ آپ کی حیات میں ان کی یہ حالت تھی تو آپ کے بعد وہ کیا کریں گے، آپ مولیٰ جَلَّ شانہٗ کے پاس جارہے ہیں وہ آپ سے پوچھ کرے گا؟" یہ سُن کر حضرت ابوبکر نے حاضرین سے کہا مجھ کو بٹھاؤ اور پھر آپ نے حضرت طلحہ سے فرمایا: "کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو، میں جب اپنے پروردگار سے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو عرض کروں گا میں نے تیرے بندوں میں سب سے بہتر کو تیرے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے۔"

مع ہذا میں انوار صاحب سے اتنا کہوں گا کہ وہ ٹھنڈے دل سے کسی کی تحریر کا اثر لئے بغیر حضرت مجدّد کے مکتوبات کو عمومی طور پر اور آپ کے رسالۂ اثبات نُبوّت اور ردّ شیعہ کا دقیق نظر سے مطالعہ کریں اور کتاب زبدۃ المقامات اور کتاب حضرات القدس کو اچھی طرح سے دیکھیں اور پھر کوئی رائے قائم کریں۔ اگر آپ کے تمام مکتوبات و رسائل کا اور آپ کی صحیح سوانحِ حیات کا علم نہ ہو تو آپ کے متعلق صحیح رائے کس طرح قائم کی جاسکتی ہے۔ حضرتِ مجدّد کے مکتوبات کا تقریباً پانچواں حصّہ امرا اور عمائدینِ سلطنت کے نام ہے۔ آپ نے امرا کو وہ باتیں لکھی ہیں جن کا تعلق مملکتِ اِسلامیہ سے ہے۔ آپ کی تمنّا تھی کہ اسلامی سلطنت صحیح راستہ پر چل کر ترقی کرے۔ اور صحیح راستہ آپ کی نظر میں صرف وہی ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول نے بیان کردیا ہے،

انوار صاحب نے صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے: "اکبر کی ہندوؤں سے قربت اور مرعُوبیّت کی وجہ سے علما اور امرا میں دو طبقے پیدا ہوگئے" الخ جب کہ اکبر ہندوؤں سے مرعُوب ہوگیا تھا تو پھر اس کے امرا اور نائبین کیوں کر مرعوب نہ ہوئے ہوں گے۔ اور اس جماعت کے مرعوب ہونے کی صورت میں اسلام کی اور مسلمین کی کیا خدمت کی جاسکتی ہے۔ حضرت مجدّد کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ آپ نے جدوجہد کرکے امرا اور اعیانِ مملکت کے دلوں سے اس خوف و رُعب کو نکالا اور اللہ کے فضل وکرم سے ہندوستان میں شریعت کی ازسرِنو تجدید ہوگئی۔

ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی نے ایک مضمون لکھا ہے جو کہ "رسالۂ مقالاتِ یومِ مجدّد"[1]

---

[1] یہ رسالہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری (پنجاب) پاکستان، نے ۱۰ مارچ ۱۹۶۲ء کو نشر کیا ہے۔

میں چھپا ہے۔ اس مضمون میں "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" سے اکبر کے متعلق انگریزی عبارت نقل کی ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ اس نے (اکبر نے) اسلام سے رشتہ توڑ لیا تھا اور اس نے سورج سے یا اس کے نمونے سے جو زمین پر ہے (آگ سے) رشتہ جوڑ لیا تھا۔ اور ایک اور مستشرق گیرٹ نے عہد اکبری کی "مغل رُول اِن انڈیا" یہ جو تصویر پیش کی ہے حسب ذیل ہے۔

عربی تعلیم کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی، داڑھی منڈوانے کی رسم شروع کی گئی، مسلم تہذیب کو تبدیل کیا جانے لگا، بادشاہ کے سامنے سجدہ شروع کر دیا گیا تاکہ پرانے خیالات کے مسلمان آزردہ دل ہوں، نئی مسجدوں کی تعمیر اور پرانی مسجدوں کی ترمیم ختم ہوئی، خود اکبر کی رہائش کا طریقہ اسلامی طریقے کی بجائے ہندو دھرم کے طریقے سے زیادہ قریب ہو گیا اور یہ سب کچھ اس نے خود کیا۔"

حضرت مجدد کی کچھ تحریریں "آپ کے زمانے کی مذہبی حالت" میں لکھ چکا ہوں۔ ان کو دیکھ لیا جائے، میں یہاں آپ کے ایک مکتوب گرامی کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔ اس کو بھی مطالعہ کر لیا جائے آپ سے ستونِ نورانی اور دُمدار ستارے کے متعلق خواجہ شرف الدین حسین نے دریافت کیا تھا۔ آپ نے یہ جواب ان کو تحریر فرمایا تھا کہ یہ چیزیں قربِ قیامت کی علامات میں سے ہیں اور لکھا ہے
"معلوم ہو۔ خبر میں وارد ہے کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا کہ کفر غالب آجائے اور کھلم کھلا کافری ہونے لگے۔ اس دور کے غربائے اہلِ اسلام کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و آشوب کے زمانے میں عبادت کرنی ایسی ہے کہ کوئی ہجرت کر کے میرے پاس آئے۔" (اس حدیث کی روایت مسلم نے کی ہے)

اور پھر ایک صفحہ کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

"اے فرزند عزیز، مکرر لکھا جاتا ہے کہ یہ وقت توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہے اور یہ وقت دنیا سے الگ ہونے اور انقطاع کا ہے، کیونکہ یہ فتنوں کے وُرُوْد کا زمانہ ہے، اور قریب ہے کہ ماہِ نیسان کے مینہ کی طرح فتنے برسیں اور سارے عالم کو گھیر لیں۔" (اس کے بعد ابوداؤد کی ایک حدیث شریف نقل کی ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے)

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان دنوں "نگر کوٹ" کے اطراف میں "کفارِ دارُ الحرب" نے مسلمانوں پر اور بلادِ اسلام پر کیسے کیسے مظالم اور آفتیں توڑی ہیں اور کس طرح کی اہانتیں اور اذیتیں پہنچائی ہیں۔ رُسوا کرے اللہ پاک ان کو۔ بہ مقتضائے آخر زمان اس قسم کے بدنُود ار شگوفے بہت کچھ پھوٹیں گے۔ اللہ پاک ہم کو، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔" (دفتر دوم مکتوب ۶۸)

حضرت مجدد نے نگرکوٹ کے اطراف کے ہندوؤں کو کفار دارُالحرب کہا ہے اور یہ نگرکوٹ ہندوستان ہی کا ایک حصّہ ہے جو کہ اکبر و جہانگیر کی مملکت میں واقع تھا۔

حربی اس غیر مسلم کو کہا جاتا ہے جو اسلامی مملکت کے امان وحفاظت میں نہ آیا ہو اور ذِمّی وہ غیر مسلم ہے جو اسلامی مملکت کی حفاظت اور امان میں آگیا ہو۔

انوار الحق صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں لکھا ہے۔

"حضرت مجدد ہندوؤں کو ذِمّی نہ جانتے تھے بلکہ کافر سمجھتے تھے۔"

صحیح تعبیر "بلکہ حَربی سمجھتے تھے"، ہے، کیونکہ لفظ کافر عام ہے، ذمّی اور حربی اس کے افراد ہیں۔ دونوں پر یہ لفظ صادق آتا ہے۔

انوار الحق صاحب کی یہ عبارت ثابت کررہی ہے کہ حضرت مجدد نے ذِمّیوں کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، اب اگر حضرت مجدد نے باغیوں، سرکشوں اور فسادیوں کے متعلق امرا اور عمائدین کو لکھا ہے کہ ان سے نہ ڈرو، یہ ذلیل وخوار ہیں اور یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگر تم اپنے مولیٰ کے ہوکر رہوگے تو کیا برا کیا ہے۔

تعجب ہے، شیخ محمد اکرام نے رُودِ کوثر میں نگرکوٹ کے واقعہ کو بھی نقل کیا ہے اور پھر صفحہ ۲۲۳ کے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے "حضرت مجدد نے ہنود کے لئے ذِمّی کا لفظ کہیں نہیں استعمال کیا، ہمیشہ اہل کفر کہتے ہیں۔" مع ہذا شیخ محمد اکرام حضرت مجدد کو تمام ہندوؤں کا مخالف سمجھتے ہیں۔

حضرت مجدد علمِ ظاہر میں اَجلّہ علمائے اعلام میں سے تھے۔ آپ کی عبارتوں کو جَلیلُ القدر علماء کی عبارات کی طرح حل کرنے کی ضرورت ہے، قطبِ شام، علّامہ روزگار عبدالغنی نابلسی نے ۱۰۸۸ھ میں "اِیضاحُ الدَّلالات" لکھی ہے۔ اس میں علامہ زَین الدین بن نجیم حنفی کے رسالہ "الخَیرُ الباقی فی جوازِ الوضوءِ مِنَ الفَساقِی" سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

"اِطْلَاقُ الْفُقَهَاءِ فِی الْغَالِبِ مُقَیَّدٌ بِقُیُوْدٍ یَعْرِفُهَا صَاحِبُ الْفَهْمِ الْمُسْتَقِیْمِ الْمُمَارِسِ لِلْاُصُوْلِ وَالْفُرُوْعِ وَاِنَّمَا یَسْکُتُوْنَ عَنْهَا اِعْتِمَادًا عَلٰی صِحَّةِ فَهْمِ الطَّالِبِ الْحَاذِقِ"

(ترجمہ) حضرات فقہاء کا کلام مُطلق زیادہ تر قیُودات سے مقیّد ہوا کرتا ہے جس کو وہ صاحب فہم صحیح سمجھ سکتا ہے جس نے علم اصول اور فروع کی ممارست کی ہوئی ہو، فقہاء کرام ہر مقام پر اپنے مُطلق قول کے قیود کا ذکر طالبِ حاذِق کی فہم وفراست کی وجہ سے نہیں کیا کرتے۔"

حضرت نابلسی قدس سرہ نے کیا عمدہ بات کہی ہے اور کیسی اعلیٰ حقیقت کو ظاہر کیا ہے۔

افسوس ہے کہ حضرت مجدد جیسے نادِرۃُ الدَّہر، دُرِّ یتیم، فَردِ اکمل، جَامعِ شریعت وطریقت پر وہ افراد ردّ وقدح کررہے ہیں جن کو نہ علومِ شریعت کی خبر ہے نہ اسرارِ طریقت کی، بلکہ بعض افراد

تو ایسے ہیں جن کو صحیح طور پر مذہب اسلام ہی کی خبر نہیں ہے وہ تو آج کل کے دعاوی "وحدتِ ادیان" "فلسفۂ لینن" "نظریاتِ ماؤ" وغیرہ کے دلدادہ ہیں کسی کا کعبہ "ماسکو" کسی کا رُخ بہ سوئے "پیکنگ" ایسے افراد حضرت مجدد پر جو بھی الزام عائد کر دیں، کم ہے۔ کیا ان کی زبان سے مذہب اسلام بلکہ بانیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) محفوظ رہے ہیں۔ اِلَی اللّٰہِ الْمَفْزَعُ وَاِلَیْہِ الْمُشْتَکیٰ۔

حضرت مجدد جان و دل سے احکام شرعیہ کے مُطیع و مُنقاد تھے۔ ان کو ذمیوں کے حقوق کا پورا پورا علم تھا۔ وہ کسی حال میں ان کے حقوق میں سے بال برابر حق کو ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ یہ صریح الزام ہے کہ آپ کو مطلقاً ہندوؤں سے نفرت تھی۔ آپ صرف اُن ہندوؤں کے مخالف تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے حضرت مجدد صاف الفاظ میں شیخ فرید بخاری کو لکھ رہے ہیں۔

"کارِ این نابکاران استہزاء و سخریہ است بہ اسلام و اہلِ آن و منتظر اند اگر قابو بیابند مارا از اہلِ اسلام بر آرند یا ہمہ را بہ قتل برسانند یا بہ کفر باز گردانند"

(ترجمہ) ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہلِ اسلام کا استہزا اور ہنسی مذاق ہے یہ اس گھات میں ہیں کہ ان کا بس چلے تو ہم کو اہلِ اسلام سے نکال دیں یا ہم سب کو قتل کر دیں یا پھر کفر کی طرف لوٹائیں"

حضرت مجدد کی ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے اکرام صاحب اور انوار الحق صاحب حضرت مجدد کو عام طور پر ہندوؤں کا مخالف کہتے ہیں "حیرت اندر حیرت است"

بے شک حضرت مجدد نے جا بجا ہندوؤں کو نجس لکھا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجِسٌ" لیکن آپ نے کبھی وقت بھی ظاہری نجاست مراد نہیں لی ہے۔ اس سلسلہ میں خود حضرت مجدد نے ملّا مقصود علی تبریزی کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے (دفتر دوم کا ۲۲واں مکتوب ہے) جس میں وضاحت سے یہ بات بیان کر دی ہے اور لکھا ہے کہ ابن عباس سے جو قول مروی ہے کہ مشرک کتے کی طرح نجس العین ہے۔ وہ از قسم شواذ ہے۔ اس قسم کے اقوال اکابر کے بہت ہیں اور یہ سب شایانِ تاویل و توجیہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے برتن سے طہارت کی ہے۔

شیخ محمد اکرام صاحب نے اگرچہ حضرت مجدد کے اس مکتوب اور بیان کا ذکر کیا ہے اور چوں کہ ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو چکا تھا کہ حضرت مجدد ہندوؤں سے بالعموم متنفر تھے اور ان کو نجس کہتے تھے اس لئے وہ لکھتے ہیں۔ "اخیر عمر میں حضرت مجدد کے طرزِ عمل میں زیادہ ملائمت آگئی" اور چونکہ یہ مکتوب دفتر سوم کا ہے جس میں اخیر کے پانچ سال کے خطوط ہیں، اس سے ان کے خیال کو مزید تقویت مل گئی۔ اگر اس اوّل اور آخر کے نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے

کہ حضرت مجدد اوائلِ احوال میں مذہب سے اور سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ سے واقف نہ تھے، حالانکہ یہ صورت نہ تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ آپ سے کسی نے پہلے یہ سوال کیا ہی نہ تھا، جب مُلّا مقصود علی تبریزی نے آپ سے استفسار کیا، آپ نے حقیقت بیان کردی۔ آپ کے اِس بیان سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی مشرکین کو آپ نے نجس قرار دیا ہے، آپ نے نجاستِ معنوی مراد لی ہے۔

انوارالحق صاحب نے صفحہ ۲۹ پر فتح کانگڑہ کے سلسلہ میں حضرت مجدد کے جس مکتوب کا خلاصہ لکھا ہے، وہ دفترِ اول کا مکتوب ۲۶۹ ہے، یہ مکتوب تیرہ سطروں کا ہے، افسوس صد افسوس کہ انوارالحق صاحب نے اس مکتوب کا خلاصہ صحیح طریقہ پر نہیں بیان کیا ہے، حضرت مجدد نے ان الفاظ سے ابتدا کی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، ہر کسے را در دل تمنائے امریست از امور و تمنائے ایں فقیر شدت نمودن است بہ دشمنانِ خدا جَلَّ وَعَلَا و دشمنانِ پیغمبر او عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الخ

(ترجمہ) سب تعریف اللہ کو اور سلام اس کے اُن بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔ ہر شخص کے دل میں کسی امر کی تمنا ہوتی ہے اور اس فقیر کے دل میں اللہ کے دشمنوں اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کیساتھ تشدد کرنے کی تمنا ہے۔

آپ نے شیخ فرید کو مکتوب ۱۶۳ میں دشمنانِ خدا اور رسولِ خدا کے متعلق یہ لکھا ہے: "کارِ ایں نابکاران استہزا و سخریت است بہ اسلام و اہلِ آں و منتظر اند اگر قابو بیابند مارا از اہلِ اسلام برآرند یا ہمہ را بہ قتل برسانند یا بہ کفر باز گردانند" الخ۔ ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہلِ اسلام کا استہزا اور تمسخر ہے، وہ اس گھات میں ہیں کہ ان کا بس چلے اور وہ ہم کو اہلِ اسلام سے نکال دیں یا سب کو قتل کردیں یا پھر کفر کی طرف لوٹائیں۔"

انوارالحق صاحب نے مکتوب کے اس ابتدائی حصہ کو جو اساسِ کلام ہے حذف کردیا ہے لہٰذا کلامِ خاص نے عام کی شکل پیدا کرلی اور مقید قول مطلق ہوکر رہ گیا، لہٰذا انھوں نے "شیخ احمد کی سخت ہندو دشمنی" کا نظریہ قائم کرلیا، چونکہ انھوں نے رُودِ کوثر، مسلم ریوولیسٹ موومینٹس، دی انڈین مسلمز وغیرہ پر اعتماد کیا ہے لہٰذا وہی کچھ کہا ہے جو ان کے پیشروان کہہ چکے ہیں۔ اَلْحَقِیْقُ عَلَی الْاِطْلَاقِ علامہ کمال بن الہمام نے فتح القدیر میں کیا خوب لکھا ہے۔ کَثِیْرًا مَا یُقَلِّدُ السَّاهُوْنَ السَّاهِیْنَ "بسا اوقات سہو کرنے والے سہو کرنے والوں کا اتباع کرتے ہیں" میں دیکھ رہا ہوں کہ اکرام صاحب نے ایک نظریہ قائم کیا، رضوی صاحب کیلئے وہ نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی مجیب صاحب نے فوراً اسکو اپنا یا اور انوار صاحب اسکے قائل ہوگئے۔ انوارالحق صاحب نے صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے "شیخ احمد کا رویہ پچھلے صوفیا کے انداز سے بالکل مختلف تھا" الخ

جو شخص پروفیسر مجیب اور پروفیسر حبیب کے طریقہ کا گرویدہ ہوگا، وہ یہی بات کہے گا۔ حضرت مجدد کو خلقِ خدا "مجدد الفِ ثانی" کے خطاب سے یاد کرتی ہے، انوارالحق صاحب نے پروفیسران کا اتباع کرتے ہوئے حضرت کو اسم محض سے یاد کیا ہے، انکو یہ ہی نہیں ہے کہ مجدد کون ہوا کرتا ہے اور اس کا کام کیا ہے لہٰذا اُن کیلئے حضرت مجدد کے رویہ میں اور دوسرے بزرگانِ دین قدس اللہ اسرارہم کے احوال و طریقوں میں جو فرق نظر آیا، حیرت و استعجاب کا سبب بنا۔ اگر وہ حقیقت سے باخبر ہوتے کہ مجدد وہ عالی قدر ہستی ہے جس کے سپرد شریعت ———

کی تجدید اور بدعات سے تطہیر کا کام ہوتا ہے تو شاید یہ عبارت نہ لکھتے۔ ایک رسالہ میں علامہ سیوطی نے ہر صدی کے مجدد کا ذکر کر کے رب العزت سے دعا کی ہے کہ نویں صدی ہجری کا ان کو مجدد بنا دے یہ عالی منصب اجلۂ علماء کو ملتا ہے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی کو یہ منصب اسی واسطے ملا ہے کہ آپ نے غلو کرنے والوں کی تحریفات کا، باطلوں کے غلط دعاوی کا اور جاہلوں کی غلط تاویلات کا خوب ہی رد کیا ہے، جیسا کہ میں پہلے حصے میں "مجدد کس کو کہتے ہیں" کے بیان میں لکھ آیا ہوں۔ چوں کہ آپ کے زمانے میں ملحدوں، باطنیوں اور نوربخشیوں وغیرہ کے لئے طریقت اور خاص کر مسئلۂ توحید وجودی، مَامَن و مُتَکا بن گیا تھا اس لئے ضرورت ایسے فردِ اکمل کی تھی کہ وہ اسرارِ طریقت سے پوری طرح واقف ہو اور خود بھی صاحبِ کشف و وجدان ہو۔ حضرت مجدد ہی کی ذاتِ والاصفات ان دونوں اوصاف کی جامع تھی اس لئے یہ گراں بہا خدمت آپ کے سپرد ہوئی اور اللہ نے آپ سے یہ کام کرایا۔

حقیقتِ حال یہ ہے تو پھر دوسرے مشائخِ کبار کے طریقے سے آپ کے طریقہ کا موازنہ کب درست ہے۔ اس حقیقت کی طرف خود حضرت مجدد اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کو ایک مکتوب میں (دفترِ دوم کا چھٹا مکتوب) لکھ رہے ہیں۔

"برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند و مقصود از خلقتِ من تکمیلِ ارشادِ خلق نیست معاملۂ دیگر است و کارخانۂ دیگر۔"

(ترجمہ) مجھ کو پیری مریدی کے واسطے نہیں لایا گیا ہے اور نہ میری پیدائش سے مقصود تکمیلِ ارشاد ہے بلکہ دوسرا معاملہ ہے اور نیا کارخانہ۔"

حضرت مجدد نے دفترِ اوّل کے مکتوب ایک سو[۱۵۲] باون میں شیخ فرید بخاری کو شیخ ابوسعید ابوالخیر اور سیدِ اجل کا واقعہ لکھا ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مرتبۂ کمال میں جو کہ مرتبۂ ولایت ہے حق تعالیٰ جل شانہٗ کی محبت غالب ہے۔ اور مقام تکمیل میں جہاں کہ مقام نبوت سے حصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے۔"

مقامِ نبوت سے مراد اتباعِ "بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ" ہے، جو حکم خدا نے کیا ہے اس کو خلق تک پہنچانا۔

جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا خلاصہ اس طرح پر ہے کہ ابوسعید ابوالخیر کے پاس ایک مجذوب آئے۔ وہاں سیدِ اجل بھی موجود تھے۔ ابوسعید ابوالخیر نے مجذوب کو ترجیح دی، یہ بات سیدِ اجل کو ناپسند ہوئی۔ ابوسعید ابوالخیر نے سیدِ اجل سے کہا۔ اس مجذوب کی تعظیم اللہ کی محبت کے سبب ہے اور تمہاری تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے باعث۔

مقامِ تکمیل نہایت بلند مقام ہے، سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اس مقام کا تعلق حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے رکھا ہے۔ ارشاد کیا ہے۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ" (ترجمہ) اقتدا اور پیروی کرو اُن دو کی جو میرے بعد ہوں گے اور وہ ابوبکر و عمر ہیں۔" اصحابِ تکمیل میں سے حسن بصری، پیرِ ہرات عبداللہ انصاری، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی مشہور افراد گزرے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے حضرت مجدّد کو بھی اس جماعت میں شامل فرمایا ہے۔

انوار الحق صاحب نے صفحہ ۹۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے بتوں کو ہٹانے اور توڑنے کا حکم اس وقت صادر فرمایا جب کہ تمام مکّہ کے عوام نے اسلام قبول کر لیا۔ الخ۔

اگر انوار الحق صاحب یہ لکھتے "جب کہ مکّہ فتح کر لیا" تو صحیح ہوتا کیونکہ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف جو بُت نصب تھے وہ اس وقت اوندھے اور چت گرنے شروع ہو گئے جب سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ پہنچے اور آپ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے طواف کیا۔ آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی یعنی شاخِ خُرما۔ آپ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ) فرما کر چھڑی سے بُت کی طرف اشارہ کرتے تھے، اگر سامنے کی طرف سے اشارہ کرتے تھے وہ چت گرتا تھا اور اگر پُشت کی طرف سے اشارہ کرتے تھے وہ اوندھا گرتا تھا۔ طواف کے بعد آپ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور وہاں کی تصاویر کو مٹوایا اور پھر آپ نے اہلِ مکّہ سے خطاب کیا۔ اور ان سے فرمایا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمْ طُلَقَاءُ اللّٰهِ۔ (ترجمہ) "کچھ الزام نہیں تم پر آج، بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔ جاؤ تم سب اللہ کے آزاد کردہ ہو" اس کے بعد اہلِ مکّہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے، بعض افراد جیسے صفوان فرزند اُمیّہ اس وقت ایمان نہیں لائے اور بعد میں مشرّف بہ اسلام ہوئے ہیں۔

البتہ جب تک مکّہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے بُتوں کے ہوتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا اور وہاں نماز پڑھی۔ فتح مکّہ سے پہلے اسلام کی غربت اور مسلمین کی کمزوری نمایاں تھی اور فتح مکّہ کے دن سے "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کا ظہور ہوا (ترجمہ) اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے۔"

انوار الحق صاحب نے احیائے اسلام کی تین تحریکوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی حضرت مجدّد کی تحریک، دوم سید احمد شہید کی، سوم مولانا محمد الیاس کی۔

حضرت مجدّد کی تحریک میں جو بات اُن کو کھٹکی ہے اور جس کو بار بار، جا و بے جا ذکر کر رہے

ہیں "ہندوؤں کے خلاف سخت اِقدامات" ہے اور وہ ہندوؤں کے ساتھ شیعوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جو شخص صحیح واقعات کا مطالعہ نہ کرے، رسائل اور مکتوبات کو دقّتِ نظر سے نہ پڑھے، اور اس وقت کے احوال پر نظر نہ رکھے، وہ یقیناً رضوی صاحب کے مکائد اور مجیب صاحب کی غلط بیانیوں سے متأثر ہوگا اور اسی طرح کے غیر ذمّہ دارانہ اور نادرست الزامات عائد کرے گا۔ ذمّی و حربی میں تفریق نہیں کرے گا، مُتعاہد اور مُستامن کو ایک سمجھے گا۔

مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ انوارالحق صاحب اس نادرست بات کو بار بار دہرا رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ رضوی صاحب اور ان کی جماعت کی وَاوَیلا کا اثر ہو، جس کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے کیا خوب لکھا ہے، "وہ تو صُلحِ کُل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو۔"

انوارالحق صاحب کے سامنے سَرہند اور اس کے مضافات کا علاقہ موجود ہے۔ وہ دیکھیں کہ وہ علاقہ جو اسلامی علاقہ کہلاتا تھا کس طرح اسلام اور مسلمین سے خالی ہوا، حضرت مجدّد کے زمانے میں جس فتنہ نے سر اُبھارا تھا اور نگرکوٹ وغیرہ میں عرصۂ حیات اہل اسلام پر تنگ کر رکھا تھا، اس فتنہ نے آپ کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد کس طرح سرہند کو برباد کیا۔ حضرت کی کتنی اولاد شہید ہوئی اور جو زندہ رہا دوسرے مقامات کو چلا گیا، اگر حضرت مجدّد کا لکھنا از روئے تعصب تھا تو یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی، دارِ اسلام دارِ کفر کیسے بن گیا۔

اللہ کے نیک بندوں کی بَصیرت بہت تیز ہوتی ہے، وہ اللہ کے نور سے معاملہ کی تہ تک پہنچتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے ہیں بہ ظاہر ان کی زبان اور قلم کام کرتا ہے لیکن درحقیقت مَولیٰ جَلَّ شانُہٗ ان سے یہ سب کچھ کراتا ہے، حضرت مجدّد رُوحِی فِدَاہُ کو ان کے مخالف اور ناقدین کچھ بھی کہیں، لیکن یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ وہ قلبًا، رُوحًا، جَسَدًا، لِسانًا، عَمَلًا دینِ برحق کے عاشق وشیدا و فدائی و خادم تھے، ان کی اپنی ذات کے لئے صرف یہ خواہش تھی کہ حضرت مولیٰ ان سے راضی ہو جائے، البتہ اسلام اور اہلِ اسلام کے لئے مُدّۃ العمر یہ کوشش رہی کہ ان کو عزت حاصل ہو اور یہ عزت دونوں جہاں کی ہو۔

حضرت مجدّد نے کسی مُستامن (غیر مسلم) یا غیر تبرّائی (شیعی) سے نفرت نہیں کی ہے اور نہ کسی کو ان سے نفرت کرنے کو لکھا ہے، جس کے دل میں کچھ بھی حقیقت پسندی اور انصاف ہے اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ

وہ ہند میں سرمایۂ مِلّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

تعجب ہے اس بات کو ایک غیر مسلم یُوحنّا فریڈمان سمجھ گیا اور وہ لکھ رہا ہے "یہ ایک بے دلیل

دعوی ہے۔" اور انوار الحق صاحب اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اگر حضرت مجدد کو مطلقاً ہر ہندو سے نفرت ہوتی تو آپ اس کی ہدایت اپنے خلفا اور اپنی اولاد کو کرتے اور وہ سب آپ کی ہدایت پر عمل کرتے۔ نہ آپ نے اس کی ہدایت کی اور نہ ان حضرات کا اس پر عمل رہا۔ بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہزارہا ہندو آپ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ ابھی چار سال پہلے کانپور کی طرف کے ایک سادھو سَو سَوا سَو چیلوں کے ساتھ جمنا پار آ کر ٹھیرے اور میرے پاس ایک دو افراد کو بھیجا کہ ہم حضرت مرزا جَانِ جَانَانِ مظہر قدس سرہ کے مزار شریف پر حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ دن میں جس وقت چاہیں شوق سے آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ بعد ظہر آئے اور غروب افتاب سے کچھ پہلے تک حضرات نقشبندیہ کے معمول کے مطابق حضرت کے مزار پر انوار پر مراقب رہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان کے پانچویں مرشد حضرت مرزا جَانِ جَانَان کے خلیفہ تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے لطائف سے ذکر اسمِ ذات کرتے ہیں اور مراقبات کا شغل رکھتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس جماعت کو اور ان کے احوال کو دیکھ کر مجھ کو حضرت مجدد کا یہ قول یاد آیا کہ "قسمِ دُوم محبت بہ ایشاں متعلق باشد و بہ یک وجہ ایشاں را محبوب سازد" (دفتر سوم مکتوب صدم) اور "تواند بود کہ حقائق بعضے از کفار نحوے از معنی محبوبیت داشتہ باشند کہ باعثِ حصولِ جَذبِ شاں شدہ باشد" (دفتر سوم مکتوب ۱۲۱) کی کیفیات کا ظہور عیاناً ہوا۔ اگر حضرت مجدد کو تمام ہندوؤں سے نفرت ہوتی تو "ان کیواسطے نوعے از محبت و برخے از محبوبیت و قسمے از جذب کا بیان کیوں فرماتے۔ اور آپ کے متوسلین، ہندوؤں کو کیوں بیعت کرتے۔

انوار الحق صاحب کہتے ہیں کہ "جدا اور خارج از اشتراک مُسلم فرقہ کا تصور شیخ احمد سرہندی نے دیا تھا" بے شک حضرت مجدد نے پوری کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم ہونے سے بچائیں۔ آپ ہی کی مساعی کا ثمرہ ہے کہ آج اسلام اور مسلمان ہندوستان میں پہچانے جا سکتے ہیں ورنہ عوام میں ابو الفضل کا الحادِ باطنی اور پیروں میں "بَحرُ الحَیات" اور "مَجمَعُ البَحرَین" پر عمل ہوتا نظر آتا۔

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کے مضمون کا ذکر اسی ضمیمہ میں گزر چکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"حضرت مجدد کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملی تشخص کو اُبھارا، ہندوؤں کی تاریخ کے عمیق مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے .... بُدھ دھرم، جَین دھرم، اور پارسیوں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیا تھا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رکھا، ان کی .... کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو بھی اسطرح اپنے اندر جذب کر لیا جائے، حضرت مجدد نے شعائرِ اسلامی کے سلسلہ میں انتہائی مثبت اِقدام فرمایا۔ الخ۔

انوار الحق صاحب نے صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے۔ "شیخ احمد اپنے آپ کو مجدد تصور کرتے تھے۔" الخ

امام ربانی مجددِ الفِ ثانی کا خطاب بہ ظاہر علامۂ روزگار عبدالحکیم سیالکوٹی نے دیا لیکن درحقیقت یہ مولیٰ جلّ شانہٗ کا عطیہ تھا اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" کا ظہور تھا (ترجمہ) جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا رحمان محبت۔" مولیٰ جلّ شانہٗ کی محبت دینی یہ ہے کہ اس مردِ مومن و صالح کی محبت نیک بندوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے چنانچہ اللہ کے نیک اور صالح بندوں نے آپ کو حضرتِ مُجدِّد کہنا شروع کیا اور یہ خطاب بہ منزلۂ اسمِ مخصّصہ کے ہو کر رہ گیا۔ اکثر افراد تو آپ کا نام جانتے بھی نہیں اور حضرتِ مُجدِّد ہی کہتے ہیں۔

حضرتِ مجدد نے احیائے اسلام کی جو عظیم الشان بے مثال تحریک چلائی اور حکومت کا رنگ اللہ کے فضل و کرم سے بدل دیا سزاوارِ صد مدحت اور مستوجبِ ہزار ستائش ہے۔

سلام از ما رسد ہر دم بہ جانش الٰہی از تو رحمت بر روانش

میرے نزدیک حضرت مجدد کے احیائے دین ہی کا اثر ہے کہ شیعانِ علی ہندوؤں میں ضم ہونے سے رہ گئے ورنہ شروعات ہو گئی تھی۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

حضرت مجدد کی تحریکِ احیائے اسلام حضرات فقہائے کرام و ائمۂ عظام کے مسلک پر تھی، آپ نے تمام بدعات سے اور متاخرین کے استحسانات سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے مبارک طریقہ کی پیروی کرنے پر زور دیا ہے۔ حضرات مشائخ میں سے جس کا قول بہ ظاہر شریعتِ مطہرہ کے خلاف پایا اس کی تاویلِ حسن کی ہے۔

حضرت مجدد کے گرویدہ اَجلّۂ علما ہوئے اور ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ نے آپ کی تعریف میں نہایت ہی خوب اور بلند پایہ بات کہی ہے۔ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ وَلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا فَاجِرٌ شَقِیٌّ (مومنِ پارسا ہی آپ سے محبت اور فاجرِ بدبخت ہی آپ سے بُغض کرے گا) حضرت شاہ صاحب نے جو بات فرمائی روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کیوں کہ جب کوئی نیک و پارسا مومن آپ کے مکتوبات اور رسائل کو پڑھتا ہے اس کو ہر لفظ میں سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چاشنی ملتی ہے وہ جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہے اتنا ہی وارفتہ ہوتا جاتا ہے۔ اور آزاد خیال مَارِقِیْنَ عَنِ الدِّیْنِ کَمُرُوْقِ السَّہْمِ مِنَ الرَّمِیَّۃِ آپ کی مبارک تحریرات کا مطالعہ کر ہی نہیں سکتے اور اگر کسی سبب سے کریں بھی تو آپ کی تحریر کا ہر لفظ ان کی خواہشات کے لیے بہ منزلۂ شمشیرِ بُرّاں یا تیرِ پرّاں ان کو نظر آتا ہے، لہٰذا وہ اپنے ظنونِ فاسدہ اور اوہامِ کاسدہ کو بروئے کار لاتے ہیں، اور آپ کی مذمت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، اور اس صورتِ حال کی تخصیص حضرت مجدد ہی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ بھی ہوتا چلا آیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

شیخ احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی

خلیق احمد نظامی

(سابق استاذ شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

☆☆

حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اس عہد کے سب سے زیادہ مشہور و معروف بزرگ تھے۔ شیخ محدث علیہ الرحمۃ اور شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ میں بڑی محبت اور مودت ہے۔ دونوں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے اور دونوں کی زندگی کا مقصد احیاءِ ملت اور ترویج سنت و شریعت تھا۔

عارضی طور پر شیخ محدث علیہ الرحمۃ کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نظریات سے کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا اختلاف کی نوعیت کا اندازہ اس رسالہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ بعد کو جب حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنے خیالات کی وضاحت کی اور ان کے متعلق سب شبہات دور ہو گئے تو شیخ محدث علیہ الرحمۃ کی رائے بھی بدل گئی۔ ان کا اختلاف نیک نیتی اور تحفظ شرع و سنت پر مبنی تھا۔ چنانچہ شکوک و شبہات رفع ہو جانے کے بعد انھوں نے انتہائی وسعت قلب کے ساتھ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے کارناموں کا اعتراف کیا۔

اکثر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے اس اختلاف کی صحیح نوعیت کو نہیں سمجھا اور انھوں نے جانبداری سے کام لے کر تائید یا تردید میں بہت کچھ لکھ دیا ہے بعض بزرگوں بنے تو اس سلسلہ میں صدق و دیانت ہی کو فراموش کر دیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں اس اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وجہ ایں نقار آنست کہ حضرت شیخ را در تقلید مذہب تعصب بسیار بودو

> مجدد را در اتباع سنت و رد بدعات طریقت و شریعت صلابت تمام
> بایں رہ گزر اتفاق میان ہر دو صورت نمی بست"[۱]

رسالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد نواب صاحب کے اس بیان کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس اختلاف کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی شان میں توہین سمجھ کر طرح طرح کی تاویلات کی ہیں، یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں۔ یہ اختلاف عارضی تھا اور بہت جلد دور ہو گیا[۲]۔ جب جہانگیر نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو گوالیار کے قلعہ میں بھیجا تو شیخ محدث علیہ الرحمۃ نے ہمدردی کا ایک خط لکھا جس کا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے یہ جواب دیا:

> "الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی مخدوما مکرما! در درد و مصائب ہر چند تحمل اذی است امید کرمتہا است بہترین امتعہ ایں نشاء حزن و اندوہ است وگوارا ترین نعم ایں مائدہ الم و مصیبت ایں شکر پارہا بداروئے تلخ غلاف رقیق فرمودہ اند و بایں حیلہ راہ ابتلا و انمودہ سعادتمنداں نظر بر حلاوت آنہا انداختہ وآن تلخی را در رنگ شکرمی خانید و مرارت را بر عکس صفرا شیریں می یابند۔ چرا شیریں نیابند کہ افعال محبوب ہمہ شیریں اند علتے مکرا نزا تلخ یابد کہ بما سوائے گرفتار است، دولتمندان در ایلام محبوب آں قدر حلاوت و لذت می یابند کہ در انعام او متصور نباشد ہر چند ہر دو از محبوب اند لیکن در ایلام نفس محبّ رامد خلے نیست و در انعام قیام بمراد نفس است
>
> **ھنیئا لا رباب النعیم نعیمھا**
> **اللّٰھم لاتحرمنا اجرھم ولا تفتنا**
>
> بعدھم وجود شریف ایشاں دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم است سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم والسلام"[۳]

شیخ مجدد علیہ الرحمۃ، شیخ محدث علیہ الرحمۃ کے احباب اور متعارف لوگوں سے بھی خصوصیت برتتے تھے اور ان کا کوئی کام کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ مرزا داراب بن عبدالرحیم خان خاناں کو ایک خط

میں لکھتے ہیں:

> ''ثانیاً سفارش شیخ اسماعیل می نماید از آشنایاں معارف آگاہی حاجی عبدالحق است''[۴]

شیخ نورالحق علیہ الرحمۃ کے نام ایک طویل مکتوب پڑھنے کے قابل ہے۔ اس میں اخوی عزی کہہ کر شیخ نورالحق کو مخاطب کیا ہے۔[۵]

شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کے ان سب مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں اور شیخ محدث میں بے حد خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے یہی نہیں بلکہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ان کے وجود کو اس دور میں ایک نعمت سمجھتے تھے، اور ان کی روحانی صلاحیتوں کے معترف تھے۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱.....اتحاف: ص ۳۰۵

۲ اخبار الاخیار کے اخیر میں کچھ لوگوں نے شیخ مجدد کا ذکر بڑھا دیا ہے۔ (مطبع مجتبائی ۱۳۰۹ء) جو بالکل بے محل ہے۔ اس میں شیخ عبدالحق کا ایک خط خواجہ حسام الدین کے نام نقل کیا گیا ہے جس میں شیخ محدث نے میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اور نیز اپنے اختلاف کے دور ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔

۳ مکتوبات جلد ثانی، مکتوب ۲۹، ص ۴۶، مجموعہ مکتوبات میں ایک اور خط (م ۱۱۵، جلد اول، ص ۱۳۵۔۱۳۶) بھی شیخ محدث کے نام ہے۔

۴ مکتوبات جلد اول، ص ۲۶۸، م ۲۴۹

۵..... خط کا عنوان ہے، ''در کشف سر گرفتاری حضرت یعقوب بحضرت یوسف'' (م ۱۰۰، جلد سوم، ص ۱۷۶)

☆ ☆ ☆

مکتوب شیخ عبدالحق

بنام

حضرت مجدد الف ثانی

شیخ محدث ؒ کا یہ طویل مکتوب مولانا غلام معین الدین عبداللہ نے اپنی تالیف معارج الولایت میں نقل کیا ہے۔ معارج الولایت کا ایک نسخہ خاکسار کے پاس ہے جس کا سنہ کتابت ۱۲۸۸ھ ہے۔ معارج الولایت ۱۰۹۴ھ کی تصنیف ہے اور بعض اعتبار سے بیحد اہم ہے۔ مؤلف نے بعض اہم مکتوبات اور فتاویٰ اس میں تمام و کمال نقل کر دیے ہیں جو اب کسی دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوتے۔ مثلاً مجدد صاحب کے بعض خیالات پر علمائے ہند نے جو فتویٰ دیا تھا وہ اس کتاب میں مکمل درج ہے۔

یہ مکتوب شیخ مجدد ؒ اور شیخ محدث ؒ کے تعلقات کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتا ہے۔ شیخ محدث ؒ نے مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے ان پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جس شخص نے مجدد صاحب پر یہ اعتراض کیے ہیں اس کو ان سے جو محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت و اتحاد ست کم کسے را خواہد بود"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد سید الاولین والآخرین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، ہداۃ طریق الحق ومحیی علوم الدین، اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا و

ارزقنا اجتنابه ابدیا الشیخ العالم الفاضل العارف الذی اجتبا والیه خصه بفضله واعطاه من المعارف ما لم یعط غیره من العارفین کما هو تحرفوا فی نفسه والله اعلم بالمتقین فان خصه الله بالاجتباء فنحن نرجوان یهدینا الیه کما یهدی المتین، قال انه تبارک وتعالی یجتبی الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب والعاقبة بالخیر ؎

در دل دارم بسے از خوئے آں زیبا نگار
فرصتے یارب که دل را پیش وے خالی کنم

سالها است که بعضے از کلمات و مکالمات که در مکتوب شریف مذکور است، و از قبیل موہمات و مبہمات است می خواهد که استفسار کند، و استکشاف نماید میسر نشد خواه ملاحظه خاطر اشرف که در غایة نزاکت است، و خواه بجهت گفت و گوی مریدان ایشان که در نقل اقوال و ذکر حکایات بیصرفه و بے احتیاط۔

تفصیل این حکایات آنکه ایشان بعد از آنکه در خدمت خواجه محمد باقی[1] افتادند و از صحبت شریف ایشان استفاده این نسبت کردند، و روبترقی نهادند در حیات و بعد از وفات ایشان از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند، زیاده از حد حصر و قیاس، چنانکه و چندانکه مردم حیران شدند و چه جائے حیرت است والله یختص برحمته من یشاء، و چوں در ضمن تعییں و تخطیه بزرگانے که اتفاق بربزرگی ایشان مثل سید الطائفه جنید بغدادی[2] رح و سلطان العارفین بایزید بسطامی[3] رح و امثال ایشان بودند و گفته اند این بیچاره‌ها حقیقت کار در نیافته و باصل نرسیده، و گرفتار ظل [illegible] و امثال آن و ادعائے آنکه آنچه ایشان را داده اند هیچ کس را نداده اند، موجب

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو، زبدة المقامات (مطبوعہ نول کشور) نیز کلمات طیبات (ملفوظات خواجہ باقی باللہ رح)

[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو نفحات الانس (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۴ھ) ص ۵۲-۵۴

[3] ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۸-۳۹۔

وحشت مردم شد، بیش ترغوغا، مردم بر سر آں بود کہ از ایشاں بخواجہ کہ پیر و مربی ایشاں بودند تقصیرہا در رعایت ادب مریدے وحق نعمت شناسی سر برزد، اگرچہ بایں اصطلاح من قوم ممکن است کہ مریدے در کمال از پیر در گذرد، ولیکن در رعایت [illegible] نیازمندی و فروتنی وحق شناسی باقیست، شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کہ در کشف تحقیقات معاملات و دقائق آیتے بود، و معلوم می شود کہ دریں باب از پیراں خود گذرانیدہ است، می گوید کہ اگر سر من بآسماں ساید، ہنوز خاک آستانہ شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی و شیخ علی بالا باشد۔ بیت

بلند مرتبہ زیں خاک آستاں شدہ ام
غبار کوئے توام گر برآسماں شدہ ام

دیگے ازاں کہ بسے خطرناک از رعایت مقام ادب دوراست آں است کہ در باب حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گفتہ اند کہ کثرت ظہور کرامات از ایشاں ازاں جہت [illegible] بود کہ نزول ایشاں [illegible] آنکہ [illegible] کہ حکمت پیدا کردن من آنست کہ تا کمال ابراہیمی و محمدی یکجا جمع شود، اشد و اعظم است از ہمہ و آں شخص کہ در ترکیب وجود من لقیہ از طینت آنحضرت جوہر یست یا خمیرہ ایست کہ وجود حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازاں ترکیب یافتہ است، چنانچہ نخل از بقیہ طینت آدم است و جائے دیگر گفتہ اند کہ متابعۃ پنج مرتبہ است، و ہمہ مراتب ازاں [illegible] است و گفتہ اند کہ ہمہ کمالات محمدی بے تفاوت در ذات من حاصل [illegible] بہ تبع [illegible] است، مردے ثقہ از ایشاں شنیدہ، آں شخص گفت کہ از اینجا مزیت شما لازم می آید، جواب دادند کہ آنجا بالاصالۃ است، و ایں جا بالطفیل، دیگے از یاراں ایشاں گفت کہ مقام خود را فوق مقام انبیاء دانم، و ایں توجیہ کہ موجب اثبات و تصحیح آں [illegible] شدہ اند، و در جائے تجلی محمدی و احمدی گفتہ اند و دورہ الف با مجدد الف گفتہ اند، و امثال ایں

کلمات در مکتوبات ایشان مذکور است واین همه را می گذرانیدم تا نوبت این مکتوب رسید، که باعث نفرت و وحشت گردید، گفته اند هم مرید الله ام وهم مراد الله وسلسلهٔ ارادت من بے واسطه بالله تعالی المتعلق است، ویدِ من نائب ید الله است، سبحانه، اگرچه ارادهٔ من به محمد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بواسطه کثرت است، در طریقهٔ نقشبندیه به بست ویک واسطه درمیان است، ودر طریقهٔ قادریه به بست وپنج، ودر طریقهٔ چشتیه به بست وهفت، وارادهٔ تاکید وسائط نمی کند، پس من هم مرید رسول الله ام وهم همو پیس روا وبرخوان این دولت هرچند طفیلی ام، ناخوانده نیامده ام، وهرچند تابع ام، اما از اصالت بے بهره نیم، هرچند امتم اما شریک دولتم، نه شرکتے که از وے دعوے همسری خیزد، که آن کفر است، بلکه شرکت خادم است با مخدوم تا نطلبیده اند بر سفرهٔ اهل دولت حاضر نیامده ام، وتا نخواسته دست باین دولت دراز نکرده ام، هرچند ادیبم اما مربی حاضر و ناظر دارم، وهرچند در طریقهٔ نقشبندیه پیر من عبد الباقی است اما متکفل تربیت من الله [illegible] است [illegible] سلسلهٔ من سلسلهٔ رحمانیست که من عبد الرحمن ام، چه رب [illegible] است و مربی من ارحم الراحمین است و طریقهٔ من سبحانی است، که از تنزیه گذشته ام، و از اسم و صفت جز ذات اقدس نخواسته ام، این سبحانی نه آن سبحانیست که بسطامی بآن قائل گشته که آنرا ازیں مساس نیست وآن از دائرهٔ نفس برآمده واین از ماورای نفس وآفاقست، وآن تشبیهی است که لباس تنزیهی است که گردی از دامن تشبیه بوے نرسیده، وآن از سرچشمهٔ سکر جوش زده واین از صحو برآمده ارحم الراحمین در حق من اسباب تربیت را غیر از صفات نداشته است، وعلت فاعلی در تربیت من غیر از فضل خود را نساخته، از کمال کرم واهتمام و غیرتے که وے سبحانه وتعالی وتقدس در حق من دارد، تجویز نفرماید که فضل دیگرے را در حق من دخلے باشد، یا من بدیگرے درین باب متوجه گردم، مربای الٰهی ام جل شانه و

مجتبی فضل وکرم لاتناہی وتعالی وتقدس انتہی سبحان اللہ ولہ العظمۃ والکبریاء، ایں چہ سخناں وایں چہ کلمات است وایں چہ سلطنت وسطوات وایں خطبہ خوانی وثناگستری نفس است، اللہ اکبر درویشی شکستگی وخاکساری وادب وتواضع وکم زدنی نفس است حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ در آخر رسالہ قدسیہ بایں رباعی وصیت کردہ اند۔ رباعی:

اندر رہ حق جملہ ادب باید بود — تاجان باقی است در طلب باید بود
در [illegible] گر ہزار دریا بکشی — کم باید بود خشک لب باید بود

وقال بعض عرفا حقیقۃ الطریقۃ ان یکون منفصلاً وان یکون طالباً للبلایا ومتی ظننت انک وصلت وما ظننت انک ظفرت وما تشرفت وما ظننت انک یحصل لک حال لاحال لک حال۔ سالکان ایں راہ ومقبولان درگاہ ہمہ ناظر دریں است، نعم از بعض اقطاب فخر ومباہات بر اہل زمان خود بوقوع آمدہ است وازمقام [illegible] ذیر دنسایم شاید کہ در [illegible] جلے ازیں قبیل خواہد بود، واللہ اعلم بالصواب، اما نسبت باقران و شرکا گفتہ اند نسبت بحضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات و بعضے از کبرائے مشائخ گفتہ اند اما مارانی الا رسول اللہ وحضرت غوث الثقلین لیس علی منۃ الا للہ ورسولہ ایں درست است، اما آنکہ گوید، در قرب ووصول در مقامے رسیدہ ایم کہ ہیچ کس را واسطہ نیست، وہیچ یکے را دست بیعت نہ رسول و نہ غیر وے را واگر واسطہ بودند وقت سلوک بودند، وحالانکہ سلوک تمام شد، وقرب درگاہ حاصل گشت، ووصول بحصول پیوست ہیچکس واسطہ نیست، ہمہ منقطع شدہ اکنون [illegible] ایم بفعل دیگرے ادحق من دخلے نیست و دیگرے

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ نفحات (مطبع نول کشور سنہ ۱۹۱۲ء)

درین سخن موجب نقصان دیگر لازم است، رسول خدا خادم شد، سبحان الله هیچ کس با رسولِ خدا این چنین در می افتد و گستاخی می کند و می گوید که من همسر محمد رسول الله ام، در وقتی مرید وے بودم، الآن مرید خدایم بیواسطه وے در قربے که من با خدا دارم وے صلی الله علیه وآله وسلم را واسطه نیست، و از خلوتے که من با خدا دارم وے بیرون ست باید دریافت که مضمون این سخنان چیست، وازین جا چه لازم می آید هیچ شیخے و عارفے بایں طرز سخن گفته و دعوی کرده است، همانا که باولیائے خدا در افتاده [illegible] نبود تا تو پیغمبر خدا رسید، بعد ازاں نمی دانم تا بکجا خواهد کشید، و گفته اگرچه امتم اما شریک دولتم و در منقبت و کمالات بفضیلت، و اگر در تعمق نظر نمایند این معنی مفهوم میگردد که در وقتی امت تابع بودم که در سلوک طریق قرب متابعت و پس روے میکردم، چوں مقرب درگاه حق شدم، مرید وے تعالی گشتم و شریک او شدم، سبحان الله زنده خدا امت با پیغمبر شریک می باشد، خصوصاً با محمد صلی الله علیه وآله وسلم که بهتر و بهترین پیغمبران ست، و عجب که وجود شرکت گفته بشرکتے که ازاں دعوی همسری خیزد که آں کفر است، دیگر شرکت کدام هست که ازاں همسری نخیزد معنی شرکت و همسری یکے ست، نزدیک مترادف یا مثلاً از زمان متساویاں اند و آنکه گفته اند بلکه شرکت خادم با مخدوم است یعنی اگرچه این خادم چیزے از خانهٔ خود نیاورده، و هرچه دارد از مخدوم دارد، و لیکن هرچه مخدوم داشت بوے داد، شریک خود همچو خود گردانید، این هرگز بچه وجه نمی آید مخدوم مرا [illegible] که [illegible] رسے باشد و مخدوم قدرت بسیار دارد، بهر ایام بخشش وے میدهد، چنانکه ذکر آتش در کلام ایشان [illegible] در بیان این معنی واقع شده است، و از آتش دادن لازم نمی آید که هرچه در خانه داشت داد، بلکه آنچه در خور او ست می دهد و خود درین مطالب علیه چه گنجائش این تمثیلات و تقریرات مقرر است، دعوے مساوات با نبی خصوصاً با سید انبیا صلوات الله

وسلامہ علیہم باطل است، وتفرقہ وتفصیل باعتبار خادمی ومخدومی واصالۃ وفرعیۃ نیز باطل است، وعاطل، وکلام دریں مسئلہ نیاید واز زبان بعضے مہدویہ کہ باتفاق فرقہ خلافت اللہ شنیدہ است کہ در اعتقاد سید محمد جونپوری کہ مبدا ومنشا ومحل ومقر ضلالت ایشاں است، میگفتند کہ ہر کمالے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داشت در سید محمد نیز بود، فرق است کہ آنجا باصالۃ بود وایں جا بتبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو او شدہ، وایں بعینہ مقول ایشان است، وچنیں شنیدہ میشود کہ شیعہ نیز در شان ائمہ عشرہ رضی اللہ عنہم می گویند کہ ایشاں تلامیذ اند، پیغمبر علیہ السلام بمرتبہ استاد رسیدہ، وبہر تقدیر خادم حق نعمت شناخت ونزد مخدوم جز بہ بندگی و نیاز دم نزد، ودعوی مساوات نہ کرد ع

[illegible] اے ایاز آں پوستیں را دار پاس

ومثال ایں خادم [illegible] مخدوم کہ دم برابری میزند وگستاخی میکند حال آں غلام آن است کہ ہمراہ خواجہ کہ مقرب درگاہ سلطاں بود، در مجلس سلطان رفت، پس خواجہ جلیس قریب [illegible] وغلام نیز آں جا ایستاد، وچوں خود را در مجلس بادشاہ وخواجہ یکجا دید با [illegible] از بیخردی وبیتابی کہ رسم غلاماں است خود را گم کرد وباخواجہ شریک وبرابر گرفت، وگفت من ہم بندہ بادشاہ ومقرب اویم، وندانست کہ ہمچنانکہ نخست نزدیک سلوک طریق قرب ووصول بوساطت وطفیل خواجہ بمجلس بادشاہ رسید، ووے واسطہ بود، الآں قرب ووصول کہ حاصل شدہ است، نیز واسطہ است، ولیکن از غایت غرور وبیخردی وکم فکری وجود وساطۃ از نظر وے ساقط شدہ ودر حیطہ کفران نعمت افتادہ، شیخ جو سلامۃ دریں سخن تامل کنید کہ از قول ایشاں کہ انکار حکمت در پیدا کردن من آنست کہ کمال ابراہیمی ومحمدی جمع شود، چہ مفہوم میشود وچہ

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو سیرت امام محمدی مولفہ شاہ میاں عبدالرحمن (مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد)

لازم می آید، ایں جا ہمیں جواب بخادمی و مخدومی دادہ اند، ایں سخن ہیچ فائدہ ندارد جز فرق بہ تبعیت و اصالۃ، امّا دعویٰ ہمسری و برابری از خادم و تابع نامقبول و نامناسب تراست، عجب آنکہ فرمودہ اند کہ برخوان ایں دولت ہرچند طفیلی ام اما ناخواندہ نیامدہ ام، ہرچند تابعم از اصالۃ بے بہرہ نیم، ایں چہ معنی دارد، طفیلی خود ہماں کس را گویند کہ ناخواندہ بیاید و تبعیت ضد اصالۃ است، اجتماع ضدین محال، واگر گویند بوجہے تابعم و بوجہے اصل ایں معنی و محصلی ندارد مگر آنکہ نخست در وقت سلوک پیرو مرید بودم، اکنوں بعد از وصول بمرتبہ اصالۃ رسیدہ ام و پیرو مرید خودم، و ہمہ وسائل و وسائط کو بودند ساقط شدند، و از میان بدر رفتند، چنانکہ اسباب تربیت خود بمعدات تشبیہ دادہ، پس از یں محمد رسول اللہ را بامریدگی از خاصان درگاہ وے بودم، اکنوں خدایم بیواسطہ و ارادہ من باللہ تعالیٰ قبول وسائط نمی کند، و ارادہ من باللہ تعالیٰ است، پس من ہم مرید محمد رسول اللہ ام باعتبار سابق ہمسرہ او یم، بحکم حال تعالیٰ اللہ از تصور ایں معنی و تکلم بایں کلام موئے بر بدن اعتقاد و اخلاص مسلمانی می خیزد، و بخدا سوگند بس عظیم است ایں کلام و بغایت شنیع است، ایں مرام راہ راست کہ اعتقاد کنند، و بگویند کہ ہمہ مریداں حضرت رسول اللہ اند و رسول اللہ مرید خدا است، و از حق فیض میگیرد و بخلق میرساند معنی نبوت و رسالت این است، و ہیچ کس را بیواسطہ وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راہ نیست، بسبب خدا در درگاہ وے جاے نیابد، بوقت سلوک با چندانکہ دل دیگر سلسلہ در ارادۃ اللہ بے توسط غیر نیست، عجب واقع شدہ است' اطلاق سلسلہ در جائے مناسب است، کہ بوسائط باشد، ظاہراً سہو قلم است یا بطریق مشاکلۃ است، ایں سخن طالب علمی است والامر فی ذلک سہل و گفتہ اند ید من نائب ید اللہ ایں فرع و نتیجہ ارادۃ اللہ است، چہ ید مرید نائب پیر

می باشد، اما یلوح می افتد، بقول حق سبحانہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ الآیۃ واین بحقیقت وقتی راست آید کہ بروے اثر ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی مرتب گردد کہ بیک مشت خاک لشکر را منہدم گرداند، وبے حکایۃ زبانی بیش نیست، اکنون بمعارف وحقائق کہ در تحقیق ایں دعاوی نوشتہ آید دست زدہ این خلجانات ومشتبہات کنم، ومن اللہ الاستعانت والتوفیق. نوشتہ آید کہ سیر مرادی مریدی امریست کہ بوجدان پیر تعلق دارد، پس حجۃ و برہان بر اثبات گنجائش ندارد، ایں جا کس چہ سخن کند کہ زراہ سخن بر بستند، لیکن ہر چیز را حجت و برہان باید ہیچ چیز بے حجت و برہان معقول ومقبول نمی افتد۔ مرادان ومحبوبان خود را در اصطلاح ربانی لسان الہی [illegible] ایشان را جذب می نماید، و بدرگاہ میکشد، بعد ازاں توفیق پیر زادہ واصل می سازند، کہ معنی مجذوب سالک است، و مریداں را آنکہ ایشاں را بعد از سلوک می کشد، وایشاں را سالک مجذوب میگویند، اما ایں ہم می باشد کہ صاحب سیر مرادی بجائے میرسد کہ در ارادہ او بحق و قرب و وصول بجناب قدس وے اللہ تعالیٰ وساط حضرت سید المرسلین سلطان محبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سقوط می پذیرد، و برمی افتد، و در جمیع کمالات برابر سید المرسلین می باشد، و دعوی شرکت وہمسری و برابری میکند، وجامع کمالات ابراہیمی و محمدی می گردد، و صاحب ایں پیر مہر محمد رسول اللہ میگردد، ومی گوید کہ ہم چنانکہ آنحضرت مرید خداست بیواسطہ من ہم مرید خدا ام، بیواسطہ، و آنکہ نوشتہ کہ کسے را حق سبحانہ قوۃ قدسیہ دادہ اگر در احوال و اوضاع صاحب آں سیر نیک ملاحظہ نماید، و فیوض و برکات علوم و معارف الٰہی جل شانہ کہ او بآں ممتاز ست، مشاہدہ کند تواند حکم سیر مرادی او دارد، و ہیچ محتاج بدلیل نیست، سخن عجبی این است یعنی شما ایں مقدار ادراک و شعور ندارید کہ اوضاع واحوال دجال و کمال ما را ملاحظہ نمایند، و فیوض و برکات و علوم و معارف

باد کہ بر آں منفرد و ممتاز یم مشاہدہ کنید و سیر مرادی ما حکم کنید دیگر دلیل چہ حاجت است، ازین حلاوت سخن یاد می آید کہ یکباری از ہمیں یاران یکے بخدمت ایشان نوشتہ بود کہ عجب است کہ با وجود عظمت و جلالت و مرتبت کرامات از شما ظاہر نمی شود، در جواب او نوشتند کہ کدام کرامت بالاتر ازین معارف و حقائق باشد کہ ما بیان کنیم و بر ما وارد میگردد، و دیگر آنرا طاقت بیان آن نیست، معجزہ حضرت رسول اللہ نیز سخن بود کہ بمرتبہ اعجاز رسیدہ بود، و کما قلتم مرضی هٰذا آمدیم بمقصود کہ در امتیاز شما بہ بیان علوم و معارف نیست، لیکن غایۃ آنچہ ظاہر میگردد ازاں آن است کہ شما را عالم و فاضل و ماہر و دانشور و سخندان دانیم، بلکہ عارف و مکاشف ہم گوئیم، اما آنرا از کجا معلوم کنم کہ شما بسیر مرادی بمرتبہ رسیدہ اند کہ وساطت حضرت سید المرسلین و سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در میان شما و خدائے عز و جل نماندہ است تا آنکہ ہمسرہ و ہم سیر پہلوئے آنحضرتؐ شدہ دید، این معنی لازم سیر مرادی نیست، و احوال و اطلاع و علوم و معارف متعدد است کہ یکجا خطا واقع شود، و عصمت مخصوص انبیاء است صلوات اللہ علیہم و خطا در کشف باتفاق اہل کشف جائز است و مثالہائے کہ خطا ہا بر شیخ ابن عربیؒ ثابت کردہ اند، از ہمیں عالم است کہ با وجود این حقائق و معارف کہ شیخ وارد خطا ہا کردہ است، و آنکہ نوشتہ اند کہ خواجہ ما قدس سرہ در اوائل حال سیر این فقیر را سیر مرادی مقرر فرمودہ اند حضرت شما اثبات شما بسیار میکردند، و کساں واقف اند بر آں و بیشتر از ہمہ این فقیر اگر آں در قید [illegible] در ثانی بودند، یقین است کہ [illegible] شما را [illegible] ثانی شد [illegible] نخواہد شد، امید داریم کہ شما ہم در باطن [illegible] شد، واللہ اعلم [illegible] عبادت در اوائل نشانہائے این دریافتہ باشند۔ بعد ازاں حال متغیر شدہ باشد واللہ محول الاحوال محو

---

۱ حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ Mystical Philosophy of Muhiuddin Ibn ul Arabi, A. E. Affifi

ما یشاء و یثبت، مقصود شما چوں آنست که در ابتدائے حال ایں حکم میگرداند در انتہائے
خود چه خواهد بود، مسلم سیر مرادی و مقام ابتدا شما را حاصل است، اما آنکه سیر مرادی ایں
فہمی آرد که با حضرت رسول صلی الله علیه وآله وسلم ایں معامله دست داد و ایں چنیں
برابری افگنید که ایشاں ازمیاں ساقط شدند، و واسطه نماند فسخ است، باز ہماں که مذکور
شد پیش می آید، و مکرر می شود و نوشته اند که اجتبا مخصوص نیست بانبیاء علیہم السلام و ہمچنیں
باش که اگرچه در آیات قرآنی اجتبا بہمه جا نسبت بانبیاء علیہم السلام واقع شده است
قوله تعالیٰ ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء فآمنوا بالله و رسله و بعد از ذکر انبیاء
فرموده است اجتبٰهم و هدیٰهم الی صراط مستقیم و حقیقت آنست که معنی اجتبا
گزیدن است یعنی حق تعالیٰ برمیگزیند انبیاء را بے سابقه کسب و سلوک و اولیاء را بکسب و
ریاضت و اتباع انبیاء، و ایں جا آں اجتبا نیست که در انبیاء است. و آں ایں ست بغیر
قول حق سبحانه الله یجتبی الیه من یشاء و یهدی الیه من ینیب. پس وجه مباہات نیست
مگر عدم توسط چنانکه ادعا کرده اند، و بیان آں باید تو لکم وصول فیوض مر سالک را توسط
و حیلوله خیر البشر علیه و علیٰ آله الصلوٰة والسلام تا زمانی است که حقیقت سالک بحقیقت محمدی
که جامع جمیع حقائق است، و آنرا حقیقة الحقائق گویند منطبق نگشته است، و باں متحد نشده،
چوں بکمال متابعت ملک محض بفضل الله ایں حقیقت را باں حقیقت اتحادی حاصل گشت
توسط برخواست چه توسط و حیلوله در مغائره است، انتہی اتحاد حقیقت سالک با حقیقت
محمدی که حقیقة الحقائق است چه معنی دارد و چه صورت [illegible] ایں سخن از [illegible]
دور است، و گستاخی صریح و گزاف فضیح و با قطع نظر از حکم عقل دو چیز یکے شدن آنہا
هر چند جزو کل و جزی کلی باشند از قبیل محالات است، لازم می آید که حقیقت ہر سالکے که
بایں مرتبه و مقام برسد حقیقة الحقائق گردد، و ذلک ظاهر البطلان پس اگر از اہل حقیقت
کسے ایں اطلاق کرده باشد و حکم باتحاد بودن معنیش فنا و در غیبة از خود در حضور وے خواہد بود

بجهت کمال متابعت و غلبهٔ محبت چنانکه فانی الشیخ میگویند، و خود شیخ تمام عالم و پیر جمله بنی آدم و جهت تمام کائنات و قبلهٔ موجودات اوست، علیه افضل الصلوٰة واکمل التحیات همچنانکه اتحاد بذات مطلق الٰهی را تفسیر کرده اند، باستغراق در هستی حق کذا فی الفقرات چون اتحاد اعتباری و حکمی با مغائرهٔ حقیقی و نفس الامری منافات نخواهد داشت، و منافی وساطت و حیلوله نخواهد بود و خود تعین و تشخص حقیقت سالک و جزیه او باقی است چنانچه اهل فنا، و توحید می گویند۔ بیت

تو او نشوی ولیکن ار جهد کنی   جائے برسی کز تو توی برخیزد

یعنی آں توی و اوئی که پیش از فنا و گم شدن بود در وے بود، بلکه همیں گم شدن و فانی گشتن در وے قرب و وصول بحق است بوساطت وے پس ایں اتحاد و انطباق که حاصل گشته است، اگرچه ایں واصل بجهت غلبهٔ بیخودی و فنا دریافت ایں وساط نمی تواند کرد، حقیقت محمدی را عارفاں واسطه میدانند و می یابند، در و حوادث تامه اشیاء و صفات و کمالات از جواهر و اعراض که وصول بحق و شهود وے نیز از آں جمله ست، چه آنها که بآں حقیقت رسیده، و در وے فانی گشته و حکم اتحاد گرفته، و چه غیر آں بلکه توسط نسبت لطائف ولی و دریافت آں نسبت اقرب و اظهر باشد، و ایں سخن دقیق است والله الهادی، قولکم آنجا که اتحاد است معاملهٔ شرکت است ایں نیز خالی از غرابتی نیست، چه شرکت دوئی را می طلبد، و شریک در امرے دو کس باشند حقیقة اتحاد [illegible] شرکت [illegible] فرع ثبوت غیریت [illegible] است [illegible] میاں، رفت و حکم فنا گرفت، شرکت از وے چه صورت دارد، توسط را گفتند که دوئی می طلبید، شرکت همچنیں است قولکم اما چوں سالک تابع والحاقی است و طفیلی از قبیل شرکت خادم بود از مخدوم و ایں سخن هیچ محصلی ندارد، و اگر ایں خادم با مخدوم شریک است در جمیع صفات و تمام جهات پس برابری و همسری محذور لازم و تفاوت اهم خادم و مخدوم

چہ فائدہ دارد، اگر نیست اتحاد چہ معنی دارد۔ ایں سخن خادمے و مخدومے در کلام ایشاں بسیار واقع شدہ، و در اجتماع کمالات ابراہیمی و محمدی نیز گفتہ اند و ایں را گریزگاہ ساختہ اند، اما فائدہ ندارد۔ و نوشتہ اند کہ مراد بدایت حال بحضرت کائنات محبت خاص پیدا شدہ کہ در غلبات آں محبت می گفتم کہ محبت من بحق سبحانہ از آں جہۃ است کہ وے رب محمد است ایں سخن در ظاہر سعید و باعث تعجب است، اما معنی راست و درست ندارد۔ زیرا کہ محبت منعم جبلی است۔ و ہمہ نعمتہا بوسیلہ و ساطۃ آں حضرت واصل پس محبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقرب و اعلیٰ اسباب محبت حق باشد، و محبت او با عین محبت حق مستلزم اوست و بحساب عقل شق ثانی اظہر است، اگر گویند کہ محبت او از جہۃ انعام محبت صفات است و سخن در محبت ذاتی میرود، گوئیم کہ ایں نیز از جہۃ ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل است، چنانکہ آنحضرت مظہر ذات خاص حق است تعالیٰ و تقدس محبت و انجذاب بوے موجب محبت، و انجذاب حق خواہد بود، بہر تقدیر ایں سخن بسیار خوب و دلربا است، و اعجبا کاشکے شمارا ہمیں بستہ، رفتہ رفتہ بجائے می کشید کہ در عشق محمدی والہ وشیدا دواں دسہلاب نمی برد اتید، کہ مجال سربالا کردن و دم زدن بایں نوع کلمات مشعر برابری و یگانگی در حضرت وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمی ماند، چنانکہ در وصف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آمدہ است، سنگریزہ در دہاں انداختہ و چشم بر جمال آں حضرت دوختہ می نشست، و رابطہ محبت را نگاہ میداشت و دم نمی زد، و حال اکثر اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمچنیں می بود کہ کانما فی مجلسہ کان علی رؤسہم الطیر و اشارۃ قول حق سبحانہ یاایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الآیۃ ہمبریں است۔ قولکم تا ایں قسم محبت شود نشود، الحاق و اتحاد بہماں معنی فنا و غیبۃ و دوام توجہ و حضور و استغراق کہ لازم عشق مفرط و محبت صادق است بمعنی دیگر قولکم طریقہ جذبہ را چوں کشش از جانب مطلوب است و عنایت الٰہی متکفل حال

طالب است، ناچار قبول وسائط نمی کند، و در طریق سلوک چون انابت از جانب طالب است، در وجود وسائط چاره نبود، این عین مدعا است وسخن بے دلیل است' طریقۂ جذبہ ومرادی ومحبوبی چنانکہ سبق بیان رفت، زیادہ بران این است کہ لطف اللہ بندہ خود را پیش از انکہ طلب کند وسلوک نماید جذب می کند، وانجذاب مہم جمالی است کہ بدان سلوک آسان میگردد، واین منافات بوجود وسائط ندارد، بلکہ چون جذبہ تنہا کار نمی آید وسلوک بے وسائط نمی باشد، لازم آید وجود وسائط چنانکہ مقرر قوم است وخود ہم گفتہ اند کہ در نفس جذبہ ہر چند وسائط درکار نیست، اما تمامی منوط بسلوک است اگر بسلوک نباشد، جذبہ ناتمام وابتر است، اگر گویند کہ احتیاج در طریقہ جذبہ بسلوک وسائط پیش از وصول است بعد از وصول برطرف می شود بخلاف طریقہ سلوک کہ آنجا بعد از وصول نیز واسطہ میماند، چنانکہ گفتہ اند کہ در طریقہ جذبہ اگر توسط متابعت شریعت کہ عبارت از سلوک است وصول بمطلوب می شود بے واسطہ حلول امری خواہد بود۔ گوئیم کہ چہ دلیل است برین دعوی؟ مفہوم جذبہ در حصول طریقہ وے خود مستغنی ازین نیست چنانکہ معلوم شد۔

مدعا دوم کہ در طریقہ سلوک از وسائط چارہ نبود، مارا کہ قائل بوجود وتوسط تسلیم مطلقا دخل دران نیست ولیکن بطریق بحث ومناظرہ گفتہ می شود کہ چرا آن ہم بعد از وصول بوجود وسائط برطرف نشود، چنانچہ بوجود جذبہ بعد از سلوک ملک ہم چنین باید احوال ایشان کہ خاصیت جذبہ عدم وسائط است وسقوط آنہا است، ودر کلام شما نیز اشارہ بآن واقع است۔ آنجا کہ گفتہ اند در طریق سلوک از شیوخ ہر کہ درمیان آمدہ است متوسط وحاجب شہود سالک است، وا ے اگر در آخر حال تدارک ننماید یعنی وسائط ازمیان برندارد۔ حاصل آنکہ در طریق جذبہ، ودر وصول سلوک ہر دو پیش از وصول وسائط درکار است۔ واگر در طریقہ جذبہ بعد از وصول وسائط ساقط میگردد ودر طریق سلوک

می نماید تحکم است چرا در ہر دو جا باقی نماند و چرا در ہر دو جا ساقط نگردد۔ سخن در ہمیں جاست و اگر گویند ایں امر کشفی وجدانی نیست بحث فائدہ ندارد۔ آں چیز دیگر است، اما شما مقید باستدلال شدہ، و توجیہ نمودہ کہ چوں در طریقہ جذبہ کشش از جانب مطلوب است، و عنایت الٰہی متکفل حال طالب است۔ ناچار قبول وسائط نمی کند۔ و در طریق سلوک چوں انابت از جانب طالب است، از وجود وسائط چارہ نبود، و خود جذب و سلوک بر ہر دو تقدیر است۔ فرق بتقدیم و تاخیر فائدہ ندارد۔ اگر گویند کہ مدعی و دلیل ہر دو کشفی است، چنانکہ یکباری از شما مثل ایں سخن شنیدہ است، ایں گریزگاہ خوابت و بعید از آں۔ در اثبات عدم توسط و تقدیر آں طرق دیگر بیان کردہ آید۔ اول وصول از راہ معیت کہ حق را با بندہ است ناچار بے توسط امرے خواہد بود کہ متابعت معیت است و اگر واسطہ است در سلسلہ ترتیب است، کہ عبارت از سلوک است و گفتہ اند کہ راہ معیت یکے از طرق جذب است نہ از سلوک انتہی۔

پوشیدہ نماند کہ ہرگاہ راہ معیت یکے از طرق جذبہ باشد کہ قرار یافت کہ در طریق جذبہ از سلوک چارہ نیست۔ پس در طریق معیت برائے وصول نیز در کار خواہد بود۔ و از وسائط ناگزیر و کدام در وے ہم چناں خواہد بود، کہ در طریق جذبہ گذشت۔ و مثال ظل با اصل نمودہ اند کہ ایں ہم طریقے است، اگر بعنایت الٰہی ظل را با اصل خود میلے پیدا شود، و کششے رو رہویدا گردد آں ظل را باآں اصل وصول حاصل شود، ہرآئینہ بے حیلولہ امرے خواہد بود۔ چوں آں اصل اسمے از اسماء الٰہی است۔ ناچار در میان اسم و مسمی او حائلے نخواہد بود۔ و وصول ظل ازیں راہ با اصل الاصل کہ مسمی آں اسم است بے وسائط امرے خواہد بود۔ انتہی۔

پوشیدہ نماند، ظاہر آنست کہ ایں نیز از طریق جذبہ خواہد بود۔ چنانکہ در طرق معیت پس ایں نیز محتاج بسلوک خواہد بود۔ چنانکہ طریق جذبہ ایں جا نیز ہماں کلام است کہ

آنجا است۔ دیگر گشتن ظل باصل مسلم واتصال بمسمیٰ نیز ہمچنیں، اما وصول ظل الاصل کہ مسمیٰ آں اسم است، چرا بواسطہ آں اسم نباشد۔ بل الامر کذلک قولکم ایضاً ہر کہ واصل ذاتست بوصول بے چونی توسط امری در حق او مفقود است۔ و ہرگاہ در صورت وصول بحضرت ذات سبحانہ حیلولہ و حجابیت صفات واجبی مرتفع گردد، حیلولہ و حجاب غیر ذات چہ گنجائش دارد۔ انتہیٰ

پوشیدہ نماند امرے مقرر است کہ صفات پردہ ذات است، کہ ہرگز نمی افتد، اگر یک پردہ برخاست، پردۂ دیگر نشیند، ذات را جز در پردہ صفات نمی تواں دید، و شہود گردد دریافت لیکن صاحب شہود ذات را بجہت غلبہ انجذاب توجہ تام بسوے او صفات ملحوظ و منظور او نمی افتد، و بر ہر تقدیر پردہ درمیان است۔ دریابد یا درنیابد۔ وفی الحدیث حجابہ النور ولعمر انتہی نور یکے از اسماء محمدیست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ و اگر مراد نور ذات دارند کہ حجاب ذاتست، حجابیت نور محمدی بآں مصدق۔ و نور علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء خواہد بود، و با قطع نظر ازاں ایں طرف او را بحصول بیچونی نام گردید، اگر از طرف جذبہ درآید، چنانچہ ظاہر است دریں نیز ہماں کلام می رود کہ در جذبہ گذشت از احتیاج بسلوک و اگر طریق جذبہ نیست طریق سلوک نحو و اسدلہ ثابت است، اول و آخر و ظاہر است کہ طریق توجہ الی اللہ و حضور بادنی است؛ بہ مشغولاں طریق ایں سلسلۂ شریفہ را می باشد ایں کار می کنند تا یک حضور و انجذاب با حدیث حق حاصل کنند۔ بعد ازاں الرتوفیق سلوک یابند حکم مجذوب و سالک خواہد بود۔ و کلام در وے گذشت۔ و دریں مشغولی نفی و اسقاط جہات و اعتبارات است۔ تصفیہ لوح قلب از نقوش ماسوی اللہ اگر مقصود بیان ایں نسبت، و ذکر ایں حالت است، ایں خود ہمہ مشغولاں ایں بیعت را میسر علیٰ قدر تفاوت احوالہم۔ چندیں ابتہاج و افتخار و ذکر اجتہاد شرکۃ و اصالۃ و مرادی و

مریدی و خادمی و مخدومی چیست۔ پس معلوم شد که مقصود چیزے دیگر است، و بیان مقام بیان قرآن است، و مقصود آنست که بیان کنند که خدائے تعالیٰ ما را بفضل خود بجائے رسانیده است که همه اسباب و وسائل وصول در حق ما حکم معدات گرفته وسقوط پذیرفته اند، و حق تعالیٰ از کمال کرم و اهتمام و غیرتے که در حق من دارد تجویز نمی فرماید، که فعل دیگرے را در حق من مدخل باشد، یا من بدیگرے دریں معنی متوجه گردم، من مرید خدا ام و همسر رسول۔ اینها دریں مقصود چه دخلی دارد و چندیں توجیهات و مقدمات غریبه در اثبات و تقریر آں برانگیختن چه حاجت و در حقیقت در صورت مشغول و توجه ذات نیز روح محمدی که محیط تمام مراتب وجودی و شهودی است و ساریست در ذات و صفات واسطه است اگرچه مشاهده از آں آگاه نیست: بر مثال ضوء و رویت اشیا و بالجمله با هر کسے که نورے و حلیتے و ادراکے و دریافتے هست، بواسطه حقیقت محمدی است۔ بیت

هر کجا نور است ساطع یا کمالے باهر است
پرتوے از آفتاب آں جمال افتاده است

تو لکم تحقیق ایں مقام آنست که توسط سرور کائنات علیه وعلیٰ آله وسلم بدو معنی تواند بود۔ یکے آنکه او صلی الله علیه وآله وسلم حائل و حاجب بود۔ درمیان سالک و درمیان مطلوب و معنی دوم آنست که سالک بفضل وے و بتوسط وے و تبعیت و متابعت وے صلی الله علیه وآله وسلم بمطلوب واصل گردد۔ در طریق سلوک و پیش از رسیدن بحقیقت محمدی، توسط بهر دو معنی کائن است بلکه می انگارم که دریں طریق از شیوخ هر که درمیان آمده است، متوسط و حاجب شود، سالک آں است و اگر در آخر حال جذبه بتدارک آں نماید معامله بے پرده کے نکشد، زیرا که در طریق جذبه بعد از رسیدن بحقیقت الحقائق توسط بمعنی ثانی است که بطفیل و تبعیت است، نه حیلوله و حجاب که پرده شهود گردد۔

ومشائخ طریقت در توسط و عدم توسط آں سرور اختلاف دارند جمعی بتوسط رفته اند و گروهے بعدم توسط۔ انتہی۔

پوشیده نماند که در توسط تبعیت و طفیل ہیچ کس را جائے سخن نیست، متفق علیه است و جمهور عرفائے محققین بر آنند که توسط بمعنی حیلولۃ آنحضرت درمیان سالک و مشهود و مطلوب نیز ثابت است، و ہیچ مشهود بے توسط روحانیت آنحضرت صلی الله علیه وسلم حاصل نیست، و قول مخالف لایعبا به است ناشی از کوته نظریست و ایشاں میگویند که توسط روحانیت آنحضرت در جمیع مراتب وجودی و شهودی و عیانی و معانی و تمام عوالم جسمانی و روحانی ثابت است، و ایں توسط داخل حجابے نیست که از آں پرده بر روئے شهود نشیند، بلکه موجب مزید انجلا و انکشاف است در رنگ حیلولۃ عینک در ابصار عالم ظاهر، مثلاً بجز ادراک و شهود ذات بے پرده ممکن نیست ع

در پرده عیاں باشم و بے پرده نهاں

و می گویند که حقیقة الحقائق بودن آنحضرت و احاطه باهیات مانند احاطه ماهیات بجواهر و ذوات نیست۔ بلکه تمام و شامل است مر صفات و معانی را که شهود مجذوباں و محبوباں و مراداں، یکے از آنجمله است، و می گویند که در وقت ایں شهود که در قرب و وصول حاصل است، روح پرفتوح حضرت سید المرسلین محبوب رب العالمین حاضر است، و واسطه است و از ذات حق مفارق نیست، چه محب و محبوب از یک دگر جدا نشوند خصوصاً ایں چنیں محبوب که محبوبیت وے بذات بحت بلاحظه جمیع شیون و اعتبارات تعلق گرفته است، و اگرچه بے ملاحظه شیون و اعتبارات تعلق گرفته است و اگرچه بے ملاحظه شیون و اعتبارات همه باشد بلاحظه جمیع شیون و اعتبارات بود از جهت بودن او مظهر جامع قال بعض العارفین ما ارسل الرحمٰن او یرسل من رحمة

تصعد او تنزل فی ملکوت الله او ملک من کل ما یختص او یشمل الا والمصطفیٰ عبده ونبیه ومختاره المرسل واسطة فیها واصل لها لیعلم هذا کل من یعقل و این شامل جمیع مراتب شهودیت، وقال ان روح النبی صلی الله علیه وآله وسلم غایتُ من نفوس بالله فی الله طالب فی وصفه صلی الله علیه وآله المحقق المحکوم بالجہل من ادعی معرفة الله مجردة فی نفس الامر عن نفسه المحمدی ومیگوید که این مشاهده مجذوب سالک تواند بود، که بجهة قصور معرفت وتمیز یا بجهة فنائے بے خودی، از ادراک، و دریافت آں قاصر وذاہل باشد۔ اما در نفس الامر ثابت ودائم است۔ وآں ذہول در حقیقت از قبیل عدم علم بالعلم است۔ چنانچه در مواضع گفته آید۔ ازیں ہم گذشتم ومسلم داشتم که مشائخ طریقت از توسط وعدم توسط آں سرور اختلاف دارند۔ اما آں گروه که قائل آں بعدم توسط دعوئی شرکت ہمسری وہمسرگی واجتبا وعدم مدخلیة آنحضرت در حق ایشاں وعدم توجه ایشاں به آنجناب چنانکه گفته اندمی کنند۔ ومشائخ دریں جا باہم اختلاف دارند سخن در آنجا است حاشا وکلا ہم متفق اند در غایت بندگی ونیازمندی وسرافگندگی واحتیاج بآنجناب۔ دیگر مخفی نماند که توسط آنحضرت در شهود ووصل موجب عظمت وجلال وسبق اوست در درگاه غیرت وعدم توسط سبب تاخر وسقوط وتصور وحاصل حکایات عدم توسط بسبب تاخر وسقوط وتصور وحاصل حکایات عدم توسط بآں راجع میگردد که سالک ہمیشه خادمانه ہمراه آں حضرت بتبعیت وطفیل میرفت۔ واقتباس ازوے میگردد چوں بقرب درگاه رسید وپیشتر رفت ودرون درآمد وآں حضرت را پس انداخت و بیرون درگذشت واز میان ساقط گردانید، خود در مجلس درآمد وبر مسند قرب ووصال نشست، وکامراں شد۔ ومیگوید که من وتو برابریم من ہم بنده ام، ودرا توسطے درمیان من وبندا نماند۔ اگرچه دراصل بنده وتابع تو وخادم تو بودم، وبواسطه تو رسیدم الآن تو

هیچ دخل و توسط نداری۔ نعم اگر با پیر و مرشد معامله و حال چنیں بستند، ممکن باشد که بوساطت و عنایت و تربیت حضرت رسالت انوار و اسرار اقتباس و استفادت و استفاضه نماید۔ و فیوض و فتوح حاصل کند، و از پیر در مقام قرب بیشتر رود، و تقدم نشیند، اما ایں عجب که بتبعیت آنرا بحضرت استفاضه و استفاده کند، و در مرتبه برابر گردد، و او را از میاں ساقط گرداند، و خود در مقام قرب بے واسطه نشیند، هیچ عاقل و عارف ایں سخن روا دارد، و قبول کند، و ایشاں عجب نکته ملایانه بتکلیف استنباط نموده و ادا کرده، و گفته اند که گفته نشود که ازیں عدم توسط اگرچه نیک بود، قصورے بجناب خاتم علیه الصلوٰة والسلام لازم می آید، زیراکه میگوئیم که ایں عدم توسط مستلزم کمال آنجناب است۔ نه مستلزم قصور، بلکه قصور در توسط است، زیراکه کمال متبوع آنست که تابع او بسبب قبول و تبعیت او بجمیع درجات برسد، و ایں معنی در عدم توسط کائن است نه در وجود توسط، که آنجا شهود بے پرده است که اقصی درجات کمال است و ایں جا در پرده پس کمال در عدم توسط بود، و قصور در توسط، و از شوکت و عظمت مخدوم است که خادم در هیچ مقامے تخلف نکند، و تبعیت او شریک دولت همگناں گردد، انتهی

ایں تخییل محض و از قضایائے خطابیه شعریه است، نه از براهین عقلیه و قطعیه یقینیه و چوں ایشاں می گویند باید که از کشف صریح و ذوق صحیح تراشیده باشد، والله اعلم۔ قولکم از ایں جا است که آنسرور فرموده است علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ ایں را براں نکته چه متفرع و مترتب ساخته اند از بیان سابق خود لازم می آید که علماء امتی کانبیا زیراکه شما ایشاں را اقصی درجات کمال ثابت گردانید، و در تمامت کمالات شریک آں حضرت گردانید ایں خود بالاتر از انبیاء بنی اسرائیل است، زیراکه هیچ یکے از ایشاں شریک آں حضرت در تمام کمالات نیست، و حق آنست که مرتبه علماء امت

بمرتبۂ انبیاء نمی رسند و شبیہ باعتبار خلافت و نیابت در تبلیغ احکام و شرائع است چنانکہ انبیاء بنی اسرائیل تابع توریت بودند و بعد از موسیٰ علیہ السلام تبلیغ احکام آں می کردند، در قدر و مرتبہ و نزدیک محدثین ایں حدیث بصحت نرسیدہ و حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء صحیح است، عجب کہ ایں جا تصرف از ظاہر و ارتکاب خلاف آں راضی شدہ اند، فرزندی شیخ نور الحق می گفت یکبارے نزد ایشاں قول الولایۃ افضل من النبوۃ مذکور شد، فرمودند ہر چند توجیہات و تاویلات راست و درست دارد اما موہم خلاف حق است، نباید گفت، ایں تناقض است، و تناقض در کلام ایشاں بسیار است، بالجملہ در عقائد اہل سنت و جماعت مقرر شدہ است کہ ہیچ ولی بدرجہ نبی نرسیدہ، اما حافظ نسفیؒ[1] در تفسیر مدارک میفرماید کہ تحقیق لغزیدہ است اقدام بعضے در تفضیل ولی بر نبی و ایں کفر یست جلی، و در تعرف کہ کتاب معتبر است در علم ایں قوم و شیخ شہاب الدین سہروردیؒ[2] رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است...

فی التصوف، مذکور است کہ اجماع کردہ اند کہ انبیاء علیہم السلام افضل البشر اند، و نیست یکے از بشر کہ موازی و مساوی ایشاں باشد، نہ صدیق نہ ولی نہ غیر ایشاں، اگرچہ بزرگ باشد۔ قدر وے عظیم بود خطر وے و بلند باشد رتبہ او۔ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ ہست آخر نہایت صدیقین اول احوال انبیاء است و نیست مر نہایت انبیاء را غایتے کہ درک کردہ شود، و نیز گفتہ است، نیست مثال معرفت خلق و علم ایشاں نزد پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمچناں کہ چوں نمی بر سر خیک بستہ پدید آید، و می گوید مراد ازیں سخن آں است، واللہ اعلم کہ ہیچ کس از خلق بر سر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نگردد۔ اگر ہمہ خلق گرد آیند و معرفت و علم خویش گرد

---

[1] ملاحظہ ہو۔ Ency. of Islam v III p 841-8

[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ Ency of Islam III p 506

آرند، کما قال محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشناسند وآں شناخت کہ ایشاں بشناسند آزامش کردند بدانہا خیک چیست فاما داشتن مقدار وے، وصفات وے، بداں نم پدید نیاید واگر نم نبودی ندانستندی کہ درآں چیست، انتہی۔ قولکم کہ در حدیث آمدہ است کہ چوں بندہ در نماز داخل میشود، حجابے کہ درمیان بندہ وخدا است مرتفع میگردد۔ ولہذا الصلوٰۃ معراج مومن آمدہ، وحظ وافر ازآں نصیب منتہی واصل گشت چہ رفع حجاب مخصوص بواصل منتہی است، پس ارتفاع حیلولہ وتوسط ثابت گشت، انتہی این خود صحیح است ولیکن این رانمی بیند کہ در تشہد کہ آخر وقت اداء نماز است، ووقت الکملیۃ والتمیت شہود است، میگوید السلام علیک ایہا النبی، وبعد از وصول اتم واکمال مستغنی وفارغ نیستند، از توسط عمال و کمال آنحضرت ونیاز وتسلیم وتوجہ بدرگاہ وے پس توسط ہنوز وتوسل مرتفع نگشتہ است، واین حجاب در وقت نماز مرتفع می شود حجابہا است کہ بندہ بداں از مقام قرب وحضور دل افتد۔ حیلولہ وتوسط حقیقۃ محمدی است کہ وے باخدا است دائم وآنکہ نوشتہ اند کہ رویۃ آخرت وے بے توسط وحیلولہ امرے خواہد بود بے موقع است زیراکہ سخن در رویۃ وشہود دنیایست واین بے پردہ نمی باشد، لا اقل پردہ صفات درمیان است وبحقیقۃ رویۃ اخروی نیز بے پردہ صفات نخواہد بود۔ وصفات حق منفک از ذات نیست، ومبنی برعرفست دیدن ذات را با صفات در عرف دیدن ذات می گویند کسیکہ زید را می بیند با چندیں صفات از طول وعرض ولون وشکل وجز آں میگویند، زید را دید وہیچ کس نگفتہ است کہ در آخرت ذات بحت مجرد از صفات را خواہند دید پس اگر روح محمدی کہ با ذات حکم صفات دارد نیز باشد چہ مانع، واللہ اعلم، قولکم از معرفۃ از خواص معارف عندیہ این مقر است کہ حق سبحانہ آنرا بمحض کرم عطا فرمودہ بحقیقۃ آں متحقق ساختہ است

و این معرفت اشارہ است بآنچہ گفتند کہ عدم توسط موجب کمال است، و توسط موجب
نقصان۔ کہ آنجا شہود بے پردہ است و اینجا در پردہ۔ و این کمال بالغیر است
و گفتہ اند کہ کمالی و شوکت عظمت مخدوم و متبوع نیز ہمدرین است کہ تابع و
خادم او بجائے رسیدہ است و بہ تبعیت او شریک دولت او شدہ۔ سبحان اللہ
این چہ تخیل و توہم است و سرورا چہ حاجت و در لوازم این سخن نمی نگرید....
رسول خدا است از میان و دعوی مساوات باوے، ترجیح اولیاء بر انبیاء صلوات
اللہ علیہم اجمعین و سلام، چنانچہ تقریر آن گذشت حاجت بتکرار نیست، اما ہمیں
یک سخن باز تکرار کردہ کہ واسطہ کہ می خواہند، کرامی گویند محمد رسول اللہ را
میخواہید کہ محبوب رب العالمین و مقصود دنیا و دین است، و آنحضرت را پردہ
میگویند و حجاب نام می نہند، زہے آن عارف کامل مشاہد کہ حق را در مرأت
محمدی مشاہدہ کند، جانہا فدائے آن پردہ باد سبحان اللہ این چہ نقصان است،
کدام کمال بالاتر ازین باشد کہ جمال محمد و کمال حق ہر دو مشہود شود و منظور گردد، و
محمد را صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حق برائے آن آفریدہ است کہ در آئینۂ جمال و کمال
وے ذات او را مشاہدہ کنند و در خلوۃ خانہ حقیقۃ در آمدہ با ذات و صفات حق
مواصلت نمایند کہ ہر چہ ہست آنجا است۔ قال بعض العارفین لا تتجلی اشعۃ
اللہ بقلب الا من مرآۃ سرہ و ھو النور المطلق و پردہ ہائے کہ دور باید کرد پردہ ہائے
ظلمانی و نورانی انفسی و آفاقی است، کہ حجاب مقصود و پردہ شہود شوند، و آنکہ ذات
محمد را پردہ گویند و از میان ساقط گردانند، و چرا گویند کہ نباید گفت کہ این قضیہ ان
شاء اللہ در روز جزا مشخص گردد، بلکہ در عالم برزخ نزد آنحضرت مذکور شود۔ اگر من پیش
از شما از عالم رفتم اول شکایتے کہ از شما پیش آنحضرت کنم این خواہد بود۔ واللہ اعلم۔
و اگر در یں دنیا ہم بوقائع و حالات مطلع گردانند دور نیست و طریقہ و عادت مسکین

آنست چنانچہ مشغولاں ایں سلسلہ توجہ بذات حق نمودہ مراقبہ جمال شریف می نمایند۔
مراقبہ آنحضرت میکند رفتہ رفتہ بذات حق یکے شود بمعنی استغراق وحضور کہ نزد ایں طائفہ
معنی اتحاد است، چنانچہ گذشت ومراقبہ حلیہ شریف .... کہ دائمی است ودریں
ایام کہ سخناں شما ..... ذکر آنحضرت وتوجہ بجناب وے تقریب شدہ است بجائے
مخصوص شدہ کہ زیادہ گرداند۔ خداتعالیٰ تمام عارفان و واصلان ومقربان ومحبوبان
رامی بینم کہ زبان حال وقال بتوسل وگداگری واستمداد از آنجا کشادہ جز بندگی و
نیاز وشکستگی وغلامی وسگی نمی نمایند، برروئے ایشاں نمیدانم کہ کدام در معرفت کشادہ
اند، وروئے حقیقت نمودہ ایں چنیں سخناں بوجود آمدہ، سر برزدہ است۔ چوں
است ظاہر آں است کہ شما دغا خوردہ اید۔ نمیدانم کہ از دست کہ خوردہ اید واللہ
اعلم والعاقبۃ بالخیر متیا مخدوما طریق صواب آنست کہ قطع نظر ازیں تفصیلات وتحقیقات
ومعارف کہ مذکور است نمودہ، بے تردد تفصیل بگوئید کہ فیوض وفتوح در اول و
آخر وظاہر وباطن قبل الوصول وبعدہ مراداں ومراداں را ومحبوباں را ومحباں را ہمہ
بتبعیت وطفیل وتوسط بتوسل آنحضرت است، دیگر سخن نیست زیادہ چہ گوید۔ و
عجب است درشان کافراں ومکذباں قرآں وارد شدہ، بل کذبوا بما لم یحیطوا
بعلمہ ولما یاتہم تاویلہ درشان فقیراں صرف کردہ اید والیشاں ہم اگر ایں
آیۃ را بخوانند واصلہ اللہ علی علم چہ شود۔ دیگر عرضہ میدارد کہ در وجود اتباع نبوی
کہ مردم دعوی آں می کنند، برلست ثمرہ کمالات انتساب می کنند، وچنیں شنیدہ می شود
کہ ایشاں در مکتوبات آنرا بر پنج مرتبہ نہادہ اند، وگفتہ اند کہ ہمہ مراتب درآں موجود است
وہمچنیں ہم نوشتہ اند کہ در یکے ازیں مراتب علم باسرار مقطعات قرآنی نیز حاصل میگردد
ایں مسکین را چہ نسبت کہ چگونہ است اتباع ۱۶ از اقوال وافعال می باشد، کہ ہرچہ فرمودہ
از اوامر ونواہی بجامی آرند وامتثال نمایند۔ وہرچہ کردہ اند از افعال بجا آرند وبصفات

ایشان متصف شوند، وبعد ازاں در احوال باطن که هرچه از انوار واسرار آنجا یافته و وجود یافته این جا موجود میگردد، وکیست که این کمالات در وے بتمام وکمال حاصل نشده باشد، چنانچه در حدیث عائشه صدیقه رضی الله عنها آمده است وایکه نطق ذلك این همه طاعت وعبادت که چنداں شب در نماز می ایستادند که پایهاے مبارک می آماسیدند کجا است زهد وریاضت که بر پلاس می خفتند وازناں جو سیر نمی شدند گو.. وآں همه عقل وسخاوت وشجاعت وقوت ورحمة ورافت وتواضع وحلم وعفو ووفا وحق وحسن عهد وصله رحم کجا است' وغیر ذلک فما هو مذکور ومروی فی الاحادیث، کمالات آنحضرت وادریں صفات واخلاق بود، ودر اقصی مراتب درجات بود، کراست ومقرر است که حصول فیوض ووصول بمقام قرب بر قدر اتباع خواهد بود، خود مبالغه وتاکید دریں باب بسیار کرده اند، ودر عبارت ایشان اکثر ذکر متابعة بذکر فضل الهی مقرونست، وگفته باتباع آمد، بلکه بمحض فضل الهی گویا براے دفع شبه واستبعاد است، ونوشته اند که بکشف صحیح والهام صریح بیقین پیوسته است که هیچ دقیقه از دقائق این راه وهیچ معرفتے از معارف این قوم بے واسطه وتوسط متابعت او صلی الله علیه وآله وسلم میسر نیست، ومنتهی را در رنگ مبتدی ومتوسط وفیوض برکات این راه بے تبعیت وبے طفیل حاصل نشود، انتهی این امرے مجموع علیه در دین احتیاج بکشف والهام چه دارد، چه کمالات دین وصفات مسلمانی همه موقوف بر این است، دگر آنچه ایشان بر دقائق ومعارف بیان می کنند مخصوص بشرح وبیان آنست، بیقین دانست که بکمال متابعت موصوفست وزبان او و اعتراض ازوے قاصر، چنانچه در اول مکتوب افاده نموده آید، بعد ازاں زبان چنداں بمدح وثنا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم واحتیاج کلی بتوسط وتوسل وے صلی الله علیه وآله وسلم کشاده اند، که جاں را سیراب ودل را شاداب میگردانند، ودرفع تمام

توہمات و سوء ظن می کنند اما با وجود ایں رفع وسائط و استتار آں از میان دقائق و معارف کلمات دیگر ناظر در سوئے ادب و گستاخی چیست، اکنوں آمدیم بحکایۃ سکر و صحو مقرر است کہ اصحاب صحو مفضل اند، بر اصحاب سکر۔ زیراکہ محکوم وقت اند و حال حاکم است برایشاں و ایشاں را ابن الوقت گویند و از تنگنائے نفس و احوال بر نیامدہ و ایشاں با اصحاب صحو کہ ازیں مضائق برآمدہ و حاکم و غالب شدہ اند، بر وقت و ایشاں را ابو الوقت گویند، چہ نسبت است پس آنچہ از بعضے اقطاب کہ قدوہ ارباب صحو و تمکین اند مباہاتے و مفاخرتے بر مشائخ دیگر واقع شدہ است بامر الٰہی است نہ بغلبہ سکر، چنانکہ حضرت غوث الثقلین امام الفریقین شیخ عبد القادر گیلانی رح فرمودہ اند قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ و بزرگی فرمودہ است من تحت خضراء السماء مثلی و امثال آں بامر الٰہی است کہ در باطن اولیاء اللہ پیدا شد، نہ صادر بہ غلبہ سکر و طفح حال و سکر غیرت و بے تمیزیست و اشارۃ ہذہ منافی آنست و نقل است کہ در بعضے احوال و مقامات حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قدم ایشاں بر قدم خود نہادہ اند کہ ایں قدم تو قدم من است، پس گفت شیخ قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ پس آں بجہت امتثال الٰہی کہ بتحدیث نعمت واقع شدہ است اگر گویند پس چیست تفاوت و اختلاف احوال مشائخ و اولیا در ارباب صحو و تمکین از صحابہ و غیرہم رضوان اللہ علیہم کہ بعضے گفتہ اند و بعضے نگفتہ اند۔ گوئیم ایشاں تکلم نمی کنند مگر باذن [illegible] 'بل' و امر وے 'قل' و 'لا'، پس ہر کہ امر کردہ شد، گفت و ہر کہ امر کردہ نشد، نگفت۔ چنانکہ آمدہ است کہ از مشائخ وقت پرسیدہ شد کہ آیا شیخ عبد القادر در ایں کلمہ را بامر گفت گفتند، نعم بامر گفت، و گفتند ایں نشان قطب است۔ از اقطاب در ہر زمان کسے است کہ ... میشود بسکوت و گنجائش ندارد۔ و اگر بسکوت و بعضے امر کردہ میشود۔ بقول گنجائش ندارد۔ ایشاں را جز قول و ایں المکلیۃ در مقام قطبی است

زیرا که این نشان شفاعت اوست. شیخ صاحب عوارف رحمة الله علیه بمقتضائے قیاس عقلی و مبلغ علم خود این سخن را و امثال این سخن را بر طبع سکر و غلبه حال و اشراق نفس حمل کرده، و شیخ بر قصد محمدت این قوم و عدم حضور آن چنانکه شما برائے مصلحت وقت که دریں مکتوب بر ترجیح و تفضیل سکر واقع شده کرده آید بران ظاهر عبارت شیخ سابق مخالف است. فہم شیخ دریں جا ایں چنیں رفته چه تواں گفت و قول وے دریں باب مخالف اقوال کبار مشائخ آں وقت شیخ ابومدین مغربی[1] و شیخ نجیب الدین سهروردی[2] که پیر شیخ شہاب الدین سهروردی ست، واقع شده و دیگر مشائخ عظام که عد ایشاں موجب اطناب است چنانچه در بهجة الاسرار[3] که کتابے معتبر و ذکر آں در کتب در طبقات ذہبی که از مشائخ علماء محدثین و شیخ محمد جزری که قدوۂ علماء متاخرین است و شہرت آں مذکور است، و مشنعت آں بدو واسطه بحضرت غوث الثقلین میرسد و در کتب دیگرش زبدة الناظر فی مناقب الشیخ عبد القادر که تالیف شیخ مجدالدین[4] صاحب قاموس است و در کتب امام عبدالله یافعی وغیره مذکور است، و مریداں شما را دریں سخناں اشتباه قسم یافتیم جمعی می گویند ما چه دانیم ایشاں چه می گویند، ما را که مجال فہم سخناں ایشاں است هر چه گفته اند اعتقادی کنیم که حق است و جماعتے می گویند که اینها از سکر و بیخودی است. و فرقه می گویند که هر چه ایشاں می گویند و می کنند همه بامر الٰہی است، ما هم برین معنی باشیم. اگر براهین قاطعه از کرامات و آیات که از آں بزرگاں منقول و مشهور است مشاهده کنیم و بے آں تحکم تخمین ظن جز درمیت نقیم الا ایں حرف که در وے نسبت به بزرگ کائنات گستاخی و بے ادبی لازم می آید، ایں را بیشک منکر میدانیم ان الله لا یامر بالفحشاء والمنکر و بر ہر تقدیر چنانکه عادت ایں فقیر است توقف و تسلیم تجویز درمیان

---

[1] ملاحظہ ہو سفینۃ الاولیاء [2] ملاحظہ ہو "تذکرہ حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی" از مولانا حسن میاں (مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۱ء) [3] بہجۃ الاسرار شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف المتوفی ۷۱۳ھ کی تصنیف ہے۔ [4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ ص ۱۱۳-۱۱۴"

ما است کہ صدور آں ناشی از مقام صحو و تمکین باشد، اما شما خود بزبان شریف خود اعتراف کردید، و گفتید کہ ہر کہ مثل ایں سخناں گفتہ، منشاء آں سکر است و سکر را ترجیح بر صحو کردہ اند، و گفتہ اند کہ صحو صرف بے مزج سکر عین قصور است۔ و صحو خالص نصیب عوام است، ایں سخن اختراعی است۔ بخلاف مقامات متصف شدہ و بر ہیچ جا کہ بے تمیزیست و بے اطلاعی از تمام اشیاء ممزوج نگردد۔ و در حقیقت سکر و صحو ضداں اند کہ جمع نمی شوند۔ صحو خالص کہ آنرا نصیب عوام گفتند کدام است سخن از مقام عارفاں و کاملاں و اہل خصوص می رود۔ و از کلام ایشاں معلوم میشود کہ از بزرگان آنہا کہ صحو ایشاں کہ ممزوج نیست، صحو صرف دارند و بایں نوع کلمات تکلم داخل عوام اند۔ ایں چہ سخن است و گفتہ اند سکر بسطامی کہ بے تحاشی قول لوای ارفع من لواء محمد از آں بوجود آمد، ازیں عبارت مدح سکر و اعلائے شان آں مفہوم است۔ و در دوران مکتوب گفتہ اند کہ سبحانی بسطامی بسبحانی من مساس ندارد کہ آں از دائرہ انفس و آفاق است و ایں از ہر چشمہ سکر جوش زدہ و ایں از عین صحو بر آمدہ، و ایں جا ترجیح صحو نمودہ مفاخرت و مباہات بداں کردہ اند، و گفتہ اند کہ ظاہر شدن حالست بر دل نتواند کہ پوشیدہ دارد چیزے را کہ پوشیدن آں واجب بود پیش از ظہور آں حال و ایں محتمل دو قسم است۔ یکے آنکہ چیزے منکر و قبیح است و پوشیدن از جہت بود یا صحیح است لیکن در ستر و کتمان آں مصلحت دینی بود، لازم نیست کہ آنچہ در کلام اہل اللہ واقع شود البتہ از آں قبیل باشد، نہ از قسم اول از جہۃ عدم عصمۃ و جود ترک واجب کہ کتمان سر در غایت صعوبت است بر ہر تقدیر لازم آمدہ است و صاحب سکر معذور است، اگر بے اختیاری محض گردد، اختیار و تکلف را بدخل نبود۔ و بعد ازاں سکرہا کہ در کلام اکابر واقع شدہ است، عد کردہ تحسین نمودہ اند، و مسلم داشتہ اند و وے دیر تر می گفتند... بیچارہ ہا بے باصل نبردہ گرفتار ظل ماندہ اند و از زبان حضرت خواجہ شنیدہ ست

که میفرمودند که شیخ عبدالله انصاری[1] فرموده اند که بر ما مزید در وعید بسته اند، یکے از انجمله آنکه گفت ضمیر بر پہلوئے عرش زده ام و لوائی ارفع من لواء محمد، هم ازاں جمله خواهد بود بلکه شنیع واقع است، از اول و قول سبحانی را تاویل مشهور است. که در عوارف مذکور است که آنرا حکایت عن الله گفته است و اقوال که از شیخ جنید بغدادی آورده که هو العارف والمعروف ولون الماء لون انائه والمحدث اذا قورن بالقدیم لم سبق له اثر بر تقدیر صحت صدور آں از ایشاں درباب فنا فی التوحید است و ایں مذهب و حال مقام ایں قوم است ایں جا سکر چیست، شیخ ابن عربی که بیان وحدة وجود و اثبات آں می کند بر نهجی که معتقد او است از سکر نیست، مذهب و معتقد ایشاں همیں است، و مذهب شیخ جنید اگر نیز همیں است خیر، والا اشاره است باصالة و حقیقة وجود حق سبحانه و فرعیة و عاریة وجود خلق و فنای و اضمحلال این در نظر شهود و در مقابله وجود حقیقی و غلبه و سطوة ایں برآں ولون الماء لون انائه تمثیل و تصویر است برائے ظهور صفات و افعال وے تعالیٰ در مکونات بحسب استعداد و قابلیت ایشاں نه ظهور ذات وے تعالیٰ و تقدس در مرایا ظاهر، چنانکه اهل وحدت میگویند و فرموده اند که اگر صحو خالص بود که افشاء اسرار آنجا کفر بود و خود را از دیگرے بهتر دانستن شرک بود انتهی سابق مذکور شد که ایں کلیه نیست، که صحو باشد و باهر باشد کفر نیست اگر صحیح است و در اظهار آں فوت مصلحتے نیست، و اگر نه وقوع آں از اهل صحو ممنوع است، و خود را از دیگرے بهتر دانستن شرک چرا باشد، ظاهراً سهو قلم است و صحیح کفر است، و نوشته اند که ایں فقیر که ایں دفاتر در بیان علوم و اسرار ایں طائفه علیه نوشته است، بے مزج سکر حاشا و کلا که آں حرام است و منکر است، و گزافست و سخن بافست، انتهی سبحان الله تا اکنوں گماں ایں بود و از کلامهائے شما نیز کنایه

---

[1] ملاحظه ہو نفحات الانس۔

سکر کردہ آید، یا برائے تصحیح و تصدیق آنچہ واقع شدہ ست، بایں سکر برائے اثبات سکر و مسافت معلوم میشد کہ ایشاں صاحب صحو و تمکین اند، و از سکر و تلوین منزہ و مبرا اند دریں وقت چناں معلوم شد کہ صاحب سکر بودہ اند و مقرر است کہ مرتبۂ اہل سکر عاقل و نازل است، پس تحقیقات و تدقیقات کہ کردہ اند برائے سکر کردہ اند، و اگر آنچہ واقع شدہ است بایں سکر صحیح و مؤسس بر قواعد طریقت و موافق ترازوئے حقیقت است، چنانچہ از بیان کردن حقائق و معارف برائے اثبات او ظاہر میشود، چہ غم دارید، و چہ احتیاج ..... و انکسار است والا اول بیبا ئست گفت کہ مقدور داریم. چیزے از مستی و بیخودی واقع شدہ است و لبعد از غبار نیستی آں را از صرف اعتبار و صفحہ روزگار میسر شد محو نمودہ توبہ کردہ و کلام السکاری یطوی ولا یروی و عجب است ازیں طور کسے کہ جمیع فضائل و کمالات محمدی افضل الصلوٰۃ و اکملہا حاصل گردد، باقصی الغایات و مراتب متابعت بکمال رسیدہ در قرب و وصول بجائے رسیدہ کہ ہمہ واپس انداختہ و حقیقت را بے پردہ دیدہ، و دریافتہ کہ گرفتار باشد بسکر دیگراں خود چکار کنند کہ باصل نرسیدہ و گرفتار ظل ماندہ اند و محجوب اند از ایشاں اگر بجہت فعال حجاب سکری و بے تمیزی واقع شود، عجب نباشد و نوشتہ اند کہ سخن بافاں اگرچہ بجو خالص متصف اند بسیاری اندریں قسم سخن نیافتند، و دلہائے مردم از جا نبرند اگر مراد دلہا خواص است مثل ایں سخن آں را از کجا از جا نمی برند. و مخشوش میسازند بلکہ متنفر و متبری می سازند۔ و اگر دلہائے عوام است و اناس و فرعین آنہا چہ مقصود است؛ و چہ اعتبار دارد۔ و در اصل سخن اعتبار ندارد۔ و مدار براں نیست بسا کس کہ سخناں کاملاں می گویند۔ و کامل نباشند و بسا کس کہ حرف سازند و دلربا اند اندروں بد باشند و کامل نباشند، الحمد للہ از آنجا کہ ایشاں اند ہم کمال است و ہم سخناں شما خوب بسیار اند و دلربا اند اما ایں سخناں شنیع کہ نسبت بآں حضرت بے ادبی و گستاخی کردہ اید آنہا را می پوشند

وبدنام می سازد و بعضے از مسکیناں ایں راہ و خاکساراں ایں درگاہ و گدایاں ایں کوئے باشند باوجود نقصان کتب و دفاتر درمیان قواعد طریقت و احکام معاملہ ازاں زیادہ نوشتہ باشند، و دریک حرف رقم خوردہ طعن و انکار شریعت شدہ باشند، و از شاہراہ دین بیروں نیفتادہ و وہاب کریم سخنان ایشان را در بواطن اہل ایمان و قلوب صادقان گوارائی دادہ و قبول بخشیدہ است، و بحکم وصیت مشایخ کہ در شان ایشان رفتہ است ولا یتکلم بالحقائق والدقائق بین بل للحجوب علم المعاملات وما یتمون بہ من العیوب بریں قدر اقتصار نمودہ آید واز قبول عنداللہ و بیامن الوجہ عند رسول اللہ بستہ آید، ان شاء اللہ باش کہ تا صبح قیامت بداں تو کار آید با ایں پا در راہ ما شکستہ دلی می خرند و پس بازار خود فروشاں آں راہ دیگر ست سخن سید الطائفہ تا ہست العبارت و دقت الاشارت و ما ینفعہا الا رکعات فی اللیل غم ایماں باید خورد، و از سابقہ اندیشید کہ چہ رفتہ است و نوشتہ اند کہ ایں سخن کہ مبنی بر اسرار باشد و از مظاہر مصروف بود، در ہر وقتے از مشایخ طریق بظہور آمدہ است و عادۃ مستمرہ ایں بزرگواراں گشتہ۔ و ایں امرے نیست کہ آں را ایں فقیر پیدا کردہ، و لیس، ہذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام انتہیٰ، ظہور سخن مشتمل بر افشائے اسرار توحید و شطحیات طامات کہ از ظاہر مصروف باشند و افہام عوام بداں نمی رسد و آنرا موہومات مبہمات میگویند بسیار است، اما ایں قسم سخن کہ بحضرت اولیا، خصوصاً بحضرت سید المرسلین در افتند و دعوی مداراۃ و مواساۃ و ہمسری کنند از کسے در نظر نمی آید۔ و عاقلے گفتہ۔ ع

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

و ظاہر ایں کلام بے ادبی و گستاخی است، حرف ایں از ظاہر نمیدانم کہ بحسب لشوہ ہمنائے خود ایں را ثابت و محقق بکشف و دلائل ساختہ اند، و در آخر سکر را بہانہ ساختہ

اند، آنہا کہ منتہی گردیدہ و بے قیدیہا نمودند، چہ چیزہا بر سر ایشاں گذشتہ و ہنوز زبانہا بطعن و تشنیع ایشاں دراز است۔ و قول شریف ولیس ھٰذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام عجب واقع شدہ است در اعتراف بشناعت آں کافی است و شیشہ شکستہ چوں باز بہم نمی آید و کذلک لا یلتام ما جرح اللسان و آیۃ کریمہ ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید و حدیث شریف کف ھٰذا یعنی اللسان دریں باب کافیست، واللہ اعلم۔

ایں کلمات بقصد استفسار و استکشاف حال و دفع تألم عارض بال تسکین فرقہ صدر نوشتہ شد، قصد آں داشت کہ چیزے بنویسد، و بالزام نفس راضی باشد اصل غرض نصیحت و خیرخواہی و کشف حال است الدین النصیحۃ و ایں را از چند مجلس املا نمودہ و ہر بار استخارہ بجناب سعادۃ از شر نفس و تبری از حول و قوۃ بمبالغہ اکید و تمام نمودہ و می نوشت امید کہ معذور باشد و ماجور گردد، ظن فقیر بشیخ جمیل است ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت و اتحاد ست کم کسے را خواہد بود صاحب کشف المحجوب درباب حسین بن منصور حلاج[1] گفتہ است، الحمد اللہ عزیز است وے بر دل من اما طریقش بہیچ وجہ مقبول نیست، وما قال نزد ایں فقیر شما ہم عزیزید و ہم طریقۂ شما، اما سخناں کہ نسبت بحضرت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میگویند آنہا را تاب نیاید، و آنچہ نسبت بمشائخ گفتند کرہاً و جبراً برداشتہ شدہ است اما برداشت ایں کلمات از طاقت حال ایں فقیر بیرون است، و ہمیشہ دعاء فقیر در خلوت و جلوت بعد از صلوۃ در سائر اوقات ایں بودہ است اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ اللہم اجب و بعد از آنکہ آوازہ شما در میان است ایں سر می گویم خداوندا ایں مرد از کمالات خود ایں چنیں خبر می دہد اگر صادق است، مارا دلیل بر صدق و حقیقۃ او الہام فرما و در

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۃ الاولیاء، کشف المحجوب اور نفحات الانفس۔

تصرف نگهدار که رفع شبهة والتباس کند واگر نه چنین است اورا بسر انصاف آرد از بیرون روی باز دار یکباری شنیده باشد که نسبت بفقرا این می خواند که إن یك کاذبا فعلیه کذبه وان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم التماس آنست که اگر این طریق را مردم دست آویز دگر ساخته اند ترک دهید، و اعلام نمائید دوستان همه در ربقهٔ اطاعت و انقیاد بلکه دشمنان نیز براه محبت، و اعتقاد نه چون ملازمان حال خود را در اهل سکر واصل کرده اند، این سخن مشهور بایزید بسطامی است که در وقت رفتن ازین عالم فرموده اند الهم ان کنت قلت یوماً سبحانی، اعظم شانی فالیوم انا مجوسی اقطع زناری وقیل اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده ورسوله الحمد لله که ختم کلام بر شهادتین اتفاق افتاد الحمد لله عاقبت بخیر باد، وصلی الله علی سید المصطفی الامین خلاصة الوجود و مرکز ظهور و ینبوع الحق ولسان محمد وآله واصحابه اجمعین هداة طریق الحق و منهج علوم الدین -

ولقد علموا لمن اشتراه ماله في الآخرة من خلاق
ولقد علموا لمن اشتراه ماله في الآخرة

خط گلزار ، ۲۲۵

بر زمینی که نشانِ کفِ پای تو بود
سالها سجدهٔ صاحب‌نظران خواهد بود

کتبہ خورشید گوہر قلم، لاہور اپریل ۱۹۸۹ء، ۱۴۰۹ھ

حدیث نبوی شریف

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي نَفْسَهُ وَمَالَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ایک معاصر

حضرت مجدد الف ثانی

ڈاکٹر علیم اشرف خان

☆☆

یوں تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ جس دور میں پیدا ہوئے اس میں علماء فقہاء کی بڑی تعداد موجود تھی جن میں درباری عہدے دار، امراء، وزراء اور شاہی ملازمین کے ساتھ مورخین، انشا پرداز اور صوفیہ بھی موجود تھے۔ اگر ان حضرات کے احوال کو بیان کیا جائے تو وافر تعداد میں کتابیں درکار ہوں گی اس لیے اختصار کو ملحوظ رکھ کر یہاں حضرت مجدد الف ثانی کا مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ سے یا ان کے دوست و رفیق تھے اور آپ کے دینی مشن میں مددگار تھے۔

عہد شیخ عبدالحق محدث دہلوی احمد سرہندی ایک معروف عالم اور بزرگ تھے آپ بھی شیخ عبدالحق محدث علیہ الرحمۃ کی طرح خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے میں شیخ بیعت تھے آپ کا مقصد حیات بھی احیائے ملت اور ترویج سنت و شریعت ہی تھا۔

شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اور شیخ احمد سرہندی کے درمیان کچھ وقت کے لیے عارضی طور پر نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا تھا نیز شیخ عبدالحق نے مجدد الف ثانی کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا مگر جب شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کو مجدد صاحب نے اپنی منشا اور اپنے خیالات سے آگاہ کیا تو یہ نظریاتی اختلاف دور ہو گیا اور شکوک و شبہات کے بادل چھٹنے کے بعد شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے کارناموں کا اعتراف کیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس اختلاف کو مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی توہین سمجھا تھا جس پر طرح طرح کی وضاحتیں اور تاویلات پیش کی گئیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو جب جہانگیر نے گوالیار کے قلعے میں قید کر لیا تھا تو اس موقع پر شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو نہایت ہمدردانہ خط لکھا جس میں آپ نے اذیت اور مصیبت کے اوقات میں صبر و تحمل کرنے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ یہ سب باتیں عارضی ہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے انہیں بندوں کی آزمائش ہوتی ہے جو آزمائش پر کھرے اترنے کے قابل ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ بلکہ ان کے احباب اور شناسا لوگوں سے بھی خصوصیت برتتے تھے اور ان کی جائز مدد تک کرتے تھے اسی لیے مرزا داراب بن عبدالرحیم خانخانان کو ایک خط میں یوں لکھتے ہیں:

> ”ثانیاً سفارش شیخ اسمٰعیل می نماید از آشنایانِ معارف آگاہی حاجی عبدالحق است۔“[1]

حد تو یہ کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے شیخ نور الحق مشرقی کو ایک طویل مکتوب میں اخوی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔[2]

ان مکتوبات کو پڑھنے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ میں بے حد یگانگت اور مخلصانہ تعلقات تھے اور حضرت مجدد صاحب، شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کو اس دور کی نعمت سمجھتے تھے اور ان کی روحانی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے۔

☆......☆......☆

حواشی

[1] ...مکتوبات شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ، جلد اول، ص: ۲۶۸

[2] خط کا عنوان ہے ”در کشفِ سر گرفتاری حضرت یعقوب بہ حضرت یوسف“ (مکتوبات جلد ۳ ص ۱۷۶)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ پنجم

جلائے جس نے اندھیروں میں روشنی کے چراغ
وہ جس کے فیض نے مہکا دیے جہاں کے دماغ
(خالد محمود)

٣٧٣

علم الانسان ما لم يعلم

٥٣٦٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خاندانِ مجددیہ اور فارسی ادب

ڈاکٹر ادریس احمد

(شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی)

☆☆

صوفیا کے کئی سلسلے بامرورِ زمانہ وجود میں آئے جن میں سے کئی سلسلے بہت زیادہ مشہور ہوئے اور اب تک موجود ہیں۔ بہت سے غیر معروف سلسلے منقطع ہو گئے۔ ہر سلسلے کے قواعد و ضوابط اور طریق اشغال و اذکار جداگانہ ہیں۔ ان سلسلوں سے مزید شاخیں نکلی ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے زمانے میں صوفیا کے تین سلسلے مشہور و موجود تھے: عدویہ سلسلہ، قادریہ سلسلہ اور رفاعیہ سلسلہ۔ عدویہ سلسلہ شیخ عدی بن مسافر الاموی (وفات ۵۵۷ھ) کی طرف منسوب ہے۔ قادریہ سلسلہ کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۵۶۱ھ) ہیں۔ سلسلہ رفاعیہ شیخ احمد رفاعیؒ (۵۰۰ - ۵۷۸ھ) کی طرف منسوب ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی سلسلے مثلاً سلسلہ یونسیہ، بدادیہ تھے۔ سہروردیہ سلسلے کے بانی شیخ الشیوخ شہاب الدین سہرودیؒ (۵۳۹ - ۶۳۲ھ) ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (وفات ۶۳۲ھ) ہیں۔ ہندوستان کے نامور اور مشہور بزرگان دین مثلاً شیخ فرید الدین شکر گنجؒ (وفات ۶۷۱ھ) خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (وفات ۶۳۴ھ) حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ (وفات ۷۲۵ھ) قاضی حمید الدین ناگوریؒ (وفات ۶۸۰ھ) امیر خسرو دہلوی وفات ۷۲۵ھ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (وفات ۷۵۷ھ) شیخ علاءالدین علی احمد صابر وفات ۶۹۰ھ شیخ سلیم چشتیؒ وغیرہ سب اسی سلسلہ عالیہ سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان کے مغل بادشاہوں کو اس سلسلہ سے خاص عقیدت رہی ہے[1]

سلسلہ نقشبندیہ: اس سلسلہ کے بانی خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ (وفات ۷۹۱ھ) ہیں۔ اس سلسلہ کے صوفی حضرات ذکر خفی کرتے ہیں۔ ان کے ذکر و فکر کا ایک خاص ضابطہ ہے جو دوسرے سلسلوں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے التزام سنت اور اجتناب بدعت اس سلسلہ کا خاص شعار ہے۔ اس سلسلہ کے ماننے والوں کا دعویٰ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ کے طریقہ پر ظاہراً و باطناً قائم ہیں۔

طریقہ نقشبندیہ کے خصائص میں سے ایک چیز یہ ہے کہ اس طریقہ کے بزرگوں نے احوال کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور احوال و معارف کو احکام دینیہ کا خادم بنایا ہے۔ یہ سماع و رقص کو پسند نہیں کرتے اور ذکر جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔[2]

حضرت مجددؒ کے والد محترم مخدوم عبدالاحدؒ[3] شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ[4] کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے ممتاز خلیفہ اور صاحب علم بزرگ تھے، اور چشتیہ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مجدد چشتیہ اور قادریہ سلسلے میں ان کے مرید ہوئے۔ نقشبندیہ سلسلہ کے فروغ سے پہلے قادریہ سلسلے کو دوسرے قدیمی سلسلوں پر امتیاز حاصل تھا اور اس کی وجہ سے مقتدر علما مثلاً شیخ علی متقیؒ[5] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس سلسلے میں بیعت کی۔

چشتی سہروردی اور قادری سلسلوں کی تمام روایات گوشہ تنہائی میں یاد خدا کرنے کی ہیں لیکن دسویں و گیارھویں صدی ہجری میں جو بدعات اور دین میں فساد کا بازار گرم تھا اور جس طرح ان سب کارروائیوں کو شاہی سرپرستی حاصل تھی اس کا تقاضہ تھا کہ صوفیا گوشہ تنہائی سے نکل کر ارباب اقتدار سے ربط و ضبط پیدا کریں اور خرابیوں کی اصلاح کریں۔ صوفیا میں اس طریقہ کار کے سب سے پرزور ترجمان نقش بندی حضرات تھے۔ ہندوستان میں جس بزرگ نے اس اصول پر سب سے پہلے کثرت سے عمل کیا[1]، ہندوستان میں نقش بندی سلسلے کی مستحکم بنیاد رکھی وہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ (۹۷۱-۱۰۱۲ھ) تھے جن کے حلقہ عقیدت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسی ہستیاں

داخل ہوئیں۔ ان کے علاوہ دربار شاہی کے مقتدر امیر بھی آپ کے مرید ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی بنیاد رکھی جو تمام ہندوستانی طریقوں میں شریعت سے قریب ترین ہے۔ ہندوستان میں اسلام پر شروع سے تصوف کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا تھا کہ کوئی شخص صوفیانہ سلسلہ میں داخل ہوئے بغیر اسلام کی برکات سے مستفید ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی حالت میں اسلام کی بڑی خدمت یہ تھی کہ ایسے صوفیانہ سلسلے کو ترقی دی جائے جو بعض دوسرے سلسلوں کی طرح شرع سے آزاد نہ ہو۔ حضرت مجددؒ نے ایسے طریقہ کی اشاعت کی جس میں شریعت کی پیروی پر زیادہ زور ہے۔ اس طریقے میں اتباع سنت سنیہ اور اجتناب بدعت نامرضیہ بدرجہ کمال ہے نقشبندیہ مجددیہ سلسلے میں اتباع شریعت اور ترویج سنت کا جوش دوسرے سلسلوں سے زیادہ ہے۔ نہ اس میں چلہ کشی کی ضرورت ہے نہ ذکر بالجہر کی اجازت ہے نہ سماع بالمزامیر ہے۔ نہ قبور پر روشنی نہ غلاف وچادر اندازی، نہ سجدہ تعظیمی، نہ پیروں کی قدم بوسی کا حکم، نہ مرید عورتوں کی بے پردگی۔ آپ نے طریقت کا وہ سلسلہ اختیار کیا جس میں احکام شرعی کا سب سے زیادہ پاس تھا اور اس سلسلہ کو ترقی دی بلکہ طریقت کے مقابلے میں شریعت کی اہمیت واضح کر دی۔ شرع کی حمایت اور ترجمانی کے علاوہ آپ نے رد بدعت اور اسلام کے عام احیاء پر بہت زور دیا اور مکتوبات کے ذریعہ بدعت کے دین میں شامل ہونے کے نقصانات کو واضح کیا۔

جو اثرات حضرت مجدد الف ثانی کی بدولت ہندوستان میں مرتب ہوئے وہ ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر باقی عالم اسلام تک پہونچے خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی نقشبندیہ۔ باقویہ سلسلے کو لے کر حجاز پہونچے۔ اس سلسلے میں جمالی رنگ زیادہ نمایاں تھا اور اصل زور تزکیہ نفس اور اصلاح حال پر تھا۔ سلسلہ نقشبندیہ۔ مجددیہ میں جلالی شان غالب تھی، اس کا طریق کار احیائی تھا اور اس کی اشاعت

کا ایک اہم ذریعہ حضرت مجدد اور ان کے صاحبزادگان خواجہ معصومؒ، خواجہ محمد سعید اور خواجہ سیف الدین کے مکتوبات تھے دوسرا ذریعہ خلفاً و مریدین تھے جنھوں نے ماوراالنہر، روم، شام و عرب تک پہونچ کر اس طریقہ کی ترویج کی۔ خلافت عثمانیہ میں طریقہ مجددیہ کی سب سے زیادہ اشاعت انیسویں صدی میں ہوئی جب حضرت خالد کردیؒ نے دہلی میں رہ کر شاہ غلام علیؒ سے یہ طریقہ اخذ کیا اور واپس جاکر عرب ممالک میں اس کی اشاعت کی اور انہوں نے اہل شرع کی مدد سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کو سلطنت کا سب سے با اثر صوفی طریقہ بنا دیا۔

افغانستان کے علاقہ میں تو مجددیہ سلسلہ کو اس سے بھی بڑھ کر فروغ ہوا۔ حضرت مجددؒ کی حیات میں ہی یہ سلسلہ آپ کے خلفاً کے ذریعہ افغانستان پہونچ چکا تھا حضرت خواجہ باقی باللہؒ خود کابل کے رہنے والے تھے اور ماوراالنہر میں تعلیم پائی تھی اس لیے ان کے خلیفہ اعظم حضرت مجدد کے طریقہ کار کی افغانستان اور ترکستان میں اشاعت قدرتی تھی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے ذریعہ اس طریقہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ آپ کے عقیدت مند ان علاقوں میں بہت ہیں۔ مثلاً افغانستان کے سب سے بڑے روحانی بزرگ حضرت نور المشائخ اسی سلسلے سے متعلق ہیں۔

نقشبندیہ۔ مجددیہ سلسلہ کی شاخیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں آج بھی پھیلی ہوئی ہیں اور اس سلسلے کی تعلیمات کو ہر خاص و عام تک پہونچا رہی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے کی تعلیمات اس قدر سادہ اور پاک صاف ہیں کہ ہر دور میں ان کی ضرورت باقی رہے گی۔ ہر دور میں دین میں اور شریعت میں داخل اندازی کی کوششیں کی جاتی رہیں گی۔ لہٰذا ان تعلیمات یعنی اتباع شریعت رد بدعت ترویج سنت اور احیائے دین پر زور دینے کی ضرورت محسوس کی جاتی رہے گی۔

شیخ احمد سرہندی:

عالم بے بدل، صوفی بے مثل، مصلح اعظم شیخ احمد ملقب بہ بدرالدین وکنیت ابوالبرکات ۱۴ر شوال ۹۷۱ھ ۲۶ مئی ۱۵۶۴ء کو سرہند میں متولد ہوئے سال ولادت لفظ 'خاشع' سے برآمد ہوتا ہے۔ ان کے والد شیخ عبدالاحد خود ایک عالم اور صوفی تھے ان کے بیان کے مطابق ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ شیخ احمدؒ کے اجداد میں شہاب الدین علی فرخ شاہ فاروقی کابلی' غزنہ اور کابل سے ہندوستان آکر آباد ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ/۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کے عہد میں یک مرتبہ شاہی خزانہ اس علاقہ کے جنگلات سے گزر رہا تھا۔ ایک بزرگ بھی اس قافلہ کے ہمراہ تھے، جب اس جگہ جہاں اب سرہند آباد ہے، پہونچے تو ان بزرگ نے پیشگوئی کی کہ یہاں ایک بڑا صوفی اور ولی اللہ پیدا ہوگا۔ بادشاہ نے یہ خبر سن کر یہاں ایک شہر باد کرنے کا حکم دیا اور یہ کام امام رفیع الدینؒ کے سپرد ہوا جو شیخ احمد کے اجداد میں تھے۔

شیخ احمدؒ نے جو اپنے نام کی نسبت لقب 'مجدد الف ثانی' سے زیادہ مشہور ہیں۔ بندائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور کم سنی میں ہی قرآن شریف حفظ کر لیا ۹۔ اس کے جد انہوں نے علم حدیث اور تفسیر کی تکمیل کی۔ بعدۂ وہ دینی تعلیم کی تکمیل کے لیے مولانا مال کشمیری ۲ کے پاس سیالکوٹ گئے جہاں معقولات کی کتابیں اور حدیث کی سند مولانا بقوب صرفی کشمیریؒ سے حاصل کی۔ یہ تمام علوم آپ نے ۲۱ سال کی عمر میں حاصل کر لیے سیالکوٹ میں ہی آپ نے علم تفسیر ایک اور ممتاز عالم قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ سرہند واپس تشریف لے آئے اور اپنے الد ماجد کے حضور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے کچھ عرصہ بعد آپ آگرہ شریف لے گئے وہاں بڑے بڑے علماء سے تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ ابوالفضل اور فیضی سے آگرہ میں اکثر ملاقات اور علوم فلسفہ پر بحث و مباحثہ رہا۔ ابوالفضل وغیرہ زبردست لسفی تھے، فرشتوں کے وجود کے منکر تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنا ہم خیال اور ہم نوا بنانے

کی کوشش کی۔ ان ہی مناظروں کی بنا پر آپ نے 'اثبات النبوۃ' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ابوالفضل اور فیضی آپ کی غیر معمولی ذہانت قابلیت سے بہت متاثر ہوئے۔ ان صحبتوں سے آپ کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ آپ نے اس زمانہ کے اصل فتنوں کے مبدء و منشا کا پتہ چلالیا۔ زبدۃ المقامات میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ ابوالفضل اور شیخ احمدؒ ایک مجلس میں جمع تھے۔ ابوالفضل نے فلسفہ اور اس سے متعلقہ موضوعات پر بحث شروع کردی اور بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا۔ شیخ احمدؒ نے امام غزالیؒ[۱۳] کے حوالے سے اس کی دلیلوں کو رد کیا۔ ابوالفضل کو غصہ آگیا اور اس نے امام غزالی کے متعلق چند توہین آمیز کلمات کہے۔ شیخ موصوف کو اس پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے ابوالفضل کو سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ 'علما کی صحبت میں بیٹھنا چاہتے ہو تو زبان کو اس قسم کی لغویات سے قابو میں رکھو' اس کے بعد شیخ احمدؒ کچھ عرصہ تک اس کی مجلس میں نہیں گئے یہاں تک کہ ابوالفضل نے معذرت چاہی[۲] اسی طرح ایک مرتبہ عید کے چاند کے متعلق اختلاف تھا۔ اکبر نے بغیر کسی شرعی شہادت کے لوگوں سے روزہ توڑنے اور عید منانے کو کہا۔ اسی دوران شیخ احمدؒ ابوالفضل سے ملنے گئے آپ کے چہرے سے روزہ کے آثار ظاہر تھے۔ ابوالفضل نے شاہی فرمان کی طرف ان کو متوجہ کیا۔ شیخ نے جواب دیا کوئی شرعی شہادت موجود نہیں ہے اور یہ کہ "بادشاہ بی دین است اعتباری ندارد" ابوالفضل نادم ہو کر رہ گیا مگر پھر بھی اس نے پانی کا پیالہ آپ کے منہ سے لگایا، لیکن آپ نے ہاتھ جھٹک دیا اور اسی وقت اٹھ کر چلے آئے۔ بعد میں ابوالفضل نے معافی مانگ لی اور پھر آمدورفت شروع ہوگئی ہے[۱] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سواطع الالہام جو فیضی کی مشہور بے نقط تفسیر ہے، اس میں بھی شیخ احمدؒ کی امداد شریک تھی۔ ایک دن حضرت موجود تھے اور ایک مضمون فیضی کی گرفت میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح صنعت بے نقط میں لکھے، اس نے حضرت شیخ احمدؒ سے مدد چاہی۔ آپ کو اس صنعت میں لکھنے کا کوئی پیشگی تجربہ نہیں تھا لیکن پھر بھی آپ نے قلم برداشتہ پورا صفحہ اسی صنعت بے نقط

میں لکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ تفسیر مذکور کی تکمیل میں حضرت شیخ احمدؒ کا بھی قابل ملاحظ حصہ اور مدد شامل تھی[۱۵]۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد جن پر آپ کی جدائی شاق گذر رہی تھی، آپ کو لینے کے لیے اکبر آباد (آگرہ) گئے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے آئے راستہ میں جب تھانیسر پہونچے تو وہاں کے ایک رئیس شیخ سلطان[۱۶] کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح پڑھا گیا۔ اس شادی سے آپ کو کافی مال ملا جس سے آپ نے سرہند میں مکان اور مسجد تعمیر کرائی۔

اس سفر سے واپسی کے بعد آپ اپنے والد کی خدمت میں التزام سے رہنے لگے۔ ان سے چشتیہ اور قادریہ دونوں نسبتیں حاصل کیں۔ لیکن آپ نے موسیقی سے ہمیشہ اجتناب کیا جس کا سننا چشتیہ سلسلہ میں جائز ہے[۱۷]۔

ایک مرتبہ آپ شاہ سکندر کی صحبت میں مراقبہ میں بیٹھے تھے شاہ صاحب نے اٹھ کر شاہ کمال کیتھلیؒ(۱۸) کا خرقہ آپ کے کندھوں پر ڈال دیا اور فرمایا کہ ان کو ان کے والد شاہ کمالؒ کی ہدایت تھی کہ یہ روحانی ورثہ شیخ احمدؒ کو پہونچا دوں(۱۹)۔

شیخ احمدؒ کو حج کی بہت آرزو تھی لیکن والد کی ضعیف العمری کی وجہ سے وہ ان کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ آپ کے والد مخدوم عبدالاحد کا ۱۰۰۷ھ/۹۹-۱۵۹۸ء میں انتقال ہوگیا۔ تب ۱۰۰۸ھ میں آپ حج کے ارادہ سے سرہند سے روانہ ہو کر دہلی پہونچے۔ یہاں وہ اپنے دوست مولانا حسن کشمیری سے ملے جنھوں نے ان کو خواجہ باقی باللہؒ[۲۰] سے ملنے کا مشورہ دیا۔ آپ کو پہلے ہی سے نقشبندیہ نسبت کے حاصل کرنے کی تمنا تھی۔ بے اختیار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہؒ کمال شفقت وعنایت سے پیش آئے اور حج کے بارے میں سن کر فرمایا کہ اگر ایک ہفتہ یا ایک مہینہ یہاں قیام کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ابھی تین چار دن ہی گذرے تھے کہ آپ کے دل میں مرید ہونے کا شوق پیدا ہوا اور درخواست کی خواجہ صاحبؒ نے بلا تامل ایک خلوت میں بلا کر توجہ فرمائی۔ آپ کا قلب ایک ہی توجہ میں ذاکر ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی ترقی اور جمعیت حاصل ہوئی شیخ احمدؒ تین ماہ تک خواجہ صاحب

کی صحبت میں رہے اور اس کے بعد وطن واپس تشریف لے گئے[۲۱] کچھ عرصہ بعد دوبارہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواجہ صاحب نے ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰-۱ء میں خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا[۲۲] اور مریدوں کے ایک گروہ کو تربیت کے لیے ان کے ہمراہ کر کے رخصت فرمایا۔ سرہند آ کر آپ نے حضرت خواجہ سے تعلق قایم رکھا اور مریدوں کی روحانی ترقی کی آپ کو خبر دیتے رہے[۲۳]۔

جب آپ تیسری مرتبہ دہلی تشریف لائے تو حضرت خواجہ باقی باللہؒ قلعہ فیروزی (جہاں آپ کی رہائش تھی) سے کابلی دروازہ تک آپ کے استقبال کے لیے پیادہ تشریف لائے. خواجہ باقی باللہ باوجود پیر ہونے کے شیخ احمد سرہندیؒ کے سامنے انتہائی احترام سے بیٹھتے تھے۔ اس تیسری ملاقات میں خواجہ صاحب نے آپ کو عظیم الشان بشارتیں دیں، اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سر حلقہ بنا کر بٹھایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اب امید حیات بہت کم رہ گئی ہے اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ اور حضرت خواجہ عبداللہ کو جو اس وقت شیر خوار تھے اپنے سامنے حضرت شیخؒ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجئے۔

دہلی سے آپ سرہند واپس تشریف لے گئے اور ارشاد و ہدایت کے کام میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی طرف سے آپ کو لاہور جانے کا حکم ہوا۔ لاہور میں آپ کے فیضان علم اور کمالات کی بہت شہرت ہوئی۔ یہاں کے عمائد علماً مولانا جمال الدین تلوی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ آپ کا ابھی لاہور ہی میں قیام تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے انتقال کی خبر ملی۔ خواجہ صاحبؒ کا انتقال ۲۷ر جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ/۶ر نومبر ۱۶۰۳ء کو دہلی میں ہوا۔ آپ لاہور سے سیدھے دہلی روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر اپنے پیر بھائیوں کے شکستہ دلوں کو مرہم عنایت

سے تسلی و تشفی بخشی اور دہلی میں ارشاد و ہدایت کا کام جاری رکھا۔ چند مریدوں کی طرف سے کچھ شکوک و بدگمانیوں کا اظہار ہوا تو آپ نے ان کے شکوک کو دور کر کے ان کو مطمئن کر دیا ۲۴۔

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ جب تیسری مرتبہ حضرت خواجہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب حضرت خواجہ امکنگیؒ نے مجھے ہندوستان آنے کا حکم دیا تو میں نے خود کو اس لائق نہ پاکر کچھ تردد کا اظہار کیا۔ خواجہ امکنگی نے استخارہ کے لیے فرمایا۔ استخارہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک طوطی شاخ پر بیٹھا ہوا ہے اور ہم نے دل میں نیت کی اگر یہ طوطی اس شاخ سے آکر ہمارے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو ہمیں اس سفر میں کامیابی ہوگی۔ اسی وقت طوطی آکر ہمارے ہاتھ پر بیٹھ گیا اور ہم نے اپنا آب دہان اس کی منقار میں ڈالا اور اس طوطی نے ہمارے منہ میں شکر ڈالی۔ دوسرے دن جب خواجہ امکنگیؒ سے یہ واقعہ عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ طوطی ہندی پرندہ ہے اور ہندوستان میں تمہاری صحبت سے ایسا شخص پیدا ہوگا جس سے پوری دنیا منور ہوگی اور تمہیں بھی اس سے فیض حاصل ہوگا۔ ۲۵

دوسرا واقعہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے بیان فرمایا کہ جب میں ہندوستان آتے ہوئے شہر سرہند پہونچا تو واقعہ میں یہ معلوم ہوا کہ میں ایک قطب کے پڑوس میں اترا ہوں اور اس قطب کا حلیہ بھی مجھے بتایا گیا۔ صبح کو جس قدر درویش سرہند میں تھے سب سے ملا لیکن وہ حلیہ اور قطب کی صفات کسی میں نہ تھی۔ خیال ہوا کہ شاید آئندہ کوئی ایسا شخص پیدا ہو جب تم کو دیکھا تو تمہارا حلیہ بعینہٖ وہی پایا اور اس منصب کی قابلیت بھی دیکھی۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ میں نے سرہند میں ایک بڑی مشعل آفتاب کے مانند روشن کی ہے اور اس کی روشنی لحظہ بلحظہ ترقی کر رہی ہے اور لوگ اس سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ یہ اشارہ بھی تمہاری طرف ہی ہے ۲۶۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو حضرت شیخ احمدؒ کے بیعت ہونے پر بڑا ناز تھا خواجہ صاحب اپنے ایک مخلص کو حضرت مجدد صاحب کے مراتب کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"شیخ احمد نام مردی است از سرہند کثیر العلم وقوی العمل روزی چند فقیر با و نشست وخاست کردہ عجایب بسیار از روزگار اوقات او مشاہدہ نمودہ بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردد والحمد اللہ تعالےٰ احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ" ۲۷

ایک اور موقعہ پر میر محمد نعمان کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

"میاں شیخ احمد آفتابی اند کہ مثل ما ہزاران ستارگان در ضمن ایشان گم است واز کمل اولیای متقدمین خال خالی مثل ایشان گذشتہ باشند" ۲۸

حضرت شیخ احمدؒ بھی خواجہ صاحبؒ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے جیسا کہ ان کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے :۔

"بعد حمد وصلوات و تبلیغ دعوات بجناب مخدوم زادہائے کرام می نماید کہ این فقیر از سرتا قدم غرق احسانہائے والد بزرگوار شما است۔ درین طریق سبق الف بے را از ایشان گرفتہ است و دولت اندراج النہایت فی البدایت ببرکت صحبت ایشان حاصل کردہ وسعادت سفر در وطن را بصدقہ خدمت ایشان یافتہ۔ توجہ شریف ایشان در دو نیم ماہ این ناقابل را نسبت نقشبندیہ رسانیدہ وحضور خاص این اکابر را عطا فرمود۔۔۔

گر بر تن من زبان شود ہر موے
یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

سہ مرتبہ فقیر بدولت عتبہ بوسی حضرت ایشان مشرف گشت" ۲۹

دہلی میں کچھ عرصہ قیام اور پیر برادران کو تسلی وتشفی دینے کے بعد حضرت شیخ احمدؒ سرہند واپس تشریف لے گئے اور درس وتدریس وارشاد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے علم وفضل اور روحانی کمالات کا شہرہ سن کر لوگ کثیر تعداد میں ان کے مرید ہو رہے

تھے۔ ان میں شاہی امراء ولایات کے حاکم مثلاً صدر جہاں، خان آعظم، خانخان، مرتضیٰ خان[۳۰] بھی شامل تھے۔ یہ سب اکبر کے دربار میں با اثر تھے۔ اسی لیے حضرت شیخ احمدؒ نے ان سے کہا کہ اکبر کو اسلام کے صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کریں۔ لیکن ان لوگوں کی تمام تر کوششیں بے فایدہ ثابت ہوئیں اسی دوران ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء میں اکبر کا انتقال ہو گیا اور تخت شاہی پر جہانگیر جلوہ افروز ہوا۔

اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت شیخ احمدؒ نے احیائے اسلام اور تمام بدعات و رسوم خبیثہ کی بیخ کنی کے لیے زبردست جدوجہد شروع کر دی۔ آپ نے ملک کے گوشہ گوشہ میں اپنے خلفاء کو روانہ کیا۔ آپ نے ارکان شاہی کو مکتوب گرامی کے ذریعہ وقت کے اہم تقاضے کی طرف توجہ دلائی۔ لشکر شاہی میں آپ کے نامور خلیفہ شیخ بدیع الدین تلقین و ارشاد میں مشغول تھے اور ہزارہا آدمی ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے تھے شیخ بدیع الدین کو لشکر شاہی میں آپ نے ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶-۱۷ء میں روانہ فرمایا تھا[۳۱]۔

نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کو ایک مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا:

> "بادشاہ کی نسبت جہان کے واسطے ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی ٹھیک ہے۔ ایسے ہی جہان کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے اور اس کے بگڑنے سے جہان کا بگڑنا وابستہ ہے آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں اہل اسلام پر کیا کیا مصایب گذرے ہیں...... محبوب رب العالمین حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل و خوار تھے اور منکرین با عزت و وقار...... آج جب دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی خاص و عام کے کانوں تک پہونچی اہل اسلام نے لازم جانا کہ بادشاہ کے معاون اور مددگار ہوں اور شریعت کے رواج دینے میں اس کی مدد کریں[۳۲]"

عہد اکبری کے آخر میں دربار سے علما کو موقوف کر دیا گیا تھا۔ عہد جہانگیری میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا۔ حضرت شیخ احمدؒ کی پیہم کوششوں سے جب بادشاہ کے رجحانات میں تبدیلی

ہوئی تو دربار میں چار عالموں کا رکھا جانا منظور ہوا جو بادشاہ کے مشیر کار ہوں اور مسایل شرعیہ بتایا کریں تاکہ بادشاہ خلاف شرع قدم نہ اٹھائے۔ ان علماً کے انتخاب کا حکم شیخ فرید بخاری کو ملا۔ حضرت شیخ احمدؒ کو اس خبر سے بے حد مسرت ہوئی لیکن چونکہ آپ کو معلوم تھا اکبر کو علمائے سو نے بگاڑا تھا اس لیے آپ نے شیخ فرید، صدر جہاں اور دیگر مقربین کو تحریر فرمایا کہ وہ علمار کے انتخاب میں نہایت احتیاط ملحوظ رکھیں۔

شیخ فرید کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" بادشاہ نے اپنی فطری مسلمانی کی تحریک سے آپ کو چار علمای دیندار کے انتخاب کے لیے فرمایا ہے جن کو شاہی دربار میں شرعی مسایل کے بیان کرنے کے لیے ملازم رکھا جائے تاکہ خلاف شرع کوئی امر صادر نہ ہو۔ اس پر خدا تعالیٰ کی حمد بجالاتا ہوں ...... دور سابق میں علماً سوء نے ہی دنیا کو بلا میں ڈالا تھا ایسا نہ ہو کہ دین کی ترویج کی بجائے تخریب شروع ہو جائے۔ اگر بجائے چار کے ایک ہی عالم کا انتخاب ہو جائے تو بہتر ہے اور اگر ایسا آدمی علمار ربانی میں سے مل جائے تو کیا کہنا، ایسے لوگوں کی صحبت کبریت احمر ہے" ۳۳

لال بیگ گورنر بہار کو ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"...... ابتدائے بادشاہی میں ہی اگر مسلمانی کو رواج دیا گیا اور مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا جب تو خیر ہے ورنہ اگر مسلمانوں نے سستی کی تو مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا" ۳۴

صدر جہاں[۳۵]، خان جہاں[۳۶]، شیخ فرید[۳۷] کے نام آپ کے بہت سے مکاتیب ہیں۔ جن میں ان امرا کو توجہ دلائی گئی ہے کہ بادشاہ کے تقرب سے فائدہ اٹھا کر کلمۂ حق اس کے گوش گذار کرتے رہیں اور احکام شریعہ کے نفاذ کی طرف بادشاہ کو رغبت دلائیں۔ گذشتہ دور میں دین کو جو شدید نقصان پہونچا آپ نے نہایت پر درد الفاظ میں اس کی عکاسی کی

اور ان بدعات کے خاتمہ کے لیے کوشش کرنے کے لیے کہا۔ ان مکتوبات کے ذریعہ آپ نے ان امرا کا ذہن اسلامی تعلیمات کی طرف موڑ دیا۔

قلیچ خاں گورنر لاہور کو اس ضمن میں ان کی کامیابی پر تحریر فرماتے ہیں۔

> "اظہار محمدت و شکر گزاری ایشان می نماید کہ در بلدہ معظمہ لاہور بوجود ایشان بسیاری از احکام شرعیہ درین طور زمانہ رواجی پیدا کردہ است و تقویت دین و ترویج ملت دراں بقعہ حاصل گشتہ است" ۳۸

حضرت مجددؒ ان امرا کو اصلاح کی جانب بار بار متوجہ کرتے رہے چنانچہ ہر امیر کے نام حضرت مجددؒ کے متعدد طویل مکتوبات ہیں۔ ان مکتوبات میں ایک طرف دینی حقایق کا زور اور دوسری طرف انشا پردازی کا جادو تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کی سحر نگاری اور فلسفیانہ تعبیروں نے الحاد پیدا کیا اس کے برعکس حضرت مجددؒ کے طرز نگارش اور ادبی شہ پاروں سے قرآنی تعلیمات اور وقت کی اہم ضرورت قلوب میں اتر جاتی ہے۔ ان امرا کے نام تمام مکتوبات کا ایک ہی موضوع مشترک تھا کہ جس طرح ہو سکے اس نقصان کی تلافی ہونی چاہیے جو اسلام کو عہد اکبری میں پہونچ چکا ہے۔

حضرت مجددؒ اور ان کے مریدین کی سرگرمیوں نے جہانگیر اور اس کے خوشامدیوں کو خبردار کردیا۔ جہانگیر کا وزیر آصف خاں حضرت مجددؒ کا سخت دشمن اور مخالف تھا اس نے جب دیکھا کہ حضرت مجددؒ کا اثر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ بڑے بڑے اعیان حکومت ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو رہے ہیں تو وہ جہانگیر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ شیخ احمد سرہندیؒ نہایت خطرناک اور سرکش انسان ہیں اور حکومت کے باغی ہیں اس کا ثبوت اس نے یہ دیا کہ دربار میں سجدۂ تعظیمی جو اکبر کے زمانے سے چلا آتا ہے اور علماء بھی اس کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں، شیخ احمدؒ نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیدیا ہے۔ آصف خاں نے حضرت مجددؒ کے خلیفہ شیخ بدیع الدین کی لشکر میں سرگرمیوں پر بھی سخت نگرانی شروع کردی اور لوگوں کو

ان کا مرید ہونے سے منع کیا۔ پایہ تخت اور سرہند کے درمیان نامہ و پیام کے سلسلہ کو بھی منقطع کر دیا۔ آخرکار شیخ بدیع الدین نے خود سرہند جانے کا فیصلہ کیا جب وہ سرہند پہونچے تو حضرت مجددؒ بلا اجازت ان کے لشکر سے چلے آنے پر ناراض ہوئے ۳۹

دوسری طرف آصف خاں اور دوسرے امرا نے بادشاہ کو بتایا کہ شیخ بدیع الدین کوئی سازش کرنے سرہند گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجددؒ کی تمام سرگرمیوں، کتابوں اور مکتوبات کی چھان بین کی گئی اسی دوران دفتر اول کے مکتوب ۱۱ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ علماء کو بھی اس خط کے مندرجات کے متعلق اکسایا گیا۔

حضرت مجدد نے اس خط میں جو خواجہ باقی باللہؒ کو ۱۰۱۲ھ سے قبل لکھا تھا اپنے مقامات عروج کا ذکر کیا تھا۔ آپ نے اس میں تحریر فرمایا تھا کہ مختلف مقامات کو طے کرتے ہوئے آپ اس مقام پر پہونچے جو حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام ہے..... اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلعم کے کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا........ اس مکتوب پر اعتراض کیا گیا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ پر فضیلت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ معاملہ اور بڑھا کر بادشاہ کے گوش گذار کیا گیا۔ چنانچہ جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو اکبرآباد طلب کیا۔ حضرت مجددؒ اپنے مخصوص خلفاء کے ہمراہ دربار شاہی میں حاضر ہوئے لیکن کوئی خلاف شرع آداب نہ بجالائے۔ جہانگیر نے اس مکتوب کے بارے میں وضاحت طلب کی۔ آپ نے ایسا مدلل جواب دیا کہ جہانگیر اور دوسرے اعیان دولت کی زبان بند ہوگئی۔ آپ نے فرمایا :

> "در فرقہ صوفیہ اگر کسی خود را از سگی بہتر داند صوفی نیست چہ جائیکہ خود را از صدیق اکبرؓ افضل داند و این معنی کہ در مکتوب تحریر است ذکر سیر عروج مقامات سلوک است و این عروج صوفیا در آن مقامات برای ساعتی است۔ چنانچہ در دربار شاہی امرای نامدار شب و روز حاضری باشند و اگر بادشاہ کسی عاجز لشکری را ضرورتاً نزد خود طلب نماید و با او ہمکلام شود

> و در بعد او بہمان جا کہ مقرر است، برود پس آن لشکری از امرا و وزرا بہتر و افضل نخواہد شد، ہمین طور عروج ما یان ساختی است [40]

جب یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی تو آصف خاں نے جہانگیر سے کہا کہ یہ سجدۂ تعظیمی نہیں بجالائے لہٰذا ان سے سجدۂ تعظیمی کے لیے کہا جائے۔ آپ نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور فرمایا کہ سجدہ بجز خدائے قدوس کے کسی کو روا نہیں ہے۔ شہزادہ خرم (شاہ جہاں) نے افضل خاں اور مفتی عبدالرحمٰن کو بھیج کر آپ کو سجدہ کے لیے آمادہ کرنا چاہا نیز پیغام بھیجا کہ اگر وہ سجدہ کرلیں تو وہ ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ لیکن آپ نے قطعی انکار کردیا اور فرمایا۔

"این رخصت است و عزیمت دران است کہ سجدہ بہ غیر اللہ کردہ شود" [41]

جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں آپ کو قلعہ گوالیار میں قید رکھنے کا حکم دیا۔ اس ضمن میں جہانگیر تزک جہانگیری میں چودھویں سال جلوس کے واقعات میں کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے:

"درین ایام (۲۳ خورداد سنہ ۱۴ جلوس مطابق جمادی الآخر سنہ ۱۰۲۸ھ) بعرض رسید کہ شیخ احمد شیادے در سہرند دام زرق و سالوس فرو چیدہ بسیاری از ظاہر پرستان بی معنی را صید خود کردہ و بہر شہر و دیاری یکی از مریدان خود را کہ آئین دوکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی را از دیگران پختہ تر دانند، خلیفہ نام نہادہ فرستادہ و مزخرفاتی کہ بمریدان و معتقدان خود نوشتہ کتابی فراہم آوردہ مکتوباتی نام کردہ .... ازان جملہ در مکتوبی نوشتہ کہ در اثنای سلوک گزارم بمقام ذی النورین افتاد۔ مقامی دیدم بغایت عالی و خوش بصفا از انجا در گذشتم بمقام فاروق پیوستم و از مقام فاروق بہ مقام صدیق عبور کردم و ہر کدام را تعریفے درخور آن نوشتہ و از انجا بہ مقام محبوبیت واصل شدہ ...... یعنی استغفر اللہ از مقام خلفا درگذشتہ

> بعالیمرتبت رجوع نمودم و دیگر گستاخی ہا کرد کہ نوشتن آن طولی دارد و از ادب دور است۔ بنا برین حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند۔ حسب الحکم بملازمت پیوست و از ہرچہ پرسیدم جواب معقول نتوانست داد با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد۔ صلاح حال او منحصر درین دیدم کہ روزی چند در زندان ادب محبوس باشد تا شوریدگی مزاج و آشفتگی دماغش قدری تسکین پذیرد و شورش عوام نیز فرو نشیند۔ لاجرم بہ انی رائے سنگدلن حوالہ شد کہ در قلعہ گوالیار مقید دارد"[۴۲]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جہانگیر نے توزک جہانگیری میں حضرت مجددؒ کے سجدہ تعظیمی بجا نہ لانے کے سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور مکتوب یازدہم کو نیز "شورش عوام" کو بنیاد بنا کر حضرتؒ کو گوالیار میں مقید رکھنے کا حکم دیا۔

خیال ہے کہ جہانگیر نے حضرت مجددؒ کی حویلی اور جائداد کو بھی ضبط کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ حضرت مجددؒ نے خواجہ معصومؒ کو ایک مکتوب میں تحریر کیا:

> "غم حویلی و سرا و چاہ و باغ و کتب و اشیا دیگر خود سہل است باید کہ ہیچ چیز مزاحم وقت شما نشود۔ اگر ما مردیم ایں ہمہ اشیار میرفت و در حیات ما رفتہ شد"[۴۳]

روضۃ القیومیہ کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت مجددؒ کو سرہند سے طلب کرنے سے قبل جہانگیر نے بڑے بڑے امرا جیسے خان خاناں، صدر جہاں، خان جہاں، خان اعظم مہابت خاں کو دور دراز علاقوں میں بھیج دیا نیز یہ کہ حضرت مجددؒ کے گوالیار میں محبوس ہونے کی خبر سے مہابت خاں بہت مشتعل ہوا، اس نے سکہ اور خطبہ سے جہانگیر کا نام نکال دیا اور اپنی چیدہ فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے جہانگیر کو دریا ے جہلم کے کنارے قید کر لیا، مہابت خان اس سے بھی آگے بڑھتا مگر حضرت مجددؒ نے اس کو

ہدایت کی کہ بادشاہ کی اطاعت کرو۔ اس پر مہابت خاں نے بادشاہ کو رہا کر دیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد گوالیار سے حضرت مجددؒ کو رہا کر دیا گیا۔" [۴۴]

پروفیسر فرمان روضۃ القیومیہ کے اس بیان کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ کی گرفتاری ۱۰۲۸ھ میں اور رہائی ۱۰۲۹ ہجری میں ہوئی ہے۔ ان دنوں مہابت خاں بنگش کے افغانوں کی سرکوبی میں مشغول تھا۔ اس کو دو سال پہلے وہاں متعین کیا گیا تھا اور جب بادشاہ کشمیر کی سیر کے لیے موضع مالکی میں پہنچا تو مہابت خاں نے کابل سے آکر ساٹھ ہزار کی مالیت کے جواہر اور مرصع آلات نذر کیے اور اس کے بعد بادشاہ نے اسے کابل واپس بھیج دیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب حضرت مجددؒ گوالیار میں قید تھے ہاں یہ بات ضرور واضح ہے کہ اس کے فوراً بعد حضرت مجددؒ کو گوالیار سے طلب کر لیا گیا۔ ہو سکتا ہے یہ رہائی مہابت کی سفارش پر مبنی ہو۔ مہابت خاں کی بغاوت ۱۰۳۵ھ میں ہوئی جبکہ حضرت مجددؒ کے انتقال کو بھی ایک سال گزر چکا تھا۔ اسی طرح دوسرے امرا کی اِدھر اُدھر تعیناتی بھی حضرت مجدد کی دربار میں طلبی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔" [۴۵]

حقیقت یہ ہے کہ مہابت خاں کو ۱۰۳۱ھ میں کابل سے واپس آگرہ بلایا گیا تھا۔ مہابت خاں نے شہزادہ خرم کی بغاوت کے دوران شہزادہ پرویز کی معیت میں جو خدمات انجام دی تھیں اور جن کے صلے میں بادشاہ نے خانخانان سپہ سالار کا خطاب دیا تھا اس تقرب اور روز افزوں اقتدار سے نور جہاں اور آصف خاں کو خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ مہابت خاں کے داماد خواجہ برخوردار نقشبندی کی بے عزتی کی گئی اور آصف خاں نے مہابت خاں کو دربار میں بلا کر مزید ذلیل کرنا چاہا، جس پر مہابت خاں نے کمال دانش مندی کے ساتھ حاضر ہو کر جہلم کے کنارے موقع پا کر جہانگیر کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا اور کابل کے سفر سے واپسی تک نظر بند رکھا اور اسی سال ۱۰۳۵ھ میں نور جہاں کی تدبیر سے اس نظر بندی سے خلاصی پائی۔ [۴۶]

حضرت مجددؒ کو ۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ء میں رہا کیا گیا اور یہ بات جہانگیر نے ان کی مرضی پر چھوڑ دی کہ لشکر کے ساتھ رہیں یا اپنے وطن چلے جائیں۔ پندرھویں سال جلوس کے واقعات میں جہانگیر لکھتا ہے:

"دریں تاریخ (۲۷ خور داد سنہ ۱۵ جلوس/۱۰۲۹ھ) شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت دوکان آرائی، خود فروشی و بی صرفہ گویی روزی چند در زندان ادب محبوس بود بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم، خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ در رفتن و بودن مختار گردانیدم و از روی انصاف معروض داشت کہ این تنبیہ و تادیب در حقیقت ہدایتی و کفایتی بود، نفس الامر اختیار من آنست کہ روزی چند در خدمت بسر بردہ تدارک تقصیرات گذشتہ نمایم۔"[۴]

حضرت مجددؒ نے لشکر شاہی کے ساتھ رہنا مناسب سمجھا اس دوران بادشاہ کے ساتھ بھی صحبتیں رہیں۔ چنانچہ خواجہ معصوم اور خواجہ محمد سعید کے نام ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

"احوال و اوضاع فقرای ایں حدود مستوجب حمد است، صحبت ہای عجیب و غریب می گزرند بعنایت اللہ سبحانہ، سرموے دریں گفتگو ہای امور دینیہ و اصول اسلامیہ مداہنت راہ نمی یابد و ہمان عبارات کہ در خلوات و در مجالس خاصہ بیان میگردد دریں معرکہ ہا بتوفیق مبارک سبحانہ بیان می نماید اگر یک مجلس را نویسد دفترے باید خصوصاً امشب کہ شب ہفت و دہم ماہ رمضان بود آن قدر از بعثت انبیا علیہم السلام و از ایمان بآخرت و عذاب و ثواب و از خاتمیت نبوت ختم الرسل و از مجدد مائۃ و سنت تراویح و از بطلان تناسخ . . . بسیار مذکور شد . . . . و بحسن استماع مسموع گردید الحمد للہ سبحانہ کہ بجای مانند و تغیرے ظاہر نمی شود۔ دریں واقعات و ملاقات

شاید حق را سبحانہٗ و تعالیٰ مصلحتہا و سرہا مکنون بود . . . دیگر ختم قرآن تا سورہ عنکبوت رسانیدہ ام شب کہ ازاں مجلس برگشتہ می آیم بہ ترادیح اشتغال می یابم"[۴۸]

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ جہانگیر کی تحریر کے مطابق آپ کو اجازت تھی کہ لشکر کے ساتھ رہیں یا سرہند چلے جائیں۔ مگر یہ محض جہانگیر کی سیاست تھی اس نے حضرت مجددؒ کو آخر وقت تک نظر بند رکھا۔ جب بھی وہ لشکر سے جاتے تھے تو رخصت لے کر جاتے تھے۔ اس نظر بندی کے دوران کبھی کبھی صاحبزادگان بھی ہمراہ رہتے تھے۔ ایک خط سے جو خواجہ حسام الدین کو لکھا ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قید و نظر بندی ہی تھی۔

"احوال و اوضاع فقرای این حدود مستوجب حمد است کہ در عین بلا عافیت و در مظان تفرقہ جمعیت۔ فرزندان و دوستان کہ ہمراہ اند۔ اوقات شان بجمعیت است و احوال ایشاں در ترقی و تزاید عسکر در حق ایشاں خانقاہ مشخص است کہ در عید۔ تلونیات لشکریان تمکین نصیب شان است و در عین گرفتاری ہای شتی کہ از لوازم این موطن است گرفتار یک مطلب۔ نہ کس را با ایشان کاری و نہ ایشان را از کس بارے مع ذالک مسلوب الاعتبار اند و بدولت حبس و قید گرفتار۔ عجب حبس است کہ رہائی را در عوض آں بجوے نہ خرند و طرفہ قیدی است کہ اطلاق را . . . . نہ ستانند . . . . از ہمراہان بکرم اللہ سبحانہٗ باوجود کثرت اختلاط بارباب تفرقہ ہیچکس را تا این زمان آفت تفرقہ نرسیدہ واز مطلب باز نداشتہ"[۴۹]

لشکر سے واپسی:

حضرت مجددؒ ۱۰۳۲ھ تک لشکر کے ساتھ رہے اور اس کے بعد ان کو سرہند جانے

کی اجازت مل گئی۔ لشکر سے واپسی کی صحیح تاریخ کا تعین مصنف مقامات معصومی کے درج ذیل بیان سے ہوتا ہے:

> ”در ذکر ولادت باسعادت حضرت صبغۃ اللہ تاریخ یازدہم ربیع الثانی سنہ ہزار و سی و سہ (۱۰۳۳ھ) در بلدہ دار الارشاد حضرت سرہند در حین حیات حضرت مجدد الف ثانی بتقریب سلطان کہ ایشاں را میگذاشت، برفاقت لشکر ظفر پیکر۔ دراں ایام از بلدہ دار الخیر اجمیر بود و امام صفا کیشان حضرت خواجہ معصومؒ از غلبہ اشتیاق بواسطہ استقبال نیز در خدمت والد بزرگوار و مرشد عالی مقدار شتافتہ بودند حضرت مجدد بموجب الہام الٰہی رخصت بادشاہ حاصل نمودہ متوجہ وطن مالوف شدند کہ در اثنای راہ قاصدی مژدہ مقصود رسانید، خرمی و انبساط حاصل روزگار حضرت قیومین گردانید۔“[۵]

چار پانچ ماہ بعد جب نومولود صبغت اللہ بیمار ہوئے تو حضرت مجددؒ اس وقت بھی سرہند ہی میں تھے اور لشکر میں واپس نہیں گئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت مجددؒ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ / فروری ۱۶۲۴ء میں لشکر سے سرہند واپس آئے۔

جہانگیر کی حضرت مجدد کو لشکر کے ہمراہ رکھنے میں مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت مجددؒ عوام کے درمیان رہیں اور کثیر تعداد میں لوگ ان کے حلقہ میں شامل ہوں نیز یہ کہ امراء وغیرہ سے ان کے تعلقات پر نظر رہے۔ حضرت مجددؒ کی امرا سے خط و کتابت کو وہ حکومت کے لیے خطرہ سمجھتا تھا لہٰذا ’شورش عوام‘ کے خطرہ کو دبانے کے لیے اس نے حضرت مجدد کو لشکر کے ہمراہ رکھنا ضروری سمجھا۔ قید سے رہا کرنا اس لیے ضروری تھا کہ امرا مثلاً مہابت خاں اور مرتضیٰ خان، فرید بخاری کی طرف سے اس پر دباؤ پڑ رہا تھا۔ حضرت مجددؒ نے لشکر کے ہمراہ رہنے کا فیصلہ اس نیت سے کیا کہ بادشاہ کے قریب رہ کر اس کے عقائد کی اصلاح اور خیالات کو اسلام اور اس کی

تعلیمات کی طرف موڑنے کا زیادہ بہتر موقعہ ملے گا۔ اور ان کی اس کوشش کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ چنانچہ تزک جہانگیری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین چار سالوں میں جب حضرت مجددؒ لشکر کے ہمراہ تھے، جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ پندرھویں سال جلوس میں وہ لکھتا ہے:

> ”باہنود پیوند خویشی می کنند۔ دختر می دہند و می گیرند، گرفتن خوب۔ اما دادن! نعوذ باللہ! فرمان شد کہ بعد ازیں پیرامون این امور نگردند وہر کس کہ مرتکب ایں بدعتہا شود اورا سیاست کنند“![۵۱]

پھر اگلے سال فتح کانگڑہ کے موقعہ پر لکھتا ہے:

> ”متوجہ سیر قلعہ کانگڑہ شدم وحکم کردم کہ قاضی ومیر عدل ودیگر علمای اسلام کہ در رکاب بودہ۔ آنچہ شعار اسلام وشرائط دین محمدی است در قلعہ مذکور بعمل آورند۔ بتوفیق ایزد سبحانہ، بانگ نماز وخواندن خطبہ وکشتن گاؤ وغیرہ کہ از ابتدائے بناء ایں قلعہ تا حال نشدہ بود، ہمہ را در حضور خود بعمل آوردم۔ سجدات شکر ایں موہبت عظمیٰ کہ ہیچ پادشاہے توفیق براں نیافتہ بود بتقدیم رسانیدہ حکم فرمودم کہ مسجد عالی دردرون قلعہ بنا نہند“[۵۲]

یہ امر غیر اغلب نہیں کہ جن علمائے اسلام کی طرف اشارہ ہے، ان میں حضرت مجدد بھی ہوں۔

معلوم ہوتا ہے جہانگیر کو حضرت مجددؒ سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی اور ان کو لشکر کے ہمراہ رکھنا صرف مصلحتاً تھا ورنہ وہ ہر طرح ان کی قدردانی کرتا تھا۔ ان کی رہائی کے تین سال بعد اپنی سالگرہ کے ذکر میں لکھتا ہے:

> ”بدستور ہر سال خود را بہ طلا واجناس وزن فرمودہ وروجہ مستحقان مقرر فرمودم۔ از آں جملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت شد“[۵۳]

جب حضرت مجدد سرہند واپس تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق حلقہ مجددیہ میں شامل ہونے لگے۔ آپ نے عمر شریف کا باقی حصہ سرہند میں ہی تصنیف و تالیف اور رشد و ہدایات میں گزارا۔ اپنے مشن کو کامیابی سے پورا کرنے کے بعد ۲۸ر صفر ۱۰۳۴ھ ۱۰ر دسمبر ۱۶۲۴ بروز منگل آپ نے رحلت فرمائی اور سرہند میں ہی اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد صادقؒ کی قبر مبارک کے سامنے مدفون ہوئے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔[۵۲]

جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا حضرت مجدد نے تھانیسر کے شیخ محمد سلطان کی صاحبزادی سے شادی کی اور ان سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے تین صاحبزادے شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد اشرف زمانہ شیر خوارگی یا بچپن میں انتقال کر گئے۔ باقی چار صاحبزادے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خواجہ محمد صادق:۔ یہ سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ولادت ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۲ء اور وفات ۹ر ربیع الاول ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵-۱۶۱۴ء میں ہوئی۔ ولی کامل کے درجہ کو پہنچے۔

۲۔ دوسرے فرزند خواجہ محمد سعیدؒ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۰۰۵ھ/۹۷-۱۵۹۶ء اور وفات ۱۰۷۰ھ میں ہوئی۔

۳۔ فرزند سوم حضرت خواجہ معصومؒ کی ولادت ۱۰۰۷ھ اور وفات ۱۰۷۹ھ ہے۔

۴۔ فرزند چہارم حضرت خواجہ محمد یحییٰ عرف شاہ جیو کی عمر حضرت مجددؒ کی وفات کے وقت ۹ سال تھی لہٰذا سال پیدائش ۱۰۲۴ھ یا ۱۰۲۵ھ خیال کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے تحصیل علم و تکمیل طریقت بھائیوں سے کی۔

جب خواجہ یحییٰ کم سن تھے۔ ایک صوفی شاہ سکندر نے حضرت مجددؒ سے درخواست کی کہ ایک صاحبزادہ کو انھیں عنایت فرما دیں۔ حضرت مجددؒ نے خواجہ محمد یحییٰ کو پیش کیا۔ شاہ سکندر نے ان کو اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اور ان کو 'شاہ' کا لقب دیا۔ ان کی

شادی خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادے خواجہ کلاں کی بیٹی سے ہوئی۔ آپ کی وفات ۱۰۹۶ھ ۱۶۸۴-۸۵ء میں ہوئی۔ دینی علوم میں کئی کتابیں آپ نے لکھیں۔

حضرت مجددؒ کی صاحبزادیوں میں سے دو کا انتقال حضرت مجددؒ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا اور ایک صاحبزادی حیات رہیں۔ ۵۵

حضرت مجددؒ کے خلفاء

آپ کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے جو نہ صرف ہندوستان کے ہر گوشہ میں بلکہ مختلف بیرونی ممالک میں بھی پھیلے ہوئے تھے اور آپ کی تعلیمات کی تبلیغ کر رہے تھے ان سب کا مفصل حال لکھنے کے لیے تو ایک دفتر درکار ہو گا۔ یہاں چند مشہور خلفاء کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔

خواجہ میر[۵۶] محمد نعمان، شیخ حمید[۵۷] بنگالی، شیخ نور محمد[۵۸]، شیخ محمد طاہر[۵۹] لاہوری، شیخ بدیع الدین[۶۰] شیخ مزمل[۶۱]، شیخ طاہر[۶۲] بدخشی، مولانا یار محمد قدیم[۶۳]، شیخ حسن برکی[۶۴]، شیخ عبدالحی[۶۵]، شیخ احمد برکی[۶۶] بدرالدین ابراہیم[۶۷]، خواجہ محمد ہاشم کشمی[۶۸]، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی[۶۹] خواجہ محمد صدیق کشمی[۷۰]، شیخ آدم بنوری[۷۱]، شیخ احمد دیوبندی[۷۲]۔

تصانیف حضرت مجددؒ:

حضرت مجددؒ نے تصوف، شریعت و طریقت رد بدعات کے موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں بعض مکتوبات اس قدر طویل اور مفصل ہیں کہ ایک رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱ مکتوبات۔ ۳ جلد

۲ رسالہ رد شیعیت

۳ رسالہ اثبات النبوۃ

۴ رسالہ تہلیلیہ

۵ رسالہ مبداء و معاد

۶ رسالہ معارف لدنیہ

۷ مکاشفات غیبیہ

۸ تعلیقات بر شرح رباعیات خواجہ باقی باللہؒ[۳]

۹ رسالہ آداب المریدین[۴]

۱۰ تعلیقات عوارف[۵]

مکتوبات : حضرت مجددؒ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے اشارہ پر مکتوبات لکھنا شروع کئے[۶]۔ مکتوبات تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے دفتر میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں جن میں سے پہلے بیس خطوط وہ ہیں جو آپ نے خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں تحریر کئے اور جن میں معارف سیر و سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے اسرار و معارف نہایت دقیق ہیں۔ وہ مکتوب جس کی بنا پر دربار جہانگیری میں حضرت مجددؒ کی طلبی ہوئی تھی، گیارہویں نمبر پر ہے۔

دفتر اول کے مرتب خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی ہیں جو حضرت مجددؒ کے مرید ہیں۔ دوسرے دفتر کے دیباچے میں لکھا ہے کہ جب حضرت مجددؒ نے سنا کہ ۳۱۳ مکتوبات جمع ہو چکے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ ۳۱۳ کا عدد مبارک ہے۔ کیونکہ یہ تعداد پیغمبران مرسل علیہ السلام اور اصحاب بدرؓ کے مطابق ہے اس لیے اس دفتر کو اسی مبارک عدد پر ختم کریں۔ نیز یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس کے بعد محمد صادق مرحوم کے وہ تین مکتوبات جو انہوں نے حضرت مجدد کی خدمت میں روانہ کئے تھے، شامل کئے جائیں۔ لہٰذا ۳۱۳ مکتوبات کے بعد تین مکتوبات بھی شامل کیے گئے۔ پہلا دفتر ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں مرتب ہوا۔ خواجہ ہاشم کشمی نے اس مجموعہ کی تاریخ 'دُرّ المعرفت' سے نکالی جسے حضرت مجددؒ نے پسند فرمایا اور لکھا کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں[۷]

اس دفتر میں ان بیس خطوط کے علاوہ جو خواجہ باقیؒ کے نام ہیں۔ ۲۱ خطوط شیخ فرید بخاری، ۱۰ خطوط عبدالرحیم خانخان کے نام، ۹ خطوط خواجہ حسام الدین کے نام اور تین خطوط میر فتح اللہ حکیم کے نام ہیں باقی خطوط مختلف امرا جیسے مرزا داراب، صدر جہاں، قلیچ خان، خان اعظم وغیرہ کے نام ہیں۔

ان خطوط میں ان امرا کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ نئے بادشاہ کے زمانے میں ترویج دین واصلاح عقاید کی کوشش کریں۔ باقی خطوط اپنے صاحبزادگان، مریدین اور دیگر صوفیا کے نام ہیں جن میں سوالات کے جوابات ہیں یا علمی اور مذہبی مسایل کی توضیح ہے۔ چونکہ مکتوب یازدہم پر اعتراضات شروع ہو گئے تھے۔ اس لیے اس جلد کے آخر میں کئی خطوط معترضین کی تسلی کے لیے لکھے گئے۔ ایک چالیس صفحے کا خط مرشد زادوں کے نام ہے جس میں اہل سنت والجماعت کے عقاید بیان کئے ہیں۔

دفتر دوم موسوم بہ 'نور الخلائق' ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے اس دفتر کا سال تالیف ۱۰۲۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس دفتر میں ۹۹ مکتوبات ہیں[8]۔ اس دفتر کو اس عدد پر اس لیے ختم کیا گیا کہ یہی تعداد اسمائے حسنیٰ کی ہے۔ یہ دفتر حضرت مجددؒ کے ایک مرید خواجہ عبدالحی نے خواجہ محمد معصوم کے حکم پر ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں ترتیب دیا[9]۔ اگرچہ اس دفتر کے مکتوبات کی تعداد کم ہے لیکن یہ مکتوبات نہایت اہم ہیں۔ ایک خط نمبر ۳۶ خواجہ احمد تقی کے نام ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اہل سنت اور شیعہ حضرت کے خیالات سے بڑی مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطہ نظر کی توضیح کی ہے۔ خط نمبر ۶۷ جو خان جہاں کے نام ہے اس میں اسلامی عقائد کو تفصیل سے بیان کیا ہے خط نمبر ۴۴ بنام خواجہ محمد صادق؛ وحدت الوجود کے نظریہ سے متعلق ہے اور ۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

دفتر سوئم کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی ہیں جنہوں نے اس دفتر کو معرفت الحقایق کے نام سے ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء میں ترتیب دیا۔ اس دفتر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:۔

> ” جلد سوم محتوی ست بر صد و چہاردہ مکتوب بر طبق سورۂ قرآنی بعد از تمامی جلد ثالث و مہجوری بندہ از آستان بعضی مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود۔ بظہور آمدہ بود و ہنوز بچہاردہ مکتوب نرسیدہ کہ آن ماہ چہاردہ.......
> رو در نقاب مغرب تراب کشید.... ناچار آن مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد“ [۸۱] ۔

خواجہ ہاشم دفتر سوم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد نعمان بدخشانی نے دفتر سوم کی ترتیب شروع کی تھی لیکن انھوں نے تیس سے کچھ زیادہ مکتوبات جمع کئے تھے کہ حضرت مجددؒ اور خادمان....... کے درمیان ”مہاجرت صوری“ حایل ہوگئی۔ بعد میں خواجہ ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ میں ان کو ترتیب دیا۔ تیسری جلد کے مکتوبات کی تعداد جب ۱۱۳ تک پہونچی تو ” باقی “ کے عدد کی مناسبت سے اس تعداد پر اس دفتر کو ختم کر دیا گیا۔ بعد ازاں ایک خط ’مسکۃ الختام‘ کے طور پر شامل کیا گیا تاکہ تعداد سورۂ قرآنی کے مطابق ۱۱۴ ہو جائے[۸۲]۔

اب سوال یہ ہے کہ دفتر چہارم کے کتنے مکتوبات دفتر سوم میں شامل کئے گئے۔ یہ تعداد یقیناً چودہ نہیں تھی۔ خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں :۔

> ” ہنوز بچہاردہ مکتوب نرسیدہ کہ آن ماہ چہاردہ رو در نقاب مغرب تراب کشیدہ“ [۸۳]

اس کا مطلب ہے کہ تعداد چودہ تک نہیں پہونچی تھی کہ حضرت مجددؒ رحلت فرما گئے۔ مصنف نے چہاردہ کا لفظ محض ماہ چہاردہ کی مناسبت سے لفظی خوبی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ دفتر چہارم کے جو مکتوبات دفتر سوم میں شامل کئے گئے۔ ان کی تعداد دس ہے۔ لہٰذا دفتر سوم کے مکتوبات کی کل تعداد ۱۲۴ ہوتی ہے۔

اس دفتر کے پہلے تیس خط حضرت مجددؒ کی گوالیار میں قید سے قبل لکھے گئے تھے باقی ان کی قید سے رہائی مگر لشکر کی ہمراہی کے دوران لکھے گئے۔

اس دفتر کے موضوعات بھی وہی ہیں جو پہلے اور دوسرے دفتر کے ہیں۔ چند خطوط تاریخی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ وہ گوالیار کے قلعہ یا لشکر سے لکھے گئے تھے۔ مثلاً مکتوب ۴۴، ۴۷ جو جہانگیر سے متعلق ہیں جن میں اس گفتگو کا ذکر ہے جو حضرت مجدد نے جہانگیر کی مجلس میں کی تھی۔ مکتوب ۲، ۷ خواجہ حسام الدین کے نام ہے۔ مکتوب ۷۸، ۸۲، ۸۳ خواجہ معصوم اور خواجہ محمد سعید کے نام ہیں جن میں شاہی کیمپ کی زندگی کا بیان ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس دفتر میں صرف ایک خط خان جہاں کے نام ہے شاید اس کی وجہ جہانگیر کی طرف سے حضرت مجدد کی امرا کے ساتھ خط و کتابت پر پابندی ہو۔

مکتوبات کی اہمیت:

حضرت مجدد کی دو کرامتیں دنیا کے لیے بڑے فیض کا باعث ہوئی ہیں ایک آپ کے نیک صاحبزادگان جنہوں نے آپ کے بعد آپ کے تبلیغی اور اصلاحی مشن کو جاری رکھا۔ دوسری کرامت جناب مجددؒ کے مکتوبات شریفہ ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کی علمیت، معرفت خلوص اور شرع کی پابندی کا ایک ایسا حسین دلکش اور روح پرور منظر آنکھوں کے آگے آجاتا ہے جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور اور سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج و افعال میں نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔ ان سے حضرت مجددؒ کی ہمہ جہتی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ یہ مکتوبات حضرت مجددؒ کے علم معرفت کے بحر بیکراں اور زبان و بیان پر قدرت کا پتہ دیتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے فارسی ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں مکتوبات کے مخاطب آپ کے پیر و مرشد، خلفاء و مریدین طلبا امرا اور خود بادشاہ جہانگیر بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے الفاظ اور مکتوبات کا مواد اس کی علمی لیاقت، صلاحیت و استعداد کے مطابق ہے۔ آپ نے مکتوبات میں صوفیانہ اصطلاحات کا کثرت سے استعمال کیا ہے جو ایک عام آدمی کی فہم سے باہر ہے لیکن جو مکتوبات طلبا اور دوسرے نوجوانوں کو لکھے گئے ہیں ان میں زبان و بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

بعض مکتوبات کو سمجھنے کے لیے انھیں پڑھنے سے پہلے تصوف اور مذہب کے مسائل اور ان کی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے تاکہ حضرت مجددؒ کی راست خیالی اور سلیم الطبعی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ عہد اکبری اور عہد جہانگیری کے واقعات سے واقفیت مکتوبات کے مطالعہ کی افادیت کو بڑھا دیتی ہے۔

مکتوبات کی مقبولیت کی بڑی وجہ اگر ان کے مضامین کی خوبی، تنوع اور صاحب مکتوبات کی علمیت اور روحانی فضیلت ہے تو اس میں حضرت مجددؒ کے دل نشین ہو جانے والے طرز تحریر کو بھی بڑا دخل ہے۔ ان مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مجددؒ بڑے بلند پایہ اہل قلم تھے اور لکھتے وقت انشائی خوبیوں پر بھی پوری نظر رکھتے تھے۔ مکتوبات کا ایک اہم جزو وہ خطوط ہیں جو شاہی امرا کو تحریر کیے گئے جن میں انھیں حکومت کو شریعت کے مطابق چلانے اور اصلاح عقائد کی تلقین کی ہے۔ ان مکتوبات کا طرز تحریر علمی خطوط سے مختلف ہے۔ عالمانہ اصطلاحیں ان میں بہت کم ہیں۔ الفاظ پُر وقار مگر زود فہم ہیں لیکن طرز تحریر میں ایک جوش ہے، دل سے نکلے ہوئے جذبات اور ملی درد کا اظہار ہے۔ صاحبزادگان کو حالت قید سے جو خطوط لکھے ہیں وہ پدرانہ محبت اور ملائم و شیریں الفاظ سے بھرے ہوئے ہیں

آپ تشریح اور تاثیر کے لیے گاہے گاہے مکتوبات میں کوئی دلچسپ شعر یا مصرع بھی شامل کر دیتے ہیں جس سے مضمون دلچسپ ہو جاتا ہے اس سے آپ کے شعر و شاعری سے دلچسپی کا بھی اظہار ہوتا ہے مثلاً

من آن خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری
(مکتوب ۲، دفتر اول)

اگر بر روید از تن صد زبانم چو سبزہ شکر لطفش کے توانم
مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز — ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست
(مکتوب ۴۴، دفتر اول)

فریاد حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب است

(مکتوب ۲۸، دفتر اوّل)

گر برتن من زباں شود ہر موی   یک شکر وی از ہزار نتوان کرد

(مکتوب ۱۷، دفتر سوم)

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا کہ یہ مکتوبات قرآن اور حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں لکھے گئے۔ ان میں بہت سی صدیوں کی الجھی ہوئی گتھیاں شرع کے مطابق سلجھائی گئیں۔ قرآن اور سنت پر مبنی ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے مبالغہ سے پاک ہیں۔ حضرت مجددؒ خود وضاحت فرماتے ہیں :۔

"این ہمہ علوم کہ .... تحریر یافت دران فکرت و حیرتم کہ مقبول و مرضی بودند یا نہ آنگاہ خاموش گشتہ مترصد بشارت و اشارت گشتند۔ فردای آں روز فرمودند کہ دوش ندا در دادند و ظاہر ساختند کہ این ہمہ علوم کہ نوشتہ بل ہر چہ در گفتگوی تو آمدہ ہمہ مقبول و مرضی است کہ اشارت بہ نوشتہ ہای من کردہ فرمودند اینہمہ ما گفتہ ایم و بیان ماست" ۸۴

ایک اور مکتوب میں جو خواجہ محمد سعید کو لکھا گیا، حضرت مجددؒ فرماتے ہیں :۔

"این معارف کہ مسودہ یافتہ است امید ست کہ از الہامات رحمانی باشند کہ اصلاً شائبہ وساوس شیطانی را در انجا مجال نبود دلیل بہ یعنی آنکہ چون در صدد تحریر این علوم شد ملتجی بجناب قدس خداوندی جل سلطانہ گشت، دید کہ ملائکہ کہ لہم علی بنا د علیہم الصلوۃ والسلام از نواحی آن مقام دفع شیطان می کردند و نمیگذاشتند کہ در حوالی آن مکان بگردد" ۸۵۔

آپ نے مکتوبات بغیر کسی تفکر عمیق کے بی اختیارانہ طور پر تحریر فرمائے ہیں اور یہ اسرار و معارف بی ارادہ ان کے قلم سے نکلے ہیں، اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :

"سبحان اللہ! آن اسرار و معارف کہ ازین فقیر حقیر بی ارادہ و بی تکلف ظاہر میشوند اگر ہمہ مردم سعی بنمایند کہ مثل آنہا بیاورند۔ معلوم نیست کہ میسر شود... و مرقومات ما بنظر اقدس انور حضرت مہدی آخر الزماں علیہ الرحمہ... خواہد در آمد مقبول حضرت او خواہد شد"[٨٦]

جیساکہ اوپر بیان کیا گیا کہ ان مکتوبات کے موضوعات جہاں سادہ اور عام فہم ہیں وہیں ان میں تصوف کے پیچیدہ اسرار و معارف، بدعات اور رسوم قبیحہ سے بھی بحث کی گئی ہے۔ چند موضوعات درج ذیل ہیں : معرکہ توحید و شرک۔ بندہ را عین مولی دانستن الحاد است ٨٧ عبدیت و بشریت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ٨٨، شان کبریائی پروردگار عالم ٨٩ موازنہ شریعت و تصوف ٩٠، شریعت راسہ جزاست علم و عمل و اخلاص ٩١ تدریس علوم شرعیہ اہم تراز ذکر و فکر می باشد ٩٢، مرتبہ حدیث صحیح بخاری بعد قرآن شریف ٩٣ ادلہ احکام شرعیہ ٩٤ سیرت رحمۃ اللعالمین ٩٥، حقوق و مراتب مصطفٰےؐ ٩٦، حقوق و مراتب صحابہؓ ٩٧، ترتیب مراتب و ترتیب خلافت ٩٨، مرتبہ احیای سنت ٩٩ اصلاح تصوف خام ١٠٠ اسماع و نغمہ وجد و تواجد رقص ١٠١ - نعت خوانی و مولود خوانی ١٠٢، تردید نظریہ وحدت الوجود ١٠٣ نظریہ وحدت الشہود ١٠٤ معرکہ سنت و بدعت ١٠٥

حضرت مجددؒ کے مکتوبات نے وقت کے دھارے کا رُخ بدل دیا۔ حتیٰ کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں اور اورنگ زیب بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ دوسرے ممالک کے مسلمان بھی مکتوبات کی طرف متوجہ ہوئے۔ علامہ محمد مراد مکی نے مکتوبات کا عربی میں ترجمہ کیا جو دمشق سے شائع ہوا۔ ایک اور عالم نے مکتوبات کی روایات کی تخریج کی جس کا نام تنسیق المبانی ہے۔[١٠٦]

حضرت مجدد کا مقصد مکتوبات کے ذریعہ حکومت اور سماج میں اصلاح کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے امراء کو توجہ دلائی۔ اس دور کے عقاید باطلہ،

بدعات کو بیان کیا اور اسلام کی پاک وصاف تعلیمات کے رواج پر زور دیا۔

حضرت مجددؒ کے بعض مکتوبات کی تردیدات بھی لکھی گئیں اس کے دو باعث ہوئے۔ ایک یہ کہ آپ کا ایک مرید حسن خاں افغانی آپ سے منحرف ہو کر کچھ مکتوبات کے مسودے لے کر بھاگ گیا اور ان میں تحریف و ترمیم کر کے عمائد وقت کے پاس انھیں بھجوایا۔ ان تحریف شدہ مکتوبات کو سامنے رکھ کر بعض لوگوں نے تردید لکھی اسی سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی تردید لکھی لیکن جب انھیں تحریف کا حال معلوم ہوا تو معذرت نامہ لکھا۔ اسی طرح محمد صالح گجراتی نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ "اشتباہ" لکھا اور سید محمد برزنجی مدنی سے بھی رد لکھوایا جس کا نام "ایراد البرزنجی" رکھا۔ یہ ایک بے حقیقت رسالہ تھا تاہم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے اس کا مفصل جواب لکھا اور اس کا نام "الکلام المنجی فی رد ایراد البرزنجی" رکھا۔

علامہ شیخ نورالدین محمد بیگ نے آپ کے اصل مکتوبات سے مقابلہ کرنے کے بعد 'رد برزنجی' میں ایک رسالہ لکھا۔ سید برزنجی کے رسالہ کا رد مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی لکھا ہے۔ مولانا شاہ غلام علی شاہؒ نے حالات حضرت مرزا مظہر جانجاناں میں لکھا ہے کہ شیخ محمد فرخؒ نبیرہ حضرت مجددؒ کی بددعا سے سید برزنجی دریا میں ڈوب گیا تھا [۱۰۷]

مکتوب یازدہم کی مخالفت:

مکتوبات کے جن مندرجات پر حرف گیری کی گئی ان میں دفتر اول کا مکتوب ۱۱ بنام خواجہ باقی باللہؒ بھی تھا۔ اس میں حضرت مجددؒ نے اپنے عروج روحانی کا ذکر کیا ہے۔ زیادہ اعتراض ذیل کی عبارت پر تھا۔

> "(ترجمہ) دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بہت سے مقام ظاہر ہوتے نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں پہونچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورینؓ کا مقام ہے۔۔۔۔
> ۔۔۔۔۔اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام میں پہونچا

تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظمؓ کا مقام ہے اور دوسرے خلفا کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام ظاہر ہوا۔ بندہ اس مقام پر بھی پہونچا اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور ہوا ہے۔ سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلعم کے اور کوئی مقام نہیں معلوم ہوتا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے مقابل ایک اور نہایت نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا، ظاہر ہوا اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا بلند تھا جس طرح صفہ کو سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا۔ اپنے کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا۔"

اس مکتوب سے یہ مراد لی گئی کہ آپ خود کو حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ سے کئی مریدوں مثلاً مرزا فتح اللہ گیلانی اور قاضی سنام نے آپ سے علیحدگی اختیار کرلی۔ آپ نے ایک مفصل مکتوب مرزا فتح اللہ کو لکھا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"جو شخص اپنے کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل جانے اس کا حال دو امر سے خالی نہیں ہے یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل ۔۔۔۔۔ جو شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیقؓ سے افضل جانے وہ گروہ اہل سنت والجماعت سے نکل جاتا ہے پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنے آپ کو افضل جانے"۔۔۔۔۔ ۱۰۸

معترضین میں سے بہت سے لوگوں تک شاید حضرت مجددؒ کی یہ تشریح نہیں پہونچی۔

مخالفین نے جو پہلے ہی موقع کے منتظر تھے بادشاہ جہانگیر تک اس بات کو بڑھا چڑھا کر پہونچایا کہ شیخ احمدؒ اپنے کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل سمجھتے ہیں اور ایسے دعوے کرتے ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے۔ جہانگیر نے حاکم سرہند کی معرفت آپ کو بلا کر اس سلسلہ میں حقیقت حال

معلوم کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ "اگر آپ کسی ادنیٰ آدمی کو خدمت کے لیے بلائیں اور اس سے ازراہِ نوازش اسرار کی باتیں کریں تو یقیناً وہ امرائے عالی کے مقامات کو طے کر کے آپ تک پہونچے گا اور پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ امرائے نامدار سے بالا ہو جائے گا۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ اس وقت خاموش اور بظاہر مطمئن ہو گیا۔[109] مگر تزک جہانگیری میں اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کے جواب کو 'معقول' نہیں سمجھا تھا۔

خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ جہانگیر کے پاس مکتوب یازدہم کے مندرجات کے سلسلہ میں شکایت علمار نے کی تھی۔ وران علمار نے حضرت مجددؒ کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا۔

"پس علمار بخاطر داری امرای دربار فتوے بر قتل شیخ نوشتند" [110]

حضرت مجددؒ کے مکتوبات ہر سہ دفتر متعدد بار فارسی میں چھپ چکے ہیں نیز عوام کے استفادہ کے لیے اردو ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ مکتوبات نہ صرف نقشبندیہ مجددیہ سلسلے میں بلکہ تمام علمی و دینی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

۲۔ رسالہ در ردِّ روافض

یہ رسالہ حضرت مجددؒ کی ابتدائی تصانیف میں ہے اور غالباً لاہور کے سفر کے دوران تصنیف ہوا۔ یہ رسالہ دراصل اس رسالے کا جواب ہے جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراءالنہر کو اس وقت بھیجا جب عبداللہ ازبک نے ۹۹۷ھ/ ۸۹-۱۵۸۸ء میں مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن اس کی فوری تصنیف کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں کئی شیعہ طلباً علمائے مشہد کے مضامین دہراتے اور امرا و سلاطین کی مجلسوں میں انھیں بڑے فخر سے بیان کرتے۔ حضرت مجددؒ ان محفلوں میں ان کی تردید کرتے لیکن انھیں خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ سپردِ قلم ہونا چاہیے تاکہ غلط فہمیوں کی گنجائش نہ رہے۔ یہ رسالہ درج ذیل تحریر کے ساتھ

شروع ہوتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.......... اما بعد میگوید بندہ کہ محتاج است برحمت خداوند واحد صمد خادم علماء احمد بن عبدالاحد الفاروقی......" ۱۱۱

وجہ تصنیف رسالہ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"بعضے از طلبہ شیعہ کہ متردد این حدود بودند باین مقدمات افتخار و مباہات مینمودند و در مجالس امراء و سلاطین این مغالطات شہرت می دادند۔ و این حقیر در مجلس و معرکہ مشافہہ بمقدمات معقولہ و منقولہ ردّ آنہا می کرد۔ و غلطہای صریح ایشان را اطلاع می داد اما حمیت اسلام و رگ فاروقیم باین قدر ردّ و الزام کفایت نمی کرد و شورش سینہ بے کینہ تشفی نیافت و بخاطر فاتر قرار یافت کہ اظہار مفاسد ایشان تا زمانے کہ در قید کتابت نہ آید...... نفع عام نہ بخشد" ۱۱۲

اس رسالے میں حضرت مجددؒ نے دونوں فرقوں کے اختلافی مسایل پر بحث کی ہے۔

آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بدانکہ در اصحاب کرام درآمدن و درمیان ایشان حکم نمودن از کمال بی ادبی ......است طریق اسلم آنست کہ منازعات و اختلافات کہ درمیان ایشان واقع شد بعلم حق سبحانہ مفوض سازند و ہمہ ایشانرا جز بہ نیکی یاد نکنند" ۱۱۳

اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے عربی میں اس کی تفسیر لکھی۔

یہ رسالہ ۱۰۰۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔

۳۔ اثبات النبوۃ:[۱۱۴]

یہ رسالہ عربی میں ہے اور خاص طور پر اکبر کے عہد کے بعض علماء و امراء کے حضرت محمد صلعم

کی نبوت کے متعلق شک و شبہات کو رفع کرنے کے لیے تحریر کیا گیا۔ اس کی تصنیف غالباً ۹۹۸ھ کے قریب ہوئی اور حضرت مجددؒ کی سب سے پہلی تصنیف یہی رسالہ تھا۔ اس میں تمہیدی عبارت کے بعد دو بحثیں ہیں ایک نبوت کے معنی کی تحقیق میں دوسری معجزہ کے بارے میں اس کے بعد ایک طویل مقالہ ہے جس کا پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت" اور اس کی ضرورت کے بیان میں اور دوسرا "مسلک خاتم الانبیاء" کی نبوت کے اثبات میں ہے دوسرا مقالہ فلاسفہ کی مذمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر ہوتا ہے اس کے بیان میں ہے۔

تمہیدی صفحات میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ عہد اکبری کی مذہبی بدعنوانیوں کا ذکر ہے جس سے بدایونی کے بیانات کی تائید ہوتی ہے۔ اثبات النبوۃ ایک اہم مسئلے کا ایک نہایت بلند پایہ تجزیہ ہے اس کا موضوع بحث و مناظرے کا ہے لیکن اس میں ایک لفظ بھی اونچے درجے کی علمی ثقاہت و متانت کے خلاف نہیں یا جس سے مخالفین کے ساتھ خوش اخلاقی میں ذرہ بھر کمی محسوس ہو انھوں نے کہیں جذبات کو غالب نہیں آنے دیا۔ اور نہایت بلند علمی و فکری سطح برقرار رکھی ہے۔

یہ رسالہ غالباً ابوالفضل سے ایک بحث سے متاثر ہو کر لکھا گیا لیکن فی الحقیقت اس میں ایک ایسے سوال کر کیا انسانی رہنمائی کے لیے عقل کافی ہے یا نبوت کی بھی ضرورت ہے؟ کا عالمانہ اور محققانہ جواب ہے جو ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا انداز بیان نہایت عالمانہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ یہ رسالہ اردو ترجمہ کے ساتھ چھپ چکا ہے مگر ناتمام حالت میں ہے۔

۴۔ سلسلہ تہلیلیہ:[۱۱۵]

عربی زبان میں یہ مختصر رسالہ حضرت مجددؒ نے اپنے والد مخدوم عبدالاحد کے

نتقال کے بعد تصنیف کیا کیونکہ اس میں انہوں نے "شیخی و والدی" کے ساتھ قدس سرہٗ لکھا ہے۔ نیز زبدۃ المقامات میں اس کا ذکر ان رسائل کے ضمن میں ہوا ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری (ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ) سے پہلے لکھے گئے اس لیے اس کا زمانہ تصنیف ۱۰۰۷ھ کا آخر یا ۱۰۰۸ھ کا آغاز کہا جا سکتا ہے۔

رسالہ تہلیلیہ میں کلمہ طیبہ کے متعلق مختلف امور سے بحث ہے۔ ابتدا لا کی بحث سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد لفظ 'اللہ' کی حقیقت اور اس کے اشتقاق کے متعلق نحوی علماء اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے۔ پھر لفظ اللہ کے لطائف وحدانیت الٰہی کے دلائل اور کلمہ طیبہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں اس کے بعد ایک طویل اندراج میں توحید صوفیا کا ذکر ہے اور اس کے بعد وجود باری کے عین ذات ہونے میں فلاسفروں کے دلائل دیے ہیں اور اس معاملے میں فلاسفہ اور صوفیائے کرام کے اتفاق رائے کا ذکر ہے۔ آخری باب، کلمہ طیبہ کے جزو ثانی یعنی رسالت محمدیہ کے متعلق ہے اس میں آنحضرت صلعم کے فضائل، معجزات، اخلاق کریمہ اور اوصاف عظیمہ کا ذکر ہے۔

اثبات النبوت اور رسالہ تہلیلیہ دونوں حضرت مجددؒ کی تصنیف ہیں اور ایک ہی دور کے متعلق ہیں۔ رسالہ تہلیلیہ کے آخری حصہ کا تو موضوع بھی وہی ہے جو اثبات النبوت کے ایک جزو کا ہے دونوں رسالوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں لیکن بغور مطالعہ سے ایک لطیف فرق نظر آتا ہے۔ اگرچہ دونوں رسالوں کی علمی سطح بہت بلند ہے لیکن اثبات النبوت میں صوفیانہ رنگ ہلکا ہے اور رسالہ تہلیلیہ میں بہت نمایاں ہے۔ اس امتیاز کی ایک وجہ تو اختلاف مباحث ہے اور دوسری یہ کہ اثبات النبوۃ میں روئے سخن ان لوگوں کی طرف تھا جو عقل کے ترجمان بنتے تھے رسالہ تہلیلیہ عام مسلمانوں کے لیے لکھا گیا اس لیے انداز بیان مختلف اختیار کیا گیا۔ دوسرے رسالے میں صوفیانہ عنصر کی شدت ہے اس سے خیال ہوتا ہے اس کا خاکہ اس زمانے میں تیار ہوا جب تکمیل علوم اور درس و تدریس کے بعد آپ کو والد ماجد

کی خدمت میں دوبارہ رہنے کا موقع ملا اور تصوف کی منتہیانہ تصانیف کا گہرا مطالعہ ہوا۔

رسالہ تہلیلیہ میں نہ صرف صوفیائے کبار کی مشہور تصانیف سے طویل اقتباسات ہیں۔ بلکہ صوفیائے کرام اور قطب و اوتاد کے متعلق آپ نے اسی نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے جو شیخ محی الدین ابن عربی کا تھا۔ رسالہ تہلیلیہ کی تالیف کے بعد حضرت مجددؒ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی جس میں شرع کی پابندی ہے۔ نیشنل میوزیم کے قلمی نسخہ میں اس کا نام "شرح رسالہ لا الٰہ الا اللہ" دیا ہے[۱۱۶]۔ جب کہ درگاہ شاہ ابوالخیر کے قلمی نسخہ میں اس کا نام "رسالہ تحقیق در کلمہ طیبہ"[۱۱۷] ہے۔ یہ رسالہ اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۵۔ معارف لدنیہ[۱۱۸]:

یہ رسالہ شاید مبدا و معاد سے پہلے لکھا گیا کیونکہ مبدا و معاد میں اس کا ذکر ہے۔ اس میں علوم الہامی اور معارف لدنی کا بیان ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے رموز اور حروف مقطعات قرآنی کے اسرار بیان کئے گئے ہیں۔ شریعت اور طریقت کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے اور ان نام نہاد صوفیوں کی مذمت کی ہے جو شریعت کے خلاف باتیں کہتے ہیں۔ یہ رسالہ اس عبارت سے شروع ہوتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم .... العلوم الہامیہ و معارف لدنیہ سودھا الفقیر الی رحمۃ اللہ یعنی الولی احمد بن عبدالاحد الفاروقی النقشبندی .... لفظ مبارک اللہ مرکب از الف و لام است کہ از جملہ آلات تعریف است و از لفظ ہا کہ او نیز از جملہ معارف است و این مجموع علم ذات واجب الوجود است" ۱۱۹

ان صوفیوں کے متعلق جو حالت سکر میں اسلام کے خلاف الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، حضرت مجددؒ فرماتے ہیں۔

> بعضی از مشایخ کہ انکار وجود صفات واجبی جل شانہٗ کردہ اند و صفات را در خارج عین ذات گفتہ اند بواسطہ آنست کہ ایشان در مرتبۂ تجلیات صفاتیہ اند و صفات ایشان را مانای شہود ذات جل سلطانہٗ شدہ اند بعضی از مشایخ طریقت ....

بسکر و غلبہ حال گفتہ اند ہم در رنگ مومن واصل مقصود حقیقی است اگرچہ راہ وصل شان متبائن و متغائر افتادہ است چہ کفار از راہ اسم المضل میرسند واہل اسلام از راہ اسم الہادی و امثال این سخنان در ینمقام بسیار گفتہ اند۔" ۱۲۰

اسی رسالہ کے قلمی نسخے نیشنل میوزیم اور دوسری خانقاہوں میں موجود ہیں نیز یہ رسالہ شائع بھی ہوگیا ہے۔

۶۔ مبدار ومعاد:

مبدار و معاد میں حضرت مجددؒ کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق بدخشی کشمی نے ان کی بیاض سے بعض عبارتیں جمع کی ہیں۔ مختلف صوفیانہ مسائل کا بیان ہے۔ حضرت مجددؒ نے اپنی بیعت، قطب ارشاد، سیر و سلوک آداب طریقت، اولیاء کے کمالات، حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن پر اظہار خیال کیا ہے۔ دقیق معانی اور اسرار کی بدولت اس رسالے کا مقام نہایت بلند ہے۔

رسالے کے آخر میں خواجہ محمد صدیق نے اس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۹ھ دی ہے[۱۲۱]۔ چند موضوعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حصول جذب وسلوک ۲۔ عروج نمودن عدد روحانیہ حضرات نقشبند ۳۔ دستگیری نمودن حضرت فاروق
۴۔ دستگیری حضرت غوث الاعظم ۵۔ در سیر کمالات ۶۔ عالم صغر و کبر

حضرت مجددؒ اپنے عالی مقام کے متعلق فرماتے ہیں:

"درا ثنائے حال می بینم کہ در مکانی طواف می کنم و جمعی دیگر نیز با من دران طواف شریک اند اما بطور سیر آنجماعہ بکدیست کہ تا من یک دور طواف را بانجام میرسانم آنجماعہ دو سہ قدم مسافت را قطع مینمایند۔ دران اثنا معلوم میگردد کہ این مکان فوق العرش است و جماعہ طواف کنندگان ملائک کرام اند" ۱۲۲

اپنے پیر و مرشد کے لیے ان کے دل میں بہت احترام تھا اور وہ ان کی صحبت کو نہایت

عزیز رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں :

"ما چہار کس بودیم در ملازمت خواجہ خود کہ پیش مردم درمیان سائر یاران امتیاز داشتیم این فقیر بہ یقین میدانست کہ مثل این صحبت و اجتماع مانند این تربیت و ارشاد بعد از زمان آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوات ہرگز بوجود نیامدہ است" ۱۲۳

۷۔ مکاشفات غیبیہ :

یہ رسالہ حضرت مجددؒ کی رحلت کے بعد مختلف موضوعات سے متعلق ان کی یادداشتوں سے ترتیب دیا گیا۔ اس کے مرتب خواجہ معصومؒ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں :

"نمودہ می آید کہ در سال یک ہزار و پنجاہ و یک' ورقی چند از مسودات قدسی آیات ..... امام ربانی بن عبدالاحد فاروقی از بعضی دوستان بدست افتاد کہ تا حال منقول نگشتہ اند۔ آن اوراق جامع اسرار خفیہ اند و حاوی معارف سنیہ مقالات می فرمودہ اند در ضمن الفاظ رنگین و عبارت دلکش۔ ہر ورقی دفتریست معرفت کردگار۔ بخاطر یکی از فدویان این درگاہ قرار یافت کہ نقل از آن بردارد و آن لآلی منثورہ را در سلک جمع و ترتیب آردباید"۔ ۱۲۴

ایک اور موقع پر وہ فرماتے ہیں کہ بہت سے مضامین اور موضوعات ایسے ہیں جو آپ کے مکتوبات وغیرہ میں پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں لیکن اس رسالے میں طرز نگارش اور انداز بیان میں ندرت پائی جاتی ہے۔ ۱۲۵

اس رسالے کے آغاز میں قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ سلسلوں کے شجرے ہیں اس کے بعد مختلف خلفاء کو بیعت کے اجازت ناموں سے متعلق خطوط ہیں مکاشفات وہ طریقے ہیں جو صوفیا اپنے مریدین کی رہنمائی کے لیے اپناتے ہیں۔

" مکاشفہ این ذکر بیست در بیان طریقہ حضرات خواجہا قدس اللہ اسرارہم ۱۲۶"

امروز قائم مقام این حضرات عالیہ و نائب مناب اکابر نقشبندیہ خواجہ محمد الباقی در اوائل حال بی تعلیم شیخ ظاہر بحضور خواجہا مشرف گشتند و بمقام جذبہ ایشان رسیدند و در آنجا استہلاک و اضمحلال حاصل کردند..... و سرّ ایشان بنور نہایت کہ مقام قطبیت ارشاد بآن منوط است مملو و منور گشت" ۱۲۷

مرتب آخر میں کہتا ہے کہ اس رسالے کی ترتیب کے بعد اس کو حضرت مجددؒ کی دستخط شدہ چالیس۴۰ حدیثیں ملیں جو اس کے آخر میں شامل کر دی گئیں۔

۸۔ تعلیقات بر شرح رباعیات خواجہ محمد باقیؒ

خواجہ باقی باللہؒ حضرت مجددؒ کے پیر و مرشد تھے۔ آپ شعر بھی کہتے تھے اور تصوف کے موضوعات پر کافی رباعیاں آپ کی یادگار ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے خود ہی ان کی شرح بھی لکھی تھی حضرت مجدد نے اس شرح پر مزید اضافے گئے۔ یہ رباعیات وجود واجب تعالےٰ اور ربط حادث با القدیم کے دقیق مسئلے سے متعلق تھیں اور حضرت مجددؒ نے ان کی وضاحت اپنے معارف خاصہ اور حضرت خواجہ کے بعد کے خیالات کی روشنی میں کی ہے۔

یہ رسالہ اس تحریر کے ساتھ شروع ہوتا ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم..... اما بعد نمودہ می آید کہ این مسودہ است در شرح بعضی از رباعیات مشرِ شیخنا و استادنا ......الشیخ محمد الباقی النقشبندی..... املا فرمودہ اند و اسرار غامضہ در آنجا درج نمودہ" ۱۲۸

رباعی اوّل : سبحان زہی خدای متعال عالی ز تصور و مبراز خیال

از نور لطائفش جہان مشحون واز سرایتش جہان مالامال ۱۲۹

رباعیات کے بعد رسالہ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ملفوظات سے آراستہ کیا ہے جو سوال و جواب کی شکل میں ہیں۔ رسالہ درج ذیل عبارت کے ساتھ اختتام کو پہونچتا ہے :

"آنچہ فضایل پناہی شیخ عبدالحق کہ از خلفان حضرت خواجہ ماست نقل کردند کہ حضرت خواجہ قبل از ایام رحلت می فرمودند کہ مارا بہ یقین معلوم شد کہ توحید کوچہ تنگ است شاہ راہ دیگر است این قسم توحید اعلامی اقسامی توحید است"[130]

ان تصانیف کے علاوہ دو اور رسالے رسالہ آداب المریدین[131] اور تعلیقات عوارف[132] حضرت مجددؒ سے منسوب ہیں مگر ان کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ملتا۔ صرف حضرت مجددؒ کے خاص سوانح نگار بدرالدین ابراہیم سرہندی نے حضرات القدس میں اور خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

بدرالدین ابراہیم سرہندی نے حضرت القدس میں دو اور رسالوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک رسالہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ایما پر نقشبندی صوفیا کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ جب یہ مکمل ہوا اور حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا"[133] دوسرا رسالہ احکام اسلامی سے متعلق دوستوں کی درخواست پر تحریر کیا"[134]

حضرات القدس (اردو ترجمہ) کے ناشر نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ کے مندرجہ ذیل رسالے اس کو ملے ہیں جو اردو میں ترجمہ کئے جا رہے ہیں۔ یہ رسالے درج ذیل ہیں:

۱۔ رسالہ تحقیق قیومیت

۲۔ رسالہ تعین ولاتعین

۳۔ رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ مسئلہ وحدت الوجود

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجددؒ کے مکتوبات میں سے بعض اس قدر طویل ہیں کہ اگر ان کو علیحدہ کر کے مرتب کیا جائے تو ایک خاص موضوع پر ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے مندرجہ بالا موضوعات پر مکتوبات میں سے طویل مکتوبات علیحدہ کر کے رسالوں کی شکل میں ترتیب دے گئے ہوں۔

حضرت مجددؒ کی خدمات :-

مفاسدذت کی اصلاح کے لیے حضرت مجددؒ کی کوششیں اظہر من الشمس ہیں۔ معاملہ

صرف اکبری الحاد کا نہ تھا بلکہ اطراف ملک میں جن حقیقی مشکلات سے مسلمان دوچار تھے ان کی طرف توجہ حضرت مجددؒ نے ہی دلائی۔ امراء ارکین سلطنت کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور شعائر اسلام کی بجا آوری اور دین اسلام کو بدعات اور سیئات سے پاک وصاف کرنے پر زور دیا۔

حضرت مجددؒ کی ایک اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے اس سلسلہ تصوف کی ترویج کی جو ہندوستانی طریقوں میں شریعت سے زیادہ قریب ہے۔ اس طریقے کے تمام اصول وفروع میں اتباع سنت سنیہ اور اجتناب بدعت نامرضیہ بدرجہ کمال ہے۔ نہ اس میں چلہ کشی کی ضرورت نہ ذکر بالجہر کی اجازت ہے نہ سماع نہ قبور پر چادر چڑھانا، نہ عورتوں کا ہجوم نہ سجدہ تعظیمی نہ بوسہ دینا نہ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کا حکم ہے۔

آپ نے طریقت کا وہ سلسلہ رائج کیا جس میں احکام شرعی کا سب سے زیادہ پاس تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک قابل، عالم شیخ طریقت تھے جو تصوف کو احکام شرعی کی حدود میں لے آئے۔

آپ نے عقیدۂ وحدت الوجود کی نئی توجیہہ کی اور وحدت الشہود کا نظریہ پیش کر کے مسلمان صوفیا اور علماء کے اختلافات رفع کر دیے آپ کا قول ہے کہ مقام وحدت الوجود سالک کو ابتدائے سلوک میں پیش آتا ہے جس سے آگے گذر جانا چاہیے اور جو شخص اس سے بالاتر مقام پر عروج کرتا ہے۔ اس پر مقام وحدت الشہود منکشف ہوتا ہے جو شرع کے عین مطابق ہے۔

شرع کی حمایت اور ترجمانی کے ساتھ آپ کا ایک بڑا کارنامہ بدعات کے خلاف جہاد تھا۔ علماء نے بدعت کی دو قسمیں قرار دی ہیں حسنہ، سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عہد کے بعد پیدا ہوا ہو اور سنت کو رفع نہ کرتا ہو اور بدعت سیئہ وہ عمل ہے جو سنت کو رفع کرتا ہو۔ آپ نے ہر دو قسم کی بدعتوں کو دین سے نکالنے پر بڑا زور دیا اور اس طرح وقتی مصلحتوں اور نفسانی فائدوں کی بنا پر

دین اسلام میں جو نئی چیزیں عقائد و اعمال کی صورت میں شامل ہوگئی تھیں انھیں دین سے باہر نکالنے کی ضرورت کا احساس تیز تر ہوگیا۔ آپ کا فرمان ہے کہ "ہر بدعت سنت کو رفع کرنیوالی ہے اور کسی کی کوئی خصوصیت نہیں پس ہر بدعت سیئہ ہے"۔ سنت اور بدعت دونوں پوری طرح ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی بقا، دوسری کی فنا کو لازم ہے پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کو مارنا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ "بدعت سے بچو اگرچہ بدعت صبح کے نور کی طرح روشن ہو"۔ "بدعت دین کو کاٹنے والی کلہاڑی ہے اور سنت چمکتا ہوا ستارہ ہے، بدعت کا دور کرنا اسلام کی تقویت کے لیے لازمی ہے"۔

اسی زمانہ میں مختلف تمدنوں کے ملنے سے، نئے فرقوں اور نئے طریقوں سے عقائد میں خرابی پیدا ہو رہی تھی۔ ہر فرقہ اور ہر نظریہ کے لوگوں کی شدید کوشش تھی کہ اسلام کو اپنے رنگ میں رنگ لیں۔ حضرت مجددؒ نے ان خیالات و نظریات کی تردید میں ایک پر زور رسالہ لکھا۔ حضرت مجددؒ کا ایک بڑا کارنامہ اسلام کا عام احیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا اس زمانے میں ہر فرقہ اور نظریے کے ماننے والے اسلام کو اپنی طرف مایل کر رہے تھے۔ آپ نے شعائر اسلام کے احترام پر زور دیا۔ اس وقت جب کہ عام علماء و مشائخ نے الحاد و بے دینی کے دور میں ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہی عافیت اور سلامتی کا راستہ سمجھ رکھا تھا اور جن لوگوں نے جرأت اور ہمت سے کام لے کر اس کے خلاف آواز اٹھائی ان کے پاس کوئی واضح لائحہ عمل نہ تھا۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے قید و بند کی سختیوں کو ترجیح دی اور خلاف شرع احکام کی عملی مخالفت کی۔ آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو ہمت اور حوصلہ دیا، جو دبے بیٹھے تھے وہ دلیر ہوگئے۔ حکمران طبقہ میں جو اسلام پسند گروہ تھا۔ اسے تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسوم دربار شاہی میں عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا مقامی اثرات کی وجہ سے رائج ہوگئی تھیں ان کے ازالے کا سامان ہوا اور شعائر اسلامی رواج پانے لگے۔

حضرت مجددؒ نے خود احیاء اسلام کی کوشش کی اور اس کے علاوہ ایک ایسا وسیع

نظام قائم کر دیا۔ جس سے آپ کے بعد بھی آپ کا فیض جاری و ساری رہا۔ آپ کے صدہا خلفاء تھے جو ہندوستان کے کونے کونے میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی آپ کے خیالات کی اشاعت کر رہے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزندان ارجمند خاص طور پر خواجہ محمد سعیدؒ، خواجہ محمد معصومؒ اور ان کے صاحبزادے خواجہ سیف الدینؒ نے بادشاہان وقت شاہ جہاں اور اورنگ زیب اور دیگر شہزادگان کی روحانی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا جس کے صالح نتائج سامنے آئے۔

مجددی سلسلہ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ اطراف ممالک میں بھی فروغ حاصل ہوا۔ آپ کا سلسلہ ہندوستان سے ماوراالنہر اور روم، افغانستان شام و عرب تک پہونچا۔ آپ کے مکتوبات کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا۔ خلافت عثمانیہ میں اس سلسلے کی اشاعت انیسویں صدی میں بہت زیادہ ہوئی جب حضرت خالد کردیؒ نے دہلی میں ایک سال رہ کر شاہ غلام علیؒ سے یہ طریقہ اخذ کیا اور واپس جا کر عراق، شام، اناطولیہ میں اس کی کامیابی سے اشاعت کی۔ حضرت خالد کردی خلافت عثمانیہ کے آخری دور کے بہت بڑے بزرگ تھے انھوں نے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کو سلطنت کا سب سے بااثر صوفی طریقہ بنا دیا ۱۳۳۔

حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ 'رد روافض' لکھا تھا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی شرح عربی میں لکھی اس شرح کے شروع میں حضرت مجددؒ کا تعارف کراتے ہوئے آپ کی تجدیدی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت مجددؒ کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں "اوحد زماں" فرید آوان، شریعت وطریقت میں جہبذ راسخ، معرفت وحقیقت کے کوہ بلند، ناصر سنت قامع بدعت، اللہ کا روشن چراغ جو عالم میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مومن بندوں میں سے جو چاہے اس سے روشنی حاصل کرے۔ کفار اور مبتدعین میں سے اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول، امام عارف عالم المعی مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی نقشبندی سرہندی نے یہ رسالہ تصنیف کیا ہے مسلمانوں

کی طرف سے۔" اسی رسالے کے مقدمہ میں آگے فرماتے ہیں: شہامت، نجابت، کثرت علم، توقد ذہن، استقامت علی اللہ اور رسول کے بارے میں دینی غیرت کرامات جلیلہ اور مقامات جزیلہ وغیرہ صفات محمودہ کے علاوہ جو اس شیخ کے نفس قدسی صفات میں اللہ تعالےٰ نے رکھ دی ہیں" اس کے بہت سے احسان اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے اس لیے کہ جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہ ہوگا۔" اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے حضرت مجددؒ کی خدمات تحریر کی ہیں۔

۱۔ مجدد صاحب نے اطراف ہند میں نقشبندی طریقہ کو پھیلایا آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ ایک خلق خدا مہذب ہوگئی۔

۲۔ صوفیوں اور فقہا کے درمیان جو اختلاف تھا اس میں ایک مستقل فیصلہ کیا جس سے اختلاف مٹ گیا۔ توحید شہودی اور وجودی کے ایسے معنی بیان کیے جن پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا اور نہ اس میں کسی قسم کا اجمال باقی رہتا ہے۔

امرا کو عقائد باطلہ سے منع کیا ان کو لکھا کہ اپنی مجالس میں غلط عقیدے کے لوگوں کو نہ آنے دیں۔

۳۔ اللہ تعالےٰ نے مجدد صاحب کے ذریعہ امراو حکام کو فیض پہونچایا اور ان حکام کے ذریعہ عام لوگوں کی اصلاح ہوگئی۔

۴۔ مسلمانوں میں سے ان ضعیف الاعتقاد لوگوں نے جن کی طبیعتیں کتب فلاسفہ کے مطالعہ یا غلط عقائد کے لوگوں کی صحبت سے فاسد ہو چکی تھیں۔ نئے نئے قول ایجاد کیے اور کہنے لگے کہ ہم کو نبی کی حاجت نہیں۔ بندوں کو حرام حلال کا مکلف کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اعتماد کے قابل ملکات ہیں اعمال نہیں وغیرہ۔ شیخ مجددؒ نے اس کے متعلق رسالہ لکھا اور ان کا رد کیا اور مختلف مجلسوں میں ان لوگوں سے مناظرے و مباحثے کیے حتیٰ کہ الحاد کے اس فتنے کو مٹا دیا۔

آخر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: ان امور کی وجہ سے پھر تو شیخ کی یہ حالت ہوگئی کہ بجز مومن متقی کے اور کوئی ان سے محبت نہیں کرتا اور بجز فاجر شقی کے اور کوئی اُن سے بغض و عداوت نہیں رکھتا تھا[۱۳۴]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں حضرت مجددؒ کے بارے اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

> "نزاعے کے درمیان صوفیائے کرام و علماء اسلام از ہزار سال بود ایشان برداشتند و مورد حدیث "صلہ" شدند چہ ایشان درمیان علماء و صوفیا صلہ بوذند کہ اختلاف فریقین را در وحدت الوجود بلفظ را جمع داشتہ اند"[۱۳۵]۔

آپ نے قرآن اور حدیث کے مطالعہ پر زیادہ زور دیا جس سے تغافل برتا جا رہا تھا۔ سنت کی پیروی آپ کا محبوب مشغلہ تھا آپ کا سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ بہت زیادہ مقبول و پاکیزہ سلسلہ ہے، ممتاز شخصیتیں جیسے خواجہ میر ناصر عندلیب[۱۳۶]، خواجہ میر دردؒ[۱۳۷]۔ شاہ سید احمد بریلویؒ[۱۳۸]، اسی سلسلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ سر سید احمد[۱۳۹] کی پرورش و تربیت بھی مجددیہ سلسلہ میں ہوئی۔

شیخ مجدد سے قبل دینی تعلیم زیادہ تر فقہ اور صرف نحو و منطق پر مشتمل تھی آپ نے عوام کو قرآن اور حدیث کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی شیخ عبدالحق نے حدیث کی اشاعت شروع کی اور اس علم کو پہلی دفعہ آپ نے ہی عام کیا۔ بعد میں شاہ ولی اللہ نے ہندوستان میں پہلا دار الحدیث کھولا۔

حواشی

۱۔ تعلیمات مجددیہ ص ۴۵۷

۲۔ ،، ،، ص ۴۶۱

۳۔ وفات ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۹ء

۴۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ لودھیوں کے عہد میں انھیں مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ حضرت مجددؒ کے والد شیخ عبدالاحد اور شیخ جلال الدین تھانیسری آپ کے خلفا میں تھے۔ شیخ عبدالنبی جو اکبر کے عہد میں صدالصدور تھے، شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے۔

۵۔ شیخ علی متقی ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ مانڈو میں پیدا ہوئے۔ حجاز جاکر مزید روحانی اور علمی تشنگی کو رفع کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ عبدالوہاب کی وساطت سے آپ سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کی زیادہ دلچسپی علم حدیث اور تصوف سے تھی آپ نے سو سے زیادہ کتابیں لکھیں ۱۵۶۷ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شمالی ہند کے پہلے بڑے عالم تھے جو فتح گجرات کے بعد سمندری راستے سے حجاز گئے اور علم حدیث کی تکمیل کی اور واپس آکر حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ جہانگیر نے توزک میں آپ کا ذکر بہت احترام سے کیا ہے۔ اکبر جہانگیر کا پورا عہد حکومت آپ نے دیکھا اور شاہجہاں کے سولھویں سالِ جلوس یعنی ۲۰/ جون ۱۶۴۲ء کو ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں جن میں اولیار اور بزرگوں کا تذکرہ اخبارالاخیار زیادہ مشہور ہے۔

۶ (۱) زبدۃ المقامات (اردو ترجمہ) ص ۱۳۱

۷۔ رود کوثر ص ۲۲۲، زبدۃ المقامات ص ۹۲ (اردو ترجمہ)

۸۔ امام رفیع الدینؒ شیخ احمدؒ کے اجداد میں تھے، فیروز شاہ کے وزیراعظم خواجہ فتح اللہ کے بھائی اور سید جلال الدین بخاریؒ (۷۰۷ ـ ۷۵۰ھ) کے مرید تھے۔ شہر سرہند کی تعمیر اور انتظام کا کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔

۹۔ زبدۃ المقامات ص ۱۳۲ حضرات القدس جلد دوم ص ۹

۱۰۔ مولانا کمال کشمیری فلسفہ کے مشہور عالم تھے۔ سیالکوٹ میں درس دیتے تھے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ بھی آپ کے حلقہ درس سے فیضیاب ہوئے۔

۱۱۔ مولانا یعقوب صرفیؒ ۹۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم ظاہری کے بعد سمرقند جا کر شیخ حسین خوارزمیؒ کے مرید ہوئے۔ ہمایوں اور اکبر کو آپ سے عقیدت تھی، علم حدیث کے زبردست عالم تھے۔ حضرت مجددؒ نے تین بزرگوں سے بیعت کی ایک اپنے والد بزرگوار دوسرے خواجہ باقی باللہؒ اور تیسرے شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ۔

۱۲۔ امام غزالیؒ ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں طوس میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء میں وفات پائی۔ زبردست عالم تھے آپ نے ۹۹ کتابیں مختلف مذہبی موضوعات پر لکھی ہیں، کیمیائے سعادت آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

۱۳۔ زبدۃ المقامات ص ۱۳۷ (اردو ترجمہ)

۱۴۔ تذکرہ مجدد ص ۹۴

۱۵۔ حضرات القدس ص ۱۰، ۱۱

۱۶۔ حاجی سلطان تھانیسریؒ ایک عالم و فاضل شخص تھے اور اکبر کے دربار سے وابستہ تھے مہابھارت کے ترجمہ کا کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا آپ کو کرنال اور تھانیسر کا کروڑی مقرر کیا گیا۔ ایک مرتبہ لوگوں کی شکایت پر جلاوطن ہو کر بحال ہوئے۔ دوسری مرتبہ لوگوں نے

اکبر سے ان کے ظلم و ستم کی شکایت کی تو اس نے سزائے موت کا حکم دے دیا چنانچہ ۱۵۹۹ء میں ان کو پھانسی دی گئی۔

۱۷۔ زبدۃ المقامات ص ۱۳۸ حضرات جلد ۲، ص ۱۱

۱۸۔ شاہ کمال کیتھلیؒ قادریہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ قادریہ سلسلہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد شاہ کمال کے پایہ کا کوئی دوسرا بزرگ نہیں ہوا۔

۱۹۔ زبدۃ المقامات ص ۱۴۰

۲۰۔ زبدۃ المقامات ص ۱۴۴، حضرات القدس جلد ۲، ص ۱۱ خواجہ باقی باللہؒ ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء میں پیدا ہوئے وہ ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلے کے بانی تھے۔ حضرت مجدد کے علاوہ دربار اکبری کے بہت سے امرا مثلاً شیخ فرید، قلیچ خاں صدر جہاں، اور علما میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے مرید تھے۔ خواجہ امکنگیؒ سے نقشبندی سلسلے کی تعلیم حاصل کی اور خلافت حاصل کر کے ہندوستان آئے۔ حضرت مجددؒ نے ۱۰۰۸ھ میں آپ سے بیعت کی ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء کو دہلی میں وفات پائی۔

۲۱۔ حضرات القدس جلد ۲، ص ۱۵ (اردو ترجمہ)

۲۲۔ زبدۃ المقامات ص ۱۵۰، آب کوثر ص ۱۱۴

۲۳۔ زبدۃ المقامات ص ۱۵۳

۲۴۔ ایضاً ص ۱۶۰

۲۵۔ ایضاً ص ۱۴۰ (فارسی)

۲۶۔ ایضاً ص ۱۴۱ (فارسی)

۲۷۔ ایضاً ص ۱۴۴، ۱۴۵ (فارسی)

۲۸۔ ایضاً ص ۲۳۰ (فارسی)

۲۹۔ مکتوبات مجددؒ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶

۳۰۔ روضۃ القیومیہ جلد اول ص ۱۱۶، ۱۲۵

۳۱۔ روضۃ القیومیہ جلد اول ص ۱۷۰، ۱۷۴

۳۲۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۴۷

۳۳۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۵۳

۳۴۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب نمبر ۸۱

۳۵۔ اکبری عہد میں صدر جہاں معمولی منصب پر تھا۔ جہانگیر کے بچپن میں وہ تعلیم کا نگراں تھا۔ جہانگیر نے ان کو چار ہزاری منصب پر فائز کیا۔ حضرت مجددؒ کے ان کے نام کئی مکاتیب ہیں۔

۳۶۔ خان جہاں جہانگیر کا خاص مقرب تھا۔ جہانگیر ان کی بات سنتا بھی تھا اور مانتا بھی تھا۔ مکتوبات کے تینوں دفتروں میں ان کے نام بہت خطوط ہیں۔

۳۷۔ شیخ فرید بخاری اکبر کے عہد میں بخشی کے عہدے پر مامور ہوئے جہانگیر کے عہد میں گجرات کے والی بنائے گئے بعد میں پنج ہزاری منصب پر فائز ہوئے اور لاہور کے گورنر ہوئے۔ نسب کے لحاظ سے سادات تھے۔ علماء مشائخ کی نظر میں ان کی بہت عزت تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حساس اور دردمند دل دیا تھا۔ حضرت مجدد کی تحریک میں ان کے دست راست رہے۔ مکتوبات کے تینوں دفتروں میں ان کے نام بہت سے مکاتیب ہیں۔ ۱۰۲۵ھ میں لاہور میں ان کی وفات ہوئی اور دہلی میں سپرد خاک ہوئے۔

۳۸۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۷۶

۳۹۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۱۷۴

۴۰۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۶۱۲، حضرات جلد دوم ص ۹۰۷

۴۱۔ حضرات جلد دوم ص ۹۰، تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱، ۱۲

۴۲۔ تزک جہانگیری ص ۲۷۴ - ۲۷۵

۴۳۔ مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۲

۴۴۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۱۷۷، ۱۸۷، ۱۸۹

۴۵۔ حیات مجدد ص ۳۱، ۳۲

۴۶۔ حیات مجدد ص ۳۲

۴۷۔ توزک جہانگیری ص ۳۱۲

۴۸۔ مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۳

۴۹۔ مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۷۲

۵۰۔ مقامات معصومی ص ۲۵۸۔ ۲۵۹

۵۱۔ رود کوثر ص ۲۷۴

۵۲۔ رود کوثر ص ۲۷۴

۵۳۔ توزک جہانگیری ص ۳۴۶

۵۴۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۳ (فارسی)

۵۵۔ تذکرہ مجدد ص ۲۸۹

۵۶۔ میر محمد نعمان کشمی کے والد سید شمس الدین یحییٰ بدخشاں اور ماوراءالنہر کے مشاہیر میں تھے۔ میر محمد نعمان سمرقند میں پیدا ہوئے۔ آغاز شباب میں ہندوستان آئے اور خواجہ باقی باللہؒ سے منسلک ہو گئے۔ خواجہ صاحب نے آپ کو حضرت مجددؒ کے سپرد کر کے ان کو آپ کی تربیت کا کفیل بنایا۔ میر نعمان نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ "ہمارا قبلۂ توجہ تو حضور ہی کی درگاہ ہے۔ بزرگ وہ بھی ہوں گے اس سے انکار نہیں" اس پر خواجہ صاحب نے غصہ ہو کر فرمایا تھا کہ "میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن الشاں گم است" اس کے بعد میر صاحب حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچے۔ انھوں نے آپ کو برہانپور روانہ کیا۔ حضرت مجددؒ نے آپ کے فہم خداداد کی تعریف فرمائی ہے۔

آپ کی وفات ۱۰۵۸ھ میں ہوئی۔

۵۷۔ شیخ حمید بنگالی:۔ یہ لاہور سے وطن جاتے ہوئے آگرہ آئے تھے وہاں حضرت مجدد سے ملاقات ہوئی پہلے منکر تھے مگر حضرتؒ کی توجہ سے یہ حال ہوا کہ حضرت کے ساتھ پیادہ پا سرہند چلے۔ دو سال سرہند میں رہے پھر حضرت نے اجازت دے کر ان کو وطن روانہ کیا۔

۵۸۔ آپ عرصہ تک خانقاہ مجددیہ میں رہے اور مقامات میں ترقی ہوتی رہی بعد میں حضرت مجدد نے اجازت مرحمت فرما کر پٹنہ روانہ فرمایا

۵۹۔ علوم ظاہری میں کمال حاصل تھا۔ سلوک کے شوق میں حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ سالہا سال ان کی خدمت میں رہے۔ حضرت مجدد کے صاحبزادوں کی تعلیم و تدریس کا کام نہایت کوشش سے انجام دیتے تھے۔ حضرت نے آپ کو لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لیے روانہ فرمایا۔ ۱۰۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۶۰۔ شیخ بدیع الدین ابتدا میں نماز تک کے پابند نہ تھے۔ حضرتؒ کی توجہ سے کایا پلٹ ہوئی اور آپ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے۔ حصول اجازت کے بعد سہارنپور آئے۔ آپ کو بعد میں حضرت نے آگرہ بھیجا تھا وہاں منکرین اور معاندین نے آپ کے خلاف زبردست فتنہ برپا کر دیا اور اسی کا اثر یہ ہوا کہ جہانگیر نے حضرت کو آگرہ طلب کیا اور گوالیار میں قید کیا۔

۶۱۔ آپ معقول ترین مریدوں میں سے ہیں۔ مکتوبات میں آپ کا ذکر ہے۔ ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔

۶۲۔ شیخ طاہر بدخشی ۱۰۱۲ھ میں دہلی آئے اور پھر حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے حضرت نے ان کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر جونپور روانہ کیا۔

۶۳۔ یار محمد قدیم طالقانی قائم اللیل و صائم النہار بزرگ تھے۔ بزرگان نقشبند کی خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں۔

۶۴۔ برک کے رہنے والے تھے حضرت کی بارگاہ میں پہنچ کر ذکر و مراقبہ سے مشرف، ہو کر وطن واپس ہوئے اور آپ وہاں افادہ وافاضہ میں مشغول ہوئے۔

۶۵۔ شیخ عبد الحئی علاقہ اصفہان کے باشندے تھے سالہا سال آستان مجددی پر مرشد سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ مکتوبات کا دفتر ثانی آپ نے ترتیب دیا حضرت نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر پٹنہ روانہ فرمایا۔ ۱۰۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

۶۶۔ برک کے علماء میں سے تھے۔ مکتوبات کا مطالعہ کر کے اشتیاق پیدا ہوا اور سرہند آئے۔ اور حضرت کی عنایات سے سرافراز ہوئے۔ آپ نے ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔

۶۷۔ بدرالدین ابراہیم سرہندی مصنف حضرات القدس حضرت مجددؒ کے مخلص خادم تھے۔

۶۸۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی، کشم سے ہندوستان آئے اور برہانپور میں میر محمد نعمان سے ذکر و مراقبہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں حضرتؒ کی خدمت میں سرہند آئے۔ زبدۃ المقامات آپ کی تصنیف ہے جو حضرت مجددؒ ان کے پیر و مرشد، خلفاء وغیرہ کی مستند سوانح عمری ہے مکتوبات کی تیسری جلد کو بھی آپ نے ہی ترتیب دیا۔

۶۹۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، حضرت مجدد کے ہم درس اور بعد میں بڑے عالم ہوئے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کو مجدد الف ثانی کے لقب سے آپ نے ہی ایک مکتوب میں سب سے پہلے مخاطب فرمایا۔

۷۰۔ مولانا محمد صدیق کشم بدخشاں سے ایام جوانی میں ہندوستان آئے اور خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مجدد کی خدمت میں آئے۔ مبدا و معاد کو حضرت مجددؒ کی بیاض سے آپ نے ہی نقل فرما کر جمع کیا۔ آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔

۷۱۔ شیخ آدم بنوری:۔ آپ محض امی تھے فیض روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سو اور مریدین کی ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ حج کے لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ۔ گئے اور وہ میں ۱۲ر شوال ۱۰۵۳ھ کو انتقال فرمایا جنت البقیع

میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار پاک کے قریب دفن ہوئے۔

۷۲۔ شیخ احمد دیوبندی۔ حضرت مجددؒ کے حلقہ درس میں ایک مدت تک رہنے کے بعد برہانپور گئے اور پھر آگرہ آئے اور وہیں طریقہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا۔

۷۳۔ پہلی آٹھ تصنیفات تو تمام مستند سوانح (مثلاً زبدۃ المقامات ص ۲۳۱ حضرات القدس جلد ۲، ص ۱۰، ۱۰۸، ۱۱۲، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ ص ۲۳۲) میں درج ہیں لیکن زبدۃ المقامات نے رسالہ اثبات النبوۃ کے بجائے اس کا نام رسالہ جذب و سلوک لکھا ہے۔

۷۴۔ صرف حضرات القدس (جلد ۲ ص ۱۰۹) نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۷۵۔ اس کا ذکر بھی صرف حضرات القدس (جلد ۲ ص ۱۰۹) اور زبدۃ المقامات ص ۲۴۰ نے کیا ہے۔

۷۶۔ زبدۃ المقامات ص ۲۲۸ (اردو)

۷۷۔ حضرات القدس جلد ۲، ص ۱۰۹، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۳۶

۷۸۔ بانکی پور مخطوط نمبر ۱۳۹۳ (جلد ۱۶، ص ۷۰) میں ۱۲۱ مکتوب ہیں۔

۷۹۔ حضرات القدس جلد ۲ ص ۱۰۹ زبدۃ المقامات ص ۲۳۲

۸۰۔ ایتھے نے جلد ۱ پارٹ ۲ ص ۱۷۰۱ نمبر ۱۸۴۶ پر اس کو نوٹ کیا ہے مگر غلط فہمی کی بنا پر اس کا عنوان مکتوبات احمد بن یحییٰ منیری لکھا ہے۔ ایتھے کے مطابق یہ نسخہ مکتوب نمبر ۲۵ پر ختم ہو جاتا ہے۔

۸۱۔ زبدۃ المقامات ص ۲۴۱ (فارسی)

۸۲۔ مکتوب دفتر سوم مکتوب نمبر ۴

۸۳۔ زبدۃ المقامات ص ۲۴۱ (فارسی)

۸۴۔ مکتوبات دفتر سوم ص ۴، زبدۃ المقامات ص ۲۳۷

۸۵۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۳۴، زبدۃ المقامات ص ۲۳۷

۸۶۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۳۴، زبدۃ المقامات ص ۲۳۷
۸۷۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۹
۸۸۔ " دفتر سوم نمبر ۱۲۲
۸۹۔ " دفتر اول نمبر ۱۶۷
۹۰۔ " دفتر اول نمبر ۲۸
۹۱۔ " دفتر اول نمبر ۴۰
۹۲۔ " دفتر دوم نمبر ۱۴
۹۳۔ " دفتر دوم نمبر ۱۵
۹۴۔ " دفتر دوم نمبر ۵۵
۹۵۔ " دفتر دوم نمبر ۶۸، دفتر اول نمبر ۴۴، ۲۰۹
۹۶۔ " دفتر دوم نمبر ۱
۹۷۔ " دفتر دوم نمبر ۶۷ دفتر اول نمبر ۲۵۱
۹۸۔ " دفتر دوم نمبر ۶۷
۹۹۔ " دفتر دوم نمبر ۲۰۷
۱۰۰۔ " دفتر اول نمبر ۲۰۷، ۲۲۱، ۲۳۴
۱۰۱۔ " دفتر اول نمبر ۲۶۱، ۲۶۶، دفتر سوم نمبر ۳۴
۱۰۲۔ " دفتر اول نمبر ۲۷۳
۱۰۳۔ " دفتر اول نمبر ۴۳، ۱۰۰، ۲۶۶
۱۰۴۔ " دفتر اول نمبر ۳۱، ۴۳
۱۰۵۔ " دفتر دوم نمبر ۵۲، ۲۳، ۱۹، ۱۸۶
" دفتر اول نمبر ۲۶۰، ۱۹۶، ۳۷، ۲۳۱، ۲۱۳، ۵۴

۱۰۶۔ تعلیمات مجددیہ ص ۵۰

۱۰۷۔ " ص ۵۱

۱۰۸۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۰۲

۱۰۹۔ حیات مجدد ص ۴۲

۱۱۰۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۶۱۳۔ مولانا غلام معین الدین عبداللہؒ نے اس فتوے کو اپنی کتاب "معارج الولایت" میں چھاپ دیا ہے۔ (حیات عبدالحق ص ۳۱۲)

۱۱۱۔ رسالہ در رد روافض ص ۱

۱۱۲۔ رود کوثر ص ۲۴۳

۱۱۳۔ رسالہ در رد روافض ص ۲۲

۱۱۴۔ بعض نسخوں میں تحقیق النبوۃ نام لکھا ہے۔

۱۱۵۔ رسالہ تہلیلیہ، زبدۃ المقامات ص ۱۳۱

۱۱۶۔ نیشنل میوزیم قلمی نسخہ نمبر ۱۵۲۱/۵۵۰۷۳

۱۱۷۔ قلمی نسخہ درگاہ شاہ ابوالخیر نمبر ۲۱۵

۱۱۸۔ قلمی نسخہ نمبر ۱۴۶/۵۵۰۷۳، نیشنل میوزیم دہلی میں اس کا نام "رسالہ حضرت مجدد دراسم ذات" ہے۔

۱۱۹۔ معارف لدنیہ ورق ۲، (ذخیرہ درگاہ شاہ ابوالخیر)

۱۲۔ معارف لدنیہ ورق ۵۹، ۱۱۱

۱۲۱۔ قلمی نسخہ درگاہ شاہ ابوالخیر نمبر ۲۱۵

۱۲۲۔ مبدا و معاد ص ۲۰

۱۲۳۔ مبدا و معاد ص ۳۵

۱۲۴۔ قلمی نسخہ درگاہ شاہ ابوالخیر ص ۱۳۴

۱۲۵۔ قلمی نسخہ مکاشفات غیبیہ ورق ۱۳۵

۱۲۶۔ قلمی نسخہ مکاشفات غیبیہ ورق ۱۴۳

۱۲۷۔ ایضاً ۔ ۔ ۔ ۔ ورق ۱۵۱

۱۲۸۔ قلمی نسخہ شرح رباعیات باقی ورق ۱ (نمبر ۱۵۲/۴۳،۵۵۔ نیشنل میوزیم)

۱۲۹۔ ایضاً ورق ۲

۱۳۰۔ ایضاً ورق ۱۶۰

۱۳۱۔ حضرات القدس جلد دوم ص ۱۱۳

۱۳۲۔ حضرات القدس جلد اول ص ۴ (اردو ترجمہ)

۱۳۳۔ رود کوثر ص ۲۸۴

۱۳۴۔ تذکرہ مجدد ص ۳۰۳

۱۳۵۔ اخبار الاخیار ص ۳۱۳

۱۳۶۔ خواجہ میر ناصر عندلیب (وفات ۱۱۷۲ھ) ایک صوفی تھے آپ نے تصوف پر ایک ضخیم کتاب 'نالۂ عندلیب' لکھی۔

۱۳۷۔ خواجہ میر درد (۱۱۳۱ - ۱۱۹۰ھ) اردو کے مشہور شاعر اور صوفی وریفارمر تھے۔

۱۳۸۔ شاہ سید احمد بریلویؒ (۱۲۰۱ - ۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے اور ہزاروں مسلمان آپ سے بیعت ہوئے۔

۱۳۹۔ سر سید احمد خاں (۱۲۳۲ - ۱۳۱۵ھ) دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ آپ بہت بڑے ریفارمر اور ماہر تعلیم تھے۔

خازن الرحمت خواجہ محمد سعید

حضرت مجدد کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق تھے جو عین جوانی میں بعارضہ طاعون وفات پا گئے۔ دوسرے بیٹے خواجہ محمد سعید شوال ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۶ء-۱۵۹۷ء میں پیدا ہوئے[۱] علوم متداولہ، عقلیہ و نقلیہ اپنے والد، مولانا طاہر لاہوری اور اپنے برادر بزرگ خواجہ محمد صادق سے حاصل کیے اور پھر درس و تدریس شروع کی[۲] آپ صلاح و تقویٰ کا پیکر تھے۔ خود حضرت مجددؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں۔ ان کے امام خواجہ محمد سعید اور خواجہ معصوم ہیں۔ آپ نے خواجہ محمد سعید کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا[۳] حضرت مجددؒ ان کے متعلق فرماتے تھے کہ ”محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے۔ غلبۂ ضعف کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا! کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا: ”خواجہ باقی باللہ را می خواہم“ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہؒ کو لکھ بھیجے حضرت قدس سرہٗ نے جواب دیا: ”محمد سعید شمارندی و حرکتی نمود و غائبانہ نسبت از ما در ربود“ حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے:

> ”فرزندان ایشاں کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند استعدادہائے عجب دارند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبت اللہ نباتاً حسناً“[۴]

خزینۃ الاصفیا کے مصنف لکھتے ہیں:

”خواجہ باقی باللہؒ میفرمود کہ خواجہ محمد سعید و محمد معصوم ہر دو پسران خواجہ احمد

پارہ ہای جواہر اند کہ بی بہا اند و در ایام خورد سالی بمقامات احمدیہ رسیدہ اند"

ونیز شیخ احد میفرمود کہ معاملہ من و فرزندان من مثل معاملہ صاحب شرح وقایہ

است بجد خود کہ جداو آنچہ وقایہ تحریر میکرد۔ صاحب شرح وقایہ حفظ می نمود

وہمچنیں آنچہ معارف بمن مکشوف اند پسرانم آنرا از خود یاد گرفتہ اند"[۵]

حضرات القدس میں لکھا ہے کہ کتب متعلقہ شرح حکمت العین اور عضدی و بیضاوی کا درس دیتے تھے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرماتے تھے۔ شاہجہاں کے عہد کے اواخر ۱۰۶۵ھ/۵۶-۱۵۵۴ء میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم اکٹھے حج کے لیے روانہ ہوئے اور تقریباً تین سال ہندوستان سے باہر رہے خواجہ محمد سعید کے صاحبزادے شیخ عبدالاحد وحدت نے اس سفر کے دوران مکاشفات کو 'لطائف مدینہ' کے نام سے جمع کیا۔[۶] جب وہ حج کے لیے روانہ ہوئے تو داراشکوہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ واپس پہنچے تو عالمگیر تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ دونوں بھائیوں بلکہ خاندان مجددیہ کے تمام سربرآوردہ افراد کی قدردانی ہوئی۔ حضرت محمد سعید کو اورنگ زیب نے دہلی میں رہنے کی دعوت دی۔ وہ دہلی میں کچھ عرصہ رہے لیکن اب ان کی صحت ٹھیک نہ رہتی تھی۔ دہلی میں سخت بیمار ہوئے۔ بادشاہ نے علاج میں بڑا اہتمام کیا۔ خود طبیخ تیار کرا کے آپ کے لیے بھیجتا تھا۔ خرابی صحت کی بنا پر آپ پالکی کے ذریعہ سرہند کے لیے روانہ ہوئے لیکن ۲۷ر جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء کو جبکہ وہ سنبھالکہ کے مقام پر تھے، داعی اجل کو لبیک کہا اور سرہند میں مدفون ہوئے۔ آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی۔[۹]

اولاد :- آپ کے آٹھ صاحبزادے شاہ عبداللہ، شاہ لطف اللہ، مولوی فرخ شاہ شیخ سعید الدین، شیخ عبدالاحد، شیخ خلیل اللہ، شیخ محمد یعقوب، شیخ محمد تقی اور پانچ صاحبزادیاں صالحہ، فاطمہ، شاکرہ، شرف النساء، فخر النساء اور زینب تھیں۔

تصانیف خواجہ محمد سعید عربی و فارسی کے زبردست عالم تھے ہر دو زبانوں میں

کئی کتابیں تصنیف کیں۔

۱۔ تعلیقات مشکوۃ المصابیح: حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ شریف پر حاشیہ ہے[۱]۔

۲۔ رسالہ تشہد: نماز میں رفع سبابہ کی ممانعت کے بارے میں[۲]۔

۳۔ مکتوبات: مذہب اور تصوف کے مسائل پر آپ کے مکاتیب کی تعداد تقریباً سو ہے۔ بعض مکاتیب عربی میں ہیں۔ ان مکاتیب کو آپ کے صاحبزادے مولوی فرخ نے ترتیب دیا۔ پہلے دو مکتوبات اپنے والد محترم حضرت مجددؒ کے نام ہیں جن میں اپنے صوفیانہ احوال و ترقی درجات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے خطوط کے مخاطب عام طور پر خلفاء، خواجہ محمد معصوم، شیخ عبدالاحد وحدت وغیرہ ہیں۔ مکتوب نمبر ۹۸ مکہ اور مدینہ کے علماء کے نام ہے جس میں حضرت مجددؒ کے بعض جملوں کی وضاحت کی ہے۔ مکتوب نمبر ۱۰۷ امام اسمٰعیل گورزمین کے نام ہے۔

اورنگ زیب اور شاہی خاندان کے دیگر افراد کے نام آپ کے سب سے زیادہ مکتوبات ہیں۔ ایک خط میں بادشاہ کو تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اما بعد۔ ذرہ خاکسار بی مقدار بعرض اشرف می رساند۔۔ معہذا اگر راہ
> عنایت و دین پروری درباب رفع ۔۔ ۔ و منع برخی از منہیات و مسکرات بمقتضائے
> خدمات اسلام تاکید اہتمام رود۔ نورٌ علی نور است و درباب تعمیر مساجد
> مندرسہ و مدارس معطلہ و ترفیہ علماء و فضلاء و تکریم زہاد و صلحاء احکام واجب الامتثال
> شرف صدور یابد موجب اعلاء ارکان شریعت بیضاء و تمکین دولت عظمیٰ بطریق
> اتم باشد"[۱۲]

ایک اور مکتوب نمبر ۹۵ بھی اسی مضمون کا ہے۔ ان مکتوبات سے بادشاہ اور خواجہ محمد سعید کے درمیان نزدیکی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ اورنگ زیب کو آپ سے خاص تعلق خاطر تھا۔ ایک مکتوب میں خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرماتے ہیں:

> "حزن و فراق را کہ دامن گیر این حقیر ضعیف است چنان شرح دہد۔۔۔

کو سرہند کے نزدیک بستی میں ہوئی۔ اگلے سال حضرت مجدد کو خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ محمد معصوم نے اپنے والد، برادر بزرگ خواجہ محمد صادق اور شیخ محمد طاہر سے تحصیل علوم کی اور ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ ۱۱ سال کی عمر میں اپنے والد کے مرید ہوئے۔ حضرت مجددؒ آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ”از فرزندی محمد معصوم چہ نویسد کہ از محمدی المشربان است و بالذات قابل این دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ صلعم۔ و نیز او در ایام سہ سالگی بجامعیت استعداد و حقیقت تجلی ذاتی و حرف توحید لب کشود و میگفت من آسمانم من زمینم و من فلانم و دیوار حق است۔“[17]

چودہ سال کی عمر میں ایک مرتبہ خواب دیکھا جس کو سن کر حضرت مجددؒ نے فرمایا:

> ”تو قطب وقت خویش می شوی و این سخن از من یاد دار۔“[18]

خواجہ محمد معصوم صدہا مریدین کو ارشاد و ہدایت فرماتے تھے آپ تفسیر اور حدیث نیز مکتوبات حضرت مجدد کا بھی درس دیتے تھے۔ آپ نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر سلسلہ مجددیہ کو بہت وسعت دی۔ آپ کے خلفا کابل ننگرہار کے علاقے میں کثرت سے تھے۔ ۱۰۳۲ھ/۲۳-۱۶۲۲ء میں حضرت مجددؒ نے آپ کو اپنا نائب بنایا اور خلعت قیومیت عطا کی۔ حضرت مجدد نے اجمیر سے اس سلسلہ میں لکھا:

> ”دیروز بعد از نماز بامداد مجلس سکوت داشتم ظاہر شد خلعتی کہ داشتم از من جدا شد و خلعت دیگر بمن متوجہ شد کہ بجای آن خلعت نشیند بخاطر آمد کہ این خلعت زائد را بکسی خواہند داد یا نہ و آرزوی آن شد کہ آنرا بفرزندار جمند محمد معصوم بدہند، بعد از لمحہ دید کہ بفرزندی مرحمت فرمودند و آن خلعت او را تمام پوشانید و آن خلعت زائد کنایہ از معاملہ قیومیت بودہ است“[19]

یہ خط موصول ہونے کے بعد آپ اجمیر شریف لے گئے اور خلعت وصول کر کے

> حدیث شوق ندانستہ ام کہ تا چند است، جز این قدر کہ دلم سخت آرزومند است، استخارہ اگر موافقت نمود ظاہر است کہ اختیار این سفر فرمایند ہر چند بر اہل انقطاع وحالایت از تصور این سفر گرہ عظیم وارد می شود . . .
>
> دیگر چہار روز است کہ بادشاہ عجب تاکید واہتمام می فرماید خود طبیخ ساختہ می فرستد امید کہ کمادۃ امراض در چند روز مختتم گردد"[۱۳]

ان مکتوبات کی عبارت سادہ اور عام فہم ہے جو ہر قسم کے پیچیدہ اور مغلق جملوں سے پاک ہے۔ عبارت میں جابجا قرآن اور حدیث کے حوالے ہیں۔ بیشتر خطوط کا آغاز عربی جملوں سے ہوتا ہے۔ عربی اور فارسی کے اشعار سے مکتوبات کے مضامین دلچسپ ہو گئے ہیں۔ معانی کی گہرائی اور عبارت کی شیرینی نے اس مختصر مجموعہ میں عجب دلکشی پیدا کر دی ہے۔

اورنگ زیب خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کا بہت معتقد تھا اور ان بزرگوں کی خدمت کرتا رہتا تھا۔ رود کوثر میں عالمگیر نامہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

> شیخ محمد سعید و شیخ محمد معصوم پسران شیخ مغفور واقف اسرار حقائق و علوم شیخ احمد سرہندی کہ ہر یک در فضائل و کمالات صوری و معنوی خلف الصدق آن سالک مسالک طریقت و عرفان است، بانعام سہ صد اشرفی . . . مورد نوازش گردیدند"[۱۴]

ایک اور جگہ عالمگیر نامہ میں درج ہے:

> "وبتقوے شعار شیخ محمد سعید خلف شیخ احمد سرہندی خلعت و دو ہزار روپیہ . . . مرحمت شد"[۱۵]

عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ

حضرت مجدد کے فرزند ثالث خواجہ محمد معصوم کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ[۱۶]/۱۵۹۹ء

منصب قیوم ثانی، سے مشرف ہوئے۔ ۱۰۶۵ھ میں آپ برادر بزرگ خواجہ محمد سعید کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء میں واپس تشریف لائے۔

روضۃ القیومیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی وفات کے بعد جہانگیر خواجہ معصوم کے پاس تعزیت کے لیے سرہند آیا اور یہاں سے خواجہ معصوم کو ہمراہ لے کر دکن میں شہزادہ خرم کی بغاوت کو کچلنے کے لیے روانہ ہوا خواجہ معصومؒ نے شہزادہ خرم سے ملاقات کی اور اس کو جلد بادشاہت کی بشارت دی، جب شاہجہاں تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے بہت سے تحائف خواجہ معصومؒ کی نذر کیے۔ خواجہ معصوم کی ہدایت پر شاہجہاں نے اسلامی احکام کا نفاذ کیا اور مدارس و مساجد تعمیر کرائیں۔[۲۰]

روضۃ القیومیہ کے بیان کے مطابق خواجہ معصومؒ نے ۱۰۴۳ھ/۳۴-۱۶۳۳ء میں دہلی میں لال قلعہ کا سنگ بنیاد رکھا۔[۲۱] شاہجہاں نے ۱۰۴۴ھ/۳۵-۱۶۳۴ء میں سرہند میں باغات اور محل تعمیر کرائے وہ اکثر سرہند جاتا تھا اور وہاں قیام کرتا تھا۔[۲۲]

اورنگ زیب کے متعلق روضۃ القیومیہ میں درج ہے کہ وہ خواجہ معصوم کا مرید ہو گیا تھا۔ خواجہ معصومؒ نے اس کو بتایا کہ انھوں نے اس کو ہندوستان کی سلطنت عطا کی۔ اورنگ زیب کی بہنیں روشن آرا اور گوہر آرا بھی خواجہ صاحب کے ذریعہ اس سلسلہ سے منسوب ہوئیں۔[۲۳]

اورنگ زیب کی درخواست پر خواجہ معصوم نے اپنے بھائی محمد سعید کو ۱۰۶۹ھ /۵۹-۱۶۵۸ء میں دہلی بھیجا تاکہ وہ بادشاہ کی روحانی تربیت کریں لیکن وہ جلد ہی بیمار ہونے کے بعد سرہند واپس چلے گئے اور راستہ میں وفات پائی تو خواجہ معصوم نے اپنے پانچویں صاحبزادے شیخ سیف الدین کو بادشاہ کے پاس دہلی بھیجا۔[۲۴]

اورنگ زیب بھی سرہند میں حاضر ہوا، بارہ ہزار اشرفی خواجہ معصوم کی نذر کیں

اور کامیابی کی دعا کے لیے درخواست کی۔ شہزادی گوہر آرا کہا کرتی تھی کہ اورنگ زیب نے مغلیہ سلطنت بارہ ہزار اشرفی میں خریدی ہے[۲۵]!

خواجہ معصوم کے متعلق فرحت الناظرین کا مصنف لکھتا ہے:

> ”مرید و خلیفہ والد بزرگوار خود شیخ احمد بود . . . از تصانیف او سہ جلد مکتوبات است کہ بسی اسرار غریبہ و نکات عجیبہ دراں اندراج یافت . . . برا ستدعای پادشاہ دین پناہ (عالمگیر) چند بار بہ بارگاہ عظمت و جاہ رسید باقسام و انواع تکریم و توقیر و تعظیم مخصوص گشتہ بود“[۲۶]

خزینۃ الاصفیا کا مصنف لکھتا ہے:

> ”اورنگ زیب معتقد آنحضرت شد و ارادت آورد و دوام صحبت میخواست قبول نفرمود . . . محمد دارا شکوہ مرید حضرت ملا شاہ قادری و عالمگیر مرید حضرت معصوم سرہندی و فیما بین دو برادر تنازع و عداوت واقع ازیں سبب دارا شکوہ با عزیزان سرہند کدورتی بود۔ چوں حضرت معصوم در مدینہ منورہ رسیدہ شنید کہ دارا شکوہ ولیعہد پدر خود شدہ است، تفکر در دل لاحق شد و بمراد حصول رخصت او بروی روضہ منورہ نبوی تشریف بردہ متوجہ شد کہ دارا شکوہ عداوتی باین خاندان دارد مبادا تکلیفی بہ دلبستگان این خاندان رساند۔ درین اثنا محسوس گشت کہ آنحضرت صلعم شمشیر بدست گرفتہ ظاہر شدہ فرمود کہ ہر کہ دشمن شما است برای او این شمشیر قہر الٰہی کافی ست۔ چون از مراقبہ سر برآوردہ فرمود کہ دارا شکوہ در ہند کشتہ شد بس ہمچناں بوقوع آمد“[۲۷]

شیخ معصومؒ نے ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ[۲۸]/ ۶۹-۱۶۶۸ء کو سرہند میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اورنگ زیب نے قطعہ تاریخ کہا ”نور عالم برفت، عالم تاریک شد“

اس سے ۱۰۷۹ھ برآمد ہوتا ہے۔[۲۹] میر مفاخر حسین ثاقب سرہندی نے درج ذیل قطعۂ تاریخ لکھا جس کے دوسرے مصرعے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے:

خواند تاریخش ز دل ام الکتاب　　　نوبہاری شد بہ گلزار ارم[۳۰]

ناصر علی سرہندی بھی آپ کے مریدین میں تھے انھوں نے بھی قطعۂ تاریخ لکھا:

چراغ خاندان شرع اسلام　　　فروغ دین احمد خواجہ معصوم
بسوی گلشن جنت قدم زد　　　ازین ویرانہ آباد کہن بوم
دلم از نغمتم از سال وصالش　　　ندا آمد ز عالم رفت معصوم[۳۱]

خواجہ معصوم کے بھتیجے شیخ عبدالاحد وحدت نے ایک مرثیہ لکھا جس کے آخری مصرعے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے:

تاریخ وصال از خرد گفت　　　رفتہ ز جہاں امام معصوم

شیخ معصوم کے چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں:

محمد صبغۃ اللہؒ، خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہؒ، خواجہ محمد عبید اللہؒ، مروج الشریعہ محمد اشرف شیخ سیف الدین، شیخ محمد صدیق۔[۳۲]

آپ کے مریدین کی کثیر تعداد ہندوستان کے علاوہ ایران، توران، بدخشان، ترکستان کاشغر، روم، شام اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔[۳۳] خزینۃ الاصفیا کے مطابق مریدین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جب آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو عرب و عجم کے بے شمار لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔[۳۴] بہت سے امرای شاہی بھی آپ کے حلقہ میں شامل تھے۔ نواب مکرم خاں جو لاہور کا گورنر تھا آپ کا ارادتمند تھا وہ ترک دنیا کر کے سرہند میں آ کر مقیم ہو گیا تھا۔ ناصر علی سرہندی، میر مفاخر حسین ثاقب بھی شیخ معصوم کے مرید تھے۔ ناصر علی نے خواجہ معصوم کی مدح میں بہت سے اشعار لکھے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

چراغ هفت محفل خواجه معصوم
منور از فروغش هند تا روم
ردای ماهتابی شرع بر دوش
چو صبح از پاکی باطن قصب پوش
زهے عزت که رب العزتش داد
که بر سر تاج قیومیش بنهاد
علی بی ادب زین حرف بس کن
دعا را باجابت هم نفس کن
جهان در سایه احسان او باد
فلک قائم به فرزندان او باد[۳۵]

شہزادی روشن آرا نے آپ کی قبر پر گنبد تعمیر کرایا تو ناصر علی نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ای زمین مولد قدسی نسب وهفت سما
رفعت بام تو از عالم ایجاد ورا

ناصر علی ایک اور غزل میں کہتے ہیں:

در فیض باز است منشین از کشایش ناامید اینجا
برنگ دانه از هر قفل می روید کلید اینجا[۳۶]

تصانیف والد محترم کی طرح آپ نے بھی مکتوبات یادگار چھوڑے ہیں۔ یہ مکتوبات تین جلدوں میں ہیں۔ پہلی جلد میں ۲۳۹ مکتوبات ہیں۔ اس جلد کو آپ کے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ نے ۱۰۶۲ھ/۵۳-۱۶۵۲ء میں ترتیب دیا اور اس کا نام "درۃ التاج جاوید و جمع کمالات نبوت" رکھا۔[۳۷] دوسری جلد میں ۱۵۸ مکتوبات ہیں اس کو

حضرت حجۃ اللہ نے ۱۰۷۲ھ/۶۲-۱۶۶۱ء میں ترتیب دیا اور یہ مجموعہ وسیلۃ السعادت کے نام سے موسوم ہوا۔[۳۸] تیسری جلد میر شرف الدین حسین نے شیخ سیف الدین کے نام سے ۱۰۷۳ھ/۶۳-۱۶۶۲ء میں ترتیب دی۔ اس میں ۲۵۲ مکتوبات ہیں اور "مکاتبات قطب زمن" اس کا تاریخی نام ہے۔[۳۹]

یہ مکتوبات صوفیانہ موضوعات کے علاوہ نقشبندیہ سلسلہ کے متعلق لکھے گئے ہیں اور مخاطب حضرات میں امرای شاہی خلفاء و مریدین کے علاوہ بادشاہ وقت اورنگ زیب بھی ہیں۔ حضرت مجددؒ کے جہانگیر کی قید کے زمانہ میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے جواب میں آپ نے جو خطوط تحریر فرمائے ہیں وہ بھی ان مکتوبات میں شامل ہیں۔ ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں:

"عرضداشت کمترین محمد معصوم ذرہ وار . . . احوال دعا گویان این حدود غیر از الام فرقت جہاجرت اندوہی واقع نیست۔ خیال وصل تو تا حال زندہ میدارد۔ وگرنہ با غم ہجران حیات یعنی چہ سرافراز نامہ ہای گرامیہ بامعارف اسرار سامیہ پی در پی میرسند۔"[۴۰]

آپ نے بھی امرا و خلفا کے نام مکتوبات میں احیای سنت و ترویج شریعت پر زیادہ زور دیا۔ مولانا حسن علی کو ایک خط میں احیاء سنت و تحصیل علوم شریعت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"چون آوان آخر الزمان است و دین سستی پیدا کردہ است و سنت متروک گشتہ و بدعت شائع شدہ تحصیل علوم و نشر آن درین طور وقت ظلماتی از اہم مہام است و احیای سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ از اعظم مقاصد کمر ہمت در کسب علوم شرعیہ و نشر آن و احیای سنت مصطفوی چست بر بندند۔"[۴۱]

شیخ معصوم نے اگرچہ اورنگ زیب کی دعوت پر دہلی جاکر قیام نہیں کیا۔ لیکن اورنگ زیب کے ساتھ سلسلہ خط و کتابت جاری تھا۔ جب بادشاہ قندھار کی مہم پر جا رہا تھا تو اس نے شیخ معصوم سے کامیابی کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی، شیخ معصوم نے جواب میں اس مضمون کا خط لکھا:

> ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم .... ابعد ذرہ احقر بعرض میرساند خوشا وقت وحال آنانی کہ دریں امر خطیر و مہم عظیم کمر ہمت را در خدمت پُر بہجت بر بستہ اند و بہ نیت صالحہ این سفر صعب را کہ فی الحقیقت مثمر خیرات و برکات است و وسیلہ ترقی در درجات بشوق برگزیدہ اند۔ رسول خدا صلعم فرمودہ ان فی الجنۃ مأۃ درجۃ اعلاہا المجاہدین فی سبیل اللہ ما بین در جنتین کما بین السماء والارض . . . . وشک نیست کہ این خدمت و مہم کہ بان توجہ دارند، جہاد فی سبیل اللہ است“[۴۲]

شیخ معصوم کے بعض مکاتیب کافی طویل ہیں اور رسالوں کا درجہ رکھتے ہیں مثلاً مکتوب نمبر ۱۷، ۱۱ صفحات، مکتوب ۲۴، آٹھ صفحات، مکتوب نمبر ۲۹، پچیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مکتوبات اس وقت کی فارسی نثر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ زبان سادہ ہے اور جابجا مفہوم کو واضح کرنے کے لیے عربی، فارسی کے مناسب اشعار نقل کیے ہیں۔

شیخ سیف الدین سرہندی

شیخ سیف الدین، شیخ معصومؒ کے پانچویں صاحبزادے تھے جو ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔[۴۳] تمام علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل اپنے والد محترم سے کی اور کم سنی میں ہی فارغ التحصیل ہوگئے۔ احیای سنت اور ترویج احکام شرعیہ کے سختی سے پابند تھے اس بنا پر آپ کو ”محی السنۃ“ کا خطاب ملا۔[۴۴] امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں یکتائے روزگار تھے۔

جب اورنگ زیب تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے حضرت خواجہ معصوم سے درخواست کی کہ روحانی تربیت کے لیے شیخ محمد سعید کو دہلی بھیج دیں۔ خواجہ محمد سعید کچھ عرصہ دہلی میں رہے۔ ۱۰۷۰ھ میں بیماری کے باعث سرہند لوٹتے ہوئے راستے میں ان کا انتقال ہوگیا اس کے بعد ۱۰۷۷ھ میں شیخ سیف الدین شاہی دربار میں پہنچے۔ جب آپ قلعہ میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ قلعہ کے دروازہ پر دو فیل سوار کے مجسمے بنے ہوئے ہیں جو بالکل حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ سیف الدین نے فرمایا کہ میں قلعہ میں داخل نہیں ہوں گا کیونکہ اس راستے سے رحمت کے فرشتے قلعہ میں نہیں آئیں گے۔ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا گیا چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ان کو فوراً مسمار کرایا گیا تب آپ قلعہ میں داخل ہوئے۔[۴۶] مقامات معصومی میں ایک واقعہ درج ہے جس سے اورنگ زیب کی شیخ سیف الدین سے عقیدت و احترام کا اظہار ہوتا ہے۔

> ”روزی پادشاہ اسلام تکلیف بر سیر باغ کرد کہ در آن قلعہ واقع است بمجرد تشریف آوردن نظر آنحضرت بر ماہیہای طلا کہ چشمان الماس و یاقوت داشتند، افتاد، نشستن آنجا مقبول خاطر نہ شد تا انہدام آنہا با تمام برسانند خیر خواہان سرکار بعرض اقدس رسانیدند کہ از انہدام آنہا ضرر مبلغی خطیر خواہد شد، فرمودند: بخاطر شیخ بسیار نفع دارد است۔“

شیخ سیف الدین ۲۸ سال کی عمر میں اورنگ زیب کے دربار میں آئے اس نوجوانی میں ان کا تمام علوم و فنون میں اس قدر کمال حاصل کر لینا کہ اورنگ زیب کی روحانی تربیت کر سکیں، حیرت کا موجب ہے۔ خواجہ معصوم ایک مکتوب میں اورنگ زیب کو لکھتے ہیں:

> ”فرمان عالیشان کہ از کمال عنایت و مہربانی مرقوم قلم عنبرین رقم گشتہ بود خواجہ محمد شریف بخاری در اعز ازمنہ رسانید و فقرائے بے نوا را بہ تشریفات عالیہ بنواخت . . . الحمد للہ والمنۃ کہ فقیر زادہ منظور نظر قبول گشتہ و اثر

صحبت بحصول انجامید و از امر معروف و نہی منکر کہ شیوۂ فقیر زادہ است اظہار تشکر و رضامندی نمودہ است۔ شکر خداوندی جل شانہٗ بریں عطیہ بجا آورد“[۴۸]

آپ کی تعلیمات اور تربیت روحانی کے نتیجہ میں بادشاہ طریقۂ مجددیہ میں داخل ہو گیا۔ چنانچہ شیخ سیف الدین نے مکتوب ۸۳ میں خواجہ معصوم کو تحریر فرمایا:

> ”بادشاہ بہ دخول طریقۂ علیہ مشرف گشتہ بسیار متاثر گشت۔ سر صحبت با حضرت ایشاں داشت۔ چوں شاہجہاں وفات یافت بہ جہت ضرور متوجہ اکبر آباد گشت“[۴۹]

ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب کو بزرگان سرہند سے کس قدر عقیدت تھی۔ خواجہ معصوم سے اورنگ زیب نے توجہ غائبانہ کی درخواست کی تھی۔ چنانچہ خواجہ معصوم ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ”کیفیت سعی باطن را در کتابت فقیر زادہ بیش نوشتہ است، بنظر عالی در آمدہ باشد، استمداد توجہ غائبانہ ازیں شکستہ فرمودہ اند، ہر چند از راہ دعا گوئی قدیم سابقاہم اکثر بدعا و توجہ آنحضرت مشغول بودہ“[۵۰]

جن دنوں شیخ سیف الدین قلعہ شاہی میں ارشاد و ہدایت میں مشغول تھے آپ کے تایازاد بھائی یعنی شیخ محمد سعید کے صاحبزادے شیخ عبد الاحد وحدت بھی دہلی میں تھے۔ لیکن عوام کی توجہ شیخ سیف الدین کی طرف زیادہ تھی۔ خواجہ معصوم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے لکھا:

> ”سبحان اللہ عبد الاحد بہ ایں شیرینی کلام موصوف است و سیف الدین بہ ایں تمکین و وقار معروف و قبولیت بہ ایں نصیب گشتہ“[۵۱]

آپ کا طرز زندگی شاہانہ تھا۔ نفیس لباس پہنتے تھے اور دسترخوان بھی نہایت وسیع تھا۔ کسی نے اس طرز زندگی پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

> "در طریق ما حاجت تقلیل غذا نیست کہ بزرگان ما بنای کار بر دوام وقوف قلبی و نسبت شیخ نہادہ اند ثمرہ زہد و مجاہدۂ شاقہ خرق عادات و تصرفات است و ما باین کار نداریم غرض ما ذکر اللہ و اتباع سنت و کثرت انوار و برکات است" شیخ از دنیا و صحبت اہل دنیا بغایت احتراز داشتے و طعام متمولان نخوردے۔"[۵۲]

شیخ سیف الدین کی وفات ۲۰ رجمادی الاول ۱۰۹۶ھ مطابق ۲۵ راپریل ۱۶۸۵ء کو ہوئی۔ "بے ستون دین افتاد" سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔[۵۳] چند دوسرے تذکرہ نویسوں نے سال وفات ۱۰۹۵[۵۴] اور ۱۰۹۱ھ[۵۵] لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ آپ کا مزار سرہند میں ہے مقامات معصومی کے مولف جو آپ کے بھانجے تھے لکھتے ہیں کہ جب آپ کے جنازے کو لیکر چلے تو جنازہ لوگوں کے ہاتھوں سے بالا ہوکر ہوا میں جا رہا تھا لوگ اچھل کر چھونا چاہتے تھے تو کم ہی کسی کا ہاتھ پہنچتا تھا اور جب مقام تدفین پر پہنچے تو جنازہ خود بخود نیچے آگیا۔[۵۶]

اولاد:۔ آپ کے آٹھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

۱۔ محمد اعظم ۲ محمد حسین ۳۔ محمد شعیب ۴۔ محمد عیسیٰ ۵۔ محمد موسیٰ ۶۔ کلمۃ اللہ ۷۔ محمد عثمان
۸۔ عبدالرحمٰن۔

آپ کے خلفا بکثرت تھے اور اصحاب ارشاد ہوئے۔ مرزا مظہر جانجاناںؒ آپ کے خلیفہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا طریقہ تمام ہندوستان، افغانستان، ممالک عرب، ترکی، سمرقند بخارا اور برما میں پھیلا ہوا ہے۔

تصانیف:۔ شیخ سیف الدین نے بھی اجداد کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے مکتوبات کو ہی اپنے افکار و نظریات اور تعلیمات کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا۔ آپ کے ایک سو نوے مکاتیب کو آپ کے فرزند محمد اعظمؒ نے جمع کرکے ترتیب دیا۔ مکتوبات کے مکتوب الیہ حضرات میں آپ کے والد خواجہ معصومؒ، مرید، شاہی خاندان کے

افراد، امرا اور خود بادشاہ اورنگ زیب شامل ہیں:

اورنگ زیب کے علاوہ شاہی خاندان کے جن افراد کے نام آپ کے مکاتیب ہیں۔ ان میں شہزادہ محمد معظم شہزادہ محمد اعظم، شہزادی روشن آرا: (خواہر اورنگ زیب) اور شہزادہ سلطان محمود کی والدہ شامل ہیں۔ یہ افراد غالباً ان کے مرید تھے۔ شیخ سیف الدین نے شہزادی روشن آرا کو تصوف کے موضوع پر دس خط تحریر کیے ہیں۔ ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"آسمان سجدہ کند بہر زمینی کہ درو یکدو کس یا یکدو نفس بہر خدا بنشینند چندی از طالبان حق کہ در یک دیگر فانی شدہ بنشینند مثمر برکات عظیمہ است حضرت حق سبحانہٗ این دولت بشما نصیب گرداند۔"[۵۷]

شہزادی مذکور کے انتقال پر شیخ موصوف نے اورنگ زیب کو تعزیتی خط لکھی۔[۵۸]

ان مکتوبات میں اہم ترین وہ خطوط ہیں جو شیخ سیف الدین نے اورنگ زیب کو تحریر کیے ہیں۔ شیخ موصوف نے کم از کم بیس خط اورنگ زیب کو لکھے ہیں جن میں تصوف کے مختلف موضوعات پر بحث کی ہے۔ چند موضوعات مختصراً درج ذیل ہے:

"مکتوب ششم بہ سلطان وقت در بیان آنکہ عمل برخصت احیاناً عزیمت است وتجمل درلباس بہ نیت حسنہ محمود است وترک آن بقصد شہرت مذموم وبیان آنکہ قبول ہدیہ از سلاطین وغیرہم جائز است۔"[۵۹]

مکتوب بستم: "فرمان عالی شان بسبب سربلندی وموجب مزید اطمینان خاطر ومقہوری اعداء دین ودفع ظنون فاسدہ گردید۔"[۶۰]

مکتوب پنجاہ وشش: احتراز از مظالم والمنع از اعانت الظلمۃ والرفضۃ[۶۱]

مکتوب صد وشصت ویک: بہ سلطان وقت دربیان عبادات: "فذ ذکر خصائص طریقہ بطریق اجمال۔"[۶۲]

بادشاہ طریقۂ علیہ میں داخل ہو گئے تھے اور شیخ کے صوفیانہ خیالات میں دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔ شیخؒ نے اپنے بھائی محمد باقر کو ایک مکتوب میں تحریر کیا:

> "بادشاہ دین پناہ اظہار اخلاص میکنند چنانچہ سہ تولہ عطر اظہار محبت بجناب ہدیہ فرستادہ اند۔ ۔ ۔ سبحان اللہ کہ معاملہ باطنی ایشان در ترقی است معاملہ فنا را خوب می فہمند۔ ۔ ۔ درین سفر آثار صدق طلب در ایشان متجلی است"۔[۶۳]

شہزادہ سلطان محمد اعظم بھی بادشاہ کی ترغیب سے شیخ سیف الدینؒ کا مرید ہو گیا تھا:

> "شاہزادہ سلطان محمد اعظم بترغیب و دلالت پادشاہ بدخول طریقۂ علیہ مستعد گشتہ و احوالش بنہایت بلند است از ذکر لطائف و ذکر سلطانی وسعتی در قلب نشان میدہد۔ بادشاہ اظہار شکر این معنی نماید و از احوال شاہزادہ خبر گیران است۔ بالجملہ ترویج طریق علیہ امید است کہ موافق خواہش مخلصان بظہور آید"۔[۶]

شاہزادہ اس قدر معتقد ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ شاہزادہ محمد اعظم نے آپ کی دعوت کی۔ آپ کے ہاتھ دھلانے کے لیے شاہزادہ خود آفتابہ لے کر آپ کے پاس آیا۔ اس دعوت میں آپ کے بڑے بھائی خواجہ محمد اشرف بھی تھے۔ آپ نے شاہزادے سے آفتابہ لیا اور اپنے بھائی کے ہاتھ خود دھلائے اور پھر آفتابہ شاہزادہ کو دیا اور اس نے آپ کے ہاتھ دھلائے۔[۶۵]

درج ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اور شیخ سیف الدین کے نزدیکی تعلقات تھے۔ بادشاہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی اور وہ ان کے مکان پر آتا تھا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔

> "برادر عزیز ارشاد پناہی میاں محمد باقر۔ ۔ ۔ بادشاہ دین پناہ شب شنبہ

کہ شب سوم این ماہ باشد بمنزل فقرا آمدہ از قسم اطعمہ بی تکلفانہ آنچہ حاضر بود تناول فرمودند۔ صحبت طولانی گشت و مجلس سکوت نیز درمیان آمد معاملہ بفقرا بوضوح تام میفرمایند کہ مدرک میگردد و مبدا یقین خود را صفت علم یافتہ و سعی در لطیفہ اخفی و مناسبت بآن و از لحوق صفات باصل از مدتی ظاہر میسازند۔[۶۵(۱)]

مجددیہ خاندان کے علم وفضل اور بہت زیادہ اثر ونفوذ کے باوجود معلوم ہوتا ہے ایک گروہ شیخ سیف الدین کی مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ تھا یہاں تک کہ اس کے دفعیہ کے لیے شیخ سیف الدین کو بادشاہ سے کہنا پڑا، ایک مکتوب میں بادشاہ کو لکھتے ہیں:

> ”التماس فقیر آنکہ اموریکہ فقرا ابلاغ آن مینماید حضرت بکسی اظہار این معنی نمی کردہ باشند بس است در علم ایشان باشد والا بما فقرا بی بضاعت ضررہای عظیم مرتب خواہد شد۔ دیروز فقیر بہ نماز جمعہ رفتہ بود۔ جماعہ دہلی لواز آن آن ہجوم نمودہ خیلی بی حیای نمودند بہزار حیل از سر خود ساقط نمودیم۔ نوعی علاج فرمایند کہ از شرارت آن جملہ مامون شویم۔ ہر وقت بیرون می رویم۔ انواع ایذاہا میرسانند یا چندی را ہمراہ نمایند یا بہ فولاد خاں فرمایند کہ چند کس را از آنہا محبوس نمایند یا جلا وطن کنند۔“[۶۶]

یہ مکتوب سادہ شیریں زبان اور دلکش انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔ سادہ نثر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ بادشاہ کو جو خطوط تحریر کیے ہیں ان میں بھی القاب وآداب مختصر اور سادہ الفاظ میں ہیں۔ مکتوبات عام طور پر حمد ودرود بر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نویسندہ خود کو متعارف کراتا ہے اور پھر مقصد تحریر اور نفس مضمون شروع ہوتا ہے۔

شیخ بدرالدین ابراہیم سرہندی

آپ کی زندگی کے حالات کہیں مذکور نہیں ہیں۔ حضرات القدس میں مختلف جگہ پر آپ نے اپنا ذکر کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد کا نام شیخ ابراہیم تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ حضرت مجددؒ سے وابستہ ہو گئے تھے۔

"این ناچیز پانزدہ سالہ بودم کہ بشرف ارادت آنحضرت استسعاد یافتہ"[۶۷]

شیخ بدرالدین سترہ سال یعنی حضرت مجددؒ کی رحلت تک ان سے متعلق رہے[۶۸]۔ اور پندرہ سال کی عمر میں حضرت کی صحبت میں آئے۔ لہٰذا ان کی ولادت ۱۰۰۲ھ/۹۴-۱۵۹۳ء کے قریب ہوئی ہو گی۔ آپ نے دینی تعلیم حضرت مجدد اور ان کے صاحبزادے خواجہ محمد صادق سے حاصل کی۔ حضرات القدس میں لکھتے ہیں:

"این حقیر را در ایام جوانی اکثر اوقات از استیلای حال ذوق خواندن نمی شد بمہربانی تمام (حضرت مجدد) میفرمودند کہ سبق بیار و بخوان کہ صوفی جاہل مسخرہ شیطان است"[۶۹]

آپ عربی فارسی اور تاریخ کے عالم تھے۔ تصوف کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد آپ نے کمال حاصل کیا اور حضرت مجدد نے آپ کو خلافت عطا کی۔ آپ کا زہد و تقویٰ، علم و فضل اس درجہ کو پہنچا کہ آپ کو ایک شب میں بارہ مرتبہ حضور صلعم کی زیارت نصیب ہوئی۔

"از عظمت و کرامت آنحضرت (حضرت مجدد) دران شب جمال جہان آرای پیغمبر صلعم را دوازدہ بار بلکہ زیادہ بخواب دیدم۔ ہر بار بیدار می شدم و بخواب میرفتم و باز آن سرور علیہ السلام مشاہدہ نمودم"[۷۰]

آپ نے شادی کی تھی لیکن اولاد نرینہ نہ تھی۔ ایک مرتبہ خواب میں حضور کی زیارت

ہوئی۔ آپ نے اولاد نرینہ کی بشارت دی۔ چنانچہ دس ماہ بعد فرزند کی ولادت ہوئی جس کا نام محمد عارف رکھا اور اس کے بعد چھ لڑکے اور متولد ہوئے[۱]"

حضرت مجددؒ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور خاندان کا ایک فرد شمار کرتے تھے۔

"بنشین کہ تو از محرمانی و داخل عیال مائی در خلوت حاضر شدہ می باش"[۲]"

نیز حضرت مجددؒ نے آپ کو لوگوں کو مرید کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

ترا اجازت مطلق است کہ تو داخل عیال مائی[۳]"

آپ کی تاریخ وفات بھی کسی ذریعہ سے معلوم نہیں ہوتی لیکن آپ ۱۰۵۳ھ/۴۴-۱۶۴۳ء تک زندہ تھے کیونکہ اس سال شیخ آدم بنوری کی وفات کا آپ نے ذکر کیا ہے[۴]۔ صوفی دانشور ہونے کے علاوہ بدرالدین ابراہیم شعر بھی کہتے تھے۔ حضرات القدس میں جابجا آپ نے اپنے اشعار دیے ہیں۔ حضرت مجددؒ کی مدح میں چند اشعار ملاحظہ ہوں ؂

تو خازن گنج رحمت مولای
ہنگام نثار مشاطہ حسن ملت بیضای
بعد از ہزار ز انجام تست حرف نامت پیدا
از روی حساب بر اول و آخر در رحمہای
وصف یک نقطہ حالش نتوانست نوشت
تا سر انگشت نویسندہ نفرسودے قلم[۵]"

آپ نے حضرت مجددؒ کے شجرہ مبارک کو منظوم کیا۔ حضرت مجدد کی وفات پر کئی رباعیاں کہیں جن سے سن وفات برآمد ہوتا ہے ؂

اوسرور ملک مہر و دریای شہود — خاک رہ آن سرمہ ابصار جنود
شاہ اورنگ معرفت گوہر سر — علامہ عصر و لوح اسرار وجود[۶]"

مندرجہ بالا رباعی کے ہر مصرع کے پہلے حرف کے ابجد کے حساب سے اعداد

نکال کر جمع کرنے پر حضرت مجددؒ کا سال ولادت (۹۷۱ھ) برآمد ہوتا ہے۔

تصانیف: شیخ بدرالدین ابراہیم کو عربی و فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ حضرات القدس سے آپ کی کئی تصانیف اور تراجم کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ سیر احمدی: ۔ یہ حضرت مجددؒ کی سوانح عمری ہے جو مصنف نے ان کی حیات میں لکھی۔ اس کا مسودہ حضرت مجدد نے دیکھا اور پسند کیا تھا لیکن بدقسمتی سے یہ مسودہ چوری ہو گیا۔“

۲۔ کرامات الاولیاء: ۔ یہ حضرت مجددؒ کے انتقال کے بعد کی تصنیف ہے اور اس میں صوفیا کے بعد مرگ کرامات کی حمایت کی گئی ہے۔“[۸]

۳۔ روایح: ۔ اس کتاب میں مصنف نے قادریہ اور نقشبندیہ سلسلہ کی صوفیانہ اصطلاحات اور اشتغال جمع کی تھیں۔“[۹]

۴۔ سنوات الاتقیا: ۔ حضرت آدم کے زمانے سے ۱۰۴۴ھ/ ۳۵-۱۶۳۴ء تک کے ممتاز اشخاص کی مختصر سوانح عمریاں سنوات الاتقیا کے نام سے ترتیب دی تھیں جس میں خاص طور سے ان کے سال وفات بھی دیئے گئے تھے۔“[۱۰]

۵۔ مجمع الاولیاء: ۔ ۱۵۰۰ صوفیا کی سوانح عمریاں تھیں جو گورنر سرہند کے اشارے پر لکھی گئیں اور ۱۰۴۴ھ/ ۳۵-۱۶۳۴ء میں مکمل ہوئیں۔ ۱۰۴۷ھ میں اس پر نظر ثانی کی گئی لیکن خود مصنف نے بعد میں اس کو غیر معتبر قرار دے دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”الحق این کتاب جامع کتب و رسایل این طائفہ است لیکن بعضی مداہنان طلبہ علم مشاجرات صحابہ را دراں کتاب بخوشی آمدہ داخل ساختہ از اعتبار ساقط کردند۔“[۱۱]

شیخ بدرالدین نے درج ذیل کتابوں کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔

۱۔ فتوح الغیب از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

۲۔ **مقامات غوث الثقلین:** عربی تصنیف بہجۃ الاسرار کا فارسی ترجمہ۔

۳۔ **روضات النواظر:** یہ بھی شیخ عبدالقادرؒ کی عربی میں سوانح عمری کا فارسی ترجمہ ہے۔

۴۔ **عرائس البیان:** یہ عرائس البیان فی حقیقۃ القرآن کا نامکمل فارسی ترجمہ ہے۔[۸۲]

آخری تین کتابیں شہزادہ داراشکوہ کی درخواست پر ترجمہ ہوئیں۔ شیخ بدرالدین نے ’خلاصہ کیدانی‘ کی جامع تفسیر بھی ’معراج المومنین‘ کے نام سے لکھی تھی۔[۸۳]

اسٹوری نے ایک اور کتاب ’وصال احمدی‘ کو ان سے منسوب کیا ہے۔ یہ حضرت مجدد کے انتقال سے قبل اور بعد کی کچھ کرامات سے متعلق ہے۔ لیکن اسٹوری میں ’سیر احمدی‘ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[۸۴]

حضرات القدس

یہ شیخ بدرالدین کی اہم تصنیف ہے۔ یہ دو دفتر میں نقشبندی صوفیا کی سوانح حیات ہے۔ پہلی جلد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات سے شروع ہو کر خواجہ محمد باقیؒ کے حالات پر ختم ہوتی ہے۔ اس کا صرف اردو ترجمہ دستیاب ہے۔

حضرات القدس کی دوسری جلد (دفتر ثانی) حضرت مجدد الف ثانیؒ اور آپ کی اولاد نیز مریدین کے حالات پر مشتمل ہے۔ مصنف کتاب کے آغاز میں اس طرح رقمطراز ہوتا ہے:

> ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم... حضرات القدس محامد مقدسہ ونفحات الانس مکارم منزیم بہ بارگاہ واجب الوجود سزد... امابعد بندہ خاکسار... بدرالدین بن شیخ ابراہیم سرہندی برضمایر اولی البصائر میگرداند کہ چون دفتر اول... محتوی بر ذکر مقامات مشایخ سلسلہ نقشبندیہ است...

دفتر ثانی کہ مشتمل بر ذکر مقامات و کرامات و درجات و کمالات حضرت پیر دستگیر قدس اللہ سرہٗ العزیز باعث تصنیف این کتاب بیان مناقب آنحضرت است مینامیم۔۔۔[۹۵]

مصنف کا بیان ہے کہ اس نے واقعات کو دیانتداری کے ساتھ درج کیا ہے اس لیے اس کے مستند ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

"این دفتر بحکم خدا۔۔۔ بر روایات ثقات و صلحا عالی درجات اخذ کردہ بنوعی کہ ریب و شبہ دراں اسناد راہ نداشت جمع نمودہ است و درین باب احتیاط بسیار بکار بردہ"[۹۶]

شیخ بدرالدین نے ۱۰۳۹ھ / ۳۰-۱۶۲۹ء میں یہ کتاب لکھنی شروع کی لیکن درمیان[۹۷] میں مسلسل دوسرے کاموں میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے اس کو التوا میں رکھنا پڑا۔ ایک مرتبہ سرہند کے سابق گورنر نے وخالت کر کے ایک اور کتاب 'مجمع الاولیاء' لکھنے کی فرمایش کی۔ دوبارہ جب انھوں نے اس کو لکھنا شروع کیا تو داراشکوہ نے کچھ کتابوں کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے کو کہا[۹۸]۔ بہرحال کتاب مذکور ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء میں مکمل ہوئی[۹۹]

نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کے بزرگوں کے حالات اور تعلیمات کے لیے حضرات القدس مستند اور قدیم ترین ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں حضرت مجددؒ کی بعض تحریروں پر اعتراضات کے بھی تسلی بخش جواب دیے ہیں۔ زبدۃ المقامات (برکات الاحمدیہ الباقیہ) کے بعد حضرات القدس دوسری مستند اور معاصرانہ سوانح عمری ہے۔ مصنف نے بعض ایسے تاریخی واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں جن کا ذکر تاریخ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔ مثلاً حضرت مجددؒ کی جہانگیر کے دربار میں طلبی، سجدہ کا مطالبہ، مجددؒ کا انکار اور نتیجہ میں گوالیار میں قید کے واقعات۔ دوسرے کچھ واقعات بھی اہم ہیں جیسے

مختلف امرای شاہی، خانخانان، نواب مرتضیٰ خاں، بکرماجیت، شہزادہ خرم کی اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے حضرت مجدد سے روحانی توجہ کی درخواست وغیرہ۔

نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاری نے کانگڑہ کی مہم پر جاتے وقت آپ سے کامیابی کی دعا کے لیے کہا تھا۔ اس کا ذکر اس کتاب میں اس طرح موجود ہے:

> ”مرحومی نواب مرتضیٰ خاں کہ اعتماد سلطنۃ وسلطان و حاتم وقت خود بود بجہت مہم قلعہ کانگڑہ ... تعین شدہ۔ نیاز نامہ نوشت کہ توجہ فرمایند کہ این حصن حصین بر دست من مفتوح گردد، حضرت فرمودند کہ ... معلوم گشت کہ آن قلعہ از دست مرتضیٰ خان مفتوح نخواہد شد چند روز نگذشتہ بود کہ خبر وفات آن سید مرحوم رسید۔“[89]

کہا جاتا ہے کہ کانگڑہ کا قلعہ حضرت مجددؒ کی دعا سے ایک اور امیر بکرماجیت کے ہاتھوں فتح ہوا۔[90]

محمد شاکر سرہندی

محمد شاکر، مولانا بدر الدین ابراہیم مصنف حضرات القدس کے صاحبزادے اور قیوم ثانی شیخ معصومؒ کے خلیفہ تھے۔ عربی، فارسی کے عالم تھے اور روحانیت میں درجہ کمال حاصل تھا۔[91] آپ نے حسنات الحرمین کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔

حسنات الحرمین معروف بہ یواقیت الحرمین[92] ایک مختصر رسالہ ہے۔ یہ ان واقعات اور حالات پر مشتمل ہے جو شیخ معصومؒ کی زیارت مقامات مقدسہ، مکہ و مدینہ کے دوران پیش آئے۔ خواجہ معصوم کے صاحبزادے خواجہ محمد عبید اللہ نے یہ رسالہ عربی میں لکھا تھا جس کو محمد شاکر نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ کتاب کے ٹائٹل کے طور پر یہ عبارت تحریر ہے:

> ”رسالہ حسنات الحرمین المشہور بہ یواقیت الحرمین العارف باللہ خواجہ

محمد عبید اللہ الملقب بہ مروج الشریعت فرزند سیومی حضرت معصوم و ترجمہ او بفارسی از جامع باطن و ظاہر مولانا شیخ محمد شاکر خلیفہ حضرت خواجہ معصوم و فرزند شیخ بدر الدین سرہندی"

کتاب کے مقدمہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ۱۰۷۱ھ/۶۱-۱۶۶۰ء میں مکمل ہوا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم... کمترین... محمد شاکر ابن شیخ بدر الدین احمد سرہندی مینماید کہ از اسرار غامضہ و مواہب عالیہ خواجہ معصوم و خواجہ عبید اللہ... بزبان عربی جمع نمود... بعضی از یاران ملتمس شدند اگر این معارف غامضہ بزبان فارسی مشروح شوند فائدہ تام و مائدہ عام بخشند۔ بنابراں مخدوم زادہ این خاکسار... را ترجمہ آن امر کردند۔ امروز کہ سنہ ہجری ہزار و ہفتاد و یک است شاہد آن مقاصد از خرگاہ برآوردہ در فضا حریم فارسی مبرا از تکلفات رسمی بر ارباب اسرار بار عام بخشم۔"[۹۳]

یہ رسالہ تین فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل خواجہ معصوم کے حرمین شریفین سے متعلق مکاشفات کے بارے میں ہے۔ اس میں سات یواقیت ہیں۔ دوسری فصل میں مکہ معظمہ میں پیش آنے والے واقعات ہیں اور یہ بیس یواقیت پر مشتمل ہے تیسری فصل مدینہ منورہ کے مکاشفات سے متعلق چھبیس یواقیت ہیں۔ خاتمہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔[۹۴]

ترجمہ سادہ اور رواں فارسی میں ہے جو ہر قسم کے مرصع و مسجع طرز تحریر سے پاک ہے اور ترجمہ کے بجائے اس پر اصل تصنیف کا گمان ہوتا ہے۔ نیز اس ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کو عربی و فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

شیخ صفر احمد سرہندی

شیخ صفر احمد مخدوم عبدالاحد والد محترم حضرت مجددؒ کی اولاد میں ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے:

شیخ صفر احمد بن فضل اللہ بن عبدالقادر بن محمد امین بن عبدالرزاق بن مخدوم عبدالاحد۔[95]

شیخ صفر احمد کے والد فضل اللہ حضرت مجدد کی صاحبزادی کے بطن سے تھے اور والدہ بی بی صفیہ شیخ معصومؒ کی صاحبزادی تھیں۔ شیخ صفر احمد اپنے نانا شیخ معصوم کی وفات (۱۰۷۹ھ) کے آٹھ سال بعد پیدا ہوئے لہٰذا ان کی پیدائش ۱۰۸۷ھ کے سال میں متعین کی جا سکتی ہے۔ وہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

> ”ولادت این راقم الحروف . . . بعد از ہشت سال از وصال حضرت الشان رضی اللہ عنہ (شیخ معصوم) اتفاق یافتہ است۔“[96]

آپ نے ابتدائی تعلیم سرہند میں ہی حاصل کی اور اپنے ماموں شیخ صبغۃ اللہ کی مدد و راہنمائی سے روحانی مدارج طے کیے۔ اس کے بعد وہ عرصہ تک دنیاوی امور میں منہمک رہے۔ مقامات معصومی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ”مخفی نماند کہ بندہ دور از کار . . . صفر احمد . . . چون سرمایہ عمر گرامی را کہ اشرف عمر باشد در ہوا و ہوس صرف نمودہ و باوجود دریافت صحبت اہل فضل و عرفان غیر از تقصیرات امری نفرمودہ۔“[97]

آپ کے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اہم تصنیفات مقامات معصومی اور ”معدن الجواہر“ ہیں۔

مقامات معصومی

مقامات معصومی شیخ معصومؒ ان کے صاحبزادگان اور خلفا کے حالات پر مشتمل

ہے۔ شیخ صفر احمد نے ۲۶ر ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ مطابق جنوری ۱۷۲۰ء ناصر الدین محمد شاہ کے پہلے سال جلوس میں یہ کتاب لکھنی شروع کی۔ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> "بندہ صفر احمد معصومی ابن فضل العمری الاحمدی .... ہر چند کہ خیلی عمر ضائع کردہ بجہل و بنج رسیدہ بہ ارزل عمر ہم نہ انجامیدہ .... از اوان طفولیت تا وقت کتابت با وجود کثرت خباثۃ از حضرات قوی قدرت تعالیٰ شانہٗ غیر از لطف و عنایات امری مشاہدہ ننمود"[۹۹]

مقامات معصومی تین کنز (باب) پر مشتمل ہے اور ہر کنز کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کنز اول: حضرت صبغۃ اللہ کے ساتھ اپنی نسبت کے بیان میں

کنز دوم: مفتاح اول شجرات نقشبندیہ کے بارے میں

مفتاح دوم خواجہ معصوم کی ولادت اور مفتاح سوم مقامات بزرگ کے بارے میں ہے۔ مفتاح چہارم میں خواجہ معصوم کی عادات و عبادات کا بیان ہے۔ مفتاح پنجم میں آپ کے تصرفات اور ملفوظات درج ہیں۔ مفتاح ششم میں خواجہ معصوم کے انتقال کا بیان ہے۔ مفتاح ہفتم میں صاحبزادگان، مفتاح ہشتم میں اقربا کے حالات اور مفتاح نہم میں خلفا کے حالات درج ہیں۔ کنز سوم میں خواجہ معصوم کے صاحبزادگان کا تفصیلی ذکر ہے۔ مقامات معصومی خواجہ معصوم ان کے صاحبزادگان اور خلفا کے حالات زندگی کا معتبر ماخذ ہے جو مبالغہ آرائی سے پاک ہے اور مجددیہ بزرگوں کے حالات کے بارے میں مستند کتاب خیال کی جاتی ہے۔

مصنف نے بعض تاریخی واقعات بھی درج کیے ہیں مثلاً سرہند پر حملہ کی تفصیل دیتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

> "وقتی کہ بر مردم این بلدہ معظمہ و تمام قصبات حالتی پیش آمدہ کہ ہیچکس از رجال و نساء نماندہ مگر بصد حسرت و پشیمانی سر از پا نشناختہ راہ فرار

اختیار کردہ۔ قصہ این فتنہ مشہور آفاقست و شورش این فساد معلوم"۹۹

"این شورش و فساد در وقت وفات حضرت صبغۃ اللہ در سن ہزار و یکصد و بیست و دو بوقوع یافت . . . . با وجودیکہ غلبہ کفار و کافری کہ دران ایام تمام سرہند و نواحی آن را احاطہ تمام نمودہ چندین ہزار کس از مسلمانان بر نماز جنازہ حاضر آمدند"۔۱۰۰

اسی کتاب کے مطالعہ سے حضرت مجددؒ کی لشکر سے واپسی کی تاریخ متعین ہوتی ہے، جس کے سلسلہ میں ابھی تک صرف اندازہ سے کام لیا جاتا تھا۔

حضرت صبغۃ اللہ کی ولادت (۱۱ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ) کے ذکر میں وہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مجدد اس وقت اجمیر میں لشکر کے ہمراہ تھے خواجہ معصوم بھی آپ کے پاس تھے۔ بموجب الہام الٰہی حضرت مجددؒ بادشاہ سے اجازت لے کر عازم وطن ہوئے کہ راستہ میں قاصد نے یہ مژدہ مقصود (حضرت صبغۃ اللہ کی ولادت کا) پہنچایا۔"۱۰۱

اس کا مطلب ہے کہ حضرت مجددؒ ماہ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ مطابق جنوری ۱۶۲۴ء۔ میں لشکر سے سرہند واپس آئے اور پھر دوبارہ لشکر میں نہیں گئے۔ اس بات کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب پانچ چھ ماہ کی عمر یعنی شوال ۱۰۳۳ھ میں حضرت صبغۃ اللہ سخت بیمار ہوئے تو حضرت مجدد سرہند میں موجود تھے اور آپ نے ان کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "بابا چہ خوش طبعی ست کہ با والدین نمودہ، زود متحرک شوند، فی الفور در حرکت شدند"۔۱۰۲ اس واقعہ کے چار پانچ ماہ بعد صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء میں حضرت مجددؒ کا انتقال ہوگیا۔

مصنف کی دوسری تصنیف 'معدن الجواہر' ہے جس میں اس نے اپنے ماموں اور مرشد شیخ صبغۃ اللہ کی زندگی کے حالات تحریر کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں:

"یعنی حضرت محمد صبغۃ اللہ کہ این فقیر برخی از احوال و اقوال و افعال و کرامات

آنحضرت رسالہ علیحدہ نمودہ مسمی بمعدن الجواہر گردانیدہ"۱۰۳

شیخ صفر احمد اپنی ایک اور تصنیف کا بھی ذکر کرتے ہیں:

کتاب "منظر اولو الالباب" کہ از مصنفات این فقیر کثیر التقصیر است"

لیکن مذکورہ بالا دونوں کتابوں کا کہیں کوئی نسخہ نہیں ملتا۔

شیخ صبغۃ اللہ

خواجہ معصوم کے صاحبزادے شیخ صبغۃ اللہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد خواجہ معصوم نے آپ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے کابل بھیج دیا۔ جہاں آپ وہاں کے عوام کی ایک طویل عرصہ تک روحانی رہنمائی کرتے رہے آپ کی وفات ۸ ربیع الاول ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۸ء میں ہوئی اور سرہند ہی میں سپرد خاک ہوئے۔۱۰۵

شیخ محمد نقشبند

خواجہ معصوم کے دوسرے صاحبزادے شیخ محمد ۱۰۳۴ھ/ ۲۵-۱۶۲۴ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ والد محترم سے تحصیل علوم کے بعد ارشاد و ہدایت کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ کو "قیوم ثالث" بھی کہا جاتا ہے۔ قیوم اول حضرت مجدد اور قیوم ثانی خواجہ معصوم تھے۔"۱۰۶ آپ نے بھی مکاتیب کو ارشاد و ہدایت اور اصلاح عقائد کا وسیلہ بنایا۔ آپ کے مکاتیب کے ایک ناقص مخطوطے کے کچھ حصے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے پاکستان میں شائع کیے ہیں۔ اس مخطوطے کے ایک مکتوب سے اورنگ زیب اور شیخ محمد نقشبند کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

"دیگر فقیر بہ قصد زیارت حرمین الشریفین از وطن برآمدہ بود دراثنائے

راہ فرمان پادشاہ دین پناہ بہ دستخط خاص مشتمل بر کمال اشتیاق واختصاص رسید۔ بموجب مہربانیہائے آں حضرت خود را بخدمت ایشاں رسانید، عنایات بے غایات فرمودند و دریں موسم رخصت نمودند و بادشاہ زادہ محمد کام بخش را دریں موسم طلبیدہ بہ ایں فقیر سپردند کہ من ہم در صحبت بزرگان ایشاں ایں طریقہ علیا حظہا یافتہ ام شما ہم از ایشاں استفادہ نمائید وبخدمت ایشاں مشغول شوید حسب الامر فقیر بادشاہ زادہ را مشغول ساخت محظوظ گشتند روز دیگر بحکم بادشاہ دین پناہ بہ فقیر خانہ نیز رسیدند، خود (عالمگیر) ہم چند نوبت مکرر آمد ورفت نمودند۔"[۱۰۷]

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب اورنگ زیب نے گولکنڈہ کا محاصرہ کر رکھا تھا یا اسے ابھی ابھی فتح کیا تھا۔ اس خط سے خواجہ محمد نقشبند سے بادشاہ کے ارادتمندانہ روابط کا پتہ چلتا ہے۔ ماثر عالمگیری میں تحریر ہے کہ ان کے بیٹے شیخ محمد عمر کی شادی تانا شاہ والی گولکنڈہ کی بیٹی سے ہوئی۔[۱۰۸]

خواجہ محمد عبید اللہ

خواجہ معصوم کے تیسرے صاحبزادے خواجہ محمد عبید اللہ ۱۰۳۷ھ/۲۸-۱۶۲۷ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن شریف حفظ کر لیا۔ جید عالم اور متقی و پرہیزگار تھے اور سرہند ہی میں درس وتدریس اور ارشاد و ہدایت فرماتے تھے۔ آپ کے درس میں طلبہ کی اس قدر کثیر تعداد ہوتی تھی کہ بیٹھنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ آپ کو 'مروج الشریعت' کا لقب ملا۔ ۹ ربیع الاول ۱۰۸۳ھ/ ۷۲ ۱۶ء کو سرہند میں وفات پائی۔[۱۰۹]

خواجہ محمد اشرف: آپ خواجہ معصوم کے چوتھے صاحبزادے تھے اور

۱۰۴۸ھ/ ۳۹ - ۱۶۳۸ء میں متولد ہوئے۔ عربی و فارسی کے عالم تھے۔ آپ نے تفسیر و حدیث کی کئی کتابوں پر حواشی تحریر کیے ۱۱۱۷ھ/ ۶ - ۱۷۰۵ء میں سرہند میں انتقال ہوا۔"[۱۱۰]

شیخ محمد صدیق

خواجہ معصومؒ کے چھٹے بیٹے شیخ محمد صدیق ۱۰۵۹ھ/ ۵۰ - ۱۶۴۹ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے والد اور دادا کے مشن کو جاری رکھا۔ پادشاہ فرخ سیر کو آپ سے عقیدت تھی۔ آپ کے مریدین میں شیخ سعداللہ حافظ، سید آیت اللہ بریلوی وغیرہ شامل ہیں۔"[۱۱۱]

شیخ یوسف سرہندی

شیخ ضیاء الدین یوسف پسر شاہ محمد یحییٰ اپنے زمانے کے بڑے صوفیا میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۰۶۰ھ/ ۵۰ - ۱۶۴۹ء میں سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی شیخ محمد نقشبند سے تعلیم حاصل کی اور ایک طویل عرصہ تک ان کے ساتھ رہے آپ کے شاگردوں اور مریدوں کی کثیر تعداد تھی۔ ۱۱۴۶ھ/ ۳۴ - ۱۷۳۳ء میں آپ کی وفات ہوئی۔"[۱۱۲]

شیخ محمد ہادی

خواجہ محمد عبید اللہ کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد ہادی ۱۰۶۲ھ/ ۵۲ - ۱۶۵۱ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے دادا خواجہ معصوم سے آپ نے تصوف و معرفت کی تعلیم حاصل کی۔ آپ اپنے والد اور چچا خواجہ محمد نقشبند کے مرید تھے۔ آپ عالم و فاضل اور یگانۂ روزگار تھے۔"[۱۱۳] ۱۲ ربیع الاول ۱۱۲۱ھ/ ۱۷۰۹ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے

چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ روضۃ القیومیہ کے مصنف شیخ کمال الدین محمد احسان آپ کے پوتے تھے انھوں نے روضۃ القیومیہ میں آپ کی درج ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ کواکب دُرّیہ : یہ پانچ جلدوں میں حضرت مجددؒ اور ان کے صاحبزادگان کی سوانحمری ہے۔

۲۔ حجۃ الاحمدیہ : اس میں اپنے آباء و اجداد کے حالات بیان کیے ہیں۔

۳۔ تردیجیہ : ان کے والد خواجہ عبید اللہ کی مفصل سوانح اور دوسرے صوفیا کے حالات ہیں۔"[113]

ابوالفیض کمال الدین محمد احسان

کمال الدین محمد احسان بن شیخ حسن احمد بن محمد ہادی بن مروج الشریعت عبید اللہ بن خواجہ معصوم بن مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، سرہند میں پیدا ہوئے اور اپنے مرشد اور قیوم رابع شیخ محمد زبیر کی صحبت میں رہے۔ بعد میں ان کو خلیفہ بنا کر ملک کے مشرقی حصوں کی طرف بھیج دیا گیا جہاں سے وہ ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹-۴۰ء میں سرہند واپس آئے۔ ان کی واپسی کے فوراً بعد ان کے مرشد شیخ محمد زبیر کا انتقال ہوا۔[114] شیخ کمال الدین کی اولاد میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکے محمد غلام مجدد کی ولادت ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰-۵۱ء میں ہوئی۔ آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف "روضۃ القیومیہ" ہے جو مجددیہ خاندان کی سوانح حیات پر تیسری کتاب ہے۔ اس سے قبل زبدۃ المقامات اور حضرات القدس تصنیف ہو چکی تھی۔ روضۃ القیومیہ شیخ احمد فاروقی سرہندی اور ان کے تین خلفا اور قیوم ثانی، قیوم ثالث و قیوم رابع کی مبسوط سوانحمری ہے۔ مصنف نے کتاب کی تاریخ تکمیل نہیں دی ہے۔ لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۱۵۲ھ میں شروع ہو چکی تھی لیکن کسی وجہ سے ۱۱۵۴ھ تک اس پر

مزید کام نہیں ہو سکا۔ کتاب کی آخری سطور میں وہ محمد شاہ (وفات ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کو حکمران بادشاہ تحریر کرتا ہے۔[۱۱۵] اس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب ۱۱۶۱ھ یا اس سے قبل مکمل ہوئی۔ مگر بعد کے واقعات مثلاً ۱۱۷۰ھ میں اپنے لڑکے محمد غلام مجدد کی پیدائش کا بھی ذکر کیا ہے۔

روضۃ القیومیہ چار رکن (باب) پر مشتمل ہے۔ ان رکن کو پھر بہت سے چھوٹے چھوٹے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ رکن اول (باب اول) اس باب میں حضرت مجددؒ کا ذکر ہے۔ زیادہ توجہ کشف و کرامات پر دی گئی ہے۔ حضرت مجددؒ کی زندگی کے واقعات سال بہ سال کے حساب سے دیے گئے ہیں اور یہ واقعتاً ایک اچھا اضافہ ہے کیونکہ دوسری سوانح عمریوں میں تمام واقعات کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ حضرت مجدد کے حالات کے بعد صاحبزادگان خلفا اور مریدین کا ذکر ہے۔

رکن دوم (باب دوم) اس میں شیخ معصوم قیوم ثانی ان کے خلفا و مریدین کے تفصیلی حالات ہیں۔

رکن سوم (باب سوم) یہ باب قیوم ثالث حجۃ اللہ محمد نقشبند فرزند خواجہ معصوم کے حالات اور ان کے خلفا و مریدین کے حالات و کرامات پر مشتمل ہے۔

رکن چہارم (باب چہارم) اس باب میں قیوم رابع شیخ محمد زبیر کے حالات ہیں۔

ان کے علاوہ مصنف نے تقریباً دو ہزار اشخاص جن میں مریدین، خلفا وغیرہ شامل ہیں کے مختصر حالات درج کیے ہیں۔

اس سے زیادہ اہمیت کے حامل تاریخ ہند کے کئی دلچسپ واقعات ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتے۔ نیز اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغلیہ حکمرانوں کے خاندان مجددیہ کے صوفیا سے کس قدر نزدیکی تعلقات تھے۔ مغل حکمران جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب ان مجددیہ بزرگوں سے بہت زیادہ متاثر تھے نیز یہ حکمراں اور ان کے افرادِ خاندان مجددیہ سلسلے

میں شامل ہو گئے تھے۔ شاہی امرا مثلاً خانخاناں، مرتضیٰ خاں، خانجہاں لودی، مہابت خاں، سکندر لودی بھی حضرت مجددؒ، حضرت معصومؒ وغیرہ کے مرید تھے۔[۱۱۶]

مصنف نے واقعات کے بیان کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے تاریخی واقعات لکھتے وقت ذمہ داری سے کام نہیں لیا ہے جس کی وجہ سے کئی واقعات تاریخی لحاظ سے غلط درج ہو گئے ہیں۔ مثلاً اس نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد کی قید کی خبر سے مہابت خاں جو اس وقت کابل کا حاکم تھا، سخت پریشان ہوا اور اس نے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور دریائے جہلم کے کنارے جہانگیر کو قیدی بنا لیا لیکن یہ بیان تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ مہابت خاں کی بغاوت ۱۰۳۵ھ/ ۲۶ - ۱۶۲۵ء میں ہوئی اور اس وقت اس نے جہانگیر کو قید کیا۔[۱۱۷] اس وقت حضرت مجدد کے انتقال کو ایک سال گزر چکا تھا۔

اسی طرح مصنف کا یہ بیان انتہائی گمراہ کن ہے کہ جہانگیر نے شیعہ عالم قاضی نور اللہ شوستری کو حضرت مجدد کے اشارے پر ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندوا کر مروایا تھا۔[۱۱۸] تاریخ شاہد ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری کا قتل ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء میں ہوا۔[۱۱۹] اس وقت حضرت مجدد کا جہانگیر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اس کتاب میں مکاشفات، کرامات اور قیومیت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ عقیدت کی فراوانی اور مبالغہ آرائی کی وجہ سے یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ہو سکتی لیکن اکثر سوانح نگاروں نے اس کتاب پر انحصار کیا ہے جس کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ مولف کے خلوص پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن اس خلوص نے غلو کی شکل اختیار کر کے تصوف کی خدمت سے زیادہ اسے نقصان پہنچایا ہے۔ تمام کتاب کرامات ہی کے ذکر تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور تاریخی واقعات کی چھان بین پر مطلق توجہ نہیں دی گئی ہے۔

مصنف نے ماقبل سوانح عمریوں کی ایک طویل فہرست دی ہے جس پر روضۃ القیومیہ کی بنیاد ہے۔ ان میں حضرات القدس، زبدۃ المقامات، مقامات معصومی، مرآت العالم، مرآت جہاں نما، سفینۃ الاولیا وغیرہ شامل ہیں۔

شیخ زین العابدین سرہندی

شیخ زین العابدین، شاہ محمد یحییٰ کے صاحبزادے ۱۰۷۴ھ/۶۴-۱۶۶۳ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ شیخ محمد نقشبندؒ سے تعلیم حاصل کی اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ درس و تدریس آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ فقہ کے زبردست عالم تھے۔ طلبہ کی کثیر تعداد آپ کے درس سے مستفید ہوتی تھی۔ ۱۱۲۸ھ/۱۶-۱۷۱۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔[۱۲۰]

شیخ محمد اعظم سرہندی

خواجہ سیف الدین بن خواجہ معصوم کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد اعظم سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور چچا فرخ شاہ سے تعلیم حاصل کی اور درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں زندگی گزاری۔ ۱۱۱۴ھ/۳-۱۷۰۲ء میں ۸۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔[۱۲۱] آپ کی تصانیف میں شرح بخاری شریف 'فیض باری' کے نام سے فارسی زبان میں ہے۔

مولانا فرخ شاہ سرہندی

خواجہ محمد سعید کے تیسرے صاحبزادے فرخ شاہ سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے تحصیل علوم کے بعد حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ واپسی پر درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ طلبہ کی ایک بڑی تعداد آپ کے درس سے استفادہ کرتی تھی۔ آپ کو

۱۰،۰۰ حدیثیں مکمل متن کے ساتھ یاد تھیں۔ عربی و فارسی میں آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ فارسی میں رسالہ فقہ و حدیث، رسالہ عقاید، رسالہ حقیقت مجددیہ آپ کی یادگار ہیں۔ ۱۱۴۴ھ/۳۲–۱۷۳۱ء میں آپ کا انتقال ہوا۔[۱۲۲]

شیخ محمد ارشد

مولانا فرخ شاہ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ عالم فاضل شخص تھے اور سرہند میں درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ۱۱۶۲ھ/۴۹–۱۷۴۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔[۱۲۳]

شیخ عیسیٰ سرہندی

خواجہ سیف الدین کے صاحبزادے شیخ عیسیٰ سرہند میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کے زبردست عالم تھے۔ سرکاری اور عوام دونوں حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ۱۱۵۰ھ/۳۸–۱۷۳۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔[۱۲۴]

حواشی

۱۔ زبدۃ المقامات ص ۳۰۹، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۲۸۷ نے ولادت کا مہینہ شعبان لکھا ہے جبکہ حضرات القدس میں شوال لکھا ہے۔

۲۔ حضرات القدس جلد ۲، ص ۲۰۱ ۔ ۲۰۲

۳۔ ایضاً ص ۲۰۲

۴۔ زبدۃ المقامات ص ۱۴۵ (فارسی)

۵ خزینۃ الاسفیا جلد ۱، ص ۶۳۰۔ مصنف نے ان کا نام شیخ محمد سعید کے بجائے شیخ احمد سعید لکھا ہے۔

۶۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ ص ۲۹۰

۷۔ مکتوبات سعیدیہ ص ۲۱۵ مکتوب نمبر ۹۹

۸۔ حالات مشائخ نقشبند ص ۲۸۰

۹۔ خزینۃ الاصفیا (ص ۶۳۹) نے ۸۰ سال عمر لکھی ہے جو غلط ہے۔

۱۰۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۷ (اردو) حضرات جلد ۲ ص ۲۰۱، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ ص ۲۹۸۔

۱۱۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۸ (اردو) حضرات جلد ۲ ص ۲۰۱

۱۲۔ مکتوبات سعیدیہ ص ۹۱ مکتوب نمبر ۳۷

۱۳۔ ایضاً ص ۲۱۵ مکتوب نمبر ۹۹

۱۴۔ رودِ کوثر ص ۳۳۶

۱۵۔ ایضاً ص ۳۳۶

۱۶۔ زبدۃ المقامات ص ۳۱۵، روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۲ حضرات القدس ۲، ص ۲۲۸، خزینۃ الاصفیا (جلد ۱، ص ۶۴۲) نے سال ولادت ۱۰۰۹ھ لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

۱۷۔ زبدۃ المقامات ص ۳۱۶

۱۸۔ ایضاً ص ۳۱۷

۱۹۔ ایضاً ص ۳۱۷

۲۰۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲ ص ۱۸ (اردو)

۲۱۔ ایضاً 〃 ص ۳۲

۲۲۔ ایضاً 〃 ص ۳۶

۲۳۔ ایضاً 〃 ص ۳۹، ۴۰ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۴۰

۲۴۔ ایضاً 〃 ص ۱۴۰

۲۵۔ علمائے ہند کا ماضی جلد ۱ ص ۳۴۶

۲۶۔ رودِ کوثر ص ۲۸۷ (بحوالہ فرحت الناظرین)

۲۷۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۴۰

۲۸۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۶۴، خزینۃ الاصفیا (جلد ۱، ص ۶۴۲) نے سال وفات ۱۰۸۰ھ لکھا ہے اور خواجہ محمد امین نقشبندی نے مقامات احمدیہ (اردو، ص ۱۰۴) سال وفات ۱۰۸۳ھ لکھا ہے۔

۲۹۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۶۵

۳۰۔ ایضاً 〃 ص ۱۶۵

۳۱ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۶۵

۳۲ - ایضاً 〃 ص ۱۷۵

۳۳ - ایضاً 〃 ص ۱۲۵

۳۴ - خزینۃ الاسفیا جلد۱، ص ۶۴۰، روضۃ القیومیہ (پارٹ ۲، ص ۲۳۳) نے مریدین کی تعداد نو لاکھ اور خلفا کی سات ہزار لکھی ہے۔

۳۵ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۲۷

۳۶ - ایضاً 〃 ص ۱۷۳

۳۷ - مقامات خیر ص ۶۳

۳۸ - مقامات خیر ص ۶۳، روضۃ القیومیہ ص ۱۴۳ (اردو) سال ترتیب ۱۰۷۷ھ لکھا ہے۔

۳۹ - مقامات خیر ص ۶۳

۴۰ - مکتوبات معصوم جلد۱، مکتوب ۲

۴۱ - ایضاً جلد۱، مکتوب ۱۷۸

۴۲ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۴۲، ۴۳، ۴۴، مکتوبات معصوم جلد۱، نمبر۶۴

۴۳ - مقامات معصومی ورق ۳۱۳، ۳۱۴، روضۃ القیومیہ (ص ۲۲۵) نے سال ولادت ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۵ء لکھا ہے۔

۴۴ - خزینۃ الاصفیا جلد۱، ص ۶۴۶

۴۵ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۴۰

۴۶ - مقامات معصومی ورق ۳۱۴

۴۷ - ایضاً ورق ۳۱۵

۴۸ - مکتوبات معصومی جلد۳، مکتوب نمبر۲۲۱ ص ۲۸۳ (اردو ترجمہ) رود کوثر ص ۴۸۰

۴۹ - مقامات خیر، ص ۶۵

۵۰۔ مکتوبات معصوم جلد ۳، مکتوب نمبر ۲۲۷، رودکوثر ص ۴۸۰

۵۱۔ مقامات خیر ص ۶۵

۵۲۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۴۷

۵۳۔ مقامات خیر، ص ۶۴

۵۴۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۲۲۶،

۸۸۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۴۷

۵۶۔ مقامات معصومی، ورق ۳۲۲

۵۷۔ مکتوبات شیخ سیف الدین مکتوب ۷، ورق ۱۲

۵۸۔ ایضاً " مکتوب ۳۵، ورق ۴۰

۵۹۔ مکتوبات شیخ سیف الدین ورق ۹

۶۰۔ ایضاً " ورق ۲۶

۶۱۔ ایضاً " ورق ۵۷

۶۲۔ ایضاً " ورق ۱۳۲

۶۳۔ ایضاً " مکتوب نمبر ۱۴۸، ورق ۱۲۰ – ۱۲۱

۶۴۔ ایضاً " مکتوب نمبر ۱۴۲، ورق ۱۱۷

۶۵۔ مقامات خیر " ص ۶۵

۶۵ر۱۔ مکتوبات شیخ سیف مکتوب نمبر ۱۴۲، ورق ۱۱۷

۶۶۔ ایضاً مکتوب ۱۶۴، ورق ۱۳۲

۶۷۔ حضرات القدس جلد ۲، ورق ۴۹۱

۶۸۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۶۸

۶۹۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۸۷

۷۰۔ حضرات القدس جلد ۲، ورق ۵۰۹

۷۱۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۵۰۳، ۵۱۶

۷۲۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۵۱۹

۷۳۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۵۲۱

۷۴۔ اسٹوری جلد ۱، پارٹ ۲، ص ۱۰۰۱

۷۵۔ حضرات القدس جلد ۲ ورق ۵، ۶

۷۶۔ ایضاً جلد ۲ ورق، ۱۰۳

۷۷۔ ایضاً جلد ۲ ورق ۱۶۸، ۱۶۹

۷۸۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۶۹

۷۹۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۶۹

۹۰۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۶۹، اسٹوری جلد ۱ پارٹ ۲، ص ۱۰۰۱

۹۱۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۷۰

۹۲۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۷۱

۸۳۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۴۳۶

۸۴۔ اسٹوری جلد ۱ پارٹ ۲، ص ۱۰۰۱

۸۵۔ حضرات القدس جلد ۲، (نمبر ۶۲) ورق ۲۰۴

۸۶۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۷۰—۱۷۱

۸۷۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۷۰—۱۷۱

۸۸۔ اسٹوری جلد ۱، پارٹ ۲، ورق ۱۰۰۲

۸۹۔ حضرات القدس جلد ۲، ورق ۱۹۷

۹۰۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۹۷

۹۱ ۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۲۴۵

۹۲۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۱۷-۱۱۶ اس کا نام حسنات الحرمین اور یاقوت احمر بتاتا ہے۔

۹۳ ۔ مخطوطہ حسنات الحرمین ورق ۱۶۴

۹۴ ۔ ایضاً ورق ۱۶۵

۹۵ ۔ قلمی نسخہ مقامات معصومی ورق ۱۶

۹۶ ۔ ایضاً ورق ۱۶

۹۷ ۔ ایضاً ورق ۲ - ۶

۹۸ ۔ ایضاً ورق ۲ - ۶

۹۹ ۔ ایضاً ورق ۱۵

۱۰۰ ۔ ایضاً ورق ۲۷۳

۱۰۱ ۔ ایضاً ورق ۲۵۸

۱۰۲ ۔ ایضاً ورق ۲۵۹

۱۰۳ ۔ ایضاً ورق ۳

۱۰۴ ۔ ایضاً ورق ۱۶

۱۰۵۔ نزہۃ الخواطر جلد ۲، ص ۱۱۳

۱۰۶۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۲۹

۱۰۷ ۔ مکاتیب محمد نقشبند، مکتوب ۲۶، بحوالہ رود کوثر ص ۴۸۶

۱۰۸ ۔ مآثر عالمگیری ص ۲۱۹ بحوالہ رود کوثر ص ۴۸۷

۱۰۹ ۔ علمائے ہند کا ماضی ص ۳۸۰ - ۳۷۹

۱۱۰ ۔ ایضاً ص ۳۸۱

۱۱۱ - نزہت الخواطر جلد ۶، ص ۳۲۲

۱۱۲ - ایضاً جلد ۶، ص ۴۲۲

۱۱۳ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۲۰۷ تا ۲۰۲

۱۱۴ - ایضاً پارٹ ۲، ص ۱۲ - ۲۱۱

۱۱۵ - ایوانوف (کرزن کلکشن) جلد ۲، ص ۸۲، محمد شاہ وفات: ۱۱۶۱ھ/۲۱۷۴۸

۱۱۶ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۱۲۷

۱۱۷ - تزک جہانگیری ص ۴۱۲

۱۱۸ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۲۰۰

۱۱۹ - بیل بائیگرافیکل ڈکشنری ص ۳۰۶

۱۲۰ - نزہت الخواطر جلد ۶، ص ۹۲

۱۲۱ - ایضاً جلد ۶، ص ۲۷۶

۱۲۲ - خزینۃ الاصفیا ص ۶۶۳

۱۲۳ - نزہت الخواطر جلد ۶، ص ۱۹۶

۱۲۴ - ایضاً جلد ۶، ص ۱۹۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پنہاں بگیر

ترجمہ

اے مولائے کریم! تو دونوں عالموں سے غنی بے پرواہ اور غنی ہے اور میں ایک لاچار عاجز انسان اور فقیر بے نوا ہوں میری عاجزانہ درخواست ہے کہ روزِ قیامت میری تقصیروں کا عذر سننا نہیں بلکہ اپنی بخشش اور اپنے عفو کرم اور رحم سے نوازنا۔ رب عزت! اگر تو فیصلہ کرے کہ دنیا میں میرا حساب کتاب لینا ناگزیر اور ضروری ہے تو میں یکتائے لاریب سے ایک عاجزانہ [illegible] دعا [illegible] نامۂ [illegible] حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ لینا [illegible] دنیا میں [illegible] ندامت کا [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خانوادۂ مجددیہ سے قائداعظم کے اجداد کی عقیدت

سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

☆☆

گردن نہ جُھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(اقبال)

فیض صمدانی محبوب حقّانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سُنّی حنفی نقشبندی سرہندی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) عالمِ اسلام کی ایک عظیم المرتبت اور مایۂ ناز شخصیت ہیں۔

آپ کا نام نامیِ اسمِ گرامی احمد، کنیت ابوالبرکات اور لقب بدرالدّین ہے۔ عالمِ اسلام کی طرف سے دیے گئے القاب میں ''مجدد الف ثانی'' اور ''امام ربانی'' کو شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل ہے۔

بیشتر علوم اپنے والدگرامی حضرت شیخ عبدالاحد چشتی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) سے حاصل کیے ... مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے معقول و منقول علوم کی تحصیل فرمائی۔ قلعہ گوالیار میں قید کے زمانہ میں قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔

آپ کو طریقت کے مختلف سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے استاد محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے، سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد چشتی

(م ۔ ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء) سے، سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ سکندر کیتھلی (م ۔ ۱۰۲۳ھ/ ۱۶۱۴ء) سے، اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ (م ۔ ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ء) رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے اجازت وخلافت حاصل فرمائی...... آپ کا میلان سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف زیادہ رہا اور آپ نے اسی سلسلہ میں لوگوں کو بیعت کر کے فیض عام کیا......

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ساری زندگی عظیم الشان تجدیدی کارناموں میں گزری...... قلعۂ گوالیار میں قید کے زمانے میں آپ نے اپنے احباب، مخلصین اور فرزندان گرامی کو جو مکتوبات شریف ارسال فرمائے ہیں وہ دعوت وعزیمت کا ایک سنہرا باب ہے، علم وحکمت کا ایک نادر خزانہ ہے۔ عہد اکبری اور عہد جہانگیری میں آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی نہایت سختی سے تردید فرما کر ملّتِ اسلامیہ کو از سرِ نو زندہ کیا...... دو قومی نظریہ پیش فرمایا اور یہی نظریہ آگے چل کر تحریک پاکستان کی اساس بنا۔[1]

ڈاکٹر محمود حسین وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کراچی فرماتے ہیں:

> ''حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی ان بزرگوں میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں، جنہوں نے اس برِّعظیم میں اسلام کے احیاء اور اس کی سیاسی سربلندی کے لیے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جہانگیر کے زمانے سے لے کر اب تک جو بھی اسلامی مفکر اس برِّعظیم میں پیدا ہوئے، اور جتنی بھی اسلامی تحریکیں یہاں اٹھیں ان کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں حضرت مجدد الف ثانی کے کام سے مسلّم ہے...... شاہ جہاں کی اسلام دوستی، عالمگیر کی حکمت عملی، حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اور خود تحریک پاکستان کی کڑیاں حضرت مجدد کی تعلیمات سے ملتی ہیں''۔[2]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا حلقہ بہت وسیع تھا، آپ کے مریدین میں قائداعظم کے اجداد بھی شامل تھے...... قائداعظم کو خدمت اسلام کا جذبہ ورثہ میں ملا تھا...... ان کے آباؤ اجداد نے مغل بادشاہ اکبر کے ''دین الٰہی'' کے خلاف حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کی عظیم قیادت میں لازوال اور قابلِ تقلید قربانیاں دی ہیں۔ اسی بناء پر قائداعظم کے اجداد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

سے گہری عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور خود میں ایک قسم کی تشنگی اور کمی محسوس کرتے تاوقتیکہ وہ آپ کے مزارپُرانوار سرہند شریف حاضری نہ دے لیں۔

اس ایمان افروز حقیقت کا انکشاف اہل سنّت وجماعت کے نامور خطیب مُسلم مسجد لاہور کے امام، تحریک پاکستان کے سرگرم مجاہد، قائداعظم کے مخلص اور معتمد اور مجلسِ شوریٰ کے سابق رکن مولانا محمد بخش مسلم بی اے علیہ الرحمۃ (م ۱۹۸۷ء) نے ایک یادگار انٹرویو میں فرمایا ہے:

> ''میں ایک مرتبہ قائداعظم ۔۔۔۔ سے ملا تو میں نے پوچھا کہ ''پاکستان کب بنے گا؟ انہوں نے کہا: ''یہ سوال بے معنی ہے''۔ پاکستان اس وقت ہی بن گیا تھا جس وقت پہلا ہندو مسلمان ہوگیا تھا۔'' میں نے کہا کہ: ''جس طرح برسوں پہلے آپ کے بزرگوں نے ہندوستان میں اسلام کو بچایا تھا... اسی طرح آپ بھی آج کے دور میں اسلام کو بچارہے ہیں''۔

میری یہ بات سن کر انہوں نے اس کی وضاحت مانگی تو میں نے کہا کہ:

> ''مغل بادشاہ اکبر نے جب دین الٰہی کا آغاز کیا تھا' حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس کی مخالفت کی تھی' اس مخالفت میں وہ لوگ بھی پیش پیش تھے جو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے اور یہ لوگ آپ کے اجداد تھے''۔ میری بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے اور بولے:
>
> ''آج مجھے پتا چلا ہے کہ میرے عزیز واقارب سرہند جانا کیوں ضروری سمجھتے ہیں''۔
>
> یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم ۔۔۔۔ کے اجداد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے گہری عقیدت رکھتے تھے، اور اس وقت تک وہ اپنے آپ کو مکمل نہیں سمجھتے تھے جب تک وہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضری نہیں دے لیتے تھے''۔[۳]

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے جب ملّا مبارک اور اس کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کی مدد سے اسلام کو ہندومت میں مدغم کرنے کی ناپاک تحریک ''دین الٰہی'' کے نام سے شروع کی، اور صرف یک قومی نظریہ پیش کیا تو ان نازک ترین حالات میں سرمایۂ ملت کے نگہبان حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے نہ صرف دو قومی نظریہ کا اعلان فرمایا بلکہ اسلام کے اس ازلی نظریہ کو حیات نو بخشی۔

اکبری دور کے فتنہ کے بعد بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں دوبارہ ایک قومی نظریہ کے فتنے نے سر اٹھایا' گمراہوں نے رام' رحیم کو ایک بتایا ''اللہ ایشور تیرو'' کا بھجن سنایا، ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگایا' گائے بھگتوں اور گائے کھاتوں کو متر بتایا' گاندھی نے پُر فریب جال بچھایا' ابوالفضل و فیضی کے فکری وارث نام نہاد علماء کو اپنے ساتھ ملایا' کسی کو کوئی خیال نہ آیا' احمد رضا علیہ الرحمۃ کو ملتِ اسلامیہ کے قومی درد نے تڑپایا' آپ نے بستر علالت پر ہی یہ فرمایا:

> ''غرض کتنے ہی فرقے ہوئے اور سب سے نئے (فرقہ) گاندھوی
> ہوئے' جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا' یہ سب بھیڑیے ہیں'
> تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں' ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ[۴]

امام اہل سنّت اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے جس شدومد کے ساتھ پاک وہند میں دو قومی نظریہ کا احیاء کیا' حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بعد اس کی نظیر ملنا محال ہے' حکیم الامّت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے بھی اسی اسلامی نظریہ قومیت کا پرچار کیا۔[۵]

قائداعظم۔۔۔ کے آباؤ اجداد نے اکبر کے ''دین الٰہی'' کے خلاف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی عظیم قیادت میں بے مثال قربانیاں دی تھیں' یہ بھی حسن اتفاق کہ جب قائداعظم دو قومی نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میدان عمل میں آئے تو حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کی اولاد امجاد نے بھی قائداعظم کو تنہا نہ چھوڑا بلکہ ان کے دستِ راست بن کر ان کے شانہ بشانہ کام کیا اور پاکستان حاصل کر کے دم لیا۔

مؤرخ پاکستان محمد صادق قصوری نقشبندی کی شہرۂ آفاق کتاب ''اکابر تحریک پاکستان'' (حصہ دوم) کے پیش لفظ میں زبدۃ الحکماء حکیم آفتاب احمد قرشی (صدر موتمر عالم اسلامی پنجاب' لاہور) لکھتے ہیں:

> ’’تحریک پاکستان میں سرہندی خاندان نے تاریخی خدمات سرانجام دی ہیں، آخر کیوں نہ ہو، وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، کی اولاد اور ان کی عظیم روایات کے علمبردار ہیں...... حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، برِّصغیر پاک و ہند کی سب سے بڑی اسلامی شخصیّت تھے...... اکبر نے اپنے عہد میں جو ’’دین الٰہی‘‘ کا بت تراشا تھا، حضرت مجدد قدس سرہ، نے اسے پاش پاش کر دیا، اکبر کے دور میں ’’متحدہ قومیّت‘‘ کا جال بچھایا گیا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، نے اپنی فراستِ ایمانی سے اس عظیم خطرے کو بھانپ لیا اور اس کے خلاف جہاد کیا، حضرت اس عظیم برِّصغیر پاک و ہند میں دو قومی نظریہ کے بانی تھے، ان کی رائے میں اسلام اور کفر دو متضاد قومیں تھیں، جن میں کبھی اتحاد نہیں ہوا...... اسی بناء پر اہل علم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، کو نظریہ پاکستان کا بانی قرار دیتے ہیں‘‘۔[۶]

یہاں چند لمحوں کے لیے خانوادۂ مجددیہ کے اُن درخشندہ اور تابندہ نفوسِ قدسیّہ کا تذکرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا جن کے فیوض و برکات سے قائدِاعظم مستفیض ہوئے، دو قومی نظریہّ کو تقویّت ملی اور مملکتِ خداداد پاکستان معرضِ وجود میں آئی...... جو اب عالم اسلام کی پہلی واحد ایٹمی طاقت ہے اور ان شاءاللہ تا قیامت قایم رہے گی۔

☆...... پیر محمد اسماعیل جان روشن سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء) خانوادۂ مجددیہ کے ایک روشن ستارے ہیں، تحریک پاکستان میں آپ نے بھرپور طریقے سے حصّہ لیا اور مسلم لیگ کا ہر طرح سے ساتھ دیا حتیٰ کہ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں آپ سندھ میں مسلم لیگ کے صدر رہے۔[۷]

☆...... پیر محمد حسن جان سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) سرہندی خاندان کے گوہر آبدار ہیں، آپ نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں مسلم لیگ کی بھرپور امداد کی، مریدین کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالنے کا حکم دیا اور بااثر لوگوں کو خطوط لکھ کر مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا۔[۸]

☆...... پیر محمد حسین جان سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۶۸ھ/۱۹۵۰ء) سرہندی خانوادے کے ایک ممتاز فرد ہیں، آپ نے کانگریسیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، میرپور خاص میں مسلم لیگ کے

عظیم الشان جلسے کرائے، ۱۹۳۸ء میں ایک عظیم الشان جلسہ میں قائداعظم تشریف لائے اور ایمان افروز خطاب سے حاضرین کے قلب کو گرمایا۔ جس سے مسلم لیگ کی دھاک بیٹھ گئی اور کانگریسی مولویوں کی زبانیں گنگ ہونے لگیں، ۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن انتخابات میں آپ کی حمایت سے مسلم لیگی امیدوار غلام محمد واسن تھرپارکر سے کامیاب ہو کر سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور کانگریس کے امیدوار شکست سے دوچار ہوئے۔[9]

☆ پیر غلام محمد سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) خانوادۂ مجددیہ کے ایک دمکتے ہوئے آفتاب ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران جب آپ کی خدمت میں جواہر لال نہرو حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ”آپ دعا کریں کہ قائداعظم پاکستان کے مطالبہ سے باز آجائیں اور یہ نیا راستہ چھوڑ دیں“ تو آپ نے فرمایا: ”تم جس چیز کو چھوڑنے کے لیے مجھ سے سفارش کرنا چاہتے ہو اس کو اللہ نے منظور کر لیا ہے، یہ ملک ہر حال میں بن کر رہے گا، اب بھلا میں قائداعظم سے اس کے خلاف کیسے کہہ سکتا ہوں۔“

قائداعظم نے اپنے خاص رفقاء موسیٰ قلعہ دار اور محمد علی مینار کے ذریعے آپ کو یہ پیغام بھجوایا کہ میری رہبری اور رہنمائی فرمائیں کہ پاکستان کے حصول کے لیے جو میں جدوجہد کر رہا ہوں اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوگی یا نہیں آپ نے قائداعظم کو کہلوایا کہ

> ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہارے سر پر پگڑی بگڑ رہی تھی۔ حضور سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو درست فرما دیا ہے لہٰذا مطمئن رہو ان شاء اللہ پاکستان ضرور بنے گا اور اس کا سہرا تمہارے سر ہوگا“...

پاکستان بننے کے بعد نہ صرف آپ خود یہاں تشریف لے آئے بلکہ ہندوستان کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کو جو آپ سے ارادت رکھتے تھے ان کو بھی یہاں آنے کی دعوت دی اور یہاں کاروبار کرنے کا حکم دیا تاکہ پاکستان کو مستحکم بنایا جا سکے۔[10]

☆ نورالمشائخ ملا شور بازار کابلی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء) گلستانِ مجددیہ کے ایک مہکتے ہوئے پھول ہیں، قائداعظم نے مسلم لیگی وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کی اور تعاون کی

درخواست کی تو آپ نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور اپنے تمام مخلصین کو مسلم لیگ میں شمولیت کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کے مریدین جو قبائلی علاقہ بلوچستان، گجرات کاٹھیاواڑ، ڈیرہ اسماعیل خان تک پھیلے ہوئے تھے مسلم لیگ کے کارکن بن گئے۔ [۱۱]

☆......پیر غلام مجدد سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) خانوادۂ مجددیہ کے چمکتے ہوئے آفتاب ہیں...... آپ نے پورے سندھ میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں اور اسے عوامی جماعت بنایا...... ۱۹۴۶ء میں سندھ میں فیصلہ کن انتخابات ہوئے، اور مسلمانوں کے سو فیصد ووٹ پاکستان کے قیام کے لیے پڑے۔

ایک دفعہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ مسٹر جناح کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے مقصد کو بروئے کار لانے والا یہی شخص ہوا ہے، اگر کوئی اور ہوتا تو ہم اس کے پیچھے لگ جاتے، جناح تو ایک مسلمان وکیل ہے جو بغیر پیسے اور فیس کے مسلمانوں کی وکالت کر رہا ہے، کیا کافر کو وکیل نہیں بنایا جاتا؟ بلکہ فیس بھی دی جاتی ہے''۔ [۱۲]

☆......پیر عبداللہ جان سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء) گلستانِ مجددیہ کے گلِ سرسبد ہیں، آپ نے اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قیام پاکستان کے لیے دیوانہ وار کام کیا، اپنے تمام مریدوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی تاکید فرمائی۔ [۱۳]

☆......پیر حافظ محمد ہاشم جان سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) سرہندی مجددی خاندان کے جگمگاتے ہوئے آفتاب ہیں، تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ میں شامل ہوئے، اور اپنی تمام تر قوتوں کو مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیا، سندھ کے دیوبندی علماء کی تمام تر ہمدردیاں کانگریس سے وابستہ تھیں، آپ نے دیگر علماء و مشائخ اہل سنت کے ساتھ مل کر ان کے اثر و رسوخ کو زائل کیا۔ [۱۴]

☆......پیر محمد اسحاق جان سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) سرہندی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں، تحریک پاکستان کے دوران ۱۹۴۳ء کو جب قائد اعظم میرپور خاص تشریف لائے تو آپ نے استقبال کے لیے نوجوانوں کے گروپ تیار کیے، ان گروپوں کے قائد بھی آپ ہی تھے، قائد اعظم نے از راہ محبت آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر اظہار خوشنودی کیا اور آپ

کے جوش و ولولہ کو خراج تحسین پیش کیا، مسلم لیگ ضلع تھر پارکر کے صدر کی حیثیت سے آپ نے سندھ میں ہر محاذ پر مخالفین پاکستان سے ٹکر لی اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ [۱۵]

☆ ...... پیر عبدالستار جان سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ نے تحریک پاکستان میں بڑا فعال کردار ادا کیا، ۲۲ ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو ''سندھ مسلم لیگ کونسل'' کی میٹنگ ہوئی، اس موقع پر قائداعظم بھی تشریف لائے، اس میٹنگ میں سات ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جن میں پیر عبدالستار جان سرہندی علیہ الرحمۃ بھی شامل تھے، اس کمیٹی نے بڑا کام کیا، کانفرنسیں کرائیں، لٹریچر عام کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں سندھ کے اندر مسلم لیگ کی ۴۵۰ شاخیں قائم ہوگئیں، کانگریس اور اس کی ذیلی جماعتیں بُری طرح ناکام ہوئیں۔ [۱۶]

☆ ...... پیر غلام مرتضٰی سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ خاندان مجددیہ کے آفتاب ہیں۔ آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ۲۸ ر جنوری ۱۹۴۰ء کو کراچی میں سندھ مسلم لیگ کی جنرل باڈی کے اجلاس میں تیس ارکان پر مشتمل جو ورکنگ کمیٹی بنائی گئی اس میں آپ بھی شامل تھے، ۲۵ ر جنوری ۱۹۳۹ء کو ملیر کراچی میں ضلعی مسلم لیگ کانفرنس ہوئی اس کا تمام انتظام و انصرام آپ نے فرمایا تھا...... ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۳ء ضلع کراچی کے صدر منتخب ہوتے رہے، ۱۹۴۴ء میں ضلع کراچی سے سندھ مسلم لیگ کے صوبائی کونسلر منتخب ہوے، اسی طرح ۱۹۴۵ء میں سندھ مسلم لیگ کے سالانہ انتخابات میں دس ارکان پر مشتمل جو ورکنگ کمیٹی بنائی گئی اس میں بھی آپ کو ممبر منتخب کیا گیا۔ [۱۷]

☆ ...... پیر محمد ابراہیم جان خلیل سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ مجددی گھرانے کی ایک روشن شمع تھے...... آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مسلم لیگ کی خدمت کے لیے دن رات کمر بستہ رہے، کانگریسی علماء کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، تقریر و تحریر کے ذریعے نظریۂ پاکستان کی تشہیر کی اور ہندوؤں کے ایجنٹوں کی خوب قلعی کھولی۔ [۱۸]

☆ ...اسی طرح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے دوسرے علماء کرام اور مشائخ عظام نے بھی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی اولاد پاک کے نقشِ قدم پر چلتے ہوے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ بھرپور تعاون فرمایا تھا چند اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیے:

خواجہ عبدالصمد المعروف حضور جی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء)، پیر سیّد جماعت علی شاہ لاثانی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء)، پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۷۰ھ/

۱۹۵۱ء)، پیر فضل حق، کربوغہ شریف علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء)، میاں غلام اللہ شرقپوری علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء)، پیر معصوم بادشاہ چوراہی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء)، خواجہ غلام محمد ابنالوی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء)، پیر سیّد محمد حسین علی پوری علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء)، مولانا فقیر اللہ نیازی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء)، مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء)، سیّد منظور احمد مکان شریفی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء)، پیر سیّد سعید شاہ بنوری کوہاٹی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء)، مولانا محمد علم الدین فرید کوٹی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۴ء)، سیّد محمود شاہ گجراتی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء)، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی علیہ الرحمۃ (م ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء)

اسی طرح دیگر سلاسل طریقت قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کے علماء کرام اور مشائخ عظام نے بھی تحریک پاکستان میں قائد اعظم کی بھرپور حمایت کی تھی۔[۱۹]

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اکبر کے بعد بھی جہانگیر بادشاہ کے ہر قسم کے دباؤ کے باوجود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور آپ اس کے شاہی جاہ و جلال کے سامنے کسی قیمت پر نہ جھکے...... مصور پاکستان علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے آپ کی اسی عزیمت پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار[۲۰]

قائد اعظم محمد علی جناح کے آباؤ اجداد کو حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کی قیادت میسر تھی، ان کو بھی نہ جھکنے اور نہ بکنے کا درس گویا ورثہ میں ملا تھا انگریزوں، ہندوؤں، سکھوں، قادیانیوں اور غدار نام نہاد مسلمانوں کے ہر طرح کے شدید دباؤ کے باوجود آپ بھی ثابت قدم رہے اور کسی موقعے پر بھی نہ بکے نہ جھکے، یہاں صرف ایک واقعہ سماعت فرمایئے اور ان کی ثابت قدمی کو داد دیجیے:

> ''قائد اعظم محمد علی جناح ...... ایک مرتبہ سینٹرل اسمبلی میں تقریر کر رہے تھے، آپ ہمیشہ ایک آنکھ پر چشمہ لگاتے تھے اتفاق سے ان کا یہ ایک چشمہ گر گیا، لوگوں نے سوچا کہ ''اب تو انہیں جھک کر یہ چشمہ اٹھانا

> پڑے گا''۔ لیکن لوگوں کی حیرت کی انتہا ہوگئی جب انہوں نے اپنی جیب سے دوسرا ایسا ہی چشمہ نکال کر اپنی آنکھ پر لگایا اور اپنی تقریر جاری رکھی''۔[۲۱]

۱۴راگست ۱۹۴۷ء کو جب متحدہ ہند کا آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن آزادی کی تقریبات میں حصہ لینے کراچی آیا اور اس نے اپنی تقریر میں قائداعظم کی توجہ اقلیتوں کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا:

> ''مجھے امید ہے کہ اقلیتوں کے سلسلے میں پاکستان میں اکبر کی تقلید کی جائے گی''۔

جواب میں قائداعظم نے برجستہ فرمایا.

> ''ہمیں اکبر کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟...... ہم اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں گے...... جنہوں نے ۱۳رسو سال پہلے صرف الفاظ ہی سے نہیں بلکہ عملاً عیسائیوں اور یہودیوں سے انتہاء درجے کی رواداری کا سلوک کیا اور ان کے عقیدے اور دین کا ازحد احترام کیا''۔[۲۲]

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو مغل بادشاہ اکبر کے نام سے مغالطہ دینا چاہا۔ ...شاید اسے علم نہیں تھا کہ اکبر کے ''دین الٰہی'' کے خلاف جہاد میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی زیر قیادت قائداعظم کے اجداد کرام بھی شامل تھے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن جانتا نہ تھا یا جاننے کے باوجود قصداً دھوکا دینا چاہتا تھا ورنہ ''اکبری نظریات'' کے تحت تو ''دوقومی نظریہ'' اور قیام پاکستان کی بھی ضرورت نہ تھی ...... اکبر تو ''متحدہ قومیت'' کا غالی علمبردار تھا' قائداعظم نے اکبر کے ''مسلم نما نام'' سے دھوکا نہ کھایا اور نہ اس کی الحاد پرستی کی تائید کی۔ بلکہ نہایت عمدہ برجستہ جواب دیا جس سے آپ کی اسلامی نظام سے محبت آشکارا ہے۔ یوں بھی جس شخصیت کو امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی محبت خاندان سے ورثہ میں ملی تھی وہ ''دین الٰہی'' کے موجد اکبر ملحد کی کیونکہ تائید کر سکتے تھے۔

آخر میں نور المشائخ حضرت ملّا شور بازار کابلی سرہندی مجددی علیہ الرحمۃ کے ان الفاظ پر مقالہ کا اختتام کرتا ہوں:

> ''جب تک تمام اسلامی ممالک اپنے سب ذاتی اختلافات ختم نہیں کرتے، اور ایک رشتۂ اخوت میں متحد نہیں ہوں گے اسی طرح ذلت کی زندگی گزاریں گے' بڑی طاقتوں اور اسلام دشمن قوتوں کا کھلونا بنے رہیں گے' مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ہم اپنی صفوں میں اتحاد و استحکام قائم کرلیں تو وہی طاقتیں اسلام کے دروازے کی سوالی بن جائیں گی''۔[۲۳]

☆......☆......☆

حواشی:

۱...... دیکھیے: محمد عبدالحکیم شرف قادری' مولانا: دوقومی نظریہ حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کی نظر میں، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۷ء

۲...... محمد مسعود احمد' پروفیسر ڈاکٹر: سیرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء ص ۸ (تقریب)

۳ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور اگست ۱۹۸۳ء ص ۲۰

۴ حسنین رضا خاں بریلوی' مولانا: ایمان افروز وصایا شریف، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۸

۵ دیکھیے: محمد عبدالحکیم شرف قادری' مولانا: دوقومی نظریہ حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کی نظر میں، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۷ء

۶ محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان حصہ دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء ص ۴۸

۷ ابوالخیر محمد زبیر' صاحبزادہ' ڈاکٹر: سندھ کے صوفیائے نقشبند، حصہ اوّل مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء ص ۱۳۷

۸ محمد عبدالحکیم شرف قادری' مولانا: تذکرہ اکابر اہل سنت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۴۴۹

۹ محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۱

۱۰ ابوالخیر محمد زبیر' صاحبزادہ' ڈاکٹر: سندھ کے صوفیائے نقشبند، حصہ دوم مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء ص ۴۰، ۴۱

۱۱ محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۸۳

۱۲ محمد صادق قصوری تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۹۷ تا ۹۹

۱۳.. محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۱۸۹

۱۴ محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۱۸۳

۱۵...... محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۱۸۷

۱۶.. محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۳۴

۱۷ محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۳۱

۱۸...... محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور (حصہ دوم) ۱۹۸۹ء ص ۸۱

۱۹...... تفصیل جاننے کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ ملاحظہ فرمائیے:

۱...... محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان، (دو جلدیں)، مطبوعہ لاہور

۲...... محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور

۳... محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور علما کرام، مطبوعہ لاہور

۴...... محمد صادق قصوری: مجید اللہ قادری، پروفیسر ڈاکٹر: تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی

۵...... محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا: تذکرہ اکابر اہل سنت، مطبوعہ لاہور

۶...... محمد صدیق ہزاروی، مولانا: تعارف علماء اہل سنّت، مطبوعہ لاہور

۷...... ابوالخیر محمد زبیر، صاحبزادہ ڈاکٹر: سندھ کے صوفیائے نقشبند، (دو جلدیں) مطبوعہ کراچی

۸...... فریدالدّین قادری، صاحبزادہ ڈاکٹر: سندھ کے اکابرین قادریہ کی علمی و دینی خدمات، مطبوعہ کراچی

۹...... محمد دین کلیم قادری: تذکرہ مشائخ قادریہ، مطبوعہ لاہور

۱۰...... عبدالرشید، پروفیسر، ڈاکٹر: تصوف، اولیائے مانکی شریف اور تحریک پاکستان، مطبوعہ کراچی

۲۰...... محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر: کلیات اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء ص ۴۵۱

۲۱...... ماہنامہ آستانہ، کراچی نومبر ۱۹۹۷ء ص ۳۵

۲۲...... سعید راشد، پروفیسر: گفتار و کردار قائداعظم، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۳۱

۲۳...... محمد صادق قصوری: تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۸۲

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نگارخانہ

(بعض مقالہ نگار کا مختصر تعارف)

مرتبہ
ڈاکٹر سید عدنان خورشید مسعودی

٥٥٧٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

نگارخانہ

☆☆

پروفیسر عبدالحفیظ کاردار

پروفیسر عبدالحفیظ کاردار ۱۵؍مئی ۱۹۴۰ء کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحفیظ کاردار کا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کے گھرانے سے تعلق ہے۔ انھوں نے گریجویشن بریلی شریف سے کیا اور پھر حیاتیات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی نیت سے علی گڑھ چلے گئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حیاتیات ہی کی ایک شاخ زولوجی (Zoology) میں ۱۹۶۶ء میں ماسٹرز کیا اور پھر کچھ عرصہ کے لیے بریلی کالج میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۶۷ء میں انڈین کونسل آف ایگریکلچرل ریسرچ (ICAR) سے منسلک ہوگئے۔ پہلا تحقیقی رسالہ ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا اور اسی سال آپ نے جموں و کشمیر کا دورہ کیا اور وہاں کی زمین میں پائے جانے والے حشرات الارض پر نہایت جامع تحقیق کی جو کہ ۱۹۷۵ء میں جاپان کے تحقیقی رسالہ میں شائع ہوئی۔

آپ کی شاندار تحقیق کا ثمر آپ کو ۱۹۸۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے عطا کی جانے والی ڈاکٹریٹ (Ph.D) کی ڈگری کی صورت میں ملا۔ آپ کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کو پروفیسر کیوزو یاتسومائسو (جاپان) اور پروفیسر ایم جی رام داس مینون (انڈیا) نے بہت سراہا۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کی ان ہی تحقیقی خدمات کے عوض آپ کو تاحیات انڈیا کی ایکرولوجیکل سوسائٹی کا ممبر نامزد کیا گیا۔

۸۶۔۱۹۸۵ء میں آپ نے سعودی عرب کی مقدس سرزمین کے حشرات الارض پر تحقیقی مقالہ تحریر کیا جو کہ بنگلور میں ہونے والی ساتویں بین الاقوامی کانفرنس میں پیش کیا گیا، جسے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا گیا۔

۱۹۹۰ء میں چیکوسلاویا میں منعقد ہونے والی آٹھویں بین الاقوامی کانفرنس میں آپ کا مقالہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۹۴ء میں انڈین انسٹیوٹ آف کیمیکل ٹیکنالوجی حیدرآباد میں اس ادارہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر

آپ کی تحقیقی خدمات کے اعتراف میں آپ کو چاندی کی شیلڈ پیش کی گئی۔ ۱۹۹۹ء بنگلور میں منعقدہ ایک سیمینار میں آپ نے برصغیر اور سرزمین عرب میں پائے جانے والے حشرات الارض پر نہایت جامع اور پُر مغز مقالہ پیش کیا۔ ۱۹۹۹ء میں آپ کو بنگلور ہی کی ایک یونیورسٹی آف ایگریکلچرل سائنس سے فیلوشپ کی ڈگری عنایت کی گئی۔ آپ ۹۲ـ۱۹۹۰ء میں آگرہ یونیورسٹی کے فیکلٹی ممبر بھی رہے یہ ہی نہیں بلکہ ۲۰۰۱ـ۱۹۹۹ء آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بھی فیکلٹی ممبر رہے۔ اس کے علاوہ آپ متعدد یونیورسٹیز کے امتحانی بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی کے زولوجی ڈپارٹمنٹ کو تیس سال تک اپنی خدمات سے فیض پہنچایا۔ آپ پوری دنیا میں ایک عمدہ محقق کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور آپ کی تحقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی تحقیق آج دنیائے طب اور دنیائے زراعت میں حشرات الارض کے باہمی تعلق کو عیاں کرنے کی کامیاب ترین کوشش ہے۔

ان ہی تحقیقی و تدریسی خدمات کے عوض آپ کو لیبیا کے گھریان میڈیکل کالج میں میڈیکل پیراسائٹولوجی کے شعبہ کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ آپ نے اس شعبہ کو باقاعدہ نہ صرف کالج میں قایم کیا بلکہ تحقیق کی نئی راہیں کھولیں۔ آج کل آپ دہلی میں مقیم ہیں جہاں آپ نے ”امام احمد رضا اکیڈمی اور ریسرچ سینٹر“ قایم کیا ہے، جہاں نہ صرف اعلیٰ حضرت کے کام اور آپ کی تعلیمات کو آگے بڑھایا جارہا ہے بلکہ برصغیر کے اہم ترین بزرگان دین ونفوس قدسیہ پر تحقیق کر کے ان کی شخصیات کو عوام الناس کے سامنے لایا جارہا ہے۔

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم دہم

☆☆

- نعت شریف...... امام احمد رضا محدث بریلوی
- مناقب...... عابد حسین عابد سہسوانی، قمر یزدانی، پروفیسر محمد حسین آسی، خالد محمود
- ابتدائیہ...... ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
- تاثرات

کشور اول

- شیخ احمد سرہندی...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- مفکر اسلام شیخ احمد سرہندی...... پروفیسر محمد وکیل احمد
- شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی...... ڈاکٹر ابو اعجاز رستم
- مقام مجدد الف ثانی...... ابو السرور محمد مسرور احمد

کشور دوم

- شیخ احمد سرہندی کی تحریک احیاء دین...... پروفیسر محمد اقبال مجددی
- اعلیٰ عربی زبان وادب کی مثال مکتوبات امام ربانی...... اورنگ زیب اعظمی
- مکتوبات خواجہ ہاشم کشمی بنام حضرت مجدد الف ثانی (فارسی، قلمی)...... خواجہ محمد ہاشم کشمی

- ......خواجہ محمد معصوم حرمین شریفین میں — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- ......شاہجہاں و اورنگ زیب کے مرشد کریم — ڈاکٹر محمد ادریس

کشور سوم

- ......نقشبندیہ سلسلہ تصوف — محمد حنیف راے
- ......قادری شہرت پانے والے مشائخ نقشبندیہ — محمد صادق قصوری
- ......ارشادات سید امام علی شاہ مکان شریفی — سید شعیب افتخار مسعودی
- ......مرزا مظہر جان جاناں اور
تصوف، ادیان و مذاہب کے درمیان وسیلہ — ڈاکٹر محمد تعظیم
- ......ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں — ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

کشور چہارم

- ......شاہ امان اللہ نقشبندی افغانی — مولانا عبدالباقی نقشبندی
- ......خواجہ فیض محمد شاہ قندھاری — پروفیسر غلام سرور رانا
- ......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ (سرحد) — راجہ نور محمد نظامی نقشبندی مجددی
- ......خواجہ غلام حسن نقشبندی (سواگ شریف) — محبوب احمد بھٹی نقشبندی
- ......خواجہ غلام قاسم کمبوہ نقشبندی — قاری محمد شریف کمبوہ
- ......خواجہ رکن الدین صدیقی نقشبندی — کوکب زمان
- ......خطہء پوٹھوہار میں
سلسلہء نقشبندیہ مجددیہ کی اولین کرن — راجہ نور محمد نظامی نقشبندی مجددی
- ......تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ پوٹھوہار — راجہ نور محمد نظامی نقشبندی مجددی
- ......بلوچستان میں نقشبندی خانقاہیں — ڈاکٹر سلطان الطاف علی
- ......مولانا سید حبیب اللہ نقشبندی توکلی — پروفیسر سید محمد کبیر احمد مظہر

...... مولانا سید محمد یوسف نقشبندی	پروفیسر سید محمد کبیر احمد مظہر
...... علامہ محمد نور بخش توکلی	صوفی عبدالستار طاہر مسعودی
...... حافظ محمد رانجھا نقشبندی مجددی	شاہد احمد خان مسعودی
...... چند ممتاز مشائخ نقشبندیہ (خواجہ محمد نامدار، صوفی محمد علی، خواجہ سید امین)	ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی
...... خواجہ محمد سعید نقشبندی (پیر مٹھا)	محبوب احمد بھٹی نقشبندی
...... مولانا غلام محی الدین قصوری	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
...... خواجہ فضل علی مجددی	محبوب احمد بھٹی نقشبندی
...... خواجہ محمد عبدالغفار فضلی نقشبندی	محبوب احمد بھٹی نقشبندی
...... علامہ سید حبیب احمد حبیب نقشبندی	پروفیسر شاہ انجم بخاری
.... حضرت کرماں والے	ملک بشیر احمد
... سلسلہ نقشبندیہ کے مخطوطات کی اشاعت میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی خدمات	ڈاکٹر مسرور احمد زئی

کشور پنجم

...... مرقعات علمیہ	ابوالسرور محمد مسرور احمد
...... مرقع جرائد نقشبندیہ	ملک محمد سعید مجاہد آبادی
...... نقشبندیہ مآخذ و مراجع	ویکا گارڈز
...... مرقعات	
...... مختصر تعارف جہان امام ربانی اقلیم یازدہم	

☆......☆......☆